جامع القواعد
حصّہ صرف
ڈاکٹر
ابواللیث صدّیقی
مرکزی اردو بورڈ

جدید لسانیات نے قواعد نویسی کے تصور کو بڑی حد تک بدل دیا ہے اور اس کے نتیجے میں قواعد کے موضوعات و مباحث بھی متاثر ہوئے ہیں ، یوں تو اُردو میں اور اُردو کے علاوہ دوسری زبانوں بالخصوص انگریزی میں اُردو قواعد کی بہت سی تالیفات موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی تاریخی قواعد نہیں ہے اور نہ ان کے مؤلفین نے جدید لسانیاتی مطالعے کے طریق کار کو پیش نظر رکھا ہے - جامع القواعد اُردو قواعد نویسی میں اس طرح کا پہلا تجربہ ہے ، پیش نظر حصہ صرف میں بہت سے نئے موضوعات و مباحث ایسے ہیں جو اس سے پہلے اس عنوان میں شامل نہیں کیے جاتے تھے اور تجزیہ کا پورا انداز لسانیاتی اور تحقیقی و تاریخی ہے - مؤلف نے اس سارے مواد کو پیش نظر رکھا ہے جو اب تک اس موضوع پر دستیاب ہو سکتا تھا اور جدید لسانیات کے فن میں اپنی تخصیص کی وجہ سے اسے ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے -

اس سے اُردو قواعد کو بجائے عربی فارسی قواعد کی تقلید کے اس کے اپنے مزاج کے مطابق مرتب کرنے کی راہ نظر آتی ہے اور اُردو زبان کے عہد بہ عہد صرفی ارتقاء کا بھی اندازہ ہوتا ہے -

---

اُردو کے لسانی ڈھانچے پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خالص آریائی زبان ہے اور اس کی بنیاد ایک ایسی اپ بھرنش پراکرت پر ہے جو سنسکرت کے زوال کے بعد پراکرتوں کے ارتقائی ادوار میں دوسرے دور کی اپ بھرنش ہے - آریائی عناصر

انتساب

اپنے استاد پروفیسر رشید احمد صدیقی
کے نام

ابواللیث صدیقی

جامع القواعد

حصۂ صرف

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
صدر و پروفیسر شعبۂ اردو
کراچی یونیورسٹی

مرکزی اردو بورڈ ، لاہور

بار اول : مارچ ۱۹۷۱ء
تعداد : گیارہ سو
قیمت : دس روپے

ناشر
اشفاق احمد
ڈائرکٹر مرکزی اردو بورڈ
۱ - اے - گلبرگ ، لاہور

طابع
رشید احمد چودھری
مکتبہ جدید پریس
۴ - شارع فاطمہ جناح ، لاہور

فہرست مضامین

مصدر ، اسم صوت ، اسم کنایہ ، اسم موصول ، اسم ضمیر ، ضمیر شخصی ، ضمیر استفہام ، ضمیر تنکیر ، صفات ضمیری ، اسم صفت اور اس کی قسمیں ، صفت مشبہ ، صفت نسبتی ، اسم عدد اور صفت عددی ، اسم عدد معین اور غیر معین اسم تفضیل اور اسم مبالغہ ، دراصل اردو میں نہیں ہیں صرف عربی فارسی کے اتباع میں اردو کے قواعد نویسوں نے لکھا ہے ، عربی فارسی کے بعض اسم تفضیل اور اسم مبالغہ اردو میں رائج ہیں ، اردو میں تفضیل اور مبالغہ کا اظہار ۔

باب ہشتم : فعل ، ۳۷۸

فعل کی تعریف ، اقسام فعل ، لازم اور متعدی ، فعل ناقص ، معروف اور مجہول ، مثبت و منفی ، امر ونہی ، افعال کی مختلف صورتیں ، خبری ، شرطی ، احتمالی ، امری ، مصدری ، فعل کا زمانہ ماضی — مطلق اور بعید — قریب — استمراری ناتمام شرطی تمنائی — حال — مستقبل — مضارع دراصل مستقبل ہے ، فعل کی جنس ، فعل کا صیغہ عدد ، فعل کی گردان ، مادہ فعل ، حالیہ تمام و ناتمام میں صیغہ جنس و عدد ، فعل کا اشتقاق یا افعال کے مختلف صیغوں کے بنانے کے قاعدے ، فعل ہونا کی گردان ، ماضی قریب و بعید بنانے کے قاعدے ، گردان لازم ، متعدی ، متعدی المتعدی ، اس سے ماضی مطلق بنانا ، ماضی مطلق کے استعمال کی بعض خاص صورتیں ، ماضی ناتمام اور استمراری ، ماضی تمام ، ماضی قریب ، ماضی شکی ، ماضی احتمالی ، ماضی شرطیہ اور تمنائی ، فعل حال ، حال مطلق ، حال ناتمام ، حال تمام ، حال احتمالی یا شکی ، فعل کا صیغہ امرونہی ، صیغہ مستبل ، مستقبل مطلق ، مدامی ، احتمالی ، استفہامی اور سوالیہ ، مستقبل کی نفی ، فعل منفی کی گردان ، نہ ، نہیں ، مت وغیرہ کا استعمال ، فعل کا

باب اول

تاریخی پس منظر

اردو زبان کا خاندان ، آریائی زبانوں کی تاریخ اور تقسیم ، ہند آریائی کا ارتقا ، سنسکرت ، پراکرت اور جدید ہند پاکستانی زبانیں اور بولیاں ، برصغیر پاکستان و ہند کی غیر آریائی زبانیں اور بولیاں ، اردو کا صرفی ارتقا ۔

انسانوں کی وسیع برادری کی طرح انسان کی زبانیں بھی بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں بٹی ہوئی ہیں ۔ اب تک کوئی ایسا قابل اعتماد جائزۂ لسانیہ نہیں ہوا ہے جس کی بنا پر روئے زمین پر بولی جانے والی تمام زبانوں اور بولیوں کی تعداد کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے ۔ ایک براعظم افریقہ میں ہی اتنی بولیاں موجود ہیں جن کی تعداد حیران کن ہے ۔ برصغیر پاکستان و ہند غیر آریائی اور آریائی زبانوں کا عجائب خانہ ہے ۔

زبانوں کی اس بڑی تعداد میں ایسی زبانیں بھی شامل ہیں جو اب زندہ اور بولی جانے والی زبانوں میں شمار نہیں ہوتیں ۔ مثلاً سنسکرت ۔ لیکن سنسکرت ایسی زبان ہے جس کا قدیم علمی اور ادبی ذخیرہ کسی نہ کسی حد تک محفوظ ہے ۔ بعض ایسی زبانیں بھی تھیں جن کے آثار بتاتے ہیں کہ وہ ایک اعلیٰ تہذیب اور تمدن کی ترجمان تھیں لیکن انقلابات نے انھیں ایسا مٹایا کہ اب ان کا نام بھی باقی نہیں ۔ موہنجودارو اور ہڑپہ کے آثار قدیمہ آج سے کم و بیش پانچ ہزار سال پہلے اس علاقے میں ، جو اب مغربی پاکستان کہلاتا ہے ، ایک عظیم اور ترقی یافتہ تمدن کے یادگار ہیں ۔ لیکن وادیٔ سندھ کے ان بسنے والوں کی زبانوں اور بولیوں کے آثار ایسے مٹے کہ اب تک ان کا سراغ نہیں لگایا جا سکا ۔ چند مہروں پر جو نقوش دریافت ہوئے ہیں وہ ایک قدیم رسم الخط کا سراغ ضرور دیتے ہیں لیکن اب تک ان کو یقینی طور پر پڑھا نہیں جا سکا

ہے - بعض زبانیں ایسی ہیں جو فنا ہو چکی تھیں اور پھر دوبارہ زندہ ہوگئیں - ان کی ایک مثال عبرانی زبان ہے جو صدیوں سے بولی جانے والی زبان کی حیثیت سے مر چکی تھی اور لسانی آثار قدیمہ میں شمار ہوتی تھی - اسرائیل کی نوزائیدہ حکومت نے جب اسے اپنی قومی اور سرکاری زبان قرار دیا تو اسے دوبارہ زندگی ملی اور اب یہ عام روزمرہ کاروبار زندگی میں استعمال ہونے لگی -

پھر زبانوں اور بولیوں کی تعداد اور وسعت میں بھی یہی رنگا رنگی نظر آتی ہے - ایک طرف افریقہ میں بعض ایسی بولیاں ہیں جن کے بولنے والے قبیلے صرف دو تین سو افراد تک محدود ہیں اور یہ بھی رفتہ رفتہ اپنے آس پاس کے علاقوں کی زبانوں اور بولیوں کے زیر اثر اپنی بولی کو آہستہ آہستہ بھولتے جا رہے ہیں - اور دوسری طرف چینی جیسی زبان ہے جس کے بولنے والے کروڑوں جمہوریۂ چین کے باشندوں کے علاوہ جنوب مشرق ایشیا کے دوسرے ممالک میں دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں - بعض زبانیں ایسی ہیں جو صرف بولی کی حیثیت رکھتی ہیں اور روز مرہ بول چال کے معمولی مطالب ادا کرنے کے قابل ہیں - ان میں سے بعض تحریر سے بھی محروم ہیں - اور بعض زبانیں ایسی ہیں جن میں علم و حکمت کے وسیع ذخیرے ہیں - سنسکرت ، یونانی ، لاطینی اور عربی اسی قسم کی زبانیں ہیں - جدید السنہ میں انگریزی ، فرانسیسی اور روسی کو یہ درجہ حاصل ہے -

جغرافیائی اعتبار سے بھی زبانوں کے پھیلاؤ کی داستان نہایت دلچسپ ہے - منگول خاندان کی زبانیں اور بولیاں منگولیا کے علاقے سے ترکی کے یورپی حصے تک پھیلی ہوئی ہیں - آریائی اصل و نسل سے تعلق رکھنے والی زبانوں اور بولیوں کا حلقہ برصغیر پاکستان و ہند کی مشرق سرحدوں سے لے کر افغانستان ، ایران ، روس ، یونان ، اطالیہ ، فرانس ، اسپین ، پرتگال اور برطانیہ تک پھیلا ہوا ہے بلکہ نئی دنیا میں بھی انگریزی اور فرانسیسی کے استعمال نے اس حلقے کو نئی حدود اور وسعتوں سے آشنا کرایا ہے - براعظم افریقہ کی بعض نوآبادیوں میں بھی فرانسیسی اور انگریزی بولی جاتی ہے - سامی زبانوں کا حلقہ جس میں عربی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے ، عراق ، شام ، شرق اردن ، فلسطین ، سعودی عرب ، یمن سے لے کر مصر تک

بلکہ اس سے آگے بڑھ کر الجزائر تک پھیلا ہوا ہے ۔ ان زبانوں کے عروج و زوال کی داستان ان قوموں کے عروج و زوال کی داستان ہے جو ان کی بولنے والی تھیں ۔ مثلاً عربی جو سلطنت اسلامیہ کے دور عروج میں ہسپانیہ سے لے کر برصغیر پاکستان و ہند تک اسلامی دنیا کی علمی و ادبی زبان تھی اور جس کے اثرات انڈونیشی اور ملائی زبانوں میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ بلکہ اسی عربی نے دنیائے اسلام کی غیرسامی زبانوں کی علمی اور ادبی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے ۔ اس کی مثال آریائی زبانوں میں فارسی اور اردو ، منگولی زبانوں میں ترکی اور افریقی زبانوں میں بربر پر عربی کے اثرات کے مطالعے سے ملتی ہے ۔

دنیا کی زبانوں میں اس اختلاف کی کثرت اور شدت کی ایک قدیم افسانوی توجیہ یہ ہے کہ ایک زمانہ انسانی تمدن کی تاریخ میں ایسا تھا جب انسانوں کی بستی محدود تھی اور اس بستی کے رہنے والے سب ایک ہی زبان بولتے تھے ۔ ان انسانوں نے جب تہذیبی ترقی کے منازل اور مدارج طے کیے تو انھیں اپنی اس ترقی پر اتنا ناز ہوا کہ تکبر کی حد تک پہنچ گیا اور روئے زمین کے ان باشندوں نے آسمان تک پہنچنے کے منصوبے بنائے اور اس کی تکمیل کے لیے بابل کے مقام پر ایک بلند مینار تعمیر کرنا شروع کیا ۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے علم و ہنر سے ایک ایسا مینار استوار کر لیں گے جس پر چڑھ کر وہ آسمان کو چھو لیں گے ۔ مینارہ تیار ہو گیا اور یہ متکبر انسان اس بلند مینار پر چڑھ گئے ۔ لیکن تکبر کا انجام یہ ہوا کہ حکم الٰہی سے وہ مینار منہدم ہو کر زمین پر آ رہا اور مغرور انسان دور دور تک بکھر گئے اور پھر ان کی زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوگئیں کہ ایک کی بات دوسرے کی سمجھ میں نہ آتی تھی ۔ اس واقعے کی بازگشت اب بھی ہماری زبان میں مینارۂ بابل کے استعارے میں موجود ہے ۔ لیکن یہ اس زمانے کی بات ہے جب انسانی ذہن نے زبانوں کے اصل و نسل کا پتا لگانے کے لیے علمی اور سائنٹفک طریق کار نہیں سیکھا تھا ۔ وہ علم جسے آج جدید لسانیات کے نام سے پکارا جاتا ہے زبانوں کی تقسیم اور اختلاف کی علمی توجیہات کرنے پر قادر ہے ۔

زبانوں کی علمی توجیہ کے مطابق دنیا کی تمام زبانیں باعتبار ساخت کئی بڑے گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں ۔ ان میں افریقی زبانوں کو

چھوڑ کر جن کا ایک الگ قبیلہ ہے ، اور ان زبانوں سے بھی قطع نظر جیسے اسکیمو قبیلوں کی بولیاں ہیں جن کی اصل و نسل کی تحقیق کا مرحلہ ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے ، تین گروہ ایسے ہیں جو باعتبار ساخت الگ الگ کیے جا سکتے ہیں ۔ ایک گروہ ایسی زبانوں کا ہے جو تجریدی زبانیں ہیں یعنی ان زبانوں میں ہر لفظ جو بولا جاتا ہے ایک مجرد لفظ ہوتا ہے جو نہ کسی دوسرے لفظ سے مشتق ہوتا ہے اور نہ جس سے کوئی دوسرا لفظ مشتق ہو سکتا ہے ۔ ایسی زبانوں میں ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں اور معنی کا تعین بیشتر الفاظ کے سیاق و سباق اور لفظ کے ادا کرنے میں لہجے کے اتار چڑھاؤ پر منحصر ہے ۔ اس قبیل کی زبانوں میں چینی سب سے اہم اور نمایاں ہے ـــ اس میں ایک ہی لفظ کو لہجے کے اتار چڑھاؤ سے چھ مختلف صورتوں میں ادا کیا جا سکتا ہے اور ہر صورت میں لفظ کے ایک نئے معنی پیدا ہو جاتے ہیں اور ان مختلف معنوں میں کوئی معنوی تعلق یا ربط نہیں ہوتا ۔ پھر ان میں سے ہر لفظ جملے میں اپنے محل وقوع کے اعتبار سے مختلف معنی رکھتا ہے ۔ ان زبانوں میں اشتقاق اور گردانوں کا بکھیڑا نہیں ہوتا ۔

دوسری قسم کی زبانیں وہ ہیں جن میں اشتقاق تو ہوتا ہے یعنی ایک لفظ سے دوسرا لفظ تو بن جاتا ہے لیکن ایسے مرکبات یا مشتقات میں اجزائے مرکب میں کسی قسم کی اندرونی تبدیلی یا تغیر نہیں ہوتا ۔ عام طور پر اجزا سابقوں اور لاحقوں کی صورت میں استعمال ہوتے ہیں اور ہر جزو اپنی مستقل شکل و صورت قائم و برقرار رکھتا ہے ۔ اس قسم کی زبانوں کی ایک مثال ترکی زبان ہے ۔ مثلاً شیشہ (بمعنی بوتل) واحد شیشہ لر (بوتلیں جمع) شیشہ لرم (میری بوتلیں) شیشہ لرین (تمھاری مونث بوتلیں) شیشہ لری (اس کی بوتلیں) شیشہ لرمز (ہماری بوتلیں) شیشہ لرنزد (تمھاری بوتلیں مذکر) یہ صورت خالص ترکی الاصل الفاظ کی ہے ۔ البتہ ترکی میں عربی ، فارسی کے جو الفاظ اور تراکیب شامل ہو گئی ہیں وہ اس اصول سے مستثنیٰ ہیں اور اس باب میں اپنے اپنے اصولوں کو برتتی ہیں ۔ ان زبانوں کو ترکیبی یا Agglutinative ساخت کی زبانیں کہتے ہیں ۔

تیسری قسم کی زبانیں تخلیطی (Amalgamative) ساخت کی زبانیں ہیں - خصوصیت ان زبانوں کی یہ ہے کہ ان میں اشتقاق کثرت سے ہوتا ہے اور اس اشتقاق میں سابقوں اور لاحقوں سے بھی کام لیا جاتا ہے - کبھی دو لفظوں کو بلا کسی تبدیلی کے ملا کر ایک نیا مرکب بنا لیتے ہیں جسے عام طور پر مرکب استزاجی کا نام دیتے ہیں - کبھی خود لفظ میں اندرونی تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں جس سے لفظ کی ساخت اور ہیئت ہی بدل جاتی ہے اور وہ کوئی خاص معنی دینے لگتا ہے - اس قسم کی زبانوں میں آریائی اور سامی خاندانوں کی زبانیں شامل ہیں - ظاہر ہے اس قسم کی زبانوں میں مشتقات کی کثرت ہوتی ہے اور اگرچہ ایک اصل لفظ سے مشتق ہونے والے تمام دوسرے الفاظ میں ایک بنیادی معنوی ربط قائم رہتا ہے لیکن ان تبدیلیوں کی وجہ سے معانی کے تعین میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اور الفاظ کا سرمایہ بہت وسیع ہو جاتا ہے - اگرچہ عربی اور آریائی زبانیں اپنی اپنی لسانی خصوصیات رکھتی ہیں لیکن آریائی زبانوں میں فارسی اور اردو دونوں پر عربی کا گہرا اثر پایا جاتا ہے - یہ اثر صرف چند عربی الفاظ تک محدود نہیں ہے جو فارسی اور اردو میں پائے جاتے ہیں بلکہ اشتقاق کی بعض صورتیں اور بعض دوسری لسانی خصوصیات جو خاص عربی سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی فارسی اور اردو میں داخل ہو گئی ہیں بلکہ حد یہ ہے کہ فارسی اور اردو قواعد صرف و نحو کے بیان میں اکثر و بیشتر انھی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے جو عربی قواعد صرف و نحو کے سلسلے میں صدیوں سے استعمال ہوتی چلی آئی ہیں - اس سے ایک دقت یہ ضرور پیدا ہو گئی ہے کہ اردو کے قواعد نویسوں نے ان اصطلاحات کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھا جو عربی میں متعین تھا اور اردو قواعد کو انھی بنے بنائے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی - یہ راستہ آسان ضرور تھا لیکن اس نے اردو قواعد صرف و نحو کے بیان اور تدوین میں بعض دشواریاں اور پیچیدگیاں بھی پیدا کر دیں جن کا بیان آگے آتا ہے - ہر زبان کا اپنا ایک مزاج اور اس کا اپنا ایک کینڈا ہوتا ہے - قواعد صرف و نحو کا بیان اسی مخصوص مزاج اور اسی منفرد کینڈے کی تشریح و توضیح اور تجزیے کا نام ہے - اردو کے قواعد نویسوں کو چاہیے تھا کہ اردو کو اردو کے مزاج

کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔
بہرحال زبانوں کے اس خاندان میں جسے عام طور پر تخلیطی قسم کی زبانوں کا گروہ کہا جاتا ہے، آریائی زبانوں کا ایک ممتاز خاندان ہے، اسے مختلف زبانوں میں مختلف ماہرین لسانیات نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ بعض لوگ اسے صرف آریائی کہتے ہیں، بعض نے ہند آریائی کہا ہے، بعض مصنفین اسے ہند یورپی، بعض ہند جرمانی کے نام سے پکارتے ہیں۔ مراد ان ساری اصطلاحوں سے ایک ایسی زبان ہے جو ماضی بعید میں اس گروہ کی مشترک زبان تھی جسے تاریخ میں آریا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس گروہ کا اصلی وطن کہاں تھا؟ اگر یہ قطعی طور پر تسلیم کر لیا جائے تو اصل اور بنیادی آریائی زبان کی جنم بھومی کا مسئلہ بھی طے ہو جاتا ہے، لیکن افسوس کہ یہ مسئلہ ابھی تک اختلافی ہے۔ ابتدائی دور میں جن محققین نے آریائی زبانوں اور آریوں کی تہذیب و تاریخ کے سلسلے میں تحقیق کی انھوں نے ایشیا کے کسی علاقے کو آریوں کا اصلی وطن قرار دیا۔ بلاشبہ براعظم ایشیا میں دنیا کی اس عظیم تہذیب کے قدیم ترین آثار ملتے ہیں جسے آریائی تہذیب کا نام دیا جاتا ہے، اور بلاشبہ ایشیا کے ہی ایک برصغیر پاکستان و ہند میں ایک زمانے میں سنسکرت بولی جاتی تھی جو آریوں کی مقدس زبان اور دنیا کے قدیم ترین ادب یعنی مقدس ویدوں کی زبان ہے۔ لیکن بعض انتہا پسندوں کے جذباتی دعووں کے باوجود کہ برصغیر پاکستان و ہند کو ہی آریوں کی اصل جنم بھومی قرار دینا چاہیے، تاریخ اس کی تائید نہیں کرتی۔ البتہ بعض شہادتیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں کہ آریوں کا اصلی وطن ایشیا میں کسی جگہ تھا جہاں سے نامعلوم اسباب کی بنا پر (شاید موسموں کی تبدیلی اور جغرافیائی حالات کے بدلنے کی بنا پر یا کسی اور زیادہ طاقتور اور فتح مند قوم کی یورش کی وجہ سے) ان کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا اور ان کے بعض قبیلے پہلے ایران اور بعد ازاں برصغیر پاکستان و ہند میں داخل ہوئے اور بعض قبائل مغرب کی طرف بڑھتے بڑھتے یورپ تک جا پہنچے۔ اس خیال کی لسانی تائید قدیم ویدک سنسکرت اور ایرانی اوستائی زبان کے مشترک عناصر کے مطالعے سے مل جاتی ہے بلکہ اسے اور وسعت دی جائے تو آگے چل کر سنسکرت، اوستائی، یونانی اور لاطینی کا تقابلی مطالعہ اس کی تائید کرتا ہے کہ یہ زبانیں اصلاً اور نسلاً ایک ہیں اور ان کے اختلافات

آہستہ آہستہ پیدا ہوئے ہیں ۔ افسوس کہ ویدوں سے قدیم تر لسانی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں اور وید اس زمانے کی تصنیف ہیں جب آریائی قبائل کو بچھڑے ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں ۔ لسانی شہادت کی بنا پر گمان غالب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی ولادت سے کم و بیش تین ہزار سال پہلے آریا قوم کے مختلف قبائل ایک دوسرے سے بچھڑ چکے تھے اور مختلف علاقوں میں آباد ہونے کے بعد ان میں لسانی اختلافات رونما ہونے لگے تھے ۱ ۔

آریاؤں کے مختلف قبائل کی ہجرت اور ایشیا اور یورپ کے مختلف علاقوں میں ان کے آباد ہونے کی داستان نہایت دلچسپ اور اہم ہے لیکن ہم اس کی تفصیلات میں نہیں جا سکتے ۔ ہمارا تعلق براہ راست آریوں کے اس گروہ سے ہے جو سنہ ۳۰۰۰ ق ۔ م اور سنہ ۲۵۰۰ ق ۔ م کے درمیان ایران میں موجود تھا اور سنہ ۲۰۰۰ ق ۔ م کے قریب اسی گروہ کے بعض قبیلوں نے مشرق کی سمت ہجرت شروع کی ۔ ہجرت کا یہ سلسلہ ایک طویل مدت پر پھیلا ہوا ہے ۔ غالباً کچھ آریائی قبیلے اس علاقے میں داخل ہوئے جسے بعد میں پیشاچ کا علاقہ کہا گیا ہے جو موجودہ گلگت اور اس کے آس پاس کا علاقہ ہے ۔ بعد میں آنے والے آریا غالباً جنوب میں ان علاقوں میں پھیلے ہوں گے جو اب پنجاب اور سندھ کے علاقے ہیں ۔ پہلے اور بعد میں آنے والے آریوں میں جنگ و پیکار کی صدائے بازگشت ویدوں کے منتروں میں ملتی ہے جن میں آریا ان پیشاچوں کو اپنا دشمن بتاتے ہیں اور دیوتاؤں سے امداد اور تائید چاہتے ہیں کہ وہ ان دشمنوں کو تباہ و برباد کر سکیں ۔ پیشاچوں سے اس جنگ و پیکار کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ صدیوں بعد جب سنسکرت کے قواعد نویسوں نے ہند آریائی بولیوں کی تقسیم اور گروہ بندی کی تو عوامی بولیوں میں سب سے پست درجہ پیشاچی پراکرت کو دیا گیا ۔

برصغیر پاکستان و ہند میں داخل ہونے والے ان آریائی قبیلوں کی زبان کی اصل صورت کیا تھی ، اس کا قطعی تعین دشوار ہے ۔ البتہ اس دور قدیم میں ایرانی زبان اور ہندوستانی آریائی زبان میں بڑی مماثلت موجود ہے اور

---

۱ ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے Foundations of Language - Loin's H. Gray, Macmillan Co., New York, 1958. P. 303-356.

چند صوتی تغیرات کو ملحوظ رکھیں تو ایک زبان کے لفظ کو آسانی سے دوسری زبان کے لفظ میں بدلا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایرانی 'ہائے' کی آواز ہندوستانی شاخ میں 'س' کی آواز سے بدل جاتی ہے۔ اوستائی 'ہپتا' سنسکرت 'سپتا' بمعنی سات اس کی ایک مثال ہے۔ اس دور کی قدیم ترین لسانی شہادت تحریری صورت میں تو بہت بعد میں ملتی ہے اور اس قسم کا پہلا نمونہ اشوک کے کتبات میں نظر آتا ہے جو حضرت عیسیٰؑ سے کم و بیش تین سو سال پہلے رقم ہوئے، لیکن ان کتبات سے صدیوں پہلے ویدوں کا وہ اہم سرمایہ مرتب اور مدون ہونا شروع ہوا تھا جو آج ہند آریائی مذہب کی اصل اور اساس ہونے کے ساتھ ساتھ علمی حیثیت سے خاص طور پر ہند آریائی لسانیات کے مطالعے کے سلسلے میں سب سے اہم دستاویز ہے۔

ان میں قدیم ترین مجموعہ رگ وید ہے۔ اس میں ایک تقسیم کے مطابق ایک ہزار سترہ اور ایک دوسری تقسیم کے مطابق ایک ہزار اٹھائیس منتر ہیں۔ رگ وید کی داخلی لسانی شہادتوں سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اس کی تدوین سنہ ۲۰۰۰ ق - م اور سنہ ۱۵۰۰ ق - م کے درمیان شروع ہوکر تقریباً سنہ ۵۰۰ ق - م تک جاری رہی۔ رگ وید کی زبان نہایت دقیق اور پیچیدہ ہے لیکن اس کے قواعد صرف و نحو نہایت واضح اور متعین ہیں۔ چنانچہ مشہور قواعد نویس پانِنی نے چوتھی صدی قبل مسیح میں سنسکرت کی پہلی قواعد مرتب کی تھی۔ اس قواعد کے بارے میں آج کے ماہرین لسانیات بھی یہ رائے رکھتے ہیں[1] کہ عہد قدیم کی کسی زبان کے بارے میں اس قدر مفصل اور مستند تفصیلات موجود نہیں ہیں جتنی اپنی زبان کے بارے میں پانِنی نے جمع کر دی ہیں اور نہ اس کی توقع ہے کہ آج کی بولی جانے والی کسی زبان کی اتنی تفصیلات اور توضیحات مرتب اور اس صحت و یقین کے ساتھ مدون ہوں گی اصلاً پانِنی کو اس تفصیل اور تشریح اور توضیح کی ضرورت ہی اس لیے پیش آئی کہ ویدوں کے ضبط تحریر میں آنے سے صدیوں پہلے یہ منتر محض زبانی روایت سے ورثے کے طور پر ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے رہے تھے۔ صدیوں کے اس زبانی عمل نے بعض منتروں میں الجھاوے پیدا کر دیے تھے۔ خاص طور پر صوتی عناصر میں رد و بدل نے بڑی پیچیدگی

---

1. L. Bloomfield. Language. New York. P.270.

پیدا کر دی تھی - سنسکرت کے جملہ قواعد نویسوں نے اس تشریحی اور توضیحی ادب کو دو اقسام میں گنایا ہے[۱] - ایک 'پراتی ساکھیا' اور دوسرے 'شکسا' - جو کتابیں اور رسالے پراتی ساکھیا میں شمار ہوتی ہیں وہ چار ویدوں کے تلفظ اور صوتیات سے متعلق ہیں اور شکساؤں کا تعلق کسی خاص وید کی تشریح سے ہوتا ہے اور عام طور پر اسے پراتی ساکھیا کی صوتی توضیحات کا تکملہ سمجھنا چاہیے - شکساؤں میں سب سے اہم پانی شکسا ہے - اس قسم کی کتابوں اور رسالوں کا سلسلہ غالباً آٹھویں اور پانچویں صدی قبل مسیح میں شروع ہوا تھا لیکن افسوس کہ ان میں سے بعض کے صرف حوالے ملتے ہیں اور اصل کتابیں ناپید ہو چکی ہیں -

اس سلسلے کی سب سے اہم کتاب پانی کی 'آشٹا دھیاییی' ہے - اس میں آٹھ خطبات (ادھیایا) اور ہر خطبے کے چار پد (حصے) ہیں ان خطبات کے مطالعے[۲] سے پتا چلتا ہے کہ پانی کا مقصد یہ تھا کہ ان اصولوں اور قاعدوں کو جن کو اس نے بیان کیا ہے حفظ کر لیا جائے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ، پانی کے عہد کا قطعی تعین تو نہیں ہوا لیکن اکثر محققین کی رائے ہے کہ اس کا عہد کم و بیش سنہ ۴۰۰ ق - م کے مطابق ہے - پانی نے اپنی اس قواعد میں کم از کم اپنے چونسٹھ پیش روؤں کا ذکر کیا ہے ، جن میں سکاتیانا مصنف نیرکتا بھی شامل ہے - پانی کے بعد کے مصنفین میں سب سے اہم کتایایانا ہے جس کا جانشین مشہور قواعد نویس پتانجلی تھا جس نے مہابھاشیا (ویاکرن) کے نام سے قدیم سنسکرت زبان اور اس کے ادبی سرمایے پر ایک مفصل کتاب لکھی ہے - اس کا زمانہ تقریباً سنہ ۱۵۰ ق - م کا ہے -

اب یہ بات تو عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ ویدوں کی زبان بالخصوص رگ وید کی زبان عام طور پر بولی جانے والی زبان نہیں تھی - اسے صرف ایک تحریری زبان سمجھنا چاہیے جس کے تقدس کے تصور نے اسے اور بھی محدود

---

۱ - Phonetics in Ancient India. W.S. Allen, Oxford University Press, London. Reprinted 1961. P. 5.

۲ - تفصیل کے لیے منجملہ اور ماخذات کے دیکھیے :
Encyclopaedia Brittanica. Vol. 19, Sanskrit Language & Literature, Pages 954-971.

کر دیا تھا ۔ بولی جانے والی زبان سنسکرت تھی ۔ اس کے بارے میں ہند آریائی ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد آریائی بولیوں میں سے کسی ایک بولی پر ہو گی جس کے آثار اب ناپید ہو چکے ہیں ۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ مختلف اوقات میں ہندوستان میں داخل ہونے والے آریوں میں بولیوں کا کچھ اختلاف تھا ۔ یہ اختلاف ان کے مختلف علاقوں میں آباد ہونے اور مقامی اثرات قبول کرنے کے باعث اور بھی بڑھ گئے ہوں گے ۔ چنانچہ اس امر کی لسانی شہادتیں موجود ہیں کہ اس آریائی بولی میں جس نے بعد میں سنسکرت کا نام پایا بہت سے ایسے الفاظ شامل ہیں جو آسٹروایشیائی زبانوں سے لیے گئے ہیں ۔ مثلاً بان (تیر) مایورا (سور) کرپاسم (کپاس) قطعی طور پر غیر آریائی ہیں ۔ یہی سنسکرت آگے چل کر آریوں کی علمی اور ادبی زبان قرار پائی ہے اور اس کے ادبیات میں دو اہم رزمیہ کارنامے مہابھارت اور رامائن ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت پاننی کے عہد (سنہ ۵۰۰ ق ۔ م) میں ہی کافی مقبول اور مشہور تھی اور اس نے اس نظم کا ذکر اپنی تحریروں میں کیا ہے ۔

اس سنسکرت کے مقابلے میں ، جو علمی اور ادبی زبان تھی ، کچھ اور آریائی بولیاں تھیں جو روزمرہ زندگی میں عام طور پر استعمال ہوتی تھیں ۔ ان کو سنسکرت کے مقابلے میں پراکرت کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔ سنسکرت کے معنی پاک صاف ، مرصع ، تراشیدہ کے ہیں ، اور پراکرت کے معنی فطری ، خود رو ۔ گویا یہ زبانیں عام بول چال کی سیدھی سادی زبانیں تھیں جن میں کتابی زبان کے تکلف اور تصنع یا اہتمام کو دخل نہ تھا ۔ عام طور پر ماہرین لسانیات نے ان پراکرتوں کو دو حلقوں میں تقسیم کیا ہے اور یہ دونوں حلقے ابتدائی پراکرتوں کے حلقے کہلاتے ہیں ۔ ایک حلقہ مدھ دیش (بیچ کا ملک) یا آریاورتہ کی زبانوں کا حلقہ ہے اور دوسرا بیرونی حلقہ ۔ مدھ دیش کی بولیوں میں سے ایک بولی ہی ترقی یافتہ شکل میں سنسکرت ہے اور یہ صورت غالباً تیسری صدی قبل مسیح میں پیدا ہوچکی تھی ۔ اس ارتقا کے ساتھ ساتھ ابتدائی پراکرتوں کی اپنی ارتقا کا سلسلہ جاری رہا ۔ یہاں تک کہ یہ ابتدائی پراکرتیں اپنے ارتقا کے ثانوی دور میں داخل ہو گئیں اور ان کو ثانوی پراکرتوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ ایک خصوصیت ان ثانوی پراکرتوں کی یہ تھی کہ ان میں ابتدائی پراکرتوں کے مقابلے میں ثقیل الصوت حروف

صحیحہ کے اجتماع کی صورتیں آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی ہیں - پانی نے اپنی قواعد میں چار خاص پراکرتوں کا ذکر کیا ہے : ماگدھی ، شورسینی مہاراشٹری اور پیشاچی - ان میں ماگدھی مگدھ کے علاقے کی بولی تھی اور اس کا مرکز وہ علاقہ تھا جو اب بھارت کا صوبہ بہار ہے - شورسینی مدھ دیش کی پراکرت تھی - مہاراشٹری دریائے نربدا سے دریائے کرشنا تک کے جنوبی علاقے کی بولی ہے - پیشاچی جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے ، پیشاچ کے علاقے کی بولی تھی - گمان غالب یہ ہے کہ شورسینی کی مغربی حدود سے آگے اس علاقے میں جو اب مغربی پاکستان کا ایک حصہ پنجاب ہے ، ایک اور بولی ہو گی - اس بولی کا اب تک سراغ نہیں ملا - البتہ اس کی ایک ' اپ بھرنش ' شکل کے آثار مل گئے ہیں -

اپ بھرنش پراکرت کی عوامی شکل ہے - پراکرتوں کے ارتقائی دور میں یہ صورت پیش آئی کہ بعض ابتدائی پراکرتوں کو بعض مساعد حالات میں ترقی کے زیادہ مواقع مل گئے اور ان پراکرتوں نے اپنی ایک علمی اور ادبی صورت بھی پیدا کر لی - مثلاً جب گوتم بدھ نے ماگدھی کو اپنے نئے مذہب کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور بعد میں جب بدھوں کی حکومت کا سلسلہ مگدھ کے محدود علاقے سے پھیل کر شمال مغرب اور جنوبی ہند تک پہنچ گیا تو ماگدھی کا ایک ادبی روپ پیدا ہو گیا - یہ وہی زبان ہے جو آگے چل کر پالی کہلاتی ہے اور جس میں بدھوں کا مذہبی لٹریچر موجود ہے اور جس میں سنسکرت کے بعد ہند آریائی کی ہندی زبانوں میں قدیم ادب کا سب سے زیادہ سرمایہ محفوظ ہے - ماگدھی کے اس ادبی روپ کے علاوہ ایک روپ عوامی تھا - یہی ماگدھی اپ بھرنش ہے جس کا سلسلہ مگدھ سے کم از کم بنارس تک پھیلا ہوا تھا - جہاں سے آگے اردھ ماگدھی (نصف ماگدھی) بولی جاتی تھی اور اس سے آگے شورسینی کا حلقہ شروع ہو جاتا تھا - اس طرح ہر پراکرت کی دو شکلیں پیدا ہو گئی تھیں جن میں سے ہر ایک کا عوامی روپ اس پراکرت کی اپ بھرنش شکل میں موجود تھا - برصغیر پاکستان و ہند کی موجودہ زبانیں اور بولیاں پراکرتوں کی اپ بھرنش شکلوں کی ہی بنیادوں پر استوار ہیں - بعض ماہرین نے اس ارتقا کا یہ خاکہ پیش کیا ہے -

ا - مدھ دیش کی زبان > جدید زبان یا بولی

اپ بھرنش	
شورسینی	مغربی ہندی

ب - درمیانی یا عبوری زبانیں >

اونتا	راجھستانی
,,	پہاڑی زبانیں
گرجارا	گجراتی
شورسینی	پنجابی
اردھ ماگدھی	مشرق ہندی

ج - بیرونی حلقے کی زبانیں اور بولیاں >

۱ - شمالی مغربی علاقہ

نامعلوم >	کشمیری (جس کی بنیاد دردی بولی پر ہے)	
,,	کوہستانی	,,
,,	لندھا	,,
وراچڈ	سندھی	

۲ - جنوبی حلقے کی بولیاں

مہاراشٹری	مرہٹی

مشرق حلقے کی بولیاں

ماگدھی	اساری
,,	اوڑیہ
,,	بنگالی
,,	آسامی

یوں تو یہ تقسیم درست معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں جس نامعلوم پراکرت اور نامعلوم اپ بھرنش کا ذکر کیا گیا ہے اور جسے لندھا اور مغربی پنجاب کی بولی کا ماخذ قرار دیا گیا ہے، اردو کے مطالعے کے سلسلے میں وہی سب سے اہم ہے - دوسری بات یہ ہے کہ اس میں شور سینی اپ بھرنش کو پنجابی کا ماخذ قرار دیا ہے - یہ تجزیہ قطعی طور پر درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ شورسینی اپ بھرنش کی ترقی یافتہ زبانوں اور بولیوں

میں بالخصوص برج بھاشا میں اور پنجابی میں جو لسانی فرق ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان دونوں کے ماخذات الگ الگ ہیں۔ اگرچہ قدرتی طور پر شورسینی اپ بھرنش کی مغربی حدود اور نامعلوم مغربی پنجاب کی اپ بھرنش کی مشرقی حدود میں بولی جانے والی زبان میں مل گئی ہوں گی مگر آج بھی برج بھاشا اور پنجابی میں جو لسانی امتیازی خصوصیات باقی رہ گئی ہیں وہ اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ ان دونوں کا ماخذ ایک ہی پراکرت اپ بھرنش نہیں ہو سکتی۔ بظاہر تعجب ہوتا ہے کہ سنسکرت کے قدیم قواعد نویسوں نے چار پراکرتوں کا ذکر تو کیا لیکن اس پراکرت اور اس کی اپ بھرنش کو قابل اعتنا نہ جانا۔ اس کا صرف ایک ہی سبب نظر آتا ہے۔ ماگدھی، شورسینی اور مہاراشٹری غالباً بہت پہلے اپنے ابتدائی دور کے منازل طے کر کے ثانوی یا دوسرے دور میں داخل ہو چکی تھیں اور ان میں سے اکثر کے ادبی روپ بھی نمایاں ہونے لگے تھے۔ ماگدھی سے پالی، شورسینی سے برج بھاشا اور مغربی ہندی میں شامل دوسری بولیاں، اودھی اور مہاراشٹری سے جینی پراکرتوں کی صورتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ پھر جن علاقوں میں یہ بولیاں رائج تھیں ان کو مختلف اوقات میں سیاسی اور تہذیبی اقتدار بھی حاصل رہا۔ ماگدھی کو بدھ مت نے تقویت پہنچائی اور جب اشوک نے بھی یہ مذہب اختیار کر لیا تو پھر اس کی وسیع مملکت میں اس کی حیثیت سرکاری زبان کی ہو گئی۔ شورسینی برہمنی اقتدار کے مرکز کی زبان تھی اس لیے مدھ دیش میں اسی کا سکہ چلتا تھا۔ مہاراشٹری کو مہابیر جین نے سہارا دیا۔ سنسکرت کے ڈرامہ نویسوں نے یہ کیا ہے کہ اپنے ڈراموں میں مختلف کرداروں کی زبان سے ان کی طبقاتی پراکرت میں مکالمے ادا کرائے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان مکالموں میں بھی اس نا معلوم پراکرت اور اس کی اپ بھرنش کا پتا نہیں چلتا[۱]۔ جدید ہند

۱- پراکرتوں کی قواعد کا تفصیلی مطالعہ اردو کی اصل و نسل کے تعین کے لیے بے حد ضروری ہے لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک ہمارے محققین نے اس طرف توجہ نہیں کی ہے۔ پراکرتوں کی قدیم اہم تشریحات میں ہیم چندر کی تصنیف دیسنم مالا (یعنی دیسی الفاظ کی مالا) ہے۔ ہیم چندر کا زمانہ سنہ ۱۰۸۸ع اور ۱۱۷۲ع کے درمیان ہے۔ مغربی مصنفین میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ پر دیکھیں)

آریائی زبانوں اور بولیوں کی حلقہ بندی کا مسئلہ ابھی تک اختلافی ہے ۔ علاوہ اس گروہ بندی کے جسے سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے ، بعض ماہرین ا کا خیال ہے کہ شورسینی کا مرکز دوآبہ تھا اور اس کی جانشین جدید ہند آریائی زبانوں اور بولیوں میں مغربی ہندی ، پنجابی ، سندھی ، گجراتی راجھستانی ، پہاڑی ، بھیلی اور خاندیشی شامل ہیں ۔ مگدھی کے حلقے میں بنگالی ، بہاری ، آسامی اور اڑیہ کو شامل کرنا چاہیے ۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آسام میں جو تبتی ، برمی ، آسامی بولیاں بولی جاتی ہیں وہ اس گروہ سے الگ ہیں اور اپنی نسل و اصل میں غیر آریائی ہیں اور ان کا تعلق چین تبتی خاندان سے ہے جو چین ، تبت ، برما ، سیام ، اور آسام کے ایک وسیع علاقے میں بولی جاتی ہیں ۔ اردھ ماگدھی کے حلقے میں مشرقی ہندی کو شامل کیا جاتا ہے ۔ مہاراشٹری گروہ میں مرہٹی اور سنہالی شامل ہیں اور پیشاچی میں دردی گروہ کی زبانیں پیشائی ، کافر ، خوار ، کشمیری ، کوہستانی اور شینا کو شامل کرنا چاہیے ۔ یہ تمام جدید ہند آریائی زبانیں اور بولیاں براہ راست ان پراکرتوں سے ماخوذ نہیں ہیں بلکہ ایک درمیانی اپ بھرنش سے ماخوذ ہیں ۔ مثلاً اڑیہ کا ماخوذ اودرا یا اتکالا ہے ؛ شمالی بنگلہ اور آسامی کی بنیاد گاڈدا پر ہے ۔ مشرقی ہندی کا تعلق اردھ ماگدھی سے ہے اور اونتی اور چنڈالی بھی اسی کی شاخیں تھیں ۔ بہاری کا ماخوذ مگدھی، راجھستانی کا اونتیا ، گجراتی کی ناگرا ، پنجابی کا سلسلہ تکایا اپ ناگرا سے ملتا ہے ۔ سندھی اور لندھا کا تعلق وراچڈ سے ہے اور مرہٹی کا ویدربھایا دکھنیاتیہ سے ۔ لیکن ان درمیانی اپ بھرنشوں کی لسانی تحقیق ہنوز نامکمل ہے اور نہ ان سے ماخوذ جملہ بولیوں اور زبانوں کی حلقہ بندی مکمل ہوئی ہے ۔ اس سلسلے میں ایک قابل ذکر تصنیف سر جارج گریرسن کی کئی جلدوں پر مشتمل مشہور تصنیف Linguistic Survey of India ہے ۔ گریرسن نے ہند آریائی زبانوں اور بولیوں کو تین بڑے حلقوں میں تقسیم کیا ہے ۔

بقیہ حاشیہ ۲۱ صفحہ

R. Pischel کی جرمن قواعد Grammatik der Prakrit Sprachen ہے جو پہلی مرتبہ Strassburg سے سنہ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی تھی ۔ ہند آریائی کی تقابلی قواعد کے سلسلے میں ایک اور قدیم اہم کتاب J. Beams کی Comparative Grammar of the Modern Aryan Languages of India —London 1872 - 1879

1- L.H. Gray - Foundations of Language p. 316

بیرونی ذیلی شاخ جس میں بہاری ، آسامی ، بنگلہ ، اڑیہ ، مرہٹی ، سندھی اور لندھا شامل ہیں۔ اندرونی ذیلی شاخ میں پنجابی ، مغربی اور وسطی پہاڑی ، مشرقی پہاڑی یا نیپالی ، مغربی ہندی، راجھستانی ، بھیلی اور گجراتی کو شامل کیا گیا ہے۔ درمیانی ذیلی شاخ میں مشرقی ہندی شامل ہے۔ یہ تقسیم جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے قابل قبول ہے لیکن یہ بات مشکوک ہے کہ گریرسن کے مجوزہ کسی ایک حلقے میں شامل زبانوں یا بولیوں کا ماخذ کوئی ایک بولی ہے جو پراکرت اور جدید آریائی کے درمیانی دور کی کسی ایک اپ بھرنش سے ماخوذ ہے۔

بہر حال اب یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اردو اپنی ساخت کے اعتبار سے پراکرت کی اپ بھرنش سے قریبی تعلق رکھتی ہے جس کی شمالی مشرقی حدود پنجاب اور جنوب مغربی حدود دوآبہ کا علاقہ ہے۔ غالباً اس وسیع علاقے میں دونوں طرف آخری حدود پر بولی جانے والی اپ بھرنش میں علاقائی فرق خاص نمایاں ہوگا اور اردو پر اس کے شمال مشرقی حدود کی بولی یا بولیوں کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ جارج گریرسن ، محمود شیرانی اور دوسرے مصنفین کو اردو اور پنجابی میں جو بہت قریب کا تعلق نظر آیا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اردو کی نشوونما کا آغاز اس علاقے سے ہوا جو اب پنجاب کا یا پاکستانی علاقہ ہے اور جس کی حدود ہریانی اور برج کے علاقے سے ملتی تھیں ، بلکہ دیگر سمتوں میں یہ حدود راجھستانی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آگے چل کر اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں اس زبان نے مختلف علاقوں میں فروغ پایا اور قدرتی طور پر علاقائی اثرات قبول کیے۔ اردوئے قدیم کے نمونوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں اردو کے جو نمونے پنجاب ، نواح دہلی ،گجرات اور دکن میں ملتے ہیں ، ان میں مشترک عناصر ایک مشترک ماخذ کی نشان دہی کرتے ہیں اور بعض لسانی خصوصیات جو ان علاقوں کی اردوئے قدیم میں بطور مشترک شامل ہیں ابھی تک پنجابی میں واضح طور پر موجود ہیں جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پنجابی کی ارتقا کی رفتار اردو کے مقابلے میں سست رہی ہے اور وہ لسانی خصوصیات جو اردوئے قدیم کے دور میں موجود ہیں اور اردو نے اپنے ارتقا کے دور میں ترک یا تبدیل کر دی ہیں ، پنجابی میں اب تک قائم و باقی ہیں۔

بہرحال یہ موقع اردو کی ابتدا اور ارتقا کے اختلافی مسئلے پر بحث

کرنے کا نہیں ہے - اردو کی ابتدا کے متعلق بعض پرانی روایات اب قطعی طور پر مسترد ہو چکی ہیں - مثلاً اردو کو بعض تذکرہ نویسوں نے اردو کے لفظی معنی لشکر کی مناسبت سے ایک لشکری زبان لکھا تھا اور اس کی پیدائش مغلوں کے لشکر سے منسوب کی تھی - یہ محض ایک اتفاق تھا کہ یہ زبان اردو کے نام سے منسوب ہو گئی - اور یہ بھی واقعہ اس وقت کا ہے جب یہ نئی زبان ارتقا کی بہت سی منازل طے کر چکی تھی اور روز مرہ بول چال کی بولی کی حد سے نکل کر تحریر میں آ چکی تھی اور اس میں شعر و ادب کا سرمایہ فراہم ہونے لگا تھا - اسی طرح اب یہ داستان بھی فرسودہ قرار دی جا چکی ہے کہ اردو کا تعلق شاہ جہاں کے بازار اردوئے معلیٰ سے تھا اور اسی نسبت سے اسے دور شاہجہانی کی یادگار بتایا جاتا تھا کیونکہ اب اردوئے قدیم کے جو نمونے شمالی ہندوستان اور دکن سے دستیاب ہوئے ہیں وہ عہد شاہجہانی سے بہت پہلے اردو کے وجود کو ثابت کرتے ہیں - اسی طرح اردو کا رشتہ اور تعلق برج بھاشا سے ملانے کا نظریہ اب قابل قبول نہیں رہا کیونکہ برج کے علاقے میں پہنچنے سے پہلے اردو کا ہیولیٰ تیار ہو چکا تھا اور اس کا لسانی پیکر ایک حد تک قدیم پنجابی کی حدود میں واضح اور متعین شکل اختیار کر چکا تھا - مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ پراکرتوں کے دور آخر میں جب ابتدائی پراکرتوں کے بعد ثانوی پراکرتوں اور اپ بھرنش کا دور شروع ہو چکا تھا ، مسلمان اس علاقے میں داخل ہوئے جو پنجاب کا علاقہ کہلاتا ہے - وہ اپنے ساتھ اپنی زبانیں عربی ، فارسی اور ترکی لائے اور عرصے تک ان کے گھروں میں یہی زبانیں بولی جاتی تھیں لیکن روزمرہ زندگی کے کاروبار میں اور خاص طور پر ملکی عورتوں سے شادی بیاہ کے بعد انھیں اپنے علاقے کی روزمرہ کو بھی اختیار کرنا پڑا ہوگا - اس زبان کو وہ ہندوی یا ہندی کے عمومی نام سے پکارتے ہیں - یہ ہندوی پنجاب میں بھی ہے ، گجرات میں بھی ، دلی میں بھی اور دکن میں بھی - وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو اس اپ بھرنش میں جس کو مسلمانوں نے اختیار اور استعمال کیا ، مشترک عناصر کثرت سے موجود تھے اور پھر ان کے علاقائی لسانی اختلافات کا تجزیہ باریک بینی کا کام تھا - جو لوگ ایک سماجی ضرورت سے اپنے علاقے کی بولی اختیار کرتے ہوں گے وہ اس کی لسانی خصوصیات کے تجزیہ یا دوسری زبانوں یا بولیوں سے اس کے تعلق اور نسبت کے جھگڑے میں

نہیں پڑے ہوں گے ، ہاں اس سے انکار نہیں کہ اس عوامی دیسی بولی میں علاقائی اختلافات بھی ہوں گے اور ایک سطح پر ان علاقائی اختلافات کا احساس بھی اسی دور قدیم میں ملتا ہے۔ ایک ہی بولی کو گجری یا گجراتی بھی کہا جاتا ہے اور ہندوی یا ہندی بھی۔ اسے ہندی زبان ، زبان ہندوستان بھی کہتے ہیں اور دکھنی بھی۔ یہ صورت حال اس وقت اور واضح ہوتی ہے جب اس قدیم اردو میں جسے ہندوی اور بعد ازاں ہندی کے عام نام سے پکارا گیا ہے ، تالیف و تصنیف کے سلسلے کا آغاز ہوتا ہے اور مصنفین ایک عام محاورے کے علاوہ جسے وہ محاورۂ ہندی کہتے ہیں ، علاقائی محاورے کا بھی احساس رکھتے ہیں۔ اس کی کئی مثالیں واضح طور پر ملا وجہی کی مشہور تصنیف ''سب رس'' (سنہ ۱۰۴۵ھ) میں ملتی ہیں۔ [۱]

۱- اس بحث میں اردو کی ابتدائی نشو و نما کا آغاز پنجاب کے علاقے سے کیا گیا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسلمان برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے سندھ کے علاقے میں آئے اور اسی علاقے میں مسلمانوں کی زبانوں اور بولیوں کو اہل ہند کی زبانوں اور بولیوں سے ملاپ کا پہلا موقع ملا۔ منجملہ دیگر حضرات کے سید سلیمان ندوی اور حبیب الرحمان خاں شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) کا بھی یہی خیال ہے۔ اپنے اس دعوے کی تائید میں جو دلائل انہوں نے پیش کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

۱- مسلمان سب سے پہلے اس علاقے میں آئے اس لیے قدرتی طور پر اسی علاقے میں ان کی زبانوں کو دیسی زبانوں سے ملنے کا پہلا موقع ملا ہو گا۔

۲- قدیم سیاحوں (مثلاً ابن حوقل ، اصطخری اور بشاری مقدسی نے اپنے سفرناموں میں لکھا ہے کہ سندھ میں عربی اور سندھی بولی جاتی تھی۔

۳- سندھی کا رسم الخط عربی ہے۔

۴- اردو کی طرح سندھی میں عربی الفاظ کی کثرت ہے بلکہ اکثر الفاظ جو اردو میں پراکرتوں سے لیے گئے ہیں وہ سندھی میں اب تک عربی ہیں مثلاً پیاز کو بصل اور پہاڑ کو جبل کہتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ مسلمانوں کے قدم پہلے اسی علاقے میں آئے لیکن مسلمانوں کا یہ پہلا قیام اس قدر کم عرصہ کا ہے کہ اتنے عرصے میں دو قوموں کے میل میلاپ سے ایک نئی زبان کا وجود میں آنا مشکل ہے۔

یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عربی کے الفاظ اس وقت کی رائج قدیم سندھی میں شامل ہوئے تو بھی اسے اردو کی اساس قرار نہیں دے سکتے - یہ قدیم سندھی کے ایک نئے دور کا نقطۂ آغاز قرار پا سکتا ہے - رسم الخط کی شہادت نہایت کمزور ہے کیونکہ سندھی کے لیے یہ رسم الخط سندھ کے مسلمانوں نے بہت بعد میں اختیار کیا - جس طرح پنجابی مسلمان اپنی تحریریں فارسی رسم الخط میں اور سکھ گورمکھی میں لکھتے تھے اسی طرح سندھی مسلمانوں نے عربی رسم الخط یعنی نسخ اختیار کیا اور ہندو سندھی اس کے لیے اوڑیہ رسم الخط استعمال کرتے تھے -

اردو اور سندھی میں مشترک عناصر بہت ہیں لیکن یہ مشترک عناصر دو قسم کے ہیں (۱) پراکرتی اور اپ بھرنشی (۲) عربی ، فارسی ، ترکی - اول الذکر عناصر ایسے ہیں جو پنجابی اور سندھی میں بھی مشترک ہیں اور غالباً عام پراکرتی عناصر ہیں - آخرالذکر عناصر ایسے ہیں جو جدید ہندآریائی زبانوں نے (جن میں پشتو ، بلوچی ، پنجابی ، سندھی ، گجراتی ، مرہٹی ، بنگالی سب شریک ہیں) انفرادی طور پر اخذ و اختیار کیے ہیں - یہ اخذ و اختیار مختلف سماجی حالات و محرکات کے تحت مختلف علاقوں میں کم و بیش ہے -

اپنے صوتی نظام ، لفظی ساخت اور لسانی ترکیب میں اگر سندھی ، پنجابی اور اردو کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اردو پنجابی سے قریب تر اور سندھی سے قدرے بعید نظر آتی ہے -

سندھی اور اردو کے لسانی اشتراک پر ایک مفید تحقیقی کام سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ڈاکٹر شرف الدین نے بطور مقالہ برائے پی ایچ - ڈی مکمل کیا ہے ، تفصیل کے لیے اسے دیکھا جا سکتا ہے - اردو اور پنجابی کی تفصیلات کے لیے :

۱ - محمود شیرانی ، پنجاب میں اردو ، شائع کردہ مکتبہ معین الادب لاہور
۲ - ڈاکٹر مسعود حسین خاں ، اردو زبان کی تاریخ کا خاکہ

اردو اور اس کے ماخذات کے سلسلے میں مزید معلومات کے لیے دیکھیے :

۱ - ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ، اردو کی ادبی تاریخ کا خاکہ ، سندھ اردو اکیڈمی کراچی

۲ - ڈاکٹر شوکت سبزواری : اردو زبان کا ارتقا

سندھ کے لیے دیکھیے :

۱ - ڈاکٹر این - اے - بلوچ - سنتدی بولی جی مختصر تاریخ - حیدر آباد - ۱۹۶۲

زبان کے لیے لفظ ''اردو'' کے استعمال کی تاریخ بھی نہایت دلچسپ ہے - ابتدائی صورت میں یہ '' زبان اردوئے معلیٰ '' کی ترکیب کے ساتھ استعمال ہونے لگی جس کے معنی '' اردوئے معلیٰ '' کی زبان ہوں گے - اس ترکیب قدیم کے حوالے دو ہیں ، ایک میر تقی میر کا تذکرہ نکات الشعرا ہے جس میں میر نے یہ ترکیب استعمال کی ہے -

میر کا یہ تذکرہ سنہ ۱۱۶۴ھ - ۵۱-۱۷۵۰ع میں لکھا گیا - اس اعتبار سے یہ عبارت سنہ ۱۷۵۰ع کے قریب زمانے کی قرار پاتی ہے - یہ ترکیب اس دور کے بعد بھی رائج رہی - چنانچہ میر محمد حسین خاں تحسین لکھنوی اپنی مشہور تصنیف نو طرز مرصع میں بھی یہی ترکیب استعمال کرتے ہیں : '' اور یہ کہ جوکوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلیٰ کا رکھتا ہو مطالعہ اس گلدستۂ بہاریں کے پہلے ہوش و شعور فحوائے کلام کا حاصل کرے - ''

نو طرز مرصع کی تصنیف سنہ ۱۷۶۸ع سے شروع ہوکر سنہ ۱۷۷۵ع میں تمام ہوئی - اس لیے اور اسی قسم کی دوسری شہادتوں سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ زبان اردوئے معلیٰ سے مراد مطلق زبان اردو نہ تھی بلکہ شاہجہاں آباد کی اردو زبان کو اس عہد تک ایسا اعتبار حاصل ہوچکا تھا کہ اسے اردو کا معیاری اور مستند محاورہ سمجھا جاتا تھا - یہ گویا ٹکسالی زبان تھی جس کے مقابلے میں دوسرے علاقوں کی زبان کو مستند اور معیاری نہیں سمجھا جاتا تھا - اس کی تاریخی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اٹھارھویں صدی کے نصف اول سے پہلے اردو کا لفظ کسی اور علاقے کی اردو کے لیے استعمال بھی نہیں کیا ہے - اس دور کے بعد کی اردوئے معلیٰ کا اعتبار یہاں تک بڑھا کہ بعض شعرا نے جو خود دہلوی نہ تھے ، اس محاورے کو اپنے لیے سند جانا - ایک مثال خود میر تقی میر کی ہے جن کے بارے میں انشاء اللہ خاں انشاء نے دریائے لطافت میں بڑے تامل سے لکھا ہے کہ میر صاحب

اصلاً اکبرآبادی تھے اس لیے کہیں کہیں ان کی زبان میں ان کے علاقے کی زبان کے اثرات نظر آتے ہیں ۔ انشاء نے تو پوری دہلی کی زبان کو بھی معیاری اور مستند قرار نہیں دیا ہے بلکہ نہایت احتیاط سے دہلی کے گلی کوچوں کا تعین کر کے اس کی حدود مقرر کی ہیں ۔ قیام الدین قائم چاند پوری اپنے ایک شعر میں اردوئے قدیم کے دکھنی محاورے کو پوچ کہتے ہیں :

قائم میں کیا طور غزل ریختہ ورنہ
اک بات لچر سی بہ زبان دکھنی تھی

حالانکہ اس دکھنی میں اردو کے دور قدیم کا بیش قیمت ادبی لسانی سرمایہ محفوظ ہے اور کسی طرح بھی دکھنی کو اردو کی تعریف سے خارج نہیں کیا جا سکتا ۔

جب ایک مرتبہ زبان اردوئے معلیٰ کی برتری متعین، مستحکم اور مسلم ہو گئی تو شمالی ہند اور دکن میں بلا استثنا اسے اردو کا معیاری اور ٹکسالی محاورہ قرار دے دیا گیا اور زبان اردوئے معلیٰ سے مراد اردو کے وہ سارے نمونے قرار پائے جو چاہے کسی علاقے میں اختیار کیے جائیں لیکن ان کی صحت کا معیار محاورہ اردوئے معلیٰ ہو ۔ ایک مدت تک زبان اردوئے معلیٰ کی ترکیب استعمال ہونے کے بعد کثرت استعمال سے اختصار کی خاطر زبان کا لفظ ترکیب سے حذف ہو کر زبان کو ہی اردوئے معلیٰ کہنے لگے ۔ اس کی بے شمار مثالیں انیسویں صدی کے آغاز میں ہی مل جاتی ہیں لیکن اردوئے معلیٰ سے معلیٰ کا جزو حذف ہو کر صرف اردو کے استعمال کی مثالیں بہت بعد میں ملتی ہیں ۔ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ اب تک جو شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں ان کے پیش نظر اردو کا استعمال زبان کے معنوں میں مصحفی کے اس شعر میں ملتا ہے :

خدا رکھے زباں ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی
کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفی اردو ہماری ہے

قیاس ہے کہ یہ شعر مصحفی نے میر و سودا کی وفات سے پہلے لکھا ہو گا ۔ سودا کا انتقال سنہ ۱۱۹۵ھ میں ہوا اور میر نے سنہ ۱۲۲۵ھ میں

وفات پائی ۔ اس حساب سے یہ شعر سنہ ۱۱۹۵ھ سے قبل کا لکھا ہوا قرار پاتا ہے ۔ لیکن سنہ ۱۱۹۵ھ اس شعر کی تصنیف کی آخری حد ہو سکتی ہے ۔ مصحفی کی شعرگوئی کا آغاز اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور ممکن ہے یہ سنہ ۱۱۹۵ھ سے بہت پہلے لکھا گیا ہو ۔ قریب قریب اسی زمانے میں اردو کے استعمال کی ایک اور سند مراد شاہ لاہوری کے کلام سے ملتی ہے ۔ مراد شاہ لاہوری (وفات ۱۲۱۵ھ) نے سنہ ۱۲۰۳ھ میں ایک منظوم خط لکھا تھا جو نامۂ مراد کے نام سے مشہور ہے ۔ اس میں ایک عنوان ہے ”ذکر قبولیت اردو“ اس عنوان کے تحت یہ شعر ہے :

یہ اردو کیا ہے یہ ہندی زباں ہے
کہ جس کا قائل اب سارا جہاں ہے

اردو کے علاوہ مراد شاہ نے اردو زبان کی ترکیب بھی استعمال کی ؛ اسی نامۂ مراد میں ایک شعر اور ہے :

پسند طبع وزرا و شہاں ہے
غرض جو کچھ ہے اب اردو زباں ہے

ان کی ایک اور تصنیف مراد المحبین (سنہ ۱۲۱۲ھ) ہے ، اس میں یہ دو شعر موجود ہیں :

یہ قصہ جو ہے چار درویش کا
اگر نظم ہو تو بہت ہی بجا

وہ لیکن ہو اردو زباں میں بیاں
کہ بھاتی ہے ہر ایک کو یہ زباں

ایک اور شہادت میر مہدی مائل دہلوی کے کلام سے بھی ملتی ہے جو اسی دور کی ہے ۔ ان کی وفات غالباً سنہ ۱۲۲۱ھ سے قبل ہوئی ۔ انھوں نے اپنا دیوان سنہ ۱۱۷۶ھ میں مرتب کیا اور اسی سنہ کا قطعہ سنہ تصنیف دیوان میں موجود ہے ۔ اس دیوان میں ایک قطعہ ریختہ کے رواج اور ترقی کے بارے میں ہے ۔ اس میں حسب ذیل اشعار قابل غور ہیں :

سائل سے ایک شخص نے پوچھا یہ آن کر
بتلا کہ شعر ہندوی کس عہد سے چلا

گیارہ صدی شروع ہوئی جب کہ جگ منے
باہم ہوئے یہ ہند و مسلمان خلا ملا

دربار اکبری میں وہ ...... تھے رات دن
ہر ہر گلی میں تھا اسی خدمت کا پر تلا

بولا وہ شخص یہ تو کہانی میں سب سنی
اردو کا .... پتا دے مسلسل کھلا کھلا

بولے وہ سن کے اردو کا میں پوچھتا تھا حال
تم کھول بیٹھے پترہ اس شہر کا بھلا

مشہور خلق اردو کا تھا ہندوی لقب
اگلے سفینوں بیچ یہ کہہ گئے ہیں سللا

شاہجہاں کے عہد سے خلقت کے بیچ میں
ہندوی تو نام مٹ گیا اردو لقب چلا [1]

یہ قصہ نہایت دلچسپ ہے اور اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اردو ، اردو زبان ، اردوئے معلیٰ یہ سب نام جس زبان کے ہیں یہ وہی زبان ہے جو گیارھویں صدی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول سے صورت پزیر ہوئی اور جس کا نام پہلے ہندی یا ہندوی تھا - البتہ سائل کا یہ قول درست نہیں کہ شاہجہاں کے عہد سے اس زبان کا یہ نام ہوا - اب تک اردوئے قدیم کے بکثرت نمونے نثر اور نظم میں دستیاب ہو چکے ہیں جن میں اردو کے مختلف نام استعمال کیے گئے ہیں لیکن مذکورہ بالا مثالوں سے پہلے کسی جگہ اشارتاً یا کنایتہً بھی اس زبان کے لیے زبان اردوئے معلیٰ ، اردوئے معلیٰ یا اردو کے استعمال کا پتا نہیں چلتا اور نہ شاہجہاں کے مفروضہ اردوئے معلیٰ یا بازار اردوئے معلیٰ سے اس کا کوئی تعلق ثابت ہوتا ہے -

---

۱ محمد اکرام چغتائی ، اردو طبعی زبان کے متعلق نئی تحقیق ، اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۹۶۶ء صفحہ ۳۳

اردو کے مختلف ناموں کی تحقیق اور ان کے استعمال کے زمانے کا تعین اس مختصر مقدمے کے موضوع سے خارج ہے اس لیے مختصراً بیان کیا جاتا ہے ۔

اس زبان کا قدیم ترین نام ہندوی ہے اور بعد ازاں ہندی ۔ یہ نام اس دور کی یادگار ہے جب زبان کا ہیولیٰ تیار ہو رہا تھا اور اس نے کوئی معیاری یا ٹکسالی صورت اختیار نہیں کی تھی بلکہ مختلف علاقوں میں مسلمان اپنی زبانوں کے مقابلے میں دیسی رائج بھاکا یا بھاشا (بہ معنی زبان) کو جو پراکرت کی اپ بھرنش صورت تھی اس نام سے پکارتے تھے ۔ اس کے ابتدائی نمونے پہلے پہل چند الفاظ اور فقرات تک محدود ہیں جو صوفیائے کرام کے فارسی میں تحریر ملفوظات و تصنیفات میں شامل ہیں ۔ مثلاً خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (وفات سنہ ۱۲۳۶ء) کے رسالہ آفاق و انفس میں ہندوی کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ خواجہ فریدالدین شکرگنج (وفات سنہ ۱۲۶۵ء - ۶۶۴ھ) کے ملفوظات میں بھی کئی فقرے ملتے ہیں اور لفظ ہندی بھی موجود ہے ۔[۱] اس کے بعد اردو کے قدیم ادبی دور (دکن) تک اس لفظ کا استعمال عام ہے اور ساتھ ہی اسے ہندوی یا ہندی بھی کہنے لگے ہیں اور ان دونوں لفظوں کا استعمال ایک طویل عرصے تک باقی رہا ۔ اگرچہ اس عرصے میں اس زبان نے مستقل حیثیت بھی اختیار کر لی تھی اور اس میں علاقائی امتیازات بھی نمایاں ہونے لگے تھے ۔ دکھنی اردو اسی کی ایک شکل تھی ۔ دکن میں اس زبان کا رواج دکن میں اسلامی سلطنت کے قیام کے ساتھ ملتا ہے ۔ یہاں بھی اس کی نشو و نما میں پہلے صوفیائے کرام نے حصہ لیا جنھوں نے اس علاقے میں اس عوامی بولی کو اسلام کی تبلیغ اور اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لیے اختیار کیا ۔ ان صوفیائے کرام کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کی ایک نمایاں مثال سید محمد بندہ نواز گیسو دراز ہیں جن کی نثر تصنیف رسالہ معراج العاشقین کو اردو کی قدیم ترین نثر تصنیف قرار دیا گیا ہے جو شائع ہوئی ۔[۲]

تفصیل کے لیے دیکھیے :

الف محمود شیرانی : پنجاب میں اردو ، مکتبۂ معین الادب ، لاہور

ب عبدالحق : اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام

۔ دکن میں اردو کی نشو و نما اور دکھنی اردو کی خصوصیات کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲ پر دیکھیں)

دکھنی اردو میں بعض لسانی خصوصیات ایسی موجود ہیں جو خاص علاقائی ہیں لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ وہی ہندوی یا ہندی ہے جو اسی نام سے برصغیر پاک و ہند کے دوسرے علاقوں میں بھی بولی جاتی تھی۔ چنانچہ ملا وجہی اپنی زبان کو "ہندوی" کے نام سے بھی سے یاد کرتے ہیں اور جہاں کوئی خاص محاورہ اہل دکن کا استعمال کرتے ہیں وہاں اس کی صراحت کرتے ہیں۔ آغاز داستان میں اسے زبان ہندوستان بھی کہتے ہیں۔ اس سے اس امر میں شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ سب رس کی زبان جو دکھنی دور کی نثر کا ایک مستند اور معیاری نمونہ ہے، اس دور قدیم کی اردو کے لیے ایک لسانی تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

وجہی کی طرح بعض اور لوگوں نے بھی اس زبان کو زبان ہندوستان یا ہندوستانی کے نام سے یاد کیا ہے۔ چونکہ اکثر مغربی مصنفین نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے اس لیے یہ خیال عام ہے کہ اس کا یہ نام انگریزوں کا دیا ہوا ہے۔ یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ دکھنی دور میں وجہی کی ایک مثال نظر سے گزری جس میں اس زبان کو زبان ہندوستان کہا ہے۔ اگرچہ وجہی نے ہندوستانی کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے لیکن ہندوستانی کے معنی زبان ہندوستان کے علاوہ اور کیا ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ علی عادل شاہ ثانی نے، جو مشہور کتاب نو رس نامہ کا مصنف ہے، ہندوستانی کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔[۱] اٹھارویں صدی میں اس لفظ کا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱

مطالعہ کے لیے دیکھیے:

الف نصیر الدین ہاشمی: یورپ میں دکھنی مخطوطات

ب نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، طبع ثالث، اردو مرکز لاہور

ج محی الدین قادری زور: اردو شہ پارے

د فہرست مخطوطات ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد

ہ فہرست کتاب خانہ نواب سالار جنگ

۱۔ بحوالہ سید سلیمان ندوی: ہندوستان میں ہندوستانی، مقالات اردو انجمن اردوئے معلیٰ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سنہ ۱۹۳۴ء و نقوش سلیمانی صفحہ ۱۹ تا ۷۶ طبع کراچی ۱۹۶۷ء

استعمال مغربی مصنفین کے یہاں عام ہے ۔ جان جوشوا کیٹلر نے اس زبان کی جو قواعد لکھی ہے اس میں اسے ہندوستانی کے نام سے یاد کیا ہے ۔ مولوی عبدالحق کا قیاس ہے کہ یہ قواعد سنہ ۱۷۱۵ء کے لگ بھگ تالیف ہوئی ہوگی ۔ ان کے بعد ماہر لسانیات شلز نے جو قواعد سنہ ۱۷۴۵ء میں شائع کی اس میں بھی اسے ہندوستانی کہا گیا ہے ۔ ڈاکٹر جان گل کرائسٹ نے بھی اپنی متعدد تصانیف میں اردو کے ساتھ ساتھ اس زبان کو ہندوستانی بھی کہا ہے اور یہی حال مشہور فرانسیسی عالم موسیو گارساں دتاسی کا ہے ۔ غرض انیسویں صدی کے ابتدائی دور تک یہ نام مغربی مصنفین میں خاص مقبول رہا ۔ بعد میں اسے ترک کر دیا گیا اور ہندوستانی ، اردو ، ہندی اور کھڑی بولی کے نام سے اس زبان کے مختلف نمونوں اور اسالیب کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا جانے لگا ۔

اس زبان کا ایک اور قدیم اور مقبول نام ریختہ کی زبان ، زبان ریختہ یا صرف ریختہ بھی ہے ۔ ریختہ کا اطلاق غالباً پہلے پہل صرف اردو غزل کے لیے ہوا جسے فارسی غزل سے ممتاز کرنے کے لیے ریختہ کا نام دیا گیا اور ان معنوں میں اس کی پہلی مستند شہادت سعدی کاکوروی کے اس مقطعے میں ملتی ہے :

سعدی کہ گفتہ ریختہ در ریختہ در ریختہ
شیر و شکر آمیختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

میر تقی میر کے زمانے تک ریختہ کے یہ معنی موجود رہے ۔ میر صاحب اپنے تذکرہ نکات الشعرا[1] کے آخر میں ریختہ کی مختلف قسموں کو گناتے ہوئے لکھتے ہیں : ”بدانکہ ریختہ بر چندیں قسم است از آنجملہ آنچہ معلوم فقیر است نوشتہ می آید ۔ اول آنکہ یک مصرعش فارسی و یک ہندی......
سیوم آنکہ حرف و فعل فارسی بکار می برند و ایں قبیح است“
ان معنوں میں ریختہ کا استعمال غالب کے دور تک باقی تھا ۔ غالب کے اکثر اشعار میں اس کی مثالیں مل جاتی ہیں :

ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

---

۱ - میر تقی میر : نکات الشعرا ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو صفحہ ۱۸۰ -

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دکھنی دور سے ہی اردو غزل کے لیے ریختہ اور غزل دونوں لفظ استعمال ہونے لگے تھے اور یہ استعمال کم از کم غالب کے دور تک باقی تھا ۔ البتہ لکھنؤ میں ناسخ نے جہاں اپنی اصلاح زبان کی تحریک میں اور الفاظ و تراکیب کے ترک و تنسیخ پر توجہ کی وہاں غزل کے لیے ریختہ کا لفظ بھی بالالتزام ترک کیا ۔ چنانچہ ان کے بعد لکھنوی اور دہلوی شعرا نے اس کا استعمال ترک کر دیا ۔

ریختہ زبان کے معنوں میں استعمال ہونے کی بھی متعدد شہادتیں متقدمین کے کلام سے مل جاتی ہیں ۔ میر کے زمانے میں یقیناً یہ لفظ زبان کے معنوں میں بھی بولا جاتا تھا ۔ خود میر کا ایک شعر ہے :

گفتگو ہم سے ریختہ میں نہ کر ۔۔۔۔ یہ ہماری زبان ہے پیارے

مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہی رسالہ در تحقیق زبان ریختہ ہے ۔ ان معنوں میں ریختہ کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ ایک ملی جلی زبان ہے جس میں دیسی (ہندی) عناصر کے ساتھ عربی فارسی وغیرہ کی آمیزش ہوتی ہے ۔ وہ ترکیبیں فارسی کی جو اس زبان کے مزاج کے مطابق اور مناسب ہوں ان کا استعمال بھی جائز ہے لیکن فارسی افعال و حروف کا استعمال قبیح ہے ۔ چنانچہ میر نے اپنی عبارت میں جو نقل ہوئی اس کی طرف واضح اشارہ کیا ہے ۔

باب دوم

اردو کا لسانی ڈھانچہ

اردو کے لسانی ڈھانچے پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خالص آریائی زبان ہے اور اس کی بنیاد ایک ایسی اپ بھرنش پراکرت پر ہے جو سنسکرت کے زوال کے بعد پراکرتوں کے ارتقائی ادوار میں دوسرے دور کی اپ بھرنش ہے ۔ آریائی عناصر سنسکرت سے جس طرح پراکرتوں میں بدلی ہوئی صورت میں ملتے ہیں وہی اس زبان کا ماخذ ہیں ۔ اردوئے قدیم کی شکل ہندوی یا ہندی میں یہ پراکرتی عناصر خاصے نمایاں ہیں ۔ آج بھی عام قاری قدیم پنجابی ، قدیم دکھنی ، قدیم گجراتی کے ان نمونوں کو جو دراصل ہندوی یا ہندی ہیں ، پڑھتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ ان میں ہندی الفاظ کی کثرت ہے اور ان معنوں میں ہندی سے ان کی مراد وہ زبان ہوتی ہے جو اب ہندوستان کی سرکاری ہندی زبان ہے ۔ زبان تو دراصل یہ وہی ہندوی یا ہندی ہے جو اردو کی اصل ہندوی یا ہندی ہے اور اس کے اور اردو کے قواعد صرف و نحو میں فرق نہیں ہے ۔ اس دور کا آغاز اس ملی جلی زبان سے ہوتا ہے جو نصف فارسی ہے یعنی جس میں پراکرتی عناصر اور عربی و فارسی عناصر کی آمیزش ایسی نہیں ہے جسے یک جان کہہ سکیں ۔ اس کے بعد ان عناصر کی باہمی آمیزش سے ایک گوارا زبان کی صورت ابھرنے لگتی ہے اور یہ صورت کم و بیش اس عہد تک جاری رہتی ہے جب اردوئے معلّی شاہجہان آباد کا محاورہ مستند اور معیاری قرار پاتا ہے ۔ اس طرح اس دور کی آخری حد دکن کے اس دور تک پہنچتی ہے جہاں ولی کا کلام ہمارے سامنے آتا ہے اور اس اعتبار سے ولی کے کلام کو ہندوی کے دور قدیم کی آخری کڑی اور دور اردوئے معلیٰ کا پہلا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔

اس دور میں پراکرتی عناصر سرمایۂ الفاظ میں بھی اور صرف و نحو میں بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں ۔ بکثرت اردو الفاظ جو پراکرتوں میں ،

بالخصوص اب بھرنش شکل میں عام طور پر رائج تھے اور اب بھی بعض جدید ہند آریائی بولیوں اور زبانوں میں اسی طرح استعمال ہوتے ہیں اپنی پراکرتی اصل سے قریب تر ہیں جن کی جگہ اگلے دور (دور اردوئے معلیٰ) میں فارسی الفاظ نے لے لی ہے - اور صرف و نحو میں بھی ایسے تصرفات اور تغیرات واضح ہو گئے ہیں - بہت سے اسما اور افعال جو اب اردو میں متروک ہیں اسی قبیل کے ہیں -

الف

ابرن	زیور ، ملبوسات
ابلوج	مصری
ابھال	بادل
ابھاے	چھلانگ
اپ	آپ
اُپ روپ	نادر
اُپس	اپنے
اپکار	احسان
اتا	اب
آتارو	اتارنے والا
اُتال	اب
آتم	اعلیٰ
اتھا	تھا
اُجال	روشن
اجنون	ہنوز ، ابھی تک
آچانا	اٹھانا ، بلند کرنا
اچنا	ہونا ، رہنا
اچھنا	ہونا ، رہنا
ادار	ادھار ، سہارہ
ادنتری	معلق
اساس	آہ ، سانس

آکھنا	کہنا
اگن	آگ
اگھارنا	نمایاں کرنا
الکھ	چھپ کر
آمڈ	امنڈ
اناحق	ناحق ، بیکار
انپڑنا	پہنچنا
انجھو	آنسو
اندرون	اندر
اندیشیا	سوچا ، غور کیا
اندھیاری	اندھیرا
اندھلا	اندھا
آنگے	آگے
اوتاولا	جلد باز
اُوٹنا	سر پر ڈالنا (خاک وغیرہ)
اُور	طرف
اُوکل	بے کلی ، بیچینی
اُولاسا	دلاسا
اُولالا	چُہل ، شوخی
ایتا	اتنا
ایتال	اب
ایکلی	اکیلی
ایلاڈ	ادھر

ب

باتی	بتی (چراغ کی)
باٹ	راہ ، راستہ
بادر	بادل

بار	دیر
بارا	ہوا
باؤ	ہوا
باول	باولا ، دیوانہ
بتر	بھیتر ، اندر
بٹاؤ	باٹ چلنے والا ، راہی
بجاگ	بجوگ ، فراق
بچار	سوچ ، غور ، تدبیر
بچتر	مصور
بدل	لیے ، واسطے
بڑھانا	بڑھانا
برجینار	دغا باز ، مکار
برنا	جلنا
برہ	ہجر ، فراق
بس	زہر
بسارنا	بھولنا ، بھلانا
بست	چیز
بسراٹ	بھولنا ، بھلانا
بسلانا	بٹھانا ، بٹھلانا
بسنہار	بسنے والے ، رہنے والے
بسوار	مسالا
بکٹ	سخت
بمن	باہمن ، برہمن
بندلہ	بوند ، قطرہ
بنگار	سونا (دھات)
بوٹ	پور (انگلی کا پور)
بہانا	گزرنا
بہوت	بہت
بیاکل	بے چین

بیتنا	گزرنا
بیسنا	بیٹھنا
بیگ	جلد
بیگی	جلدی
بیل	گوت ، نسل ، سلسلہ
بیلاڑ	باہر ، آگے

بھ

بھارا	ہوا
بھانا	پسند آنا
بھانا	ڈالنا
بھاسنا	ڈالنا
بھجنا	یاد کرنا
بھونا	مل جانا ، شامل ہو جانا
بھشت	بھرشٹ ، برا ، ناپاک
بھلتا	فریفتہ
بھنور	بھنورا
بھوگنا	عیش کرنا ، مزے اڑانا
بھئی	ہوئیی
بھئیے	ہوئیے
بھئیں	بھومی ، زمین
بھیی	پھر
بھیاؤ	بیاہ ، شادی
بھیتر	اندر
بھیرنا	پسند کرنا

پ

پاچ	زمرد
پاچ	مکڑی کا جالا

پارکھا	پارکھ ، پرکھنے والا
پاڑنا	ڈالنا
پال	مینڈھ ، کنگورہ ، بند
پالشت	پلید ، ناپاک
پالیتی	جاسوس
پایک	قاصد
پتیارا	اعتبار
پتیانا	اعتبار کرنا
پٹھانا	بھیجنا
پختکاری	پختہ کاری
پران	جان
پرانا	درد ہونا ، دکھنا
پرت	محبت ، الفت
پرتا	بساط ، طاقت
پردیس چھانا	پردیس بسانا
پرسن	خوشی
پرکٹ	ظاہر
پرگم	متفکر
پرم	پریم ، محبت
پریشانگی	پریشانی
پریکھا	پریشانی ، غم
پگ	قدم
پگن	قدم ، پاؤں
پون	ہوا
پُوتھی	کتاب
پولاد	فولاد
پہرنا	پہننا
پے	پیچھے
پے (میں پڑتا)	پیچھے پڑتا

پیسنا	داخل ہونا
پیکا	پیسہ
پیلاڑ	پرے ۔ ادھر

پھ

پھاندا	پھندا
پھانٹا	شاخ
پھانکنا	بھاگنا
پھٹ	پھٹکار ، لعنت ، ملامت
پھکٹ	مفت

ت

تانتا	چرچا
تجنا	ترک کرنا
ترپھرنا	تڑپنا
تروار	تلوار
تل	لمحہ
تلملنا	تلملانا
تلین	تلے ، نیچے
تمامی	تمام ، کل
تہیں	تو ہی
تے	سے
تیرالو	تیراک
تین	تو ، تم

تھ

تھنجی	دھوکا
تھے	سے
تھیں	سے

ٹ

ٹٹ	ٹوٹ
ٹٹنا	ٹوٹنا
ٹک	ذرا ، تھوڑا
ٹومنی	ایڑ ، ٹھوکر
ٹونیاں	ٹونے، جادو ، سحر

ٹھ

ٹھار	جگہ
ٹھاکر	مالک ، سائیں
ٹھاون	جگہ
ٹھیلنا	ٹالنا ، رد کرنا ، ڈھکیلنا

ج

جارا	جلا ، جلایا
جالنا	جلانا ، جلنا
جپنا	یاد کرنا
جترب	سیوا ، شعار
جتن کرنا	حفاظت کرنا
جد	جب
جرم	ہمیشہ
جگ	دنیا
جگت	دنیا
جم	ہمیشہ
جنا	شخص ، آدمی (ایک جنا)
جناور	جانور
جنم	پیدائش
جنم کانا	جنم لینا
جنگم	بڑا ، عظیم

جوبن	پستان
جیو	جان
جیوڑا	جان
جیون	زندگی
جیونا	جینا
جیوتی	روشنی

جھ

جھاڑ	درخت
جھال	چوکڑی
جھڑتی دینا	تلاشی دینا ، جھاڑا دینا
جھونٹے	بال

چ

چاڑ	نشان
چاڑی	چغلی
چاندن	چاندنی
چتر	چالاک
چترنا	تصویر کھینچنا
چٹ	ہوس
چٹ	فوراً
چٹک لانا	پھسلانا
چک	ذرا ، تھوڑا ، قدرے
چکل چکل	لپٹ لپٹ کر ، دبا دبا کر
چکلا	چوڑا
چکنا	بند ہونا
چکنا	دبانا
چکور	ممنون
چلنت	چال ، چلن
چمٹی	چیونٹی

چنتا	فکر
چنتیا	فکر کی
چند	چاند
چندا	چاند
چوڑ	نقصان
چوسار	ہوشیار ، دانا
چوساری	ہوشیاری
چوندھر	چاروں طرف
چونری	دوپٹہ ، چنری
چیتنا	ہٹنا ، دور ہونا
چیتنا	اچھا ہونا ، بحال ہونا
چینت	فکر

چھ

چھانڈ	چھوڑ کر
چھلٹا	چھلکا
چھلا	چھالا ، آبلہ
چھند	ترکیب
چھند	ناز و ادا ، کرشمہ
چھیل	کثرت (ریل چھیل)

خ

خدا کی سوں	خدا کی قسم ، بخدا
خوش حالیاں کرنا	خوش فعلیاں کرنا
خوش	اچھا

د

داٹ	مضبوط
دارد	دروازہ
درازہ	دروازہ

دارو	دوا ، علاج
دارو	شراب
دتی	دوتی ، لگائی بجھائی کرنے والی
درس	درشن ، دیدار
دڑی مارنا	چپ چاپ رہنا
دسنا	کہنا ، بیان کرنا
دسنا	دیکھنا ، دکھائی دینا
دغا کھانا	دھوکا کھانا
دک	سرحد ، حد ، روک ٹوک
دگدانا	ڈگمگانا
دند	دشمن
دندی	دشمنی
دوانا	دیوانہ ، ممنون
دوانی	دیوانی
دوجانا	دوسرا
دورائی	آقائی
دوو	دونوں
دوھیلا	مشکل
دھانا	حملہ آور ہونا
دھیلا	مشکل
دھیلی	مشکل
دہاڑا	دن
دیس	دن
دیس انتر	دیس نکالا
دینو	دیا (دینا مصدر سے)
دیو	شیطان
دیورا	دیولا ، دیا ، چراغ
دیہ	جسم

دھ

دھات	طرح ، طور
دھاڑ	آفت ، مصیبت
دھانا	دوڑنا ، دوڑانا
دھتا	دھوکا
دھتیارا	دغا باز
دھرکت	خیر ، بھلائی
دھگڑ	دھگڑا ، آشنا
دھلاں	دھما چوکڑی
دھمکنا	دھلنا
دھمس	دھومش ، شور
دھن بھاگ	خوش قسمت
دھنگانا	ہنگامہ کرنا ، ہنگامہ
دھونسا	نقارہ

ڈ

ڈاٹ	مضبوط
ڈانڈا	کنارہ ، حد ، سرحد
ڈلنا	پھرنا ، چلنا
ڈگنا	گرنا
ڈنکلانا	ڈنک مارنا
ڈنگر	جانور ، مویشی
ڈونگر	پہاڑ ، چٹان
ڈونگی	گہری

ڈھ

ڈھالنا	نکالنا ، گرانا
ڈھلنارے	ڈھیٹ ، دغا باز
ڈھنڈ	بڑا ، گہرا تالاب ، جھیل
ڈھیگ	ڈھیر ، انبار

ر

راجوٹ	حکومت ، سلطنت
راس	ڈھیر
راسک راس	ٹھیک ، درست
راوان	توتا
راؤنا	چاہنا
رت	موسم
رتی	ریت ، قول
رج	جذبہ و خواہش
رچہ	غیرت
رچنا	قائم ہونا ، لڑنا
رس	مزہ ، خوبی
رسری	رسی ، ڈوری
روک	درخت
رلنا	ملنا (خاک وغیرہ میں)
رم رہنا	بس جانا
روکھ	درخت
رون	رواں ، بال ، ریشہ
رویش	روشنی
ریج	شوق ، جذبہ ، ولولہ
ریس	مقابلہ ، حسد
ریل چھیل	ریل پیل ، کثرت

س

ساجن	محبوب
سار	مانند ، طرح
سانڈنا	جوڑنا ، ملانا
سانڈی	دیوانہ
ساؤچت	محتاط

سان	مانند
سانسا	خوف
سبزک	نیل کنٹھ
سبھ	نیک ، مبارک
سبھاؤ	خوبی ، حسن
سیتمی	ظالم
ستے	سیے
سٹی بھانا	بہتان لگانا
سٹنا	ڈالنا ، گرانا
سجن (سجنی)	محبوب
سدھ	سادھو ، درویش
سدھ	سمجھ ، ہوش
سرا	شراب
سرنا	تکمیل ہونا ، پورا ہونا
سر منڈلا	ڈھول
سری	مانند
سڑنا	جلنا
سکارے	صبح
سکال	ارزانی
سکت	قدرت ، طاقت
سکتا	قادر
سکنا	قدرت رکھنا
سکائی	دوستی
سگرا	تمام ، کل
سگری	تمام ، کل
سگھڑول	سگھڑ ، سلیقہ مند
سلگت	سلگتا
سم	مانند
سہان	مانند

سمے	وقت
سمند	سمندر
سمند	سمندر
سمندور	سمندر
سنپڑنا	حاصل ہونا
سننا	سونا
سنچرنا	نمودار ہونا ، ظاہر ہونا
سنگاتی	ساتھی
سنمکھ	مقابل ، سامنے
سین	سے صیغہ مستقبل ''گا''
سو	صیغہ مستقبل ''گا''
سوان	قسم ، حلف
سورات	خود غرضی
سوسنا	برداشت کرنا
سون	سے
سہاتا	خوبصورت ، اچھا لگنے والا
سہنا	سپنا ، خواب
سی	گا (علامت مستقبل)
سیتے	سے
سیس	ر
سین	سے
سین	سیس ، سر
سین	نشانی
سیوک	خادم
سینسار	جگ ، دینا
سیت مارنا	میدان مارنا
سیونا	سیوا کرنا

ش

شانا	سیانا
شور لانا	شور کرنا

ع

عجائیب	عجیب

غ

غروری	غرور
غلبلا	بے تابی
غلغال	غلغلہ ، شور

ف

فام	سمجھ
فتوا	بہتان

ک

کا	کسی
کاہو	کسی کو
کارن	واسطے ، سبب
کاڑنا	نکالنا
کاڑھنا	نکالنا ، نکلنا
کاڑی	تنکا
کاک	کوا
کاکوت	حرص
کاگد	کاغذ
کال	زمانہ ، وقت
کالویاں	ناپے
کاں	کہاں
کاند	دیوار
کاہو	کسی کو
کاہے	کس لیے ، کیوں
کبل	مشکل
کت	کہاں

کتا	کتنا
کیتے	کہتے
کتیک	متعدد ، کتنے
کچ	کچھ
کچاٹ	فساد
کد	کب
کدھان	کب
کدھوں	کبھی
کدھی	کبھی
کدھیں	کبھی
کر	ہاتھ
کرتار	کرنے والا
کرم	قسمت
کرییے	کیجئے
کلانا	جھگڑا کرنا
کلا کتیاں	مکاری
کلف	قفل ، تالا
کلکلانا	شور کرنا
کلکلاٹ	بے قراری
کن	دانہ ، اناج
کن	کنے ، پاس
کن	کس
کنا	پاس
کنت	پیارا
کنتھ	پیارا
کنٹھا کرنا	گلے میں مالا پھننا
کنکا	کنکر
کنے	پاس
کنیں	پاس

کوتی	کوتاہ
کوڑ	کوڑھ ، بے وقوف
کوڑھ	احمق ، بے وقوف
کولا	گیدڑ
کہا	کیا
کہوں	کہیں
کولی	مٹکی ، گھڑا
کون	کو
کی	کیا ، کیوں
کیا	کہا
کیتا	کیا
کیڑا	کون سا
کیف	شراب
کیف کھانا	شراب پینا
کیلنا	بند کرنا ، مقفل کرنا
کیلی	چابی ، کنجی
کیتو	کیا
کیسو	کیا ، کرا

کھ

کھان	کھانا
کھاندا	کندھا ، کاندھا
کھڑنا	واقع ہونا
کھڑنا	رکنا ، ٹھہرنا
کھٹیاں	کھوسٹ بوڑھی عورتیں
کھلگا	بھینسا
کھوز	مانگ کا صندل
کھوڑا	کوڑا ، خاک ، مٹی
کھیر	دودھ

گ

گاجنا	بجنا ، بجانا
گاڈرو	سپیرا ، سانپ کا زہر اتارنے والا
گاڑوڑی	مداری ، بازی گر
گاڑنا	دفن کرنا
گالنا	گلنا ، گلانا
گالنا	برباد کرنا
گانڈا	گنا ، نیشکر
گت	حالت ، کیفیت
گٹ	گھونٹ
گر	گلا
گڑ	گڑھ ، قلعہ
گڑ دینا	بوسہ دینا
گڑکا	پاجامہ
گل	بات
گلانا	گھولنا
گلنا	پگھلنا
گمٹ	گنبد
گمنا	بسر کرنا ، وقت گزارنا
گنبھیر	گہرا
گنبھیری	گہرائی
گن	خوبی ، صفت
گنبت	گنبد
گنوان	گن والا ، خوبیوں والا
گنوایے	ضائع کرے

گھ

گھالنا	ڈالنا
گھابرا	گھبرایا

گھانگرا گھول	پریشان
گھٹ	کم
گھٹ	سخت
گھٹ	گھونٹ
گھر گھالو	گھر برباد کرنے والا

ل

لاب (لابھ)	فائدہ
لابھنا	ملنا
لاٹنا	ذلیل کرنا
لاگا	لگا
لانا	لگانا
لانڈ کا	بھیڑیا
لائی	لگائی
لبھانا	تلاش کرنا
لت	لات ، ٹانگ
لتّا	کپڑا
لٹ	بال
لٹ	لوٹ
لٹنا	کمزور ہو جانا ، گھٹنا ، کم ہونا
لڑنا	کاٹنا یا ڈسنا (بچھو ، سانپ وغیرہ کا)
لکھ	لاکھ
لکھن	رونق
لکھند	قلا بازی
لگ	تک
لگائی	عورت
لگن	تک
لوتری	لتری ، غیبت کرنے والی

لوڑ	ضرورت ، طلب
لوڑنا	طلب کرنے
لوکاں	لوگ
لہوا	تلوار
لئی	بہت
لیتا	لیا
لینو	لیا

م

ماتا	مست ، مدہوش
مائی	مٹی
ماس	مہینہ
ماس	گوشت ، بدن
ماسا	موسی ، خالا
ماڑی	بالا خانہ
ماں	میں
مان	عزت
مانا	معنی
مانڈنا	انجام دینا
مانس	مہینہ
مانس	منش ، انسان
مانک	موتی
مت	سمجھ ، فہم
متا	مجال سکت
مت دینا	مشورہ دینا
متے	مست
مجھ	مجھ کو
مرکانا	بل کھانا
مرونا	اکڑ کر چلنا

مفتن	فتنہ والا
مکری	مکان
مکھ	مونھ ، چہرہ
مکھ بچن	پیغام ، گفتگو
مگر	پیچھے
ملاحظہ	لحاظ
مماتی	ممات
منا	منع
منج	مجھے ، مجھ کو
میاں	درمیان
مہروان	مہربان
مون	مونھ ، چہرہ
موپ	سامان
موکلی	مٹھیی
منیں	میں
منے	میں
منگتا	چاہتا ، طلب کرنا
منگنا	چاہنا ، طلب کرنا
منہ	میں
مندھیر	مندر ، بہشت
منجہ	مجھے
میانے	درمیان
میت	دوست
میرا	میل ، ملاوٹ

مھ

مھاڑی	بالاخانہ ، اٹریا ، اٹاری

ن

ناٹنا	بھاگنا
نار	عورت
ناری	عورت
ناریاں	عورتیں
نال	ساتھ
ناندنا	زندگی بسر کرنا ، گزارنا
نانو	نام
نانوں	نام
نبتر	بدتر
نباڑنا	نبیڑنا ، ختم کرنا ، پورا کرنا
نپانا	پیدا کرنا
نپٹ	بہت ، بالکل
نت	ہمیشہ ، سدا
ندان	نادان
ندان	بالآخر ، انجام کار
نرجیون	بے جان
نرمل	خالص
نروائے	نرائے
نرری	نرخرہ
نزیک	نزدیک ، قریب
نس	رات
نسنا	بھاگنا ، جانا ، چلا جانا
نفا	نفع
نقشان چنہ:	اعتراض کرنا
نکسنا	نکلنا
نکست	نکلتا ہے
نکو	نہیں ، نہ ، مت

نمانی	بے کس
ننگانا	لوٹنا ، لوٹ لیا
ننھوا	ننھا ، چھوٹا
ننھوادیں	بچپن
نوا	نیا
نواں	نشیب
نوان	نیا
نہن پن	بچپن
نھاٹنا	بھاگنا ، فرار ہونا
نیٹ	درستی
نین	آنکھ
نیہہ	سنیہہ ، محبت

و

واچ واچ	واہ واہ ، خوب خوب
وادی	داؤں
واری	طرح ، مرتبہ ، دفعہ
وارنا	قربان کرنا
واری	قربان
واز	بیزار
ور ہونا	غالب ہونا
وزا	وضع ، طرح ، طریقہ
وصول	اصول
واقا	واقعہ
واں	وہاں
ول	طرف ، سمت
و و	وہ
وویں	اُسی دم، اُسی وقت

ہ

ہاٹ	بازار ، دکان
ہانسی	ھنسی
ہانک	پکار ، آواز
ہانکنا	پکارنا ، آواز دینا
ہب	اب
ہچ	احمق
ہڈ	ہڈی
ہلگنا	اٹکنا
ہم	ہمت
ہمنا	ہم کو ، ہمیں ، ہم نے ، ہم میں ، ہم ہم
ہمون	ہم
ہمکارنا	ھانکنا ، ہکالنا
ہور	اور
ہوڑ	شرط
ہونک	پکار
ہوئے	ہو ، ہوبے
ہیا	دل ، جان ، زندگی
ہیہ	دل جان

ی

یاں	یہاں
یتا	اتنا
یتے	اتنے
یو	یہ
تے	یہ

اس فہرست کو جو بظاہر خاصی طویل معلوم ہوتی ہے ہندوی یا آردوئے قدیم کا مکمل لغت نہیں سمجھنا چاہیے ۔ تاہم اسے اردوئے قدیم کی تفہیم اور مطالعے کے لیے ایک کلید قرار دیا جا سکتا ہے ؛ اس کے تجزیے سے اردو کے لسانی ارتقا کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اس عہد قدیم کی بعض صرفی و نحوی خصوصیات کا بھی پتا چلتا ہے ۔ مختصراً یہ خصوصیات حسب ذیل ہیں :

افعال

افعال میں بڑی تعداد ان افعال کی ہے جن کا ماخذ پراکرت ہے ۔ سنسکرت کے جو افعال آئے ہیں وہ بھی پراکرت کے دور سے گزر کر آئے ہیں اور اردوئے قدیم میں ان کی پراکرتی شکلیں ہی ملتی ہیں ۔

۱ ۔ علامت مصدر جو اردوئے معلیٰ اور جدید اردو میں صرف ' نا ' ہے ، اس کی جگہ اردوئے قدیم ' ناں ' ہے ۔ ایسے افعال جو حروف علت پر ختم ہوتے ہیں ، ان میں یہ علامت ' وُنا ' یا ' وُناں ' ہے ۔ مثلاً آوُنا یا آوُناں ' لکھناں ' ۔

۲ ۔ فارسی کے مصادر سے جو اردو مصادر بعد کی زبان میں ملتے ہیں ، مثلاً گزرنا (فارسی مصدر گزشتن) ، اس کی مثالیں اس دور میں کم ملتی ہیں ۔ مثلاً ''سب رس'' کے ایک صفحے پر حسب ذیل افعال اپنی مختلف صورتوں میں موجود ہیں[۱] :

دیکھا (دیکھنا سے ، بجائے دیکھیا جو زیادہ عام ہے)
پوچھیا (پوچھنا سے)
بات کرنا (بات + کرنا)
بولیا (بولنا سے)
لکھیا (لکھا سے)
کھولیا (کھولا سے)
لیایا (لایا سے)

---

۱ ۔ ملا وجہی ۔ سب رس ، مرتبہ عبدالحق ، طبع دوم ۱۹۵۲ء ص ۷۸ ۔

بولیا (بولا سے)
آیا (آنا سے بجائے آئیا)
ڈھونڈے (ڈھونڈنا سے)
پاوے (پانا سے)
جاوے (جانا سے)
اچاوے (اچانا سے)
آوے (آنا سے)
سن (سن کر ، سننا سے)
چھپایا (بجائے چھپائیا ، چھپانا سے)
پاوے (پایا سے)
لیوے (لینا سے)
دیکھتا ہے (دیکھنا سے)
ڈھونڈتا ہے (ڈھونڈنا سے)
کہیا (کہنا سے)
مارے ہیں (مارا ہے ، مارنا سے)
کیے تھے (بجائے کی تھی ، کرنا + تھاؤنا)
ہوتا (ہونا سے)

یہ پچیس صورتیں مختلف افعال کی مختلف صورتوں کی ہیں ۔ اس صفحے پر کل تعداد الفاظ کی ۲۳۳ ہے ۔ گویا افعال عبارت میں تقریباً دس فی صد ہیں اور یہ سب کے سب پراکرتی الاصل ہیں ۔

۳ ۔ ماضی مطلق بنانے کے لیے جہاں موجودہ اردو میں یہ قاعدہ ہے کہ علامت مصدر ' نا ' دور کر کے صرف الف کا اضافہ کرتے ہیں (مثلاً لکھنا سے لکھا) وہاں ہندوی میں اس موقع پر ''یا'' کا اضافہ کرتے ہیں (مثلاً لکھنا سے لکھیا) ۔ اور اگر مصدر علامت مصدر کے دور کرنے کے بعد الف پر ختم ہو تو بجائے ' یا ' ئیا (آنا سے آئیا) کا اضافہ کرتے ہیں ۔

۴ ۔ ایسے افعال متعدی جن کی ماضی مطلق ، ماضی قریب ، ماضی بعید اور ماضی احتمالی کے ساتھ ' نے ' آتا ہے ، ہر حالت میں موجودہ اردو

میں فعل مذکر ہی آتا ہے خواہ فاعل مذکر ہو یا مؤنث ، (مثلاً مرد نے کہا ، عورت نے کہا)۔ اردوئے قدیم میں مذکر فاعل کے لیے مذکر فعل اور مؤنث فاعل کے لیے مؤنث فعل لاتے ہیں ، لیکن خود ' نے ' کا استعمال بہت بے قاعدہ اور غیر مرتب ہے ۔ یہ صورت بہت بعد تک قائم رہی ۔ چنانچہ جان جوشوا کیٹلر نے اردو کی جو قواعد تقریباً ۱۷۱۵ء میں لکھی تھی ، اس میں حرف فاعلی ' نے ' کا کہیں ذکر نہیں ہے ۔ میر امن کی '' باغ و بہار '' میں بھی اگرچہ ' نے ' کا استعمال اس موقع پر ہوا ہے ، لیکن عدم استعمال کی بھی مثالیں موجود ہیں ۔

۵ ۔ ماضی مطلق کی ایک اور قدیم صورت یہ ہے کہ بجائے ' یا ' کے ' ے ' لاتے ہیں ۔ بالخصوص جب علامت مصدر کے بعد فعل حرف علت پر ختم ہو رہا ہو ۔ مثلاً احمد دکھنی اپنی تصنیف '' لیلیٰ مجنوں '' میں لکھتا ہے :

دیتے امر علی کے یہ باغ لاؤں
جو پا لوں اسے شہ امریت ناٹوں

۶ ۔ موجودہ اردو میں قاعدہ یہ ہے کہ فاعل اگر مؤنث جمع ہو اور فعل مرکب ہو (یعنی فعل اصلی + امدادی فعل) تو فعل اصلی واحد ہی رہتا ہے ۔ مثلاً لڑکی لکھتی تھی جمع لڑکیاں لکھتی تھیں ۔ قدیم اردو میں ایسی صورت میں اصل فعل بھی جمع لاتے تھے ۔ مثلاً :

'' اصیل عورتاں اپنے مرد بغیر دسرے کوں اپنا حسن دیکھلانا گناہ کر جانتیاں ہیں ۔ اپنے مرد کو ہر دو جہاں میں اپنا دین و ایمان کر پہچانتیاں ہیں ۔ ''

افضل '' بارہ ماسہ '' میں لکھتے ہیں :

دھالاں کرتیاں گھر گھر پھرت ہیں
پیا سنگ ناریاں سب سکھ کرت ہیں

یہ صورت آتیاں جاتیاں کی دلی میں بھی بہت بعد تک قائم رہی ۔ میر تقی میر فرماتے ہیں :

وہ دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں
سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبہ

اور میر حسن کی مثنوی کا مشہور شعر ہے :

ادھر اور ادھر آتیاں جاتیاں
پھریں اپنے جوبن پہ اتراتیاں

بعد میں خود دہلوی حضرات نے یہ ترکیب ترک کر دی تھی اور لکھنوی حضرات بھی اس طرح نہیں بولتے تھے ۔ تاہم میر انیس جو لکھنؤ میں رہنے کے باوصف اپنی دہلویت پر ناز کرتے تھے فرماتے ہیں :

جلدی میں گو جوانوں نے چوٹیں بچائیاں ۱

۷ ۔ اس قدیم اردو میں ماضی مطلق کی دو شکلیں ملتی ہیں ۔ مثلاً کرنا سے ' کینا ' اور ' کیتا ' پنجابی کے علاوہ دکھنی میں عام طور پر ملتا ہے ۔ ' کینا ' برج کے علاقائی اثرات کا نتیجہ ہے ۔ اسی طرح دینا سے دیتا ، اور دینا ۔

۸ ۔ ماضی احتمالی میں جہاں مصدر سے علامت مصدر ' نا ' دور کر کے ' تا ہو ' لگاتے ہیں ، مثلاً کھاتا ہو ، وہاں اردوئے قدیم میں ' ہوئے ' یا ہووے ، استعمال کرتے ہیں ۔

۹ ۔ مضارع کا حال بھی اسی طرح ہے : آوے ، جاوے بجائے آئے ، جائے ۔

۱۰ ۔ مصدر اور امر دونوں کی ایک صورت ہے ۔

۱۱ ۔ مستقبل کے لیے دکھنی میں لاحقہ ' سی ' کا استعمال عام ہے لیکن اسے دکھنی کی خاص پہچان نہیں سمجھنا چاہیے ۔ محمود شیرانی لکھتے ہیں :

---

۱ ۔ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ترجمہ قرآن شریف میں فرماتے ہیں : ''واسطے مردوں کے ہے حصہ اس چیز سے کہ کہاتے ہیں اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے اس چیز سے کماتیاں ہیں'' ۔
' آرائش محفل ' میں ہے : '' ایسی ایسی اوجھڑیں باہم چلتیاں ہیں کہ دیکھنے والوں کی مارے ہیبت کے جانیں نکلتیاں ہیں ۔''

’ گا ‘ قسم کے مستقبل کے علاوہ جو پنجابی اور اردو میں عام ہے
پنجابی میں ایک اور مستقبل ہے جو ’ سی ‘ کی تصریف سے بنتا ہے ۔
اس کا تعلق زیادہ تر لہندا یا ملتانی سے ہے ۔ اس مستقبل کا صیغہ
واحد غائب دکھنی میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے ۔“

’ سی ‘ کا استعمال صرف صیغہ واحد غائب کے لیے دکھنی میں بھی بحث طلب مسئلہ ہے اور مزید تحقیق کا محتاج ہے ۔ پنجابی میں ’ سی ‘ کی تصریف سے بننے والے مستقبل کی مثالیں شیرانی صاحب نے الگ کر کے نہیں دکھائیں ۔ لاہور کی پنجابی میں آج بھی ’ سی ‘ بجائے مستقبل کے ماضی مطلق کے امدادی فعل ’ تھا ‘ کی جگہ استعمال ہوتا ہے (کہندا سی ، کہتا تھا ، آیا سی ، آیا تھا) ۔ ملتانی میں البتہ مستقبل کے لیے استعمال زیادہ واضح ہے ۔ شیرانی صاحب نے خود لکھا ہے کہ یہ مستقبل کے لیے ہندوستان کی کئی زبانوں میں ملتا ہے ۔ مثلاً گجراتی ، مارواڑی ، جیپوری ، نیماڑی اور ملتانی ۔

گجراتی

ہوں مارس ، تو مارسیے ، تے مارسیے ، ہم ماری سوں ، تے مار سو ، تیو مارسیے ۔

مارواڑی جیسلمیری

ہوں مارس ، تو مارس ، او مارسیے ، مھے مارساں ، تھے مارسو ، او مارسیے ۔

جے پوری

ہوں مارشوں ، تو مارشی ، او مارشی ، مھے مارشاں ، تھے مارشو ، اور مارشی ۔

نیماڑی

ہوں مارس ، تو مارس ، وو مارسیے ، ہم مارساں ، تم مارسو ، وو مارسیے ۔

ملتانی

میں مریساں ، تو مریسیں ، او مریسی ، اساں مریسوں ، توساں مریسو ، او مریس ۔

’سی‘ کا استعمال دکھنی میں شیرانی صاحب کے قیاس کے مطابق راجپوتانہ سے آیا ہو گا ۔ یہ قیاس بحث طلب ہے[۱] ۔ دکھنی کی اور شکلوں میں کہیں راجستھانی کا اثر نظر نہیں آتا ۔

۱۲- اردوئے قدیم میں خبر کی تذکیر و تانیث واحد و جمع مبتدا کے مطابق آتی ہے ۔ موجودہ اردو میں کہتے ہیں : یہ بات بھلی نہیں ، یہ باتیں بھلی نہیں ۔ دونوں صورتوں میں ’بھلی‘ استعمال کرتے ہیں ۔ لیکن اردوئے قدیم میں جمع کی صورت میں ’بھلیاں‘ استعمال کرتے تھے ۔ سودا کا شعر ہے :

روانہ ہو گیا سودا تو آخر ریختہ پڑھ پڑھ
نہ میں کہتا تھا اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

۱۳ ۔ موجودہ اردو میں صفت موصوف کی ترکیب میں موصوف مؤنث ہو تو واحد و جمع میں صفت بہ ہر صورت واحد آتی ہے ۔ اچھی لڑکی ، اچھی لڑکیاں ۔ اردوئے قدیم میں صفت کو موصوف کی مطابقت میں جمع لاتے تھے ۔

---

۱ ۔ شیرانی صاحب کا یہ قیاس درست نہیں کہ دکھنی میں اس کا استعمال صرف صیغہ واحد غائب کے لیے ہوتا تھا ۔ فیروز کے ’پرت نامہ‘ میں ہے :

ہمارے جو عاشق نہ پہچان سی
جو معشوق میرے نہ تو جان سی

یہاں صیغہ واحد حاضر کی مثال مصرع ثانی میں ہی موجود ہے ۔ پرت نامہ ، مرتبہ ڈاکٹر مسعود حسین خان ، قدیم اردو ، جلد اول ۱۹۶۵ء ص ۳۵۱ ۔ ملا وجہی بھی صیغہ واحد حاضر کے لیے ’سی‘ استعمال کرتے ہیں :

جوں لگن توں سب تی بے طمع نا ہوسی
عشق میں آئے بغیر خاطر جمع نا ہوسی

(سب رس ص ۲۰)

۱۴ - اضافت اپنے فاعل کی تذکیر و تانیث اور واحد و جمع کے مطابق ہوتی تھی - مثلاً ۱ :

" اور اس میں کوٹھریاں رنگ برنگی ہیں - بعض چاندی کیاں بعض یا قوت کیاں اور بعض زمرد کیاں اور زبر جد کیاں اور بعض جواہرات سفید کیاں (از کتاب ہزار مسائل) -

۱۵ - دکھنی یا شمالی ہند کی اردوئے قدیم میں 'سی' کے استعمال کو کسی علاقے کی کلیدی لسانی خصوصیت قرار نہیں دیا جا سکتا - دکھنی میں جہاں 'سی' آیا ہے وہاں 'گا' کی مثالیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں - مثلاً 'سب رس' میں یہ جملے موجود ہیں :

"جیتا کوئی طبیعت کے کواڑ کھولے گا ، اس کتاب میں نین سو بات کیا بولے گا -"

" جتے گن کار کرتے ہیں گن ، اس باغ میں تے لیں گے پھول چن چن -

" جس کے دماغ میں پھول کی باس جاوے گی ، تازی ارواح تن میں آوے گی -

" اس دریا میں غوطہ کھائیں گے تو جاگا جاگا کے غواض موتیاں پائیں گے" -

"ہم ہندو تجھ تے پاٹ پا تجے مانیں گے ، ہم مسلمان تجے بڑا ہے کر جانیں گے -

" مال دھن سب خرچا جاوے گا ، آخر یوچہ کام آوے گا -
آخر نام یوچہ اچاوے گا -

افضل نے بھی گا کا استعمال کیا ہے :

وگرنہ جـاں زتن چلتا رہے گا
اگن غم موں جگر جلتـا رہے گا

۱ - محمود شیرانی ، پنجاب میں اردو ، صفحہ ۱۰۱ -

تمھارا مجھ اپر احسان ہو گا
گویا مردے کے تئیں جیودان ہوگا

۱۶ - دکھنی کے مقابلے میں ہم عصر شمالی ہند کی اردوئے قدیم میں 'نے' کا باقاعدہ استعمال کسی قدر پہلے شروع ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کے استعمال میں ابتری کا سلسلہ بعد تک جاری رہتا ہے۔ افضل لکھتے ہیں :

سکھی دن یوں گیا نس یوں بہانی
بہاری پیر تم نے کچھ نہ جانی

کہے برہن کہ پھاگن مانس آیا
سبھوں نے روپ رنگا رنگ بنایا

معصفر چونریاں سب بھر آئیں
سبھوں نے کھوڑ سوں مانگاں بھرائیں

جنھوں نے دل مسافر سوں لگایا
انھوں نے سب جنم رووت گنوایا

اری اس لاگ نے رسوا کیا ری
پیا کے عشق میں یہ جیو دیا ری

کہ تجھ کوں لاج جگ کی کچھ نہ آئی
کری تم نے ہمیں سوں بے وفائی

سنو سکھیو کہ اب بیسا کھ آیا
کویل نے انبہ پر چڑھ شور لایا

ہمارے پیو جھوں گھر نا پھرے ری
اری کن دوتیوں نے بس کرے ری

ترے غم نے نپٹ مجھ کوں دھارے
نکستا جیو لبوں پر آ رہا ہے

اری میں دوڑ کے پاؤں پڑی جائے
پیا نے گر پکڑ لینی گلے لائے

خموش افضل ازیں مشکل کہانی
کسو نے حد اس دکھ کی کہانی (کذا)

۱۷ - اردوئے قدیم کی دکھنی صورت میں 'چ' کا استعمال بطور لاحقہ تاکید کے لیے 'ہی' کے معنوں میں عام ملتا ہے - یہ غالباً مرہٹی کا اثر ہے - شمالی ہند میں اس کی مثالیں تلاش سے مشکل سے ہی ملیں گی ، اس کی شکل 'چ' اور 'چہ' دونوں طرح ملتی ہے -

۱۸ - نکو ، کلمہ نفی بمعنی نہیں اردوئے قدیم میں صرف دکھنی میں ملتا ہے اور ایک حد تک دکھنی کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے - اس کا ماخذ غالباً مرہٹی ہے جس کا اثر دکھنی پر جغرافیائی اعتبار سے بالکل قدرتی امر ہے - دکھنی میں اس کے علاوہ نہ ، نا ، نیئں ، نیں ، ناہیں ، مت بھی ملتے ہیں - 'نا' کا استعمال بجائے 'نہ' شمالی ہند میں خاصے بعد کے عرصے تک ملتا ہے اور شمالی ہند کے بعض علاقوں میں علاقائی خصوصیت کی پہچان میں کام آتا ہے - یہ غالباً برج بھاشا کا حلقہ اثر ہے - چنانچہ ضلع بدایوں میں اب تک 'نہیں' کی جگہ 'نا' کا استعمال ہوتا ہے - میں نا جاؤں گا ، میں نا آؤں گا عام بول چال میں اب بھی موجود ہے - 'نا' کے استعمال کی بعض مثالیں پنجابی میں بھی ملتی ہیں - شیرانی صاحب نے عبدالحکیم صاحب کا ایک شعر نقل کیا ہے :

ولیکن ایہ خیانت نا کریساں[1]
ایہو ٹکا متھے اپنے نہ لیساں

۱۹ - موجودہ اردو میں امر کا صیغہ مصدر سے صرف علامت مصدر دور کرنے سے بنتا ہے (کرنا سے کر)؛ اردوئے قدیم میں ایک شکل اور ہے جو 'ئیں' یا 'ویں' کے لاحقہ سے بنتی ہے۔ خوب محمد چشتی اپنی مثنوی "خوب ترنگ" سنہ ۹۸۶ھ میں لکھتے ہیں:

جوں مجنوں تھا پہلی شان
ووں مجنوں مت کریں گمان

اس کی بعض صورتیں بعد تک باقی رہیں اور اب بھی ملتی ہیں۔

۲۰ - اردوئے قدیم میں ایک عام رجحان حروف علت کو چھوٹا کرنے کا ہے۔ مثلاً الف کی جگہ زبر اور و کی جگہ پیش، مثلاً گڈی بجائے گاڑی، منگیا یا منگا بجائے مانگا، ہت بجائے ہات (ہاتھ)، بدل بجائے بادل، تل بجائے تال، کھنڈ بجائے کھانڈ، بھنڈ بجائے بھانڈ، کھٹ بجائے کھاٹ یا ٹٹ بجائے ٹوٹ، پھل بجائے پھول، دسرا بجائے دوسرا، بند بجائے بوند۔

۲۱ - اردو میں مصدر کو منصرف کرنے کے لیے مصدر کے آخری حرف الف کو 'ے' سے بدل دیتے ہیں۔ چلنا سے چلنے، نکلنا سے نکلنے۔ اردوئے قدیم میں آخری حرف کو گراتے ہیں اور نون سے پہلے کے ساکن حرف کو زبر کے ساتھ متحرک کر دیتے ہیں۔ مثلاً چلنا سے چلن، کہنا سے کہن۔ افضل اپنے "بارہ ماسہ" میں لکھتے ہیں:

اگر غم ہے تمے میری اگن کا
کرو کچھ فکر پیارے کے ملن کا

۲۲ - جمع کے لیے اسم خواہ مذکر ہو یا مونث اردوئے قدیم میں عام طور پر ان بطور لاحقہ استعمال کرتے ہیں، مرداں عورتاں۔ موجودہ اردو میں اسم کی حالت اور تذکیروتانیث سے جمع میں فرق پڑتا ہے۔ اردوئے قدیم میں اس کا زیادہ لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

۲۳ - اردوئے قدیم میں اکثر 'ہ' کی آواز گر جاتی ہے۔ مثلاً جان بجائے جہان، کاں بجائے کہاں کتے بجائے کہتے استعمال کرتے ہیں۔

---

۱ - پنجاب میں اردو ص ۱۱۲

۲۳ - اردوئے قدیم میں اکثر عربی فارسی الفاظ میں ایک 'ی' زائد ملتی ہے - مثلاً حیاتی بجائے حیات ، غمی بجائے غم ، غروری بجائے غرور ، نظری بجائے نظر ، خماری بجائے خمار ، خوشی بجائے خوش ، نشانی بجائے نشان ، پناہی بجائے پناہ ، نہانی بجائے نہان - شیرانی صاحب کا بیان ہے کہ پنجابی میں غیر زبان کے الفاظ کے آخر میں ایک یائے زائدہ کا اضافہ کردیا کرتے ہیں جس کے بظاہر کوئی معنی نہیں ہوتے جیسے نظر سے نظری اور حیات سے حیاتی - اگرچہ انھوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ اردوئے قدیم میں یہ روش پنجابی سے آئی لیکن اس بیان سے وہ یقیناً یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ پنجابی اور اردوئے قدیم اس باب میں ہم نوا ہیں - یہ درست ہے لیکن اس یائے زائدہ کے اضافے کی تحقیق کے لیے دوسری زبانوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے -

۲۵ - جدید اردو میں ایک قسم کا مرکب ایک اسم کی تکرار سے بنتا ہے - مثلاً گھر گھر ، در در ، بات بات ، پات پات - اردوئے قدیم میں پہلے اسم کے بعد ایک 'ے' یا 'ین' کا اضافہ کرتے ہیں - مثلاً گھرے گھرے ، گھرین گھر -

۲۶- اردوئے قدیم میں بعض الفاظ میں 'ل' پر 'ر' کو ترجیح دی گئی ہے ، مثلاً گر (گل گلا) ، کاری (کالی) ، سانورا (سانولا) ، جرنا (جلنا) ، ڈارنا (ڈالنا) - ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا خیال ہے کہ یہ برج [1] کی خصوصیات ہیں - ان کو یہ مثالیں افضل کے "بارہ ماسہ" کی زبان میں ملتی ہیں جن کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے :

" افضل خاں کے " بارہ ماسہ " کی زبان کا تعلق پانی پت سے نہیں ہے بلکہ اس اردو سے ہے جو آگرے کے بازاروں میں بولی جاتی تھی اور جو شعر کا پیکر اختیار کرنے سے قبل برج بھاشا کے رنگ و آہنگ کو قدرے قبول کر لیتی تھی -"

لیکن یہ تمام مثالیں جو ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے " بارہ ماسہ " سے پیش کی ہیں عام طور پر دکھنی مصنفین کے یہاں بھی مل جاتی ہیں ، اس لیے ان کو برج کی خصوصیات قرار دینا مشتبہ ہے - اردوئے قدیم کی ایک اور

---

۱ - قدیم اردو ، صفحہ ۳۹۸ - ۳۹۹

خصوصیت یہ ہے کہ بعض الفاظ میں طویل مصوتے کا اضافہ ہو جاتا ہے - مثلاً بانسی بجائے ہنسی ، پاتی (بجائے پتر ، خط) ، ماٹی بجائے مٹی - اکثر یہ صورت ایسے الفاظ میں پیش آتی ہے جہاں تشدید ہوتی ہے - مثلاً گڈی سے گاڑی ، مٹی سے ماٹی -

۲۷ - اردوئے قدیم میں عربی فارسی الفاظ کا املا عام طور پر صوتی ہے - یعنی بجائے اصل املا کا اتباع کرنے کے اس لفظ کے مستند تلفظ کو درست مان کر املا اس کے مطابق اختیار کیا ہے - مثلاً نفا (نفع) ، وضا (وضع) ، واقا (واقعہ) ، منا (منع) ، طما (طمع) ، ماملہ (معاملہ) ، مانا (معنی) - قافیے کی بنیاد بھی صوتی صورت پر تھی - چنانچہ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے [۱] کہ ملا وجہی نے ایک جگہ پیاس اور میراث کا قافیہ باندھا ہے -

۲۸ - 'نے' کی طرح 'کر' کا استعمال بھی اردوئے قدیم میں غیر متعین ہے - ملا وجہی لکھتے ہیں :

خدا کیا کرے گا کر استخارہ کرتا تھا ہم مسلمان تجھے بڑا کر جانیں گے

۲۹ - اگرچہ اردو میں ہندی اور فارسی الفاظ کی ترکیب اضافی میں اضافت فارسی کا استعمال قبیح سمجھا جاتا ہے لیکن اردوئے قدیم میں بھیک ، دیدار جیسی ترکیبیں عام طور پر ملتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ معیار غالباً ہندوی دور کے بعد دور اردوئے معلیٰ کی یادگار ہے -

۳۰ - اردو میں ایسے مرکب افعال عام ہیں جن کو امدادی افعال کی مدد سے بنایا جاتا ہے - یہ امدادی افعال اپنے معنی مستقل بھی رکھتے ہیں لیکن مرکب کے ساتھ مل کر ایک نئے معنی پیدا کرتے ہیں - یہ مرکبات دونوں طرح بنتے ہیں - اسم صفت کے ساتھ فعل امدادی ملا کر یا کسی دوسرے فعل کے ساتھ امدادی فعل ملا کر - اس میں یہ بھی قید نہیں کہ اسم صفت یا فعل ہندوی ہو یا فارسی البتہ امدادی افعال اکثر و بیشتر ہندوی ہیں اور زبان کو وسعت دینے کے لیے فارسی اسم اور صفت کے ساتھ ملا کر بھی بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں - اردوئے قدیم میں بھی یہ صورت موجود

---

۱ - عبدالحق ، سب رس صفحہ ۴۴

تھی اور موجودہ اردو پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔ ہندوی میں کثیرالاستعمال امدادی افعال یہ ہیں : آنا، بیٹھنا ، پانا ، پڑنا ، جانا ، چلنا ، دینا ، ڈالنا ، کرنا ، کھانا ، ہونا ۔

ملا وجہی کی ’’سب رس‘‘ سے چند مثالیں دیکھیے :

پیدا کیا ، ہویدا کیا ، خلاف کرنا ، نور بھرنا ، مان دینا ، بیان کرنا ، بات دھرنا ، رہا گیا ، کہا گیا ، امداد دیوے ، فیض انپڑنا ، آرام پانا ، دعا کرنا ، بات کرنا ، باٹ پانا ، امداد پانا ، جیو دینا ، بات بولنا ، گرہ دینا ، باٹ آنا ، چھلے (چھالے) آنا ، گھائل ہونا ، پرہیز کرنا، کام گنوانا، کام کرنا ، نظر پڑنا ، تازا رکھنا ، مدعا پانا ، چلنت چلنا ، کامل ہونا ، زندہ دل ہونا ، تمیز کرنا ، کھڑا رہنا ، شرف پانا ، مول پانا ، میٹھا لگنا ، فرصت پانا ۔

۳۱ - جس طرح بعض کلیدی الفاظ اور تراکیب سے ہندوی یا اردوئے قدیم کے دکھنی نمونوں کا تعین ہوتا ہے اسی طرح بعض خصوصیات برج کے علاقے کی ہندوی کے تعین میں مدد دیتی ہیں ۔ مثلاً :

۱- افعال کے مصادر میں ’ و ‘ کا موجود ہونا ۔ مثلاً آونا ، بھاؤنا ، شرماونا ، کھاونا وغیرہ ۔

۲ بھئی (ہوئی) ، رووت (روتا ہے) ، سلگت (سلگتا ہے) ، بھرت (بھرتا ہے) ، دیکھن (دیکھنے کو) ، ہنس (ہنسنے کو) ، کھیلن (کھیلنے کو) ۔

۳- کیتا (بجائے کیا) ، کینو (کیا) ، کینا (کیا) ، دینا (دینا) ۔ کیتا دکھنی میں بھی ملتا ہے ۔

۴- جمع ان ہندوی میں عام ہے - برج میں صرف ’ ن ‘ سے جمع بنانے کی مثالیں بھی موجود ہیں ۔ مثلاً پگن(پگ ، قدم بجائے پگاں) ، گھرن (گھروں یا گھراں کے بجائے) ۔ ان کے ساتھ جمع کی مثالیں افضل خاں کے ’’بارہ ماسہ‘‘ اور اس عہد کی شمالی ہند کی دوسری کتابوں میں بہت کم ملتی ہیں ۔

۵ - سوں (سے) ، موں (میں) ، کہا (کیا) کثولو (کب تک)، کاں لگ (کہاں تک) ، کہوں (کہیں) بیشتر برج بھاشا کے علاقے کی نشان دہی کرتے ہیں ۔

۶- اسم ضمیر تین (تو) ، تمری (تمھاری) ، تمن (تم - تم کو) ، ہوں (میں) ، ہمیں (ہم - ہم کو) ، ہمن (ہم نے) ، کنھیں (کسی) بھی برج بھاشا کے اثر کو ظاہر کرتے ہیں -

۳۲ - اردوئے قدیم کے املا اور تلفظ کے سلسلے میں ان بیانات سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ یہ ایک ہی لفظ کے مختلف املے اور تلفظ ملتے ہیں - سبب اس کا یہ ہے کہ ایک ہی لفظ جب ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں پہنچتا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ صوتی تغیر ہوتا جاتا ہے - مثلاً پنجابی کے زیر اثر علاقے میں جن بعض الفاظ میں تشدید بہت واضح ہوتی ہے وہ ہریانی اور دکن پہنچتے پہنچتے کچھ صورت بدل لیتی ہے - پہلے تشدید غائب ہوتی ہے پھر مختصر مصوتے کی جگہ طویل مصوتہ لے لیتا ہے - مثلاً گڈی سے گاڑی ، وڈا ، بڈا ، بڑا اسی طرح ایک اور فرق انفیوں (ن) میں ہوتا ہے - آؤ ناں سے آؤ نا سے آنا کی تین مختلف شکلوں سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے - تلفظ میں ایک اور خصوصیت یائے مخلوط کی کثرت ہے - انشا اللہ خاں انشا نے ''دریائے لطافت'' میں ایسے اردو الفاظ کی ایک فہرست دی ہے جو 'ی' کے ساتھ مل کر ایک آواز دیتے ہیں (مثلاً کیا ، کیاری وغیرہ) - یہ یائے مخلوط ہندوی دور میں کثرت سے پائی جاتی ہے (ماضی مطلق میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں -)

سب سے بڑی خصوصیت ہندوی املا کی یہ ہے کہ یہ صوتی ہے یعنی لفظ کو اسی طرح لکھتے ہیں جس طرح بولتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ اکثر عربی فارسی الفاظ کا املا مہند ہو گیا ہے ، وزا (وضع) مرصا (مرصع) مرتبا (مرتبہ نفا (نفع)، واقا (واقعہ)، جمیرات (جمعرات) کی مثالیں اردوئے قدیم میں کثرت سے ملتی ہیں -

اردوئے قدیم کا رسم الخط نسخ اور نستعلیق ہے جو فارسی سے لیا گیا - قدیم مخطوطات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نسخ کا رواج زیادہ تھا اور نستعلیق غالباً بعد میں اختیار کیا گیا - قدیم دکھنی کے اکثر و بیشتر مخطوطات نسخ میں ہیں - ہندوی آوازوں کے لیے کہیں توضیحی علامات اختیار کی گئی ہیں اور کہیں ان میں فرق نہیں مثلاً ت اور ٹ کو ایک ہی طرح لکھتے

تھے ، ک اور گ میں بھی فرق نہیں کرتے تھے ، یائے معروف اور یائے مجہول کے املا میں بھی اکثر فرق نہیں کیا جاتا ۔

اردوئے قدیم یا ہندوی کا دور گیارھویں صدی ہجری اور سترھویں صدی عیسوی کے آخر تک پھیلا ہوا ہے اور اسے اس دور پر ختم سمجھنا چاہیے جسے دور ولی کہتے ہیں ۔ ولی [۱] وہی شاعر ہیں جن کو ایک مدت تک ریختہ کا باوا آدم اور اردو شاعری کا موجد و مروج سمجھا جاتا تھا اور بعض تذکرہ نویسوں نے تو یہ بھی لکھا تھا کہ وہ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں ۔ تاریخی تحقیق اور نئے ماخذات کی دستیابی نے ولی سے اس قسم کی اولیت یا افضلیت تو چھین لی ہے ، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کی تاریخی اہمیت اور حیثیت اب بھی اردو شاعری میں مسلم ہے ۔ یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قائم دکھنی شاعری کو لچر اور پوچ کہتے ہیں :

قائم میں کیا طور غزل ریختہ ورنہ
اک بات لچر سی بزبان دکھنی تھی

اور حقیقت یہ ہے کہ ایک دکھنی شاعر ہی شمالی ہند میں ریختہ کے رواج کا باعث ہوا اور اس کے کلام نے ایسی شہرت پائی کہ دہلی کے استاد بلکہ استاد الاساتذہ مثلاً حاتم تک ان کی تقلید پر فخر کرتے اور ان کو ریختہ میں اپنا استاد جانتے ہیں ۔ حاتم دیوان زادہ کے دیباچے [۲] میں اپنے

---

۱ - ولی کے دکھنی یا گجراتی ہونے کی بحث کا یہ موقع نہیں ۔ اکثر شہادتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ولی گجراتی تھے ۔ لیکن گجراتی اور دکھنی میں اس درجے مماثلت پائی جاتی ہے کہ شاید شمالی ہند کے رہنے والوں کے لیے اس میں تمیز دشوار ہو گئی ۔ بہر حال گجراتی اور دکھنی (جنھیں عرف عام میں دکھنی کہتے ہیں اور جو در حقیقت ہندوی ہیں) کی دونوں شکلیں شمالی ہند کے رہنے والوں کے لیے ایک تھیں اور یوں مقامی فرق تو خود شمالی ہند کے رہنے والوں بلکہ خود دلی کے رہنے والوں میں بھی تھا ۔ اس کی بحث آگے چل کر اردوئے معلیٰ کے سلسلے میں انشا کے حوالے سے کی گئی ہے ۔

۲ - حاتم ، دیوان زادہ مخطوطہ ، رضا لائبریری رام پور ۔

بارے میں لکھتے ہیں :

''در شعر فارسی پیروئے مرزا صائب است و در ریختہ ولی را استاد میداند ۔''

بہر حال ولی کے سلسلے میں دو باتیں اہم ہیں جن کا تعلق اس موضوع سے ہے ۔ ایک ولی کا سفر دلی اور دوسرے شاہ سعد اللہ گلشن سے ملاقات ۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے ، ولی دلی گئے اور شاہ سعد اللہ گلشن سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ولی کا ریختہ سن کر انھیں دو مشورے دیے ۔ ایک تو یہ کہ وہ تمام مضامین جو فارسی میں بھرے پڑے ہیں ، انھیں ریختہ میں اختیار کرو ، اور دوسرے یہ کہ زبان میں محاورۂ دکن کو چھوڑ کر محاورۂ اردوئے معلیٰ شاہجہاں آباد اختیار کرو ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ولی نے ان مشوروں کو دل سے قبول کیا اور اس کا اثر ان کے کلام میں صاف جھلکتا ہے ۔ یوں ان سے پہلے بھی دکنی شعرا نے ہی فارسی شاعری سے بہت کچھ خوشہ چینی کی تھی اور غزل ، مثنوی اور قصیدہ میں فارسی شعرا کے خیالات ، فارسی کی تراکیب ، تشبیہیں اور استعارے بلا تکلف قبول کیے تھے بلکہ بعض شعرا نے تو فارسی شعرا کے کلام کو دکھنی میں ترجمہ ہی کر ڈالا تھا جس کی مثالیں منجملہ اور تصانیف کے سلطان قلی قطب شاہ کی کلیات میں موجود ہیں ۔ ان میں حافظ کی غزلوں کے ترجمے شامل ہیں ۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دکھنی دور کی شاعری میں مقامی رنگ اتنا نمایاں تھا کہ اس نے دکھنی شاعری کی ایک اپنی الگ روایت قائم کر لی تھی ۔ شمالی ہند میں دکن کے مقابلے میں فارسی کا زور اور غلبہ زیادہ تھا ۔ فارسی سرکاری اور عدالتی زبان تھی ۔ فارسی مغلیہ تہذیب اور کلچر کی زبان تھی ، اس لیے قدرتی طور پر فارسی شاعری کے مضامین شمالی ہند میں زیادہ مرغوب اور مطبوع تھے اور جس طرح اردوئے قدیم یا ہندوی کا ایک دکھنی محاورہ دکن میں رائج اور مقبول تھا ، اسی طرح اردوئے قدیم کا ایک دہلوی رنگ بھی تھا ۔ دہلوی زبان کے اس الگ محاورے کا احساس ولی کے دور سے بہت پہلے لوگوں میں موجود تھا ۔ چنانچہ امیر خسرو نے اپنی مثنوی ''نہ سپہر'' میں ہندوستان کی تیرہ زبانیں گنائیں جن میں سندھی ، لاہوری اور گجراتی کے ساتھ دہلوی بھی شامل ہے ۔ یہی دہلوی ہندوی تھی جو آگے چل کر اردوئے معلیٰ کا روپ اختیار کر کے ٹکسالی اردو

کہلاتی ہے اور جو دکھنی محاورے سے یقیناً مختلف تھی - یہی سبب ہے کہ شمالی ہند کے تذکرہ نگار دکھنی شاعروں کے ناموں اور ان کے کارناموں سے آشنا ہونے کے باوجود انھیں اپنے تذکروں میں شامل نہیں کرتے اور صرف سرسری طور پر ان میں سے ایک دو معروف شعرا کا نام گنانے پر اکتفا کرتے ہیں اور پہلا دکھنی شاعر جو شمالی ہند میں اعتبار پاتا ہے وہ ولی ہیں - ولی کے شمالی ہند میں ورود کی دونوں روایتیں خاصی اختلافی ہیں - ولی کا شمالی ہند میں محمد شاہ کے عہد میں آنا قطعاً قابل یقین نہیں - محمد شاہ کی تاریخ جلوس ۲۵ ذیعقدہ ۱۱۳۱ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۷۱۹ء ہے - اب جب کہ ولی کا سنہ وفات ۱۱۱۹ھ ۱ متعین ہو چکا ہے یہ قول کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ محمد شاہی عہد میں ولی دہلی آئے - مصحفی نے اپنے تذکرے ''ہندی گویان'' میں حاتم کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ محمد شاہ کے دوسرے سنہ جلوس یعنی ۱۱۳۲ھ میں ولی کا دیوان دہلی پہنچا اور ان کے اشعار خواص و عام میں مقبول ہو گئے - چنانچہ دیوان زادہ حاتم کے مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۲ میں حاتم کی دو غزلیں موجود ہیں جو ولی کی زمینوں میں کہی گئی ہیں - ان کے مطلعے یہ ہیں :

۱- خوبرویوں میں مجھے رتبۂ امرائی ہے
فوج عشاق ترے حسن کی مجرائی ہے ۳

۲- الفت کی مجھ کو پیارے تیری نگاہ بس ہے
گر پے بہ پے نہ ہووے تو گاہ گاہ بس ہے

اس سے بعض حضرات کا قیاس ہے کہ ولی نے خود دلی کا سفر نہیں کیا صرف ان کا دیوان ۱۱۳۱ھ میں دلی پہنچا - اس کے خلاف بعض دوسرے تذکرہ نگاروں کی شہادت یہ ہے کہ ولی عہد عالمگیر میں میر

---

۱ - صحیح تاریخ ۸ شعبان بوقت عصر ۱۱۱۹ھ ہے - تفصیل کے لیے دیکھیے سید ظہیر الدین مدنی ، ولی گجراتی ، سلسلۂ مطبوعات انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (۱) ۱۹۵۰ء بمبئی صفحہ ۶۹ -

۲ - دیوان زادہ حاتم مع مقدمہ ، فرہنگ و تالیفات مرتبہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی - ترقی اردو بورڈ کراچی ، مسودہ زیر طباعت -

۳ - انڈیا آفس کے مخطوطے میں اس کا سنہ ۱۱۴۱ھ ہے -

ابو المعالی کے ہمراہ دلی آئے تھے۔ میر نے غالباً سنی ہوئی روایت ''نکات الشعرا'' میں نقل کی ہے۔ صرف اتنا لکھتے ہیں :

'' گویند کہ در شاہجہان آباد دہلی نیز آمدہ ''

البتہ قیام الدین قائم چاند پوری ''مخزن نکات'' میں ذرا زیادہ تفصیل سے کام لیتے ہیں :

''در سن چہل چہار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ میر ابوالمعالی نام سید پسرے کہ دلش فریفتۂ او بود بہ جہاں آباد (شاہجہاں آباد) آمد۔''

عالمگیر اورنگ زیب کی تاریخ جلوس یکم ذیعقدہ ۱۰۶۸ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۶۵۸ء ہے۔ اس حساب سے ولی اپنی وفات سے سات سال پہلے ۱۱۱۲ھ مطابق ۱۷۰۰–۱۷۰۱ء میں دہلی پہنچے ہوں گے۔ بلوم ہارٹ نے بھی (غالباً قائم کی سند پر) لکھا ہے کہ ولی ابوالمعالی کے ساتھ اورنگ زیب کے عہد میں ۱۱۱۲ھ میں دہلی گئے تھے۔

تذکرہ '' گلزار ابراہیم'' کے مصنف بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے :

''گویند در زمان عالمگیر بادشاہ بہ ہندوستان آمدہ مستفید از شاہ گلشن گردید۔''

عبدالغفور خان نساخ صاحب نے بھی اپنے تذکرے ''سخن شعرا'' میں ان کا عالمگیر کے عہد میں دلی آنا بیان کیا ہے، اس لیے ممکن ہے کہ ۱۱۱۲ھ میں ولی خود دلی آئے ہوں اور ان کے زمانۂ قیام کے باعث ان کا شمالی ہند کے شعرا سے اس قدر تعارف ہو چکا ہو کہ ۱۱۳۲ھ میں جب ان کا دیوان دلی پہنچا تو لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہو۔

رہا روایت کا دوسرا اہم حصہ یعنی ولی اور شاہ سعد اللہ گلشن کی ملاقات اور شاہ صاحب کا مشورہ دینا اور ولی کا اس پر کاربند ہونا، اس بات میں بھی اختلاف ہے۔ شاہ صاحب کا انتقال ۱۱۴۱ھ میں ہوا۔

سید ظہیر الدین مدنی کا بیان ہے :

" عام طور پر یہ مشہور ہے کہ شاہ صاحب سے ولی کی ملاقات بمقام دلی ہوئی - لیکن شاہ صاحب کی اقامت برہان پور اور سیر احمد آباد اور ولی کے قیام برہان پور اور سکونت احمد آباد کے پیش نظر یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ ولی اور شاہ صاحب کے تعلقات کا آغاز ان ہی میں سے کسی ایک جگہ پر ہوا ہوگا -"[۱]

اس بیان سے بھی قطعی طور پر اس کی تردید نہیں ہوتی کہ ولی اور شاہ صاحب کی ملاقات دلی میں ہوئی تھی - دلی کی اس ملاقات اور مشورے کا ذکر تذکرہ نگاروں نے جس تسلسل اور تواتر سے کیا ہے ، اس سے اس کی اہمیت ثابت ہوتی ہے - قرین قیاس یہی ہے کہ ولی دلی آئے ہوں گے اور انھوں نے یہاں کے مشاعروں میں شرکت کی ہو گی شعرائے دلی کے حلقوں میں روشناس ہوئے ہوں گے - اس وقت یہاں کا حال یہ تھا کہ ریختہ گوئی کا رواج ہو چکا تھا اور ریختہ گو شاعر موجود تھے لیکن ریختہ گوئی اس وقت تک دلی میں بے اعتبار تھی اور شاعر اسے صرف منہ کا مزا بدلنے کے لیے بطور تفنن طبع ہی کہتے تھے - چنانچہ تذکرہ نگاروں نے بالاتفاق یہی لکھا ہے - ولی کے اس کلام کی اہمیت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ دلی کے نامور اور باکمال اساتذہ ان کو اپنا استاد مانتے ہیں ، ان کی غزلوں پر غزلیں لکھتے ہیں - ان اکابر شعرا اور اساتذہ میں حاتم اور میر بھی شامل ہیں - ریختہ کے مضمون اور زبان میں اصلاح کا خیال ولی کے کلام سے پیدا ہوا اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ حاتم نے خود اپنے دیوان کو منسوخ کرکے ایک دیوان زادہ مرتب کیا جس میں بقول خود زبان قدیم کو جسے انھوں نے ہندوی یعنی بھاکا کہا ہے ، ترک کرکے " روزمرہ عام فہم خاص پسند " کو اختیار کیا -

ولی کا دیوان ۱۱۳۲ھ میں دلی پہنچا اور حاتم بقول خود اس سے صرف چند سال قبل یعنی ۱۱۲۸ھ میں اپنی شاعری کا آغاز بتاتے ہیں - ان حالات میں حاتم کا ولی سے اثر قبول کرنا آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے -

اس بحث میں سب سے اہم وہ داخلی شہادت ہے جو خود ولی کے کلام میں ملتی ہے - ولی کے کلام کا ایک حصہ ہندوی کے اس عام

---

۱ - سید ظہیر الدین مدنی ، "ولی گجراتی" ، ص ۲-۷۳ -

دکھنی محاورے میں ہے جس کی فہرست پیش کی جا چکی ہے۔ مثلاً ولی کا وہ مشہور قطعہ جو گجرات کے فراق میں ہے حسب ذیل ہے:

گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل
بے تاب ہے سنے منیں آتش بہار دل

مرہم نہیں ہے اس کے زخم کا جہاں منیں
شمشیر ہجر سوں جو ہوا ہے فگار دل

اول سوں تھا ضعیف پہ پا بستہ سوز میں
جیوں بال ہے اگن کے اپر بے قرار دل

اس سیر کے نشے سوں اول تر دماغ تھا
آخر کوں اس فراق میں کھینچا خمار دل

میرے سنے میں آ کے چمن دیکھ عشق کا
ہے جوش خوں سوں تن میں مرے لالہ زار دل

حاصل کیا ہوں جگ میں سراپا شکستگی
دیکھا ہے مجھ شکست سوں صبح بہار دل

ہجرت سوں دوستاں کے ہوا جی مرا گداز
عشرت کے پیرہن کوں کیا تار تار دل

ہر آشنا کی یاد کی گرمی سوں تن منیں
ہر دم میں بے قرار ہے مثل شرار دل

سب عاشقاں حضور اچھے پاک سرخ رو
اپنا اپس لہو سوں کیا ہے فگار دل

حاصل ہوا ہے مجکوں ثمر مجھ شکست سوں
پایا ہے چاک چاک ہو شکل انار دل

مجمر نمن ہوا ہے بدن سوز ہجر سوں
اسپند کی مثال ہے آتش سوار دل

لیکن ہزار شکر ولی حق کے فیض سوں
پھر اس کے دیکھنے کا ہوا ہے امید وار دل

اس میں سوں (سے) سنے (بجائے سینے)، سنیں (بجائے میں)، جیوں (بجائے جوں، سا)، اگن (بجائے آگ)، اپر (بجائے اوپر)، سوں (بجائے سے) اول (بغیر تشدید واؤ)، حاصل کیا ہوں (بجائے حاصل کیا ہے میں نے)، جگ (دنیا)، ہجرت (بجائے ہجر)، اچھے (بجائے رہے)، اپنا اپس (بجائے اپنا مجکوں آپ)، (بجائے مجھ کو)، نمن (بجائے مانند)، بسار (بجائے بھول)، موجود ہیں۔

اس کے علاوہ ولی کے کلام میں دسنا (دیکھنا)، کن (کنے، پاس)، انوکی (ان کی)، نکو (نہیں)، لئی (بہت)، انھوں کوں (ان کو)، بیگی (جلدی)، اتھا (تھا)، کاڑھنا (نکالنا) پگ (پاؤں)، اوپاڑنا (آکھیڑنا)، مکھ (منہ)، باتاں باتیں)، بھیتر (اندر)، کئی (کبھی)، مجھ (سیرا)، آوے (آئے)، تجھ (تیرا)، صفے (صفحے)، انکھیاں (آنکھیں)، نزک (نزدیک)، اگے (آگے)، بچن (بات)، تونچہ (تو ہی)، بھارا (بھاری)، میں عرض کیا (میں نے عرض کیا)، نس (رات)، تدھاں (تب)، بوجھنا (سمجھنا)، سی (سلائی)، بانسلی (بانسری)، اچرج (تعجب)، اتے (اتنے)، ہور (اور)، ہمن (ہم)، اگے (آئے) انجھواں (آنسو)، خماری (خمار)، سنیا (سنا)، پڑیا (پڑا)، تغافلی (تغافل)، تروار (تلوار)، آہو ا پچھاڑ (آہو پچھاڑنے والا)، حقوق (حق)، اشراف (شریف) وغیرہ الفاظ جو دور ہندوی کے شعرا و مصنفین کے یہاں عام ہیں بلا تکلف استعمال ہوئے ہیں اور قواعد صرف و نحو میں بھی وہی اصول اور قاعدے ملحوظ رکھے گئے ہیں جن کی مثالیں ان سے پہلے کے دور میں ملتی ہیں [۱]۔

---

۱ - یہ مثالیں ولی کے صرف اس متفرق کلام کو سامنے رکھ کر لی گئی ہیں جو ولی گجراتی مصنفہ سید ظہیر الدین مدنی میں موجود ہے۔ کلیات ولی مطبوعہ موجود ہے (طبع اول مرتبہ مولانا احسن مارہروی مرحوم، شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند و طبع ثانی ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی)۔ کلیات سے باقی قدیم ہندوی اور دکھنی عناصر کی تمام کم و بیش مثالیں مل سکتی ہیں۔ بخوف طوالت یہاں صرف چند مثالوں پر اکتفا کرنا چاہیے۔

اس کے بعد ولی کے کلام میں اس قسم کے اشعار ملتے ہیں :

فدائے دلبر رنگیں ادا ہوں
شہید شاہد گلگوں قبا ہوں

ہر اک ماہ رو کے ملنے کا نہیں شوق
سخن کے آشنا کا آشنا ہوں

کیا ہوں ترک نرگس کا تماشا
طلب گار نگاہ با حیا ہوں

نہ کر شمشاد کی تعریف مجھ پاس
کہ میں اس سرو قد کا مبتلا ہوں

سدا رکھتا ہوں شوق اس کے سخن کا
ہمیشہ تشنۂ آب بقا ہوں

قدم اس کے پہ رکھتا ہوں سدا سر
ولی ہم مشرب رنگ حنا ہوں

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

آج سرسبز کوہ و صحرا ہے
ہر طرف سیر ہے تماشا ہے

چہرۂ یار و قامت زیبا
گل رنگین و سرو رعنا ہے

کمر نازک و دہان صنم
فکر باریک ہے معما ہے

سبب دلربائی عاشق
مہر ہے لطف ہے دلاسا ہے

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے
کیونکہ حاصل ہو مجھ کوں جمعیت
زلف تیری قرار کھوتی ہے
کیونکہ ملنا پری کا ترک کروں
دلبری اختیار کھوتی ہے
اے ولی آب اس پری رو کی
میرے دل کا غبار کھوتی ہے

کماں ابرو پہ جو قرباں ہوا ہے
دل اس کا تیر کا پیکاں ہوا ہے
عزیزاں کیا ہے پروانے کے دل میں
کہ جی دینا اسے آساں ہوا ہے
برنگ گل فراق گل رخاں میں
گریباں چاک تا داماں ہوا ہے
سواد خط خوباں دل کشی میں
بہار گلشن ریحاں ہوا ہے
ولی تصویر اس کی جن نے دیکھی
مثال آرسی حیراں ہوا ہے

اس کلام کے مطالعے سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ بلا شبہ ولی کے کلام کا ایک حصہ ایسا ضرور ہے جس میں قدیم ہندوی عناصر نسبتاً کم ہیں اور جو اردو کے ارتقا میں ایک قدم آگے بڑھتا ہوا معلوم ہوا ہے۔ فارسی کے مضامین اور موضوعات سے قطع نظر جو پہلے بھی موجود تھے اور مختلف شعرا اور مصنفین کے یہاں ملتے ہیں، فارسی الفاظ، تراکیب اور استعارات بھی فارسی سے آنے لگے تھے۔ چنانچہ افضل کا ''بارہ ماسہ'' ہو، یا ملا وجہی کی '' سب رس '' یا اس دور کی دوسری نثر اور نظم تصانیف ان سب میں ان عناصر کا عمل دخل ملتا ہے۔ لیکن اس عبوری دور کی یہ

خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ ہندوی عناصر کے مترادف فارسی الفاظ و محاورات و تراکیب و تشبیہات و استعارات کے داخل ہونے کی رفتار کچھ تیز ہوئی جاتی ہے اور یہ زبان اگلے دور کی اس زبان سے قریب تر آ جاتی ہے جسے اردوئے معلیٰ کا نام دیا گیا ہے ۔ ایک اور خصوصیت اس میں یہ بھی قابل غور ہے کہ قواعد صرف و نحو میں بھی ایک خوشگوار تبدیلی محسوس ہوتی ہے ۔ یہ تبدیلی افعال ، اسما ، صفات اور حروف رابطہ سب کے استعمال میں آہستہ آہستہ قدم جما رہی ہے ؛ اگرچہ اس کے بعض آثار اگلے دور میں جسے اردوئے معلیٰ کا دور آغاز کہتے ہیں ، بلکہ اس کے بعد بھی میر و مرزا کے عہد تک جسے اردوئے معلیٰ کا دور کمال سمجھنا چاہیے ، باقی رہتے ہیں اور اردوئے معلیٰ کو آج کی رائج اردو کی منزل میں داخل ہونے سے پہلے لکھنوی تراش خراش سے گزرنا پڑتا ہے ۔ یہ بحث آگے آتی ہے ۔

دور ولی کے بعد وہ دور آتا ہے جو اردوئے معلیٰ کا دور ہے ۔ اس نام کے استعمال کے قدیم حوالوں سے جو اوپر نقل ہو چکے ہیں ، یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ نام بہت قدیم نہیں ہے ۔ شیخ باجن وفات ۹۱۲ھ ، مطابق ۷-۱۵۰۶ء اپنی ایک نظم میں لکھتے ہیں :

''صفت دنیا بزبان دہلوی'' گویا دسویں صدی تک تو اس نام کے رواج کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ شاہ جہان کے اردوئے معلیٰ یا بازار اردوئے معلیٰ سے بھی اس کا تعلق یا نسبت تاریخی اعتبار سے ثابت نہیں ہوتی ۔ شاہجہان نے دلی میں جو نیا قلعہ بنوایا وہ ۱۰۵۷ھ مطابق ۱۶۴۷ء کا واقعہ ہے ۔ اس سے پہلے افضل کا '' بارہ ماسہ '' لکھا جا چکا تھا ۔ ان کا انتقال ۱۰۳۵ھ مطابق ۲۶ - ۱۶۲۵ء میں ہو چکا تھا ۔ ۱۰۴۵ھ مطابق ۳۶ - ۱۶۳۵ء میں ملا وجہی کی ''سب رس'' جیسی دقیق اور ادبی کتاب اس اردوئے قدیم میں لکھی جا چکی تھی ۔ قرین قیاس یہ ہے کہ اس ہندوی کا دہلوی محاورہ جو عرصے تک صرف روز مرہ اور کاروباری گفتگو تک محدود تھا آہستہ آہستہ ایک اعتباری زبان بن جاتا ہے اور یہ صورت گیارھویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی ۔ ولی جب ۱۱۱۲ھ ، مطابق ۱۷۱۰ - ۱۷۰۰ء میں دلی پہنچے تو یہ اعتبار اس زبان کے محاورے کو حاصل ہو چکا تھا اور بارھویں صدی میں یہ شمالی ہند کی شاعری کی زبان کے لیے مستند اور معیاری قرار پایا ۔

فائز اور حاتم نے اپنے دیوان اس میں مرتب کیے - ایہام گو شعرا مضمون ، آبرو ، شاکر ، ناجی ، یکرنگ وغیرہ نے اس میں کلام کہا - میرزا مظہر جان جاناں اور سراج الدین علی خاں آرزو نے اس کی ترقی اور اصلاح میں حصہ لیا اور ان کی کوششوں سے میر و میرزا کے دور کو وہ زبان نصیب ہوئی جو دلی کی ٹکسالی زبان ، زبان اردوئے معلیٰ ہے -

قلعہ معلیٰ اور اردوئے معلیٰ کی زبان کو یہ ٹکسال کی سند کیوں حاصل ہوئی ، انشاء اللہ خان نے "دریائے لطافت" میں اس پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے - اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دہلی میں ہر شخص کی زبان سند نہیں بلکہ یہاں مختلف علاقوں سے آنے والے لوگ اپنا اپنا لب و لہجہ اور اپنا اپنا محاورہ رکھتے ہیں - ان سب کی زبان فصیح اور ٹکسالی قرار نہیں پاتی - مرکز اس کا دلی میں قلعۂ مبارک بادشاہی ہے - انشا کے الفاظ یہ ہیں :

"اما مکانیکہ در آن مجمع فصحا است قلعۂ مبارک بادشاہی است ۱"

اس کے بعد وہ دلی کے اِن محلوں کی نشان دہی کرتے ہیں جہاں کی زبان فصیح ہے :

" و دو محلہ دیگر یکے بنگلہ سید فیروز کہ از خانۂ مرزا اکمل مرثیہ خوان متوفی تا حویلی اسمٰعیل خان صفدر جنگی و از آنجا تا حویلی ملکہ آفاق حضرت ملکہ زمانیہ بنت فرخ سیر بادشاہ یک ضلع محسوب است بلکہ نزد بعضے کابلی دروازہ و بیرون آن نیز تا تکیۂ شاہ خدا یار و این طرف از حویلی نواب شیر جنگ مرحوم و چوک نواب سعادت خاں بہادر برہان الملک جنت آرامگاہ تا پھاٹک حبش خاں داخل آن باشد - لیکن قدرے درین مقام تامل است آنچہ شک را در آن گنجائش نیست این است کہ تا حویلی ملکہ آفاق فصاحت از در و دیوار می بارد و چتلی قبر تا ترکمان دروازہ یک طرف و تا دہلی دروازہ کہ بدلی دروازہ شہرت دارد یک طرف و تا چوک سعد اللہ خان طرف دیگر و حویلی و بازار نواب امیر خان و سہ راہہ بیرم خان کہ بہ

---

۱ - انشاء اللہ خان ، دریائے لطافت ، مرتبہ مولوی عبدالحق ، طبع اول ، مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ ، سلسلۂ انجمن ترقی اردو ۱۴ ، ۱۹۱۶ء صفحہ ۲۲ -

ترابہ مشہور است و محلہ فولاد خاں و کوچہ چیلہا جزو دہلی دروازہ است ۱ ۔''

انشا آگے چل کر وضاحت کرتے ہیں کہ فصاحت اردو کا معیار صرف یہ نہیں کہ ہر شخص جو شاہجہاں آباد میں پیدا ہوا ہو اس کی زبان فصیح ہو ۔ ان کے بقول فصاحت اردو (محاورہ اردوئے معلیٰ) کا دار و مدار تین چیزوں پر ہے اول تنافر حرف ، دوم غرابت لفظی ، سوم مخالفت قیاس لغوی ، ان تین چیزوں سے جو کلام ، پاک ہوگا اس کی زبان کو فصیح اور سند سمجھا جائے گا ۔ مثالیں دیتے ہوئے انشا لکھتے ہیں کہ تنافر مثلاً آلینڈنا یعنی پانی بڑے برتن سے چھوٹے برتن میں ڈالنا ، بعض لوگ اس کی جگہ ' نائے لو ' بجائے الینڈ لو بولتے ہیں ۔ انشا قتیل کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پانی الینڈ لو ایسا لفظ ہے کہ جس سے 'گوش وضع و شریف' شاہجہاں آباد میں آشنا نہیں اور ' نائے لو ' سوائے اہل پورب کے اور کوئی نہ سمجھے گا ۔ اس طرح کے جو الفاظ اردو میں آگئے ہیں وہ بقول انشا '' فیض صحبت اہل پورب ہے ۔'' الینڈ لو میں تنافر حروف موجود ہے لیکن کثرت استعمال کے سبب فصیح ہو گیا ہے اگرچہ بعض فصحا اس کی جگہ ' انڈیل لو ' بولتے ہیں ۔ یہ اردوئے معلیٰ ہی کی سند ہے کہ اب اردو میں صرف انڈیل لو بولتے ہیں ۔ الینڈ لو اور نائے لو متروک ہیں یا خاص علاقائی محاورے کو ظاہر کرتے ہیں ۔ مخالفت قیاس لغوی کی مثال میں انشا لکھتے ہیں کہ اس کے لیے کلام بنگالیاں اور کلام اردو کا مقابلہ کرو ۔ اگر پانچ ہاتھی یک جا ہوں ، نر ہوں تو بنگالی ' پانچ ہاتھی کھڑی ہیں ' بولتے ہیں اور مادہ ہو تو 'پانچ ہتھنی کھڑا ہے'۔ انشا کے بقول یہ مخالفت قیاس دوہری ہے ۔ اول یہ کہ ہاتھی کے لیے صیغۂ مونث اور ہتھنی کے لیے صیغہ مذکر فعل کا لائے ہیں ۔ دوسرے کھڑا اور کھڑی دونوں صیغۂ واحد ہیں اور قیاس لغوی دونوں موقعوں پر جمع چاہتا ہے ۔

انشا نے آگے چل کر نہایت دلچسپ بحث کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی دلی میں عام بول چال کی زبان پر طرح طرح کے اثرات موجود تھے جن کو فصحائے اردو قبول نہیں کرتے تھے۔ مثلاً دہلی کے ہی ایک باشندے کی گفتگو ہے :

---

۱ ۔ ایضاً صفحہ ۲۲ ۔ ۲۳

’ مجھ تئیں اس بات کی کیا خبر کہ یہاں کون کون رہتا ہے اور جانے میری بلا کہ کس ایسی تیسی کا دوپٹہ اور دو روپے جاتے رہے اور کون کافر بے پیر لے گیا ۔ جس پر چوری ثبوت ہو اس کا شوق سے لپو اتار لو اور مشکاں باندھ کر چابک لگاؤ ۔“

اس گفتگو میں بقول انشا مجھ تئیں بجائے مجھے ، ثبوت بجائے ثابت ، مشکاں بجائے مشکیں اور چابک بجائے کوڑہ پنجابی ہیں لیکن اگر لہجہ متکلم کا درست ہو تو اسے پنجابی نہیں کہہ سکتے ۔ پنجابی جب کہیں گے جب لہجہ بھی پنجابی ہو ۔ مثلاً خبر کو ’ بے ‘ کے سکون سے ’ ے ‘ کے پیش سے ادا کرے ۔ یا ’خ‘ کو اس قدر مفتوح کر دے کہ زیر کی جگہ الف معلوم ہونے لگے ، یا ’ رہتا ‘ کی ت اس کی زبان سے ہمیشہ مشدد ادا ہوتا ہے یا ایسی صورت کہ مشدد اور مخفف کی درمیانی صورت ہوتی ہے[۱] ۔ اسی طرح سے بے ’ گیا‘ میں گ کو بجائے مفتوح کے مکسور یعنی ’ بے گیا ‘ اور ہوئے بجائے ہو فصیح اردوئے معلیٰ نہیں بلکہ پنجابی کا اثر ہے ۔ اسی طرح اکثر اردو الفاظ میں فتحہ کی بجائے ضمہ ان کی بول چال میں ملتا ہے کہ دفتر کو دفتر (ت کے پیش کے ساتھ) بولتے ہیں یا ثلاثی مجرد میں حروف متحرک کو ساکن بھی کرتے ہیں ۔

انشا کی یہ تمام بحث نہایت دلچسپ اور اہم ہے ۔ وہ اردو کے قواعد نویسوں میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس قدر باریک بینی سے اردو کے خاص مزاج کا مطالعہ کیا اور وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بول چال کی گفتگو کو جو زبان کی اصلی اور فطری شکل ہوتی ہے اپنے تجزیے کا موضوع بنایا ہے اور یہ ساری بحث اس قدر سائنٹفک ہے کہ انشا کی لسانی سوجھ بوجھ کی داد دینی پڑتی ہے ۔ اور قواعد کی یہ پہلی کتاب اس قابل ہے کہ ہر وہ شخص جو اردو کے ارتقا اور اس کے قواعد صرف و نحو کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اسے ضرور پڑھے ۔ انشا کے دور کی زبان سے جس کے نمونے انھوں نے ”دریائے لطافت“ میں جمع کیے ہیں آگے چل کر بحث کی گئی ہے ۔

---

۱ ۔ اس تلفظ کی اچھی مثال سہارن پور کا لہجہ ہے جس میں روٹی اور آٹا کو روٹی اور آٹا کہتے ہیں لیکن اس طرح کی تشدید نہیں ہوتی جیسی پنجابی گڈی (گاڑی) اور وڈا (بڑا) میں ہے بلکہ تشدید اور تخفیف کی درمیانی صورت ہوتی ہے ۔

ولی سے لے کر میر و مرزا کے دور تک شمالی ہند میں اردو کی اصلاح کا پہلا دور شمار کرنا چاہیے - اس اصلاح کے نتیجے میں اردوئے معلیٰ کی وہ صورت شکل پذیر ہوئی جو آج کی رائج اردو سے قریب تر ہے - ایک تو اس میں سے پراکرتی عناصر کم ہونے شروع ہوئے اور اس کی جگہ فارسی الفاظ اور تراکیب زیادہ کثرت سے رائج ہونے لگیں ، دوسرے زبان و محاورے میں غیر دہلوی اثرات ترک کرنے کی طرف بھی توجہ ہوئی - چنانچہ الفاظ کی بہت سی قدیم صورتیں جو پنجابی اور دکھنی محاورے کے مطابق تھیں ان میں تراش خراش ہوئی - حروف علت میں بعض جگہ قدما کی تخفیف کی جگہ طول اختیار کیا گیا (مثلاً زبر کی جگہ الف اور پیش کی جگہ و)- حروف میں سے نے وغیرہ نے اپنا قدیم روپ منیں ، منے ، سیتے ، سیتے وغیرہ بدلا - اگرچہ کہیں کہیں ان کی قدیم صورتیں بھی موجود ہیں - ان کا سبب یہ ہے کہ اس دور کے شعرا نے ابتدائی کلام میں اس طرف توجہ نہیں دی تھی - جب اصلاح زبان کی یہ تحریک زیادہ عام ہوئی تو شعرا نے خود بھی اسے ترک کیا- اس کی قطعی شہادت خود حاتم کے دیوان کی عبارت سے ہوتی ہے - حاتم لکھتے ہیں :[1]

و لفظ در و برو ازکہ فعل و حرف باشد پیش از قول شاہ مبارک آبرو بندہ در دیوان قدیم خود نداشت - - - - - بقول مبارک آبرو :

وقت جن کا ریختے کی شاعری میں صرف ہے
ان سے کہتا ہوں بوجھو حرف میرا ژرف ہے
جو کہ لاوے ریختے میں فارسی کے فعل و حرف
لغو ہیں گے فعل اس کے ریختے میں حرف ہے

را بندہ در دیوان قدیم خود تقید دارد و دریں ولا از دہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ لسان عربی و زبان فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشد و روز مرہ دہلی کہ میرزایان ہند و فصحان رند محاورہ دارند منظور داشتہ سوائے آن زبان ہر دیار تا بہ ہندوی کہ آن را بھا کا گویند

---

۱ - دیباچہ دیوان زادہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی انڈیا آفس لائبریری اور رضا لائبریری رامپور بحوالہ دیوان زادہ مرتبہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی برائے ترقی اردو بورڈ کراچی (زیر طبع) -

موقوف کردہ فقط روزمرہ کہ عام فہم و خاص پسند بود اختیار نمودہ شدہ ازان الفاظ کہ تقید دارد بہ بیان می آرد ۔ چنانچہ عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحی و بیگانہ را بگانہ و دیوانہ را دوانہ و مانند آن بطور عامہ یا متحرک را ساکن و ساکن را متحرک چنانچہ مرض را مرض و عرض و مانند آن یا الفاظ ہندوی کہ نین و جگ و نت و بسر وغیرہ آنچہ باشد یا الفاظ مار و موا و ازین قبیل کہ بر خود قباحتے لازم آید یا بجائے سیتے یا ادھر را اودھر و کدھر را کیدھر کہ در آن زیادتی حرف باشد یا بجائے پر، پہ و تیری را تجھ و لفظ تجھ بعضے جا مناسب و بعضے جا غیر مناسب چنانچہ تجھ کو و تجھے بہتر است و تجھ چشم نے و تجھ نگاہ نے محاورہ نیست بجائے این تیری چشم نے و تیری نگاہ نے می توان گفت کہ باختصار آید یا یہاں را یاں و وہاں را واں و ہر ایک را ہر یک کہ در مخرج تنگ بود یا کسر و فتحہ ضم در قافیہ را فارسی یا را ہندی چنانچہ گھوڑا و بورا و دھڑ و سر و مانند آن مگر ہائے ہوز را بدل کردن بہ الف کہ از عام تا خاص در محاورہ دارند، بندہ درین امر بمتابعت جمہور است چنانچہ بندہ را بندا و پردہ را پردا و شرمندہ را شرمندا و آنچہ ازین قبیل باشد''۔

حاتم کا یہ بیان ۱۱۶۹ھ کا ہے، لیکن جن متروکات کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے ان میں سے اکثر ان کے معاصرین کے یہاں جن میں سے بعض کے انھوں نے نام بھی گنائے ہیں موجود ہیں ۔ مثلاً :

انجام

ٹک تو فرصت دے کہ ہو لیں رخصت اے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سایے میں تھے آباد ہم
دل تو ہے داغ غلامی میں تری طاؤس وار
سامنے قمری کے گو ہیں سرو ساں آزاد ہم
چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہرگز رفو
سوزن تدبیر بھی گر سو برس سیتی رہے

آرزو سراج الدین علی خاں وفات ۱۱۶۹ھ

رات پروانے کی الفت ستی روتے روتے
شمع نے جان دیا صبح کے ہوتے ہوتے

عجب دل بے کسی اپنی پہ تو ہر وقت روتا ہے
نہ کر غم اے دوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

دریا عرق میں ڈوبا تجھ صاف تن کے آگے
موتی نے کان پکڑے تیرے سمن کے آگے

تجھ زلف میں لٹک نہ رہے دل تو کیا کرے
بے کار ہے اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے

پھر کر نظر نہ آیا ہم کو سجن ہمارا
گویا کہ تھا چھلاوا وہ من ہرن ہمارا

اپنی فسوں گری سے اب ہم تو ہار بیٹھے
باد صبا یہ کہنا اس دل ربا پری کو

دعوے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سنے
کیا لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

آبرو (نجم الدین شاہ مبارک)

نین سیں نین جب ملائے گیا
دل کے اندر مرے سمائے گیا

نگہ گرم سیں مرے دل میں
خوش نین آگ سی لگائے گیا

سہو کر بولتا تھا مجھ سیتی
بوجھ کر بات کو چھپائے گیا

آبرو ہجر بیچ مرتا تھا
مکھ دکھا کر اسے جلائے گیا

یہ سبزہ اور یہ آب رواں اور ابر یہ گہرا
دوانا نئیں میں کہ گھر میں رہوں اب چھوڑ کر صحرا

گر یہ ہے مسکرانا تو کس طرح جییں ہم
تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

سر سے لگا کے پانو تلک دل ہوا ہوں میں
یاں لگ ہنر میں عشق کے کامل ہوا ہوں میں

قیامت کیا تم ٹک اک ہنس کے بولیے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا

تجھ اوپر خوں بے گناہوں کا
چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے
وہ عاشقی کے آہ زمانے کدھر گئے

کیا شیخ و کیا برہمن جب عاشقی میں آوے
تسبی کرے فرامش زنار بھول جاوے

پلنگ کو چھوڑ خالی گود میں اٹھ گئے سجن میتا
چتر کاری لگے کھانے ہمن کو گھر ہوا چیتا

سیج اوپر غیر کے رہتا ہے اب لوٹا ہوا
زر کی لالچ اس قدر وہ سیم‌تن کھوٹا ہوا

ماہرو کن غیر نے جا کر چھچھوندر چھوڑ دی
گھر جلا عاشق کا ان لوگوں کا کیا ٹوٹا ہوا

دل غم سے کر لوہو لوہو کا کرکے پانی
آنکھوں ستی بہایا تب آبرو کہایا

ان مثالوں کے بعد اور شاہ حاتم کے اپنے بیان کو سامنے رکھ کر اب خود شاہ حاتم کے کلام میں ہندوی عناصر دیکھیے :

تجھ در پر آرزو میں سلیماں مثال مور
کیوں کر نہ ہو کہ تجھ کو شہ خسرواں کیا ۱۱۳۲ھ

غفلت کے خار ہوش کے تیشہ سے کاٹ ہم
گلشن بنا کے دل کو تمھارا مکاں کیا

حاتم کا دل ہوا تھا سراپا اگر ضعیف
تجھ عشق نے یہ پھر سر نو سے جواں کیا

اس کی بھواں کی تیغ کی شہرت غلط نہیں
عالم کیا ہے قتل ہمارے حضور آج

رخ کو تیرے دیکھ کر کہتا ہوں میں شمس‌الضحیٰ
خط تس اوپر سورہ والشمس کی اسناد ہے ۱۱۳۲ھ

لب شیریں سے تیرے کام لینا کام ہے جن کا
تصدق ہر قدم ہوتی ہے روح کوہکن ان کے ۱۱۳۲ھ

کہاں فرصت ہے عشاقوں کو سیر گلستاں کرنا
چبھے ہے خار سا آنکھوں میں کیا گل کیا چمن ان کے ۱۱۲۳ھ

جو ہیں اہل سخن حاتم انھیں مرنے سے کیا دہشت
مسیحا کی طرح جیویں گے تا محشر سخن ان کے ۱۱۳۲ھ

گرمی حسن سے ترے خورشید
تجھ طرف دیکھنا زوال ہوا ۱۱۳۳ھ

دے کے دل اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ
ہم نے سودا کیا ہے دست بدست ۱۱۳۳ھ

اس شرابی کے ہاتھ سے حاتم
شیشۂ دل کے تئیں ہوئی ہے شکست

گلگوں قبا سے بند ہوا ہے جنھوں کا دل
ان کی نگہ میں خار ہے نقش و نگار گل ۱۱۳۴ھ

عاشق اوپر نہ جور و ستم اس قدر کرو
عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو ۱۱۳۴ھ

آساں نہیں ہے شوخ ستم گر کو دیکھنا
جی نذر کر چکو تب اس پر نظر کرو ۱۱۳۴ھ

یار کا مجھ کو اس سبب ڈر ہے
شوخ ظالم ہے اور ستمگر ہے ۱۱۳۴ھ

دیکھ سرو چمن ترے قد کو
خجل ہے پابہ گل ہے بے پر ہے

ناسور ہو گیا ہے نہ ہوگا کبھو وہ بند
جراح زخم عشق کو آ کر سیا تو کیا ۱۱۳۵ھ

محتاجگی سے مجھ کو نہیں ایک دم فراغ
حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

عشق نے چٹکی سی لی پھر آ کے میری جاں کے بیچ
آگ سی کچھ لگ گئی ہے سینۂ بریاں کے بیچ ۱۱۳۵ھ

دفتر عشق سے اب اس کو سند پہنچی ہے
جن نے دل بند کیا زلف سیاہوں کے بیچ

تو پیے ہے شراب حاتم ساتھ
کیوں نہ دشمن جلیں کباب کی طرح ۱۱۳۵ھ

پہن نکلا صنم گھر سے قبا
ہوا جوں سرو سر سے تا بہ پا سبز ۱۱۳۵ھ

جو اس پری کو شیشۂ دل میں کرے تھے بند
وے علم عاشقی کے سیانے کدھر گئے ۱۱۳۵ھ

ڈھونڈھا بہت پہ ہم نے نہ پایا انہوں کا کھوج
دل کو چرا کے ہم سے چھپانے کدھر گئے ۱۱۳۵ھ

ہائے مجھ وحشی کو تنہا چھوڑ کر
کس طرف کو رم گیا آہو مرا ۱۱۳۶ھ

ہاتھ لے قوس قزح جب ہم اوپر آتا ہے چرخ
سہم کھا کر آہ کے تیروں سے پھر جاتا ہے چرخ ۱۱۳۶ھ

نہ پایا ایک پرزہ تب لکھا ہم پرزۂ دل پر
ہوا ہے شہر سے نایاب دیکھو اس قدر کاغذ ۱۱۳۶ھ

گھات چڑھ من ہرن شکار منے
دوڑیو، یہ شکار جاتا ہے ۱۱۳۶ھ
بے وفا وعدہ کر نہ آیا حیف
میرا حاتم قرار جاتا ہے

دیکھ رخسار آتشیں تیرے
لالہ رویاں کا دل ہوا ہے سپید ۱۱۳۶ھ

خوبرویوں میں مجھے رتبۂ امرائی ہے
فوج عشاق ترے حسن کی مجرائی ہے ۱۱۳۸ھ

وقت رخصت ہم کہا اس سرو قد دلبر سے آج
پھل کہاں جینے کا جو تو اٹھ چلا ہے بر سے آج ۱۱۳۹ھ

شہید لالہ رویاں کو بجا ہے
دفن کے وقت گر کیجے کفن سرخ ۱۱۳۹ھ

جلوہ گر فانوس تن میں ہے ہمارا من چراغ
بے بتی اور تیل یہ ہے روز و شب روشن چراغ ۱۱۳۹ھ

جب سے ہے روشن دلوں کے دل پہ حاتم کی نگہ
تب سے روشن ہے گا اس کے دل کا بے روغن چراغ ۱۱۳۹ھ

کیا جو فاختہ نے سرو اوپر آشیاں اپنا
مگر سولی اوپر چڑھ کر دیا چاہے ہے جاں اپنا ۱۱۴۰ھ

چمن میں کیوں نہ باندھے عندلیب اب آشیاں اپنا
کہ جانے ہے گل اپنا ، گلشن اپنا ، باغباں اپنا ۱۱۴۰ھ

جب مزاجیں مل گئیں ہوویں تکلف برطرف
تب سے نئیں ہے خوشنما یاروں کو یاروں میں دماغ ۱۱۴۰ھ

آشنا حاتم غریبوں کا ہو امراؤں کو چھوڑ
نام کو ذرہ نہیں ہے ان بچاروں میں دماغ

زندگی ہے بحر میں تن کے تری مثل حباب
تس میں جاری رات دن ہے ہر نفس جوں موج آب ۱۱۴۱ھ

عشق اس کا آن کر یک بارگی سب لے گیا
جان سے آرام سر سے ہوش اور چشموں سے خواب ۱۱۴۱ھ

کسو مذہب میں اور مشرب میں
ظلم اے مہرباں نہیں ہے دوست ۱۱۴۱ھ

دل کہاں کہ ہوئے دیوانہ
کیوں ادھر آتی ہے بہار عبث ۱۱۴۱ھ

شکوہ اس کا کرے ہے سارا جہاں
ہم سے آزردہ ہوئے یار عبث

سن کر مرے سوال کو اس نے دیا جواب
ہم پاس آ کہ ہے گا یہیں زندگی کا حظ ۱۱۴۱ھ

اس کا مزاج سب کے دلوں کی کرے ہے سیر
صاحب طبیعتوں کی نہ ہو کیوں طبع مطیع ۱۱۴۱ھ

آہستہ یا بلند کہیں حاتم عرض حال
سب کی دعا سنے ہے کہ ہے گا خدا سمیع

قیامت پر قیامت ہوئے گی روز جزا ظالم
اٹھیں گے داد تجھ سے مانگتے جب صف بہ صف عاشق ۱۱۴۱ھ

مسیحا ہے ہمارا لعل لب اے دوستاں مانو
اگر باور نہیں کرتے تو تم یک بار مر دیکھو ۱۱۴۱ھ

سنا کر تلخ باتیں مت کرو پھیکا مرے دل کو
کبھو تو ترش روئی چھوڑ کر اے لب شکر دیکھو ۱۱۴۱ھ

اگر خواہش ہے تم کو سیر دریا کی مرے صاحب
تو حاتم پاس آؤ جوئبار چشم تر دیکھو

تیرے لبوں سے دل کو بوسے کی آرزو ہے
بیمار کو نہ ہووے کیوں کر دوا کی خواہش ۱۱۴۲ھ

عاشق کا خوں بہا کر پامال کیوں کرے ہے
قاتل کے تئیں ہوئی ہے شاید حنا کی خواہش

اکسیر تجھ نگہ کا حاتم کو کیمیا ہے
جو مرد ھی نہیں ہے اس کو طلا کی خواہش ۱۱۴۲ھ

وصف میں زلف رسا کی شان میں قاصر ہوں یار
گر بدن اوپر زباں ہووے ہمارے بال بال ۱۱۴۲ھ

لبریز جب سے عشق کے ساغر پیے ہیں ہم
کرنے نہ تھے جو کام وہی سب کیے ہیں ہم ۱۱۴۲ھ

نشا ایسا ہوا اس کی نگہ کا جو نہیں تھمتے
ہمارے اشک جاتے ہیں چلے چشموں سے بہہ بہہ کے ۱۱۴۲ھ

وہی ہے مرد اس عالم میں جس کے بیچ ہمت ہے
کہ ہمت سے جہاں میں نام کو حاتم کی عزت ہے ۱۱۴۳ھ

عشق کی یــارو نہیں آسان شرط
اس میں دینا ہے گا اول جان شرط

خوبصورت تو بہت ہوں گے ولے
حسن میں ہے گی ادا و آن شرط ۱۱۴۴ھ

یکایک ہو گیا ایسا جدا دل
نہ تھا گویا کبھو یہ آشنا دل ۱۱۴۴ھ

چھڑا مشاطہ زلف یار کو شانے کے پنجے سے
کہ اس کی کشمکش سے دل کو میرے پیچ وتابی ہے ۱۱۴۴ھ

تیری بھواں کی تیغ جب آئی نظر مجھے
کرنا ہوا ضرور میاں ترک سر مجھے ۱۱۴۶ھ

دیکھوں ہوں تجکو دور سے بیٹھا ہزار کوس
عینک نہ چاہیے نہ یہاں دوربیں مجھے ۱۱۴۷ھ
بہتا پھروں ہوں جس کے تصور میں رات دن
دریا کی موج ہے تری چین جبیں مجھے ۱۱۴۷ھ

جنت کا کب دماغ ہے زاہد کہ کوئے یار
موجود ہے بہشت کی جاگہ یہیں مجھے ۱۱۴۷ھ

یار سوتے آ جگاتا ہے مجھے ہو حور صبح
آسماں اوپر سے جوں بارش کرے ہے نور صبح ۱۱۴۸ھ

افسوس کہ آپ کو میں اب تک
معلوم نہیں کیا کہ کیا ہوں ۱۱۴۸ھ

خوب سا اس کا پیوں لوہو اگر پاؤں کبھو
خوں ہوا ہے دل مرا ظالم تری مہندی کے ہات ۱۱۴۹ھ

وعدہ کرکے ہم سے نہ آیا جھوٹے
سانچے پیماں کے ترے صدقے ۱۱۴۹ھ

مست کو کب ہوئے گھر جانے کا ہوش
ہے اسے دن رات میخانے کا ہوش ۱۱۵۰ھ

شمع رو پاس مہر داغ کے تئیں
التماسی تھا رات پروانہ ۱۱۵۰ھ

حیف حاتم کو تو نہ جانا جاں
آشنا ہو ہوا ہے بیگانہ ۱۱۵۰ھ

ہم نہ جانے تھے کہ ہے وعدۂ خوباں برباد
انتظاری میں گیا مفت مرا جاں برباد ۱۱۵۱ھ

عشق کے آج بیاباں کا وہی مجنوں ہے
جو بگھولے کی طرح دے سر و ساماں برباد ۱۱۵۱ھ

تشنگی سے چاہ کی تیری نہیں سیراب دل
ہے مثل مشہور مستسقی کی نئیں بجھتی ہے پیاس ۱۱۵۱ھ

کس کنے لے جائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم
تجھ ہی سے تیرے ستم کی چاہتے ہیں داد ہم ۱۱۵۱ھ

ایک باری تو کیا قتل اک عالم ظالم
پھر یہ ہاتھ میں شمشیر کمر کیوں تو کسی ۱۱۵۱ھ

اٹھ چلا جوں وہ کہا میں نے میاں ٹک تو پھر آ
بولا غصے سے کہ اب میری بلا پھرتی ہے ۱۱۵۱ھ

تیری صورت پر نہ تنہا میں ہی مفتوں ہو گیا
جس نے دیکھا تجھ کو اے لیلیٰ سو مجنوں ہو گیا ۱۱۵۲ھ

یا زمانہ پھر گیا یا باو کچھ الٹی بہی
تب ہوا خواہوں سے اپنے سونھ پھلاتی ہے بہار ۱۱۵۲ھ

میں پیمائش کیا مجنوں صفت یکسر بیاباں کو
نہ پہنچا دامن صحرا مرے چاک گریباں کو ۱۱۵۲ھ

نمک حسن کا سنتا ہوں ترے جوں جوں شور
توں توں ملنے کی مرے دل میں ہوس آتی ہے ۱۱۵۳ھ

کون گزرا ہے چمن بیچ معطر ہو کر
کہ ہر اک خار سے خوشبوئے خس آتی ہے

ازل سے بادشاہ کشور کوہ و بیاباں ہوں
پری رویاں کے میں تسخیر کرنے میں سلیماں ہوں ۱۱۵۴ھ

اس کہاں ابرو سے کاہے کو ہوا تھا چار چشم
لگ گیا دل پر پلک لگتے نگہ کا تیر آہ ۱۱۵۴ھ

سنمکھ ہو وہی یار کی تیر نگاہ سے
آئینہ کی طرح جو لوہے کا جگر کرے ۱۱۵۴ھ

دعوا کیا ہے شیخ نے حاتم سے عشق میں
دونوں میں دیکھیے یہ مہم کون سر کرے ۱۱۵۵ھ

گلشن اس گل بن مری نظروں میں ویراں ہو گیا
جھاڑ جھاڑ اور بوٹہ بوٹہ دشمن جاں ہو گیا ۱۱۵۵ھ

کھینچتا تروار وہ ہندوستاں زا بے طرح
گھورتا آتا ہے مجھ کو دور سے کیا بے طرح ۱۱۵۵ھ

اس ابر اس ہوا میں یوں آوتا ہے دل پر
پی پی شراب ہوویں بے اختیار ہم تم ۱۱۵۵ھ

جب سے تری ادائیں عالم کو بھائیاں ہیں
تب سے جہاں میں تو نے دھومیں مچائیاں ہیں ۱۱۵۶ھ

آنچل اٹھا کے تم نے جو ڈھانک لیں یہ چھتیاں
کس کو دیکھائیاں ہیں کس سے چھپائیاں ہیں ۱۱۵۶ھ

گھونگھرو جانے ہے پاؤں میں وہ زنجیروں کے تئیں
کیوں نہ اس آواز پر بن بن کرے دیوانہ رقص ۱۱۵۸ھ

تری تیغ زباں کا دل پہ ہے زخم
کبھو چنگا نہیں ہونے کا یہ گھاؤ ۱۱۵۸ھ

سفر سے آج مرا مہرباں آیا ہے
گویابدن میں مرے پھر کے جان آیا ہے ۱۱۵۸ھ

آیا تھا رات بن کے وہ فانوس کی سی شمع
طرہ طلا کا سر پہ و تھی بر میں یک تہی ۱۱۵۸ھ

قاصد جواب نامہ ہمارے کو کہہ رہا
پر ضد سے اس نے ہاتھ میں اپنے نہ لی قلم ۱۱۵۹ھ

مے پرستوں پہ قیامت آج ہے ساقی نہیں
بزم بے اس کے نپٹ ویران ہے ساقی نہیں ۱۱۵۹ھ

خیال چشم ترا آ بسا ہے آنکھوں میں
شراب کا سا ہمارے نشا ہے آنکھوں میں ۱۱۶۰ھ

طالب باراں نہیں حاتم ہمارا کھیت عشق
اپنے چشموں سے وہاں ہم مینہ برساتے ہیں آپ ۱۱۶۱ھ

غنچے کہیں ہیں سر کو نوا کر چمن کے بیچ
یعنی نہیں ہے جائے سخن اس دہن کے بیچ ۱۱۶۱ھ

بود کو اپنی نپٹ نابود کر بوجھوں ہوں میں
عبد ہو ہر ایک کو معبود کر بوجھوں ہوں میں ۱۱۶۱ھ

چاہ جو دل میں بھرے ہیں پیارے
تجھ سے کہتا ہوا سکچاتا ہوں ۱۱۶۱ھ

بے سبب وہ اچپلا گستاخ حاتم سے نہیں
جان کر عاشق اسے دکھلاوتا ہے اس کو لاڈ ۱۱۶۲ھ

مستوں کا دل ہے شیشہ اور سنگدل ہے ساقی
اچرج ہے جو نہ ٹوٹے پتھر سے آبگینہ ۱۱۶۲ھ

گو نعمتوں سے پر ہے سدا مطبخ فلک
یک کاسہ گدا کو نہ دیکھا کہ بھر سکے ۱۱۶۲ھ

بڑا احساں کیا جو دل کو میرے کھینچ کر کاڑھا
کہ مدت سے مرے سینے میں جوں کانٹا کھٹکتا تھا
۱۱۶۳ھ

شرق سے غرب تلک پوچھ لے سب سے حاتم
کون گھر ہے ترے اشعار کہاں ہے کہ نہیں
۱۱۶۳ھ

مرے قتل پر تو جو فتوا دیا ہے
گنہہ کیا کیا میں ترا کیا لیا ہے
۱۱۶۳ھ

زور یارو آج ہم نے فتح کی جنگ فلک
یک تماچے میں کبودی کر دیا رنگ فلک
۱۱۶۴ھ

اوقات شیخ گو کہ سجود و قیام ہے
میرے کنے تو ایک خدا ہی کا نام ہے
۱۱۶۴ھ

گدا کو گر قناعت ہو تو پھاٹا چیتھڑا بس ہے
وگرنہ حرص آگے تھان سو گز کا لنگوٹی ہے
۱۱۶۵ھ

میں ایک روز چلا جائے تھا بیاباں کو
خراب و خستہ و حیران و ناتوان تنہا
۱۱۶۵ھ

نظر سے جب اکستا ہے مرا دل
تو جا کاکل میں پھنستا ہے مرا دل
۱۱۶۶ھ

روتا و سر پٹکتا پھرا ڈھونڈتا اسے
ایسا پھرا نہ ہوگا کوئی در بدر کہیں
۱۱۶۷ھ

خون تو نے جو بہایا ہے سیہ بختوں کا
تیرے کوچہ میں عجب شام و شفق پھولا ہے ۱۱۶۷ھ

تقصیر تو ہوئی میں کہا ورنہ جان من
کس کو خوش آوتا تھا یہ آزار دیکھنا ۱۱۶۸ھ

موجود ہوں حاضر ہوں میں راضی ہوں خوشی ہوں
سر پر مرے جو کچھ کہ وہ جلاد کرے گا ۱۱۶۹ھ

نماز و روزے زکات و حج پر نہیں ہے موقوف کچھ اے زاہد
جدھر کو جاوے اودھر کو ہیں گے خدا کے ملنے کے راہ لا کھوں ۱۱۶۹ھ

میں راستی کہوں ہوں تم بخشو یا نہ بخشو
دل چاہتا ہے تم کو تقصیر ہے تو یہ ہے ۱۱۶۹ھ

اے باو مت اڑاوے گریباں کی دھجیاں
لے ہے جنوں حساب یہاں تار تار کا ۱۱۷۲ھ

دن رات کے کھجوڑ کہاں تک اٹھا سکیں
ہم دل جلوں کو اتنا نہ بیزار کیجیے ۱۱۷۷ھ

جو پاتا ہے تڑپھنے میں مزہ دل
وہ لذت صید بسمل جانتا ہے ۱۱۷۸ھ

دل سے ہے حاتم تری بانکی اداؤں کا غلام
بھولنا مت بندگی اس کی اگر اشراف ہے ۱۱۸۰ھ

اس جھمکے سے تو آیا رات کو اے رشک ماہ
روشنائی شمع کی جلوے نے تیرے مات کی ۱۱۸۵ھ

دل میں جا گھہ نہیں کسی کی کہ آج
اس کا پیکان تیر مہماں ہے ۱۱۸۷ھ

جا ختن تک صبا نے پہنچائی
زلف مشکیں کی تیری خوشبوئی ۱۱۹۰ھ

بحر میں ہستی و عدم کے یاں
دونو کے مانجھدار بیٹھے ہیں ۱۱۹۶ھ

حاتم کے معاصرین کے کلام کے یہ نمونے اور خود حاتم کے کلام کا انتخاب جو ان کے ساٹھ سالہ دور شاعری کا ترجمان ہے یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں کہ عہد ولی کے مقابلے میں یہ زبان زیادہ صاف ہوگئی تھی - لیکن اس میں بھی ہندوی کی جھلک جا بجا ملتی ہے - یہ درست نہیں کہ زبان سے ہندوی یا بھاکا عناصر ترک ہو گئے تھے - خود اس دعوے کے باوجود حاتم کا کلام ان سے خالی نہیں ہے - یہ بھی درست نہیں ہے کہ انھوں نے عربی فارسی الفاظ کو ان کی اصل کے مطابق استعمال کیا ہے - دعوا ، نشا ، فتوا ، نکات وغیرہ ان کے کلام میں موجود ہیں - ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کرنے کی مثالیں بھی موجود ہیں - اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے الفاظ ہندوی مثل نین و جگ و نت وغیرہ ترک کر دیے لیکن بہت سے ہندوی الفاظ ان کے ہم طرح اُن کے یہاں بلا تکلف اور بلا تامل استعمال ہوئے ہیں - ستے کےاستعمال سے انکار کے باوجود اس کی مثال بھی موجود ہے - تجھ چشم بجائے تیری چشم وغیرہ بھی موجود ہے - یائے زائد کی مثالیں بھی عام ہیں -

خوشبو کو خوشبوئی ، انتظار کی جگہ انتظاری ، راست کی جگہ راستی ، خوش کی جگہ خوشی ، جمع کو واحد ، واحد کو جمع استعمال کیا ہے ۔ طول حرف علت کی بھی مثالیں ہیں ۔ منجھدار کی جگہ مانجھ دار موجود ہے ۔ جگہ کے بجائے جاگہہ بھی ہے ، ادھر کی جگہ اودھر بھی استعمال ہوا ہے ۔ قدیم پراکرتی افعال مثلاً کاڑھنا بمعنی نکالنا بھی موجود ہیں ۔ فعل کی گردان میں بھی دور ہندوی کا اثر باقی ہے ۔ دکھلاوتا ہے بجائے دکھاتا ہے ، کہوں ہوں بجائے کہتا ہوں ، چلا جائے ہے بجائے چلا جاتا ہے ، بوجھوں ہوں بجائے بوجھتا ہوں ۔ 'نے' کے عدم استعمال کی مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں ۔ کر اور کو کا استعمال بھی واضح اور معین نہیں ہے ۔ الغرض یہ دور بھی زیادہ سے زیادہ ایک عبوری دور کہلایا جا سکتا ہے ۔ اصلاً اردوئے معلیٰ کا دور میر و مرزا کا دور ہے ۔ اگرچہ اس میں بھی قدیم ہندوی کی جھلکیاں کہیں کہیں ملتی ہیں ، مگر بحیثیت مجموعی اس دور میں زبان ایک واضح طور پر بدلی ہوئی صورت اختیار کر لیتی ہے [1]۔

ڈاکٹر بھولا ناتھ تیواڑی نے زبان میر کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ دراصل میر سے مخصوص نہیں ، بلکہ اس عہد کی زبان کی عام خصوصیات کی ترجمانی کرتی ہیں ۔ یہ درست ہے کہ میر کے عہد تک ہندی قدیم کا محاورہ

---

۱ ۔ میر کی زبان کے بارے میں دو مضمون خاص طور پر مطالعے کے لائق ہیں اور یہ دونوں دلی کالج میگزین (اردو) کے میر نمبر میں شامل ہیں جسے نثار احمد فاروقی نے مرتب کر کے ۱۹۶۲ء میں کوہ نور پریس لال کنواں دلی سے شائع کیا تھا ۔ ایک مضمون ''زبان میر کی خصوصیات'' ڈاکٹر بھولا ناتھ تیواڑی کا ہے جو ہندی کے ایک ممتاز مصنف اور عالم ہیں ۔ دوسرا مضمون عہد میر کی زبان اردو کے مشہور زبان دان اور ماہر لسانیات وحیدالدین سلیم مرحوم کا ہے ۔ تیواڑی صاحب کا مضمون بھی دراصل صرف زبان میر کا جائزہ نہیں ، اسے عہد میر کی زبان کا مطالعہ سمجھنا چاہیے ۔ لیکن ان دونوں مضامین سے اس کا پورا اندازہ نہیں ہوتا کہ عہد میر میں قدیم ہندوی کے کون سے عناصر ترک ہوئے اور ان کی جگہ کن عناصر نے اور کب لی ۔ اس طرح کی ایک کوشش صفیر بلگرامی نے اپنے مشہور تذکرے ''جلوۂ خضر'' میں کی ہے ۔ آئندہ سطور میں اس پر بحث کی گئی ہے ۔

اردوئے معلیٰ بڑی حد تک واضح اور متعین ہو گیا تھا ، لیکن ہندی عناصر پھر بھی باقی تھے - خود زبان کے لیے بھی میر نے زبان اردوئے معلیٰ کے علاوہ ہندی کا لفظ بھی استعمال کیا ہے :

ع آیا نہیں یہ لفظ تو ہندی زباں کے بیچ

ڈاکٹر بھولا ناتھ نے جو خصوصیات گنائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

۱ - حروف جار

۱ - تمھارے بغیر کی جگہ تجھ بن ، اس کے بغیر کی جگہ اس بن

۲ - 'نے' کا ترک یا حذف

۳ - تئیں بہ معنی 'کو' کے لیے 'سے'

۴ - ایکوں بجائے ایک ایک ، بعض ۱

۵ - ان نے بجائے اس نے

۶ - انھوں کا بجائے ان کا

۷ - 'جو' ، 'سو' بجائے 'وہ' یا سو سو بجائے وہ وہ

۸ - کسو بجائے کسی

۹ - کوئی بجائے کسی

۱۰ - کنھوں نے بجائے کسی نے

۱۱ - جنوں نے بجائے جن یا جنھیں

۱۲ - سبھوں بجائے سب

یہ صورتیں قدیم ہندوی میں موجود ہیں - ان کی مثالیں دی جا چکی ہیں لہٰذا انھیں دور میر کی خصوصیت نہیں قرار دیا جا سکتا ، البتہ صورت یہ ہے کہ 'نے' کا استعمال دور ہندوی کے مقابلے میں زیادہ متعین ہو چکا ہے - تئیں کے بجائے 'کو' ، 'سے' کا استعمال بھی ہونے لگا ہے اور تئیں کا استعمال کم ہونے لگا ہے - یہی حال کسو ، کبھو ، آن ، ان ، جنھوں کا ہے -

---

۱ - ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا
اسرار عاشقی کے پچتائے یار کہہ کر

افعال کے باب میں ڈاکٹر بھولا ناتھ لکھتے ہیں کہ: "کلام میرا میں جو افعال استعمال ہوئے ان میں جعلی مصدر کثرت سے ملتے ہیں ۔ اس زمانے میں عربی اور فارسی الفاظ کی بنیاد پر جعلی مصدر بننے لگے تھے جیسے 'شرمانا' :

صبح جو ہم بھی جا نکلے تو دیکھ کے کیا شرمائے ہیں

یہ تجربہ نہ میر کے باب میں درست ہے نہ اس دور کے لیے کیا جا سکتا ہے ۔ جعلی مصدر کل یہ ہیں :

آزمانا(آزمودن) ، بحثنا (بحث کرنا)، بخشنا (بخشیدن) ، بخشوانا (بخشیدن) ، خرادنا (خراط سے)، شرمانا (شرمیدن) ، فرمانا (فرمودن)، قبولنا(قبول کردن)، گرمانا (گرم) ، گزرنا (گزشتن)،گزراننا (گزاشتن) ، بدلنا(بدل)، نوازنا (نواختن)۔ ان میں سے بخشنا اور بخشوانا ، گزرنا اور گزراننا کو ایک ایک مصدر سے جعلی مصدر سمجھ لیں تو ان جعلی مصادر کی کل تعداد صرف گیارہ رہ جاتی ہے ۔ اردو کے تمام افعال اور مصادر میں یہ تعداد نہایت قلیل ہے ۔ بعد میں بھی ان میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا سوائے اس کے کہ چند اصطلاحات علمی کے وضع کرنے میں (مثلاً برق سے برقانا) یہ تدبیر اختیار کی گئی ہے ۔ یہ بات نہایت اہم ہے ۔ زبان کی اصل اور اساس میں افعال اور مصادر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے ۔ اردو میں پراکرتی اور دیسی افعال و مصادر کی کثرت ظاہر کرتی ہے کہ زبان اپنی اصل و نسل اور مزاج کے اعتبار سے ہندوی ہے اور مصادر کی حد تک اس نے اپنی اصلی ہیئت کو بڑی حد تک قائم اور برقرار رکھا ہے ۔

افعال کے سلسلے میں دوسری بحث امدادی افعال کی ہے ۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ لکھتے ہیں کہ : " اردو اور ہندی میں جتنے امدادی فعل رائج ہیں تقریباً سب کا استعمال میر کے یہاں بھی مل جاتا ہے ۔" عام طور پر ہونا ، کرنا ، دینا ، لینا ، لانا وغیرہ بطور فعل امدادی عربی فارسی الفاظ کے ساتھ لاتے ہیں ۔ یہ الفاظ خواہ مصدر ہوں یا اسم جامد یا حاصل مصدر۔ ایسے تمام مصادر بھی جعلی مصادر ہی ہوتے ہیں ۔ اردو اور ہندی میں اس اعتبار سے

---

۱ ۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تیواڑی ، زبان میر کی خصوصیات ، ص ۳۴۷ ، میر نمبر ، رسالہ دلی کالج میگزین ۔

ایک فرق امتیازی ہے - یہاں ہندی سے مراد انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی میں اردو کے مقابلے میں وہ زبان ہے جو دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور جس میں اردو کے مقابلے میں عربی فارسی کی آمیزش کم ہوتی ہے - دوسرے سنسکرت کے الفاظ جو اردو میں اکثر استعمال ہوتے ہیں ، وہ تدبھو قسم کے ہیں - یعنی ہیں تو اصلاً سنسکرت، لیکن پراکرتی دور سے گزر کر اردو تک پہنچے ہیں - ان کی اصلی شکل باقی نہیں رہی ہے - مثلاً سچ (اصل ستیہ) - اس کے برعکس ہندی میں کوشش کی جاتی ہے کہ تت سم الفاظ زیادہ سے زیادہ لائے جائیں - یہ ایسے الفاظ ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - مثلاً اردو میں نچنت کی جگہ ہندی میں نشچنت لکھتے ہیں - اردو میں ایسے امدادی افعال جو عربی فارسی الفاظ سے بنائے گئے ہیں - بکثرت رائج ہیں - ہندی میں ان کی تعداد اردو کے مقابلے میں کم ہے - میر کے کلام سے اس طرح کے امدادی افعال سے مرکب افعال کی جستہ جستہ مثالیں حسب ذیل ہیں :

مائل ہونا ، نور کاڑھنا (نکالنا) ظہور ہونا ، کارپرداز ہونا ، رخصت چاہنا ، فرصت ڈھونڈنا ، طاقت پانا ، آرام پانا ، آرام آنا ، شام کرنا ، بسر کرنا، بسر ے جانا ، چشم پڑنا ، آزار کھنچنا ، رنگ بدلنا ، ادا کرنا ، گریزاں ہونا ، نسبت ہونا ، عاشق ہونا ، موزوں کرنا ، نعرہ کرنا ، سیر رہنا ، سیر کرنا ، نظر آنا ، خیال چھوڑنا ، نمود ہونا ، ملحوظ رکھنا ، رنگ باندھنا ، صلح کرنا ، عجز کرنا ، سر اٹھانا ، مطالعہ کرنا ، سرگرداں ہونا ، سرگراں ہونا ، سر دینا ، سر مارنا ، فریب دینا ، فریب کھانا ، اظہار کرنا ، اختیار کرنا ، دور کرنا ، گزر ہونا ، فرو لانا ، تمام ہونا ، ختم ہونا ، پیش آنا ، شمار کرنا ، خبر کرنا ، خبر ہونا ، خبر دینا، دل دینا ، دل لگانا ، دل لانا ، دل آنا ، حاصل ہونا ، شاد ہونا ، ناشاد ہونا ، ہم نوا ہونا ، مشتاق ہونا ، طالب ہونا ، چشم پوشی کرنا ، سرگوشی کرنا ، خاطر (میں) سمانا ، خاطر (میں) لانا ، بنیاد رکھنا ، نگاہ ہونا، نگاہ کرنا ، نگاہ ڈالنا ، نگاہ چرانا ، نگاہ پھیرلینا، متفق ہونا، آشنا ہونا ، نامراد ہونا ، بامراد ہونا، مراد پانا ، مراد بر لانا ، آشنا ہونا ، انتظار ہونا، انتظار کرنا ، بہم پہنچانا، گم کرنا ، گم ہونا ، شامل ہونا ، شامل کرنا ، محرم ہونا ، واقف ہونا ، تلاش کرنا ، آلودہ ہونا ، طالب ہونا ،

خبر آنا ، طلب گار ہونا ، آگاہ ہونا ، نصیب ہونا ، وا کرنا ، وضع کرنا ، نشان پانا ، شریک ہونا ، ختم ہونا ، حذر کرنا ، اعتبار کرنا ، اعتبار ہونا ، اعتبار پانا ، مقدر ہونا ، بہرہ ور ہونا ، تبسم کرنا ۔

ظاہر ہے یہ مختصر فہرست جامع نہیں ہے ، لیکن اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو میں تنوع اور وسعت کے لیے مصادر اور افعال میں اردو نے عربی اور فارسی اور ہندی عناصر کے جوڑ اور پیوند کاری سے اپنے لیے ایک ایسی راہ تلاش کر لی جس کے امکانات لامحدود ہیں ۔ اس کے مقابلے میں ہندی نے اپنی راہیں محدود کر لیں ۔ عربی فارسی زندہ اور رائج زبانیں ہیں ان کی لسانی ، علمی اور ادبی روایت کا سلسلہ مسلسل جاری ہے ۔ اگر ہندی اپنے آپ کو تت سم الفاظ کے چکر سے نکال بھی لے اور مرکب افعال بنانے کے لیے سنسکرت اور پراکرتوں کی طرف مائل ہو تو یہ میلان ایسے ماخذات کی طرف ہوگا جو صدیوں سے زندگی سے محروم ہو چکے ہیں ۔ اردو نے اپنے ابتدائی ادوار میں ہی اس طرح کے مرکب افعال وضع کرنے کی روش اختیار کر لی تھی ، لیکن شمالی ہند میں پہنچ کر دور اردوئے معلیٰ میں یہ میلان اور زیادہ تقویت پاتا ہے اور اس طرح کے امدادی افعال کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو جاتا ہے ۔ یہ اضافہ اس عہد کی ایک نمایاں خصوصیت قرار دیا جا سکتا ہے ۔

ڈاکٹر بھولا ناتھ نے زبان میر کے سلسلے میں بعض اور باتیں کہی ہیں ۔ مثلاً :

۱- میر نے ہووے گا اور ہوگا دونوں کا استعمال کیا ہے ۔ یہ اس دور کی عام خصوصیت ہے ۔ 'سی' کے ساتھ 'گا' کا استعمال دور ہندوی میں بھی موجود تھا ، دکھنی میں 'سی' کا استعمال زیادہ تھا ۔ شمالی ہند میں پنجابی اور ملتانی کے زیر اثر علاقوں کی ہندوی میں بھی کہیں کہیں اس کی مثال ملتی ہے ۔ البتہ دلی کے آس پاس 'سی' کے بجائے 'گا' ہی ملتا ہے ۔ ہووے اور ہوئے دونوں دور میر سے پہلے حاتم اور ان سے پہلے کے معاصرین کے یہاں بھی موجود ہیں ۔ اس کی ارتقائی صورت غالباً ہووے گا ، ہوئے گا ، ہوگا ہے ۔

۲- میر نے ہے کی جگہ ہے گا بھی لکھا ہے ۔ یہ غالباً اس سے پہلے دور میں بھی عام طور پر موجود تھا ۔ حاتم کے ابتدائی دور سے لے کر آخر

دور تک کلام میں اس کی مثالیں موجود ہیں - اس کی ارتقا بھی غالباً ہے گا ہے - یہ البتہ درست ہے کہ بعض علاقوں میں نہ صرف دلی میں بلکہ روہیل کھنڈ میں کہیں کہیں 'ہے' کی جگہ 'ہے گا' بولا جاتا ہے - یہ درست نہیں کہ میر نے یہ دلی کی عوامی بولی سے قبول کیا - روہیل کھنڈ کے جس علاقے (مثلاً بدایوں وغیرہ) میں ہے گا بولا جاتا ہے وہ علاقہ دہلوی کی جگہ برج کے حلقۂ اثر میں شامل ہے ۱ -

---

۱ - یہ بھی ذرا بحث طلب ہے کہ میر نے 'ہے گا' بجائے 'ہے' زیادہ استعمال کیا ہے - مثلاً ان اشعار میں صرف 'ہے' ہے :

جہاں جلوے سے اس محبوب کے یکسر لبا لب ہے
نظر پیدا کر اول پھر تماشا دیکھ قدرت کا

جلوہ سب اسی کا گلشن میں زمانے میں
گل پھول کو ہے ان نے پردا سا بنا رکھا

گہ گل ہے گاہ رنگ گہے باغ کی ہے بو
آتا نہیں نظر وہ طرحدار اک طرح

ہوتا ہے یاں جہاں میں ہر روز و شب تماشا
دیکھا جو خواب تو ہے دنیا عجب تماشا

اب تو چپ لگ گئی ہے حیرت سے
پھر کھلے گی زبان جب کی بات

دھوکا ہے تمام بحر دنیا
دیکھے گا ہونٹ تر نہ ہوگا
یہ توہم کا کارخانہ ہے
یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

باقی نوٹ صفحہ ۱۱۲ پر

۳ - بقول ڈاکٹر بھولا ناتھ زمانۂ مستقبل کے لیے آج کل اردو اور ہندی میں 'ئے' کے استعمال کی شکلیں ملتی ہیں (آئے گا، جائے گا......وغیرہ)۔ میر نے تقریباً ہر جگہ وہ شکل اختیار کی ہے جس میں 'وے' آتا ہے (آوے گا، جاوے گا ــــ وغیرہ) - پہلی صورت کا استعمال کم ہی ملتا ہے -

واو اضافی کا تعلق صرف زمانۂ مستقبل سے نہیں، صیغۂ حال میں بھی آوتا ہے بجائے آتا ہے، اور ماضی کی بعض حالتوں (مثلاً ماضی بعید) میں اس کی عام مثالیں دور ہندوی میں ملتی ہیں - صیغۂ استقبال میں واو اور یائے مجہول کا استعمال دلی میں انشا کے عہد تک فصیح اور درست سمجھا جاتا تھا - "دریائے لطافت" میں فرماتے ہیں[۱] :

" و صیغۂ استقبال در مفرد مذکر غائب چوں بعد حذف علامت مصدری در مصادرے کہ الف باقی ماند ویگا با واو و یا مجہول و گاف و الف زیادہ کنند، مانند آوے گا در مفرد مذکر غائب آویں گے، در تثنیہ و جمع آن با نون غنہ و یا مجہول در آخر - و ہر گاہ الف آوے گا با یاء معروف شود آوے گی خوانند مفرد مونث غائب می شود -"

لیکن بات صرف ان مصادر پر آکر ختم نہیں ہو جاتی جو علامت مصدر نکال کر الف پر ختم ہوتے ہیں - دینا مصدر دیوے، ہونا سے ہووے بھی آتا تھا اس لیے یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ الف واو اور یائے مجہول پر ختم ہونے والے الفاظ میں واو اور یائے مجہول لگاتے تھے - اس کی جگہ اب ہمزہ اور یائے مجہول استعمال کرتے ہیں - اس لیے اس کی

باقی نوٹ صفحہ ۱۱۱ سے

وہ دشت خوفناک رہا ہے مرا وطن
سن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا
دیروحرم سے گزرے اب دل ہے گھر ہمارا
ہے ختم اس آبلے پر سیر و سفر ہمارا

غرض کہ 'ہے' کی مثالیں میر کے یہاں بیشتر اور 'ہے گا' کی بہت کم ہیں اور یہ عام رجحان کے مطابق ہے کہ دور ہندوی کے بعد اردوئے معلیٰ میں بجائے 'ہے گا' صرف 'ہے' فصیح تر سمجھا جاتا تھا -

۱ - انشاء اللہ خاں، دریائے لطافت، ص ۱۰ -

بھی ارتقائی صورت جاوے جائے، پاوے پائے ہو گئی - لیکن یہ تصرف اس صورت میں ہوا جہاں صرف الف یا واو تھا - یائے مجہول میں مصدر کی صورت امر ہی 'گا' کے ساتھ استعمال کرتے ہیں - دینا سے دے گا، لینا سے لے گا -

فعل کی حالت امر کے لیے موجودہ اردو میں کئی صورتیں رائج ہیں - مثلاً مصدر دیکھنا سے دیکھ، دیکھو، دیکھیے: یہ تینوں صورتیں امر حال سے متعلق ہیں - امر زمانہ مستقبل کے لیے مصدری صورت (علامت مصدر کے ساتھ) استعمال کرتے ہیں - ان میں سے حال کے لیے دیکھ بجائے دیکھو یا دیکھیے دور ہندوی میں زیادہ رائج تھا - آخرالذکر دونوں صورتیں بعد میں کثیر الاستعمال ہوئیں - امر مستقبل کے لیے دور ہندوی میں بھی صورت مصدری استعمال کرتے تھے- ملا وجہی ''سب رس''میں فرماتے ہیں [۱] :

''سلطان عبداللہ، ظل اللہ............... صباح کے وقت، بیٹھے تخت - یکایک غیب تے کچھ رمز پا کر، دل میں اپنے کچھ لیا کر، وجہی نادر من کوں، دریا دل گوہر سخن کوں، حضور بلائے، پان دیے، بھوت مان دیے ہور فرمائے کہ انسان کے وجودیچ میں کچھ عشق کا بیان کرنا، اپنا ناانوں عیاں کرنا، کچھ نشان دھرنا -''

ایک اور شکل امر کی لیجیے، کیجیے، ہوجیے، پیجیے، یہ عام طور پر افعال متعدی کے ساتھ ہی ملتی ہے - افعال لازم عام طور پر جیے کے بجائے جے پر ختم ہوتے ہیں - لیکن اس باب میں بھی کہیں کہیں استثنیٰ ملتا ہے - مثلاً دیجیے اور دیجے دونوں طرح استعمال کرتے ہیں - ''یئے'' والی صورت اکثر استمرار حال کے ساتھ بھی ملتی ہے :

جب نام ترا لیجیے تب چشم بھر آئے

موجودہ اردو میں زمانۂ حال کے افعال اور ان کے متعلقات، زمانہ ماضی کے متعلقات افعال مصدر میں علامت مصدر دور کر کے تا، تی اور پھر امدادی فعل لگاتے ہیں - مثلاً کرتا ہوں، کرتی ہوں، کرتے ہو، کرتے ہیں، کرتا تھا، کرتے تھے، کرتی تھی، کرتی تھیں - لیکن اس عہد میں ایک اور شکل فعل لازم کے واحد متکلم ''وں'' کے ساتھ ملتی ہے - دیکھنا

---

۱ - ملا وجہی، سب رس، ص ۷ -

سے دیکھوں ہوں بجائے دیکھتا ہوں :

اس کا منہ دیکھ رہا ہوں سو وہی دیکھوں ہوں

ضمیر حاضر کی قدیم شکل کچھ اس طرح کی :

ع پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کر

ع کیا پوچھو ہو سانجھ تلک پہلو میں کیا کیا تڑپا ہے ۱

غائب کے صیغوں میں بھی تکے ہے ، پڑے ہے ، بھرے ہے واحد اور جمع میں اپنے اپنے موقعوں پر لاتے ہیں ۔ ماضی کے صیغے میں بھی یہی صورت تھی :

کھیلے تھا ایک مغبچہ سہرہ نماز

زمانۂ ماضی اور زمانۂ حال کے صیغوں میں آج کل علامت مصدر نا دور کرکے امدادی فعل لگاتے ہیں ۔ آ بیٹھے ، جا بیٹھے ۔ میر کے اس دور میں آ کے بعد ایک ن کا اضافہ ملتا ہے :

آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

جس طرح نے کا استعمال قطعی طور پر متعین نہیں ہے اسی طرح کا ، کر اور کے یا کر کے کے استعمال کی صورت ہے ۔ کہیں ایک شکل ملتی ہے کہیں دوسری ۔ کہیں دونوں اور کہیں ایک بھی نہیں ۔ مثلاً :

وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا

---

۱ ۔ اس قطعے میں بھی جو روایتاً میر سے منسوب ہے اور ان کے لکھنؤ جانے اور پہلے مشاعرے میں ان کی شرکت اور ان کی وضع قطع کو دیکھ کر لکھنویوں کی طنزیہ مسکراہٹ کا جواب کہا جاتا ہے ، فعل کی یہی صورت ہے (ویسے یہ واقعہ درست نہیں ہے) :

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو

مجکو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب

بستے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے

جس کو فلک نے لوٹ کر برباد کر دیا

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ع فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں

جمع مونث کے صیغے میں افعال، ضمائر اور صفات کو فاعل اور موصوف کی رعایت سے جمع لانے کی قدیم صورت کی مثالیں میر کے دور تک موجود تھیں:

وہ دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں
سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبہ

بارہا وعدہ کی راتیں آئیاں
طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں

چالیں ہی دلبروں کی سب سے نرالیاں ہیں
دل سے گئیں نہ باتیں تری پیاری پیاریاں

ع مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

عہد میر کی زبان کے سلسلے میں وحید الدین سلیم فرماتے ہیں:

"ولی کے زمانے سے میر کے زمانے تک بلکہ آگے چل کر غالب کے زمانے تک بھی شعرا برابر اس بات کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ فارسی زبان کی ترکیبوں اور محاوروں کا ترجمہ اپنی زبان میں کریں اور اس طرح اردو میں نئی ترکیبوں اور نئے محاوروں کا اضافہ کیا جائے۔"

یہ درست ہے کہ ولی سے میر تک کے دور میں فارسی زبان کی ترکیبوں اور محاوروں کا ترجمہ اردو میں کثرت سے ہوا ہے۔ لیکن یہ سلسلہ ولی سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا اور اس تحریک میں شاعر اور نثر نگار دونوں ہی شریک تھے۔ ملا وجہی کی "سب رس" کے چند اوراق کے سرسری تجزیے سے ہی یہ تراکیب اور محاورے ملتے ہیں جو صاف یا تو فارسی سے ترجمہ ہیں یا فارسی کی تراکیب اور محاوروں کو سامنے رکھ کر ان کے نمونے پر بنائے گئے ہیں۔ مثلاً:

قدرت دھرنا ، فام (فہم) کرنا ، نفا (نفع) کھینچنا ، داد دینا ، رمز پانا ، ناوں (نام) عیاں کرنا ، نشان دھرنا ، باغ کرنا ، سلاست دینا ، حق پر آنا ، جیو دینا ، مانا (معنی) کھولنا ، راس کرنا ، دور پڑنا........ ....وغیرہ -

خود ولی کے کلام میں جا بجا فارسی کے محاوروں کے ترجمے موجود ہیں [1] -

کسی چیز سے دل باندھنا (دل بستن بہ چیزے) :

ولی جن نے نہ باندھیا دل کوں اپنے نونہالاں سے
نہ پایا ان نے پھل ہرگز جہاں میں زندگانی کا

کسی چیز کا پسند آنا (خوش آمدن چیزے) :

نہ جاؤں صحن گلشن میں کہ خوش آتا نہیں مجھ کوں
بغیر از ماہ رو ہرگز تماشا ماہ تابی کا

کسی چیز کا دعویٰ کرنا (دم زدن از چیزے) :

ہوئی ہے آرسی جوگن ترے مکھ کے تصور میں
بھبھوتی مکھ پہ لیا دم مارتی ہے خاکساری کا

کسی سے تعلق پیدا کر لینا ، وابستہ ہو جانا (دامن کسے گرفتن) :

مجھے بولیا کہ تو واقف نہیں عشق حقیقی سوں
تو بہتر یوں ہے جا دامن پکڑ عشق مجازی کا

طریقہ اختیار کرنا (شیوہ گرفتن) :

کرے تا تجھ پری رو سے طلب یک بوسۂ شیریں
لیا ہے اس سبب دل نے مرے شیوہ گدائی کا

کسی چیز کا پیچھا کرنا (دنبال چیزے گرفتن) :

جہاں جاتا ہوں واں آتا ہے سائے کے نمن پیچھے
ترے برہا نے اے ظالم لیا دنبال عاشق کا

غرض کسی چیز کو روا رکھنا (روا داشتن چیزے) ، پگھلانا ، شرمانا (آب کردن) ، نماز ادا کرنا (نماز کردن) ، بازار گرم ہونا

---

۱ - وحید الدین سلیم ، عہد میر کی زبان ، بہ حوالہ دہلی کالج میگزین ، میر نمبر ، ص ۳۵۵ -

(گرم شدن بازار) ، کسی چیز سے مراد لینا (عبارت بودن از چیزے) ، چل دینا ، آمادۂ سفر ہونا (رخت بستن) ، کسی چیز کی پروا کرنا (حساب چیزے گرفتن) ، دیکھنا (تماشا کردن)، آمادہ ہونا (کمر بستن) ، تابع ہونا (رام شدن) ، بات کا نتیجہ خیز ثابت ہونا (سبز شدن سخن) ، کسی چیز پر متعجب ہونا (عجب کردن از چیزے) ، کپڑے پہننا (لباس در بر کردن) ، اقرار کرنا (قول دادن) ، نباہ کرنا (ساز کردن با کسے) ، مقام کرنا (جا کردن) ، ہوش میں رہنا (بجا ماندن)، گوش کرنا ، سننا (گوش کردن)، گوے لے جانا ، بازی لے جانا (گو بردن از چیزے)، بر سرسخن آنا، بات شروع کرنا (بر سخن آمدن) ، بر میں کھینچنا ، بغل گیر ہونا (در بر کشیدن) ، قلم ہونا ، کٹنا (قلم شدن) ، سر کرنا ، طے کرنا (سر کردن چیزے) ، چشم رکھنا ، امید رکھنا (چشم داشتن) ، بار پانا (بار یافتن) ، جفا کھینچنا ، ظلم اٹھانا (جفا کشیدن) کتنے ہی محاورے ہیں جو ولی کے یہاں موجود ہیں اور ان کے معاصرین کے یہاں بھی ملتے ہیں ۔ وحید الدین سلیم صاحب نے بھی ایک فہرست ایسے محاوروں اور ترکیبوں کی دی ہے جن کا اس عہد میں فارسی سے اردو ترجمہ ہوا اور جس سے اردو زبان میں نئی ترکیبوں اور نئے محاوروں کا اضافہ ہوا :

تر آمدن	تر آنا (شرمندہ ہونا)
تو گوئی	کہے تو (گویا)
نمو کردن	نمود کرنا (ظاہر ہونا)
حیف آنان	حیف وے (افسوس ان پر)
خوش آمدن	خوش آنا (اچھا معلوم کرنا)
اے کہ ، اے آنکہ	اے تو کہ ، اے وہ کہ
دست کار داشتن	کسی کام میں دست ہونا (مہارت ہونا)
تو دہن این کار نداری	تو اس کام کا دہن نہیں رکھتا (لیاقت یا حوصلہ نہیں رکھتا)
گوش کردن	گوش کرنا (سننا)
بو کردن	بو کرنا (باس کرنا ، سونگھنا)
خوابم برد یا ربود	مجھے خواب لے گیا (مجھے نیند آ گئی)

زنجیر کردن	زنجیر کرنا (قید کرنا)
خاک بر سر کردن	سر پر خاک کرنا (ڈالنا)
از عہدہ چیزے بدر آمدن	کسی کام کے عہدے سے بر آنا (کام پورا کرنا)
با خاک برابر شدن	خاک سے برابر ہونا (خاک میں مل جانا)
سر بہ دیوار آمدن	دیوار سر پر آنا (ٹکرانا)
نماز کردن	نماز کرنا (نماز پڑھنا)
خوش حال کسانیکہ	احوال خوش انہوں کا
ہمہ روئے زمین گرفت	تمام روئے زمین لیا (ساری زمین پر چھا گیا)
درد سر دادن	درد سر دینا (تکلیف دینا)
سر فرو آوردن	سر فرو لانا (سر جھکانا)
سر فرو آمدن	سر فرو آنا (سر جھکانا)
رنجہ کردن	رنجہ کرنا (تکلیف پہنچانا)
قدم رنجہ کردن	قدم رنجہ کرنا (آنا)
تاب دادن	تاب دینا (بل دینا)
سر کشیدن	سر کھینچنا (غور کرنا)
داغ کردن	داغ کرنا (رشک سے جلانا)
داغ شدن	داغ ہونا (رشک سے جلنا)
بیک نگاہ ہم وفا نمی کند	ایک نگاہ کو بھی وفا نہیں کرتا (بے ثبات ہے)
وا شدن	وا ہونا (کھلنا ، بے تکلف ہونا)
بہم رسیدن	بہم پہنچنا (حاصل ہونا)
جگر کردن	جگر کرنا (دلیری ظاہر کرنا)
سر کردن	سر کرنا (شروع کرنا)
طرح کردن	طرح کرنا (بنیاد ڈالنا)
طرف شدن	طرف ہونا (مقابل ہونا ، ہم‌سری کا دعویٰ کرنا)
خوشا وقت آنکہ	وقت خوش ان کا

سرزد شدن	سرزد ہونا (باہر نکلنا ، مثلاً سبزے کا)
تماشا کردن	تماشا کرنا (دیکھنا)
ساز کردن	ساز کرنا (سامان کرنا)
تعب کشیدن	تعب کھینچنا (تکلیف اٹھانا)
راہ غلط کردن	راہ غلط کرنا (راستہ بھول جانا)
سفیدی کردن	سفیدی کرنا (بوڑھا ہونا)
بو از دہن می آید ، بوئے شیر از دہن می آید	بو آتی ہے (تم ابھی بچے ہو)
خو کردن	خو کرنا (عادی ہونا)
زبان کردن	زبان کرنا (زبان درازی کرنا)
نیاز کردن	نیاز کرنا (کسی کی طرف سر جھکانا)
گرد آمدن	گرد آنا (جمع ہونا)
تکلیف کردن	تکلیف کرنا (مجبور کرنا)
بروئے کار آوردن	بروئے کار لانا (ظاہر کرنا)
فرو شدن	فرو ہونا (دور ہونا ، مثلاً غم کا)
چشم دوختن	چشم سینا (طمع کرنا)
زبان تہ زبان داشتن	زبان تہ زبان رکھنا (منافقانہ باتیں کرنا)
گردن از مو باریک داشتن	گردن مو سے باریک رکھنا (مطیع ہونا)

اس فہرست کو بھی صرف ایک نمونہ سمجھنا چاہیے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک اکیلے میر ہی کی کلیات میں فارسی سے جتنے محاوروں اور ترکیبوں کے اردو میں ترجمے ہوئے ہیں ، ان کی فہرست مرتب کی جائے تو وہ خاصی طویل ہو گی ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں یہ میلان یا رجحان بہت عام تھا ۔ ان میں سے بعض ترجمے اب متروک ہو چکے ہیں (مثلاً باس کرنا یا بو کرنا ، جگر کرنا ، خو کرنا ، سفیدی کرنا ، نماز کرنا ، رنجہ کرنا وغیرہ) ۔ لیکن بڑی تعداد ان ترجموں کی ایسی ہے جو آج تک رائج ہیں اور اردو زبان کا جزو بن گئے ہیں اور

بلا شبہہ ان سے زبان میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔ کسی زبان سے محاورے کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ایک دشوار امر ہے اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب دونوں زبانوں میں کسی نہ کسی قدر مزاج کی مناسبت ہوتی ہے۔ زبان دان اس باب میں زبان کا مزاج شناس ہوتا ہے اور وہ صرف انھی عناصر کو قبول کرتا ہے جو اس کی دانست میں اس کی زبان کے مزاج سے میل کھاتے ہیں۔ چونکہ اس دور کے اکثر و بیشتر شعرا و مصنفین ذواللسان تھے اور فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے مزاج سے آشنا تھے، اس لیے یہ کام ان کے لیے سہل بھی تھا اور وہ اس کے اہل بھی تھے۔

عہد میر کی زبان کا بیان کرتے ہوئے وحید الدین سلیم صاحب نے لکھا ہے کہ[۱]:

"فارسی ترکیبوں اور محاوروں کے ترجموں کے علاوہ اس زمانے کے شعرا نے خالص فارسی مرکب الفاظ بھی جا بجا اپنے کلام میں استعمال کیے ہیں"۔ اس کے بعد انھوں نے اس قسم کے مرکبات کی ایک مختصر فہرست دی ہے جن کو خود میر نے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے:

تہ بال، کنج کاوی، سبحہ گرداں، پایان کار، ستم کشتہ، غبار ناتواں، پروانہ ساں، موج خیز دہر، سخن مشتاق، عاجز سخن، قادر سخن، حرف ناشنوا، ناقباحت فہم چشم، غنچہ پیشانی، شوق کشتہ، حلقہ در گوش، ہنگامہ گرم کن، نمونہ یوم الحساب، حرف زیر لبی، دل غفران پناہ، آفت دل عاشقاں، عہد فراموش کن، وارفتہ، بسیارگو، خاک افتادہ ویرانہ، سر نشین رہ میخانہ، غبار دیدہ پروانہ، ذوق پیکان و تیر، تصویر بے ہوشاں، درائے قافلہ ساں، شایستہ پریدن، سر بجیب تفکر، غرق بحر تحیر، صحرا صحرا وحشت، دنیا دنیا تہمت، جہاں در جہاں غفلت، یک بیاباں بے کسی و تنہائی، عالم عالم جنوں، دست زیر زنخ شدن، برق خرمن صد کوہ طور، جوش رشک ندامت، پیشکش سادۂ خود کام، صد سخن آغشتہ بخوں زیر زبان، یاس جوش دل و دل گرمی ایام۔

۱۔ وحید الدین سلیم، عہد میر کی زبان، دلی کالج میگزین، میر نمبر، ص ۳۵۷–۳۵۸۔

تلاش سے اس فہرست میں اور اضافہ کیا جا سکتا ہے اور اگر میر کے علاوہ ان کے معاصرین مثلاً مرزا رفیع سودا کے کلام کو بھی سامنے رکھ لیں تو یہ فہرست خاصی طویل ہو سکتی ہے ۔ ایک حد تک یہ خیال درست ہے کہ اس عہد میں فارسی تراکیب اور فارسی مرکبات کا زور زیادہ ہوا ، لیکن اس کے آثار دور ہندوی میں بھی ملتے ہیں ۔ البتہ ولی کے بعد جب اردو شاعری فارسی کے مقابلے میں آئی تو اردو شعرا نے فارسی کی دل آویز ترکیبوں اور مرکبات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ۔ لیکن اس معاملے میں ایک شرط انھوں نے لازمی قرار دی تھی اور وہ یہ تھی کہ صرف ایسی تراکیب اور الفاظ فارسی کے اردو میں لائے جائیں جو اردو کے مزاج سے مناسبت رکھتے ہیں ۔ خود میر کا قول اس باب میں اوپر نقل ہو چکا ہے ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شعرا اور مصنفین نے اس میں پوری احتیاط ملحوظ نہیں رکھی اور فارسی تراکیب کی کثرت آہستہ آہستہ اردو پر غالب آنے لگی اور اردو کے بعض شعرا کا ایسا کلام بھی موجود ہے جس میں صرف فعل یا حرف بدلنے سے شعر فارسی کا ہو جاتا ہے ۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس دور کا تاریخی واقعہ یہ ہے کہ دلی کی زبان اردو کی بامحاورہ اور مستند زبان ٹھہری ۔ انشا اس ٹکسال کی حدود کا سختی سے تعین کرنے کے بعد جب اردو کا جائزہ لیتے ہیں تو خود دہلی ہی میں اردو کے بولنے والوں میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے ۔ حد یہ ہے کہ ان کے نزدیک میر اور مرزا کی زبان میں جگہ جگہ ایسی نشانیاں ملتی ہیں جو ٹکسال سے باہر ہیں ۔ ان مثالوں کی نشان دہی کرنے کے بعد لکھتے ہیں[۱] :

''ازیں گفتگو با عدم حفظ مرتبہ افصح اردو در سخن گفتن یعنی مرزا رفیع دہلوی علیہ الرحمۃ و میر صاحب عالی قدر میر محمد تقی صاحب باوجود لہجہ اکبر آباد و شمول الفاظ برج و گوالیار در وقت تکلم از سبب تولد در مستقر الخلافۃ مذکور مقصود خاطر داعی آثم نیست ، بلکہ مرہون این صاحبان ام کہ چند الفاظ نامعقول را ترک کردہ اند ۔''

یہ نامعقول الفاظ بقول انشا حسب ذیل ہیں :

منے بجائے میں بہ بمعنی درمیان

۱۔ انشاء اللہ خاں ، دریائے لطافت ، ص ۳۳ ۔

سریجن و پی و پیتم بمعنی محبوب (لیکن سجن بعض جگہ موجود ہے) ۔

تنک بمعنی ذرا ، دکھو بجائے دیکھو ، دسا بمعنی دیکھا گیا ۔ لفظ ستی و سیتی اگرچہ عام طور پر نامقبول الفاظ کی فہرست میں شامل ہیں لیکن بقول انشا سودا کے کلام میں موجود ہیں ۔ اس بحث کے خلاصے میں جو بات انشا نے لکھی ہے وہ نہایت اہم ہے[۱] :

" بہرحال بعد تامل بقدر سلیقہ و فہم این ہیچمدان چنین معلوم می شود و غالب کہ راست باشد کہ زبان شاہجہان آباد زبان اشخاص قابل مصاحبت پیشہ دربار رس و گویائی زنان پری پیکر و کلام اہل حرفہ از مسلمان و گفتگوئے شہدہ ہا و الفاظ خدم و تبع از قبیل شاگرد پیشہ امرا است تا خاکروب ہم داخل ہمیں جماعت باشد ۔ این مجمع بہ ہر جا کہ برسد اولاد آنہا دلی وال گفتہ شوند و محلۂ ایشان محلۂ اہل دہلی و اگر تمام شہر را فراگیرند آن شہر را اردو نامند ، لیکن جمع شدن این حضرات در ہیچ شہرے سوائے لکھنؤ نزد فقیر ثابت نیست ۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ دلی کی عام زبان قطع نظر اس سے کہ اس میں بعض اثرات غیر دہلوی زبانوں اور بولیوں کے شامل تھے اس دور کی معیاری اردو تھی اور اس معیاری اردو کے بولنے والے دہلی سے باہر بھی جہاں جمع ہو جائیں وہاں کی زبان مستند اور معیاری اردوئے معلیٰ ہو گی ۔ جیسا کہ انشا نے بھی اشارہ کیا ہے سلطنت دہلی کے زوال اور انحطاط کے بعد جب شعرا اور ارباب فن تلاش معاش میں سرگرداں دلی سے نکلے تو انھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا رخ کیا اور ان کے دم سے یہ ٹکسالی زبان دور دور تک پہنچی ۔ ان ہی علاقوں میں اودھ کا علاقہ تھا جہاں اردوئے معلیٰ نے اپنی ترقی کی منزلیں طے کیں اور اس کے بعد اس دور میں داخل ہوئی جسے جدید اردو کا دور کہا جاتا ہے ۔

اردوئے معلیٰ کے دہلوی دور کی تمیز کے لیے انشا نے ان خاص مصطلحات اور محاوروں کی ایک طویل فہرست دی ہے جو دلی والے بولتے

---

۱ ۔ انشاء اللہ خاں ، دریائے لطافت ، ص ۱۷ ۔

تھے - یہ فہرست نہایت دلچسپ ہے اور چونکہ مطبوعہ " دریائے لطافت " میں موجود ہے اس لیے اس کو پورا نقل کرنا مشکل ہے - لیکن اس فہرست کو اردوئے معلیٰ کے دہلوی محاورے کے لیے ایک کلید سمجھنا چاہیے اور اس اعتبار سے لسانی نقطۂ نظر سے یہ دستاویز نہایت اہم ہے - اس کے علاوہ ایک اور اہم ماخذ صفیر بلگرامی کا " جلوۂ خضر " ہے جس میں صفیر نے ولی کی زبان اور میر و مرزا کے عہد کی زبان کے فرق کو ظاہر کرنے کے لیے الفاظ کی ایک فہرست دی ہے[۱] :

لفظ وقت ولی	تبدیلی وقت میر و مرزا	لفظ وقت ولی	تبدیلی وقت میر و مرزا
نین	چشم	تجوں	چھوڑ دوں
دستا	نظر آتا	کال	مصیبت
جن کن اچھے	جس کے پاس رہے	اتھا	تھا
نمن	طرح	پگ	پگڑی
کوئی ، کئی	کوئی	بھیتر	اندر ، میں
اچھے	رہے	نس دن	ہمیشہ دن رات ،
درشن	زیارت	باج	بغیر
اون سوا	ان کے سوا	ساجن	معشوق
سنسار	دنیا	تن من	جان و دل
جگ	دنیا	پرت	غیر
اچھے	رہے	مجھ	مجھ کو
کون	کو	ماس	گوشت
تجھ	تیرے	نزک	نزدیک
منسا	تجویز	باٹ	رستہ
مکھ	منہ	موہن	معشوق
دیکھ	دیکھ کر	انجھو	آنسو
نا	نہیں ، نہ	درس	زیارت ، دیدار
بوجھے	سمجھے	سیں ، سوں ، سیتی ، ستی	سے

---

۱ - بحوالہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ، دہلی کا دبستان شاعری ، طبع اول ، ۱۹۹۴ء ، کراچی ، ص ۳۷۵ -

کیوں	کیوں کر	چند	چاند
آپس	اپنے	جا	جا کر
کدھی ، کدھیں	کبھی	نغمہ بولنا	نغمہ کرنا
جالے	جلے	یہ	اس
آرسی ، درپن	آئینہ	دارو	دوا ، شراب
اتّا	اتنا	کیتا	کیا
منیں ، منے	میں	تاثیر کیا	تاثیر کی
دکھا	دیکھا	پیتم ، سریجن	معشوق
تمنا	تمھارے	بنا	بن ، بغیر
کینی	کیے ، کیا	نئیں	نہیں
پیو	محبوب	دوج ، دوجا	دوسرے ، دوسرا
گلنا	پگھلنا	پیا	معشوق
لگ	تک	کارمت	مت کر ، نہ کر
بربا	عشق (فراق)	کن (کنے ۱)	پاس
تئیں	کو (کے لیے، لیے)	من	دل
تجھ بھواں	تیری بھواں	جھلکا	جھلک
جن	جن سے	جیو	جی
اول	اول	جنھوں آگے	جن کے آگے
دیا ہے طبع رسا	دی ہے طبع رسا	جو	جیسے
جاری کیا ہوں	جاری کیا ہے میں نے	جھٹا	جھوٹا
سرج	سورج	بیجلی	بجلی
دکھو	دیکھو		

الغرض جیسا کہ انشا نے اعتراف کیا ہے باوجود اس امر کے کہ ان کی اپنی زبان میں بعض مقامی اثرات موجود ہیں اور ان کے زمانے کی عام اور رائج اردوئے معلیٰ میں بھی بعض الفاظ جو دور قدیم کی یادگار ہیں ، باقی ہیں ،

۱ - قوسین کی عبارت راقم نے اضافہ کی ہے -

بحیثیت مجموعی سراج الدین علی خاں آرزو ، میرزا مظہر جان جاناں ، میرتقی میر اور رفیع سودا کی کوششوں سے اردوئے معلیٰ میں اصلاح و اضافہ کا پہلا باقاعدہ دور شروع ہوتا ہے اور چونکہ اب اس زبان کو فارسی کے مقابلے میں علمی اور ادبی حیثیت اختیار کرنی تھی ، اس لیے اس کے اصول اور ضوابط مرتب ہوتے ہیں ۔ انشاء اللہ خاں نے ''دریائے لطافت'' میں ان سے بحث کی ہے اور دلی کے خاص محاوروں اور مصطلحات کی فہرست دے کر اس بحث کو پورا کیا ہے ۔ اس دور کو اردوئے معلیٰ کا پہلا دور سمجھنا چاہیے اور اسی دور میں زبان اردوئے معلیٰ ، اردوئے معلیٰ کی زبان ، اردوئے معلیٰ اور اردو کی اصطلاحات ملنے لگتی ہیں ۔ اگرچہ ہندی کا استعمال بھی جاری رہتا ہے لیکن ہندوی کا استعمال رفتہ رفتہ ترک ہونے لگتا ہے ، یہاں تک کہ اس دور کے آخر میں بالکل متروک ہو جاتا ہے ۔

اردوئے معلیٰ کی ترقی کا دوسرا دور لکھنؤ میں اردو کے ارتقا کا دور ہے ۔ لکھنؤ ریاست اودھ کا دارالخلافہ تھا ، لیکن اس سے پہلے دارالخلافہ فیض آباد ہی تھا اور اس وقت ساری رونق اسی میں تھی ۔ لکھنؤ اس وقت ایک معمولی قصبہ تھا ۔ چنانچہ منجملہ اور لوگوں کے میرحسن نے بھی اپنی مشہور مثنوی '' گلزار ارم '' میں فیض آباد کی مدح اور لکھنؤ کی ہجو لکھی ہے ۔ یوں تو اودھ کی تاریخ بہت پرانی ہے اور اودھی میں جو اس علاقے کی علاقائی بولی تھی کئی اہم نمونے موجود ہیں ، لیکن اودھ میں اردو کے ارتقا کی داستان نوابان اودھ کے دور سے شروع ہوتی ہے جن کا سلسلہ نواب سعادت خاں برہان الملک (وفات ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء) سے شروع ہو کر واجد علی شاہ کی سلطنت کے خاتمے (۱۸۵۷ء) پر ہوتا ہے ۔ یہ ایک صدی لکھنؤ میں مشرقی تمدن کی آخری بزم ہے اور جب سیاسی خلفشار ، بیرونی حملوں ، اندرونی سازشوں ، مالی اور معاشی بدحالی نے دلی کے ارباب کمال کو ترک وطن پر مجبور کیا تو ان میں سے اکثر نے اودھ کے درباروں میں پناہ لی ۔ یہ سلسلہ سراج الدین علی خاں آرزو سے شروع ہوا جن کی وفات لکھنؤ میں ۲۳ ربیع الثانی ۱۱۶۹ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۷۵۶ء کو ہوئی ۔ ان کے علاوہ میر تقی میر ، مرزا رفیع سودا ، میر سوز ، ممنون ، منت ، انشا ، مصحفی ، جرأت ، رنگین ، غرض وہ تمام شعرا جن کے دم سے دلی کی شعر و سخن

کی مجلسیں آباد تھیں ترک وطن کر کے فیض آباد اور لکھنؤ گئے اور یہ ہجرت صرف شعرا تک محدود نہ تھی، ہم عصر مورخین اور تذکرہ نگاروں کی شہادت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی علم اور فن ایسا نہ تھا جس کا ماہر دہلی سے لکھنؤ نہ پہنچا ہو۔ خود نوابان اودھ کی خواہش تھی کہ کسی طرح لکھنؤ دلی کا ہم سر بن جائے، اسی لیے وہ دل کھول کر ارباب علم و فن کی قدر دانی کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو اکابر دہلی سے لکھنؤ آئے ہوں گے وہی زبان اپنے ساتھ لائے ہوں گے جو وہ دہلی میں بولتے تھے اور انھی کی زبان اس وقت لکھنؤ والوں کے لیے بھی سند ہوگی۔ چنانچہ انشا نے دلی کے بعد جس شہر کی اردو کی فصاحت تسلیم کی ہے وہ لکھنؤ ہے۔ اور اس کی بنا ان کے نزدیک یہی ہے کہ دلی کے فصحا کثرت سے اس شہر میں آباد ہوئے اور ان کے محاورے نے یہاں اعتبار پایا۔ لیکن یہ امر بالکل قدرتی تھا کہ مقامی اودھی یا پوربی کا کچھ نہ کچھ اثر مقامی لوگوں کی زبان میں پایا جاتا ہو گا اور دہلوی حضرات اپنی گفتگو میں ان اثرات سے دامن بچانے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ چنانچہ میر حسن کی مثنوی میں دلی والوں کی آتیاں جاتیاں کی مثال موجود ہے:

ادھر اور ادھر آتیاں جاتیاں
پھریں اپنے جوبن پہ اتراتیاں

میر حسن کا زمانہ تو خیر لکھنؤ کے ابتدائی عروج کا زمانہ تھا، ان کے پوتے میر انیس جو لکھنؤ کے دور عروج کی پیداوار ہیں وہ بھی اپنی زبان میں باہتمام ان خصوصیات کو قائم رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

جلدی میں گو جوانوں نے چوٹیں بچائیاں

اور جگہ کو ہمیشہ جاگہہ بولتے تھے اور کہتے تھے کہ صاحبو! یہ میرے گھر کی زبان ہے۔ حضرات لکھنؤ اس طرح نہیں بولتے۔

لکھنؤ میں اصلاح زبان کے سلسلے میں شیخ امام بخش ناسخ (وفات ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء) کا نام سب سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ اس باب میں اسم با مسمیٰ ہیں، یعنی انھوں نے اردوئے قدیم پر خط تنسیخ کھینچا اور اردو کو اس کا جدید قالب عطا کیا۔

صفیر بلگرامی نے ''جلوۂ خضر'' میں لکھا ہے کہ اگر ناسخ نے اردو زبان کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی ہوتی تو یہ زبان کم از کم سو سال پیچھے ہوتی - اس کی تائید میں صفیر نے ان الفاظ کی بھی ایک فہرست دی ہے جو میر و سودا کے دور تک رائج تھے اور ناسخ نے ترک کیے یا ناسخ کے دور میں ترک ہوئے ۱ -

لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت سودا	تبدیلی وقت ناسخ
پہر	پہن	پھرے ہے	پھرتا ہے
نپٹ	بہت	مجھ	مجھ سے
پرے	الگ	صبح سے تا شام	صبح سے شام تک
میں	میں نے	طرح غنچہ	غنچہ کی طرح یا مثل
آگو	آگے	کریو	کیجیو
تئیں	تو	انکھڑیاں میاں	انکھڑیاں میں
راہ گھیروں	راہ روکوں	بدلہ کرنا	بدلہ لینا
دوانہ	دیوانہ	طرف	طرف
ان نے	اس نے	رون	روؤں
تجھ بن	بے تیرے	لاگا	لگا
جگ	دنیا	سجن	صنم
جن نے	جس نے	بولو میاں	کہو جی
ہوں بھی	ہوا بھی	بغل بیچ	بغل میں
حال سہنا	صدمہ سہنا	پھتروں	پتھروں
میتے	سے	کے تئیں	کو
تجھ تیغ	تیری تیغ	ان نے	اس نے
جانے ہے	جاتا ہے	رپٹے ہے	پھسلے ہے
تئیں	کو	خاک میں رلنا	خاک میں مل جانا

۱ - ابواللیث صدیقی ، لکھنؤ کا دبستان شاعری ، طبع دوم ، لاہور ، ص ۳۹۴ تا ۴۰۱ -

دریا کا سا	دریا سا	اور	طرف
اس دم تئیں	اس وقت تک	دیوے	دے
بن	بغیر	بآنکہ	باوجودیکہ
کیوں کیے	کس طرح	شمع کا گلنا	شمع کا پگھلنا
دامن چلنا	دامن مسکنا		

اگرچہ میر و مرزا کی زبان یا ان کے زمانے میں اتنا فرق نہیں ہے کہ اس سے ان دونوں یا ان کے عہد کی زبان میں فرق پیدا ہو، تاہم صفیر بلگرامی نے میر اور ناسخ کے کلام کا موازنہ کر کے اسی طرح کی ایک اور فہرست تیار کی ہے جس سے میر اور ناسخ کی زبان کے فرق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ فہرست یہ ہے:

لفظ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ	لفظ وقت میر	تبدیلی وقت ناسخ
رنگ جھمکے ہے	رنگ جھلکتا ہے	کرے ہے	کرتا ہے
کسو	کسی	ان نے	اس نے
جامہ کم گھیر	کم گھیر جامہ	پات	پتا [1]
ٹک	ذرا	جوں	جس طرح
کبھو	کبھی	نداں	ہمیشہ
ہر پات ہرے	ہر ایک پتے کے	مہندی کے رنگ	برنگ حنا
کے اوجھل	اوجہل		
ولے	مگر، لیکن	داغ ہوں	داغ کھاتا ہوں
میرے موئے گئے	میرے مرنے کے بعد	دیا	چراغ
کیونکہ	کیونکر	دخت تاک	دخت رز

۱- صفیر بلگرامی نے میر کے کلام کا مطالعہ زیادہ احتیاط اور تلاش سے نہیں کیا ورنہ پتا ان کے یہاں موجود ہے:

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اسی طرح بعض اور الفاظ جو متروکات ناسخ سمجھے جاتے ہیں میر اور ان کے معاصرین کے یہاں ترک ہو چکے ہیں۔

بچاروں	بیچاروں	کھوج	نشان
ایدھر	ادھر	دیدار پانا	دیدار ہونا
سر کو فرو لانا	سر کو فرو کرنا	بھتیاں ہیں	بھتی ہیں
جانا جاتا ہے	سمجھا جاتا ہے	شرح دینا	شرح کرنا
دل ڈھائے کر	دل ڈھا کر	نشا	نشہ
جلا رہے گا	جلاوے گا	خواب لے جانا	خواب آنا
نت	ہمیشہ	جاگھہ	جگہ
بد شراب	بدمست	قلابا	قلابہ
نیونا	جھکنا	اس کنے [1]	اس کے گھر
مجھ	میرے	بیچ	میں
وہ جدی چیز ہے	وہ جدا چیز ہے	طرف	طرف
کے تئیں	کو	تیں	تو نے
مت کریو	نہ کیجیو	تجھ تئیں	تجھ تک
سمندر بلونا	سمندر اولیچنا	رو رکھنا	منہ رکھنا
لب بام ہوگا	لب بام آئے گا	دیجے	دیجیے
ایکوں	ایک	کب رو ہے	کب منہ ہے
انتہا لانا	انتہا کو پہنچنا	ماٹی	مٹی
کریے	کیجیے	جائے	جگہ، جا
جائے باش	جائے بود و باش	قاصد چلانا	قاصد بھیجنا
ہلاکی کو پہنچنا	ہلاکت کو پہنچنا	تدھر	ادھر
بھروسا پڑنا	بھروسا ہونا	دارو	شراب
اپر	اوپر	مت کریو	نہ کیجیو
جوں ایندھن	ایندھن کی طرح	دارو	دوا
چلا جائے ہے	چلا جاتا ہے	اسے مغفرت ہو	اس کی مغفرت ہو
پگاہ کا نالہ	نالہ سحر	دیکھ	دیکھ کر
لیک	لیکن	رہے ہے	رہتا ہے
تنک	ذرا	تد	تب

۱- صفیر بلگرامی نے کوئی خاص شعر سامنے رکھ کر یہ مفہوم لکھا ہے ورنہ 'کنے' بمعنی پاس ہے۔

تجھ	تجھ کو	منہ پر نقاب لینا	منہ پر نقاب ڈالنا
خرابا پھیلنا	خرابی پھیلنا	نمط	طرح
اس کے گئے	اس کے جانے کے بعد	زنجیری رہنا	قید رہنا
دہا	عشرہ	ارنہ	ورنہ ، وگرنہ
خیال لینا	خیال باندھنا	وار کھینچنا	وار پر کھینچنا
پلک ماروں ہوں	پلک جھپکاتا ہوں	ہوجیے	ہوجیئے
قسمے کہ	اس قسم سے کہ	پالہ	پیالہ
تنک	ذرا	تد	تب
تجھ	تجھ کو	دم باز پس	دم باز پسیں
یاں تئیں	یہاں تک		

صفیر بلگرامی نے اسی طرح کی اور فہرستیں بھی مرتب کی ہیں جن میں مصحفی و انشا کے محاورے اور ناسخ کے دور کی زبان کا فرق دکھایا ہے - میر حسن اور شاہ نصیر تک کے عہد کی زبان کی بھی فہرستیں مرتب کی ہیں اور ناسخ کے عہد کی زبان سے ان کے فرق کو واضح کیا گیا ہے - لیکن میر و مرزا کے دور میں جو صورت تھی اس میں اور انشا و مصحفی کے دور میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے - البتہ تبدیلی کی رفتار جو میر و مرزا کے عہد تک کسی قدر سست رہتی ہے لکھنؤ کے درباری اثرات اور اودھ کے مقامی محاورے کی بدولت نسبتاً تیز تر ہو جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات انشا اور مصحفی کی زبان میر و مرزا کے دور کی زبان کے مقابلے میں زیادہ صاف نظر آتی ہے ، بلکہ سعادت یار خاں رنگین کے کلام سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح کی بیگمات قلعۂ معلی کی اردوئے معلیٰ دہلوی اردو کا ایک مستند اور معیاری نمونہ خیال کی جاتی ہے اسی طرح لکھنؤ کی بیگمات کی زبان اور محاورہ بھی لکھنوی زبان کے لیے سند تھا - چنانچہ رنگین کا دیوان ریختی جو اسی زبان اور محاورے میں ہے اس کا ترجمان ہے اور اس کی اخلاقی پستی سے قطع نظر لسانی مطالعے کے لیے ایک دلچسپ دستاویز ہے - بعد میں اسی روش نے جان صاحب کو ریختی کی طرف مائل کیا - خود انشا کے دیوان میں بھی ریختی کا حصہ موجود ہے - اسے بھی لکھنؤ کا تحفہ سمجھنا چاہیے - شاعری اور فن کے اعتبار سے یہ نمونے کتنے ہی پست

کیوں نہ ہوں زبان اور محاورے کی سند کے لیے ان کی طرف رجوع ہونا ہی پڑتا ہے۔

لکھنؤ میں اصلاح زبان کے سلسلے میں کئی طرح کے عمل نظر آتے ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں یہ ہے کہ پراکرتی الفاظ جو میر و مرزا کے دور تک اردوئے معلیٰ میں عام تھے اور فصحا کی زبان پر جاری تھے ان کو ترک کر کے ان کی جگہ عربی و فارسی الفاظ نے لے لی۔ اسے اصلاح کہنا مناسب نہیں، کیونکہ اکثر ہندی الاصل الفاظ ایسے تھے جن کے ترک کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لفظ فصیح کے لیے تین شرطیں انشا نے بتائی ہیں جن کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔ یعنی تنافر حرفی نہ ہو، غرابت نہ ہو، تعقید نہ ہو۔ اکثر الفاظ جو ترک ہوئے ان میں ان تینوں میں سے کوئی عیب نہ تھا۔ وجہ دراصل یہ تھی کہ لکھنؤ میں احیائے علوم قدیم کی طرف میلان نے عربی و فارسی کا رواج زیادہ کر دیا تھا اور عربی فارسی کی آمیزش کو علمیت کے اظہار کے لیے اختیار کیا جاتا تھا۔ شرر نے مشرقی تمدن کے آخری نمونے میں وضاحت سے لکھا ہے کہ جس قسم کے الفاظ عربی و فارسی اور علمی و فنی اصطلاحات لکھنؤ والے عام لوگ اپنی گفتگو میں استعمال کرجاتے تھے دوسرے شہروں کے پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے معذور تھے۔ اور چونکہ دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد عام طور پر لکھنوی ثقافت نے اس معیار کی جگہ لے لی تھی، اس لیے قدرتی طور پر اردو کے پورے علاقے میں اردو کے اسی محاورے کو معیاری اور مستند سمجھا جانے لگا۔ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ مرزا غالب جیسے دہلی پرست شاعر نے بھی کسی لکھنوی شاعر کا یہ مصرع سن کر:

نہاتا ہے وہ مہ دریا میں کپڑے حور دھوتی ہے

کہا تھا کہ یہ معشوق کی تعریف کیا ہوئی کہ ایسا مفلس ہے کہ کھڑے گھاٹ کپڑے دھلواتا ہے اور پھر لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ مضمون دلی والوں کا اور زبان لکھنو والوں کی ہے۔

دوسرا رجحان لکھنؤ میں یہ بھی تھا کہ جن الفاظ میں ہندی کے حروف ثقیلہ مثلاً ٹ، ڈ، ڑ وغیرہ آتے تھے یا تو حتی الامکان ان کی جگہ فارسی کا کوئی لفظ استعمال کرتے تھے یا پھر ایسے حروف کو بالخصوص

الفاظ کے آخر میں ساقط کر دیتے تھے - مثلاً کوبڑ کی جگہ کوب یا کب ، کیچڑ کی جگہ کیچ بولتے تھے - فارسی کے ہی زیر اثر عربی فارسی الفاظ کا املا جو دور قدیم میں مہند کر لیا گیا تھا ، اس کو اصل کے مطابق لکھنے کی کوشش کی جانے لگی اور جو لوگ اس کی پروا نہیں کرتے تھے ان کو کم علم سمجھا جانا تھا - حد یہ ہے کہ خود لکھنؤ کے مسلم الثبوت اساتذہ پر اس قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں - مثلاً ناسخ کے حریف ان کو کم علم کہتے ہیں ، کیونکہ انھوں نے بیگم کا رائج املا اختیار کیا ہے اور بیغم یعنی غین کے ضمہ کے ساتھ جیسا کہ اصل ترکی میں ہے ، قبول نہیں کیا -

ان رجحانات کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس دور میں فارسی اضافتوں کے استعمال کا رواج زیادہ ہو جاتا ہے اور فارسی نما اردو نہ صرف علمی اور ادبی تصانیف میں ہی نظر آتی ہے بلکہ روزمرہ گفتگو کے محاورے پر بھی اس کا اثر پڑا اور یہ خیال کہ حرف و اضافت فارسی کا استعمال اردو میں جائز نہیں نظر انداز کر دیا گیا - لیکن ظاہر ہے کہ یہ روش اردو کے مزاج کے مطابق نہ تھی اور کسی زبان میں کوئی چیز چاہے بطور فیشن ہی داخل کیوں نہ ہو اگر اس زبان کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی تو کبھی اس کا جزو نہیں بن سکتی - ان اضافتوں اور تراکیب کا بھی یہی حال ہوا کہ آہستہ آہستہ ان میں اعتدال پیدا ہونے لگا اور اردو نے وہ صورت پائی جو اس کی دور جدید کی صورت ہے -

اس دور جدید کی ابتدا قواعد صرف ونحو کے تعین اور ان پر سختی سے عمل درآمد سے ہوتی ہے - جس وقت تک فارسی کے مقابلے میں علمی اور ادبی حیثیت سے اردوئے قدیم یعنی ہندوی یا ہندی کو استحکام حاصل نہیں ہوا تھا اس کے قواعد صرف و نحو کے تعین یا ان کی پابندی کی طرف زیادہ توجہ نہیں تھی - سبب اس کا یہ تھا کہ اس وقت تک یہ صرف ایک روزمرہ بولی جانے والی بولی تھی جس کی کوئی علمی یا ادبی حیثیت نہیں تھی اور نہ جس کا کوئی معیاری یا ٹکسالی محاورہ متعین یا مقرر ہوا تھا - لیکن جیسے جیسے فارسی کے مقابلے میں پہلے اردو شاعری اور بعد میں اردو نثر کا اعتبار قائم ہوتا گیا یہ بولی ایک مستند اور معیاری زبان کی حیثیت اختیار کرتی گئی - یہاں تک کہ اس کا شاہجہان آبادی محاورہ اس کا معیاری اور مستند نمونہ

قرار پایا - یہی وہ منزل ہوتی ہے جہاں زبان کے قواعد و ضوابط مرتب ہونے شروع ہوتے ہیں۔ لغت نویسی کا آغاز تو اس سے پہلے ہو جاتا ہے ، لیکن قواعد نویسی کا مرحلہ اب آتا ہے - اردو میں قواعد نویسی کی داستان کو ہم آگے چل کر ذرا تفصیل سے لکھیں گے ، اس لیے اس مرحلے پر مختصراً صرف یہ کہنا کافی ہے کہ جہاں تک تحقیق ہوا ہے اردو (جسے اکثر یورپین ہندوستانی کے نام سے پکارتے تھے) کی پہلی قواعد جان جوشوا کیٹلر نے ۱۷۱۵ء کے لگ بھگ لکھی[1] - گویا یہ واقعہ ولی کی وفات کے کوئی آٹھ سال بعد کا ہے - یہ قواعد لاطینی زبان میں لکھی گئی ہے اور ۱۷۴۳ء میں شائع ہوئی - اگلے پچاس سال میں متعدد یورپین مصنفین نے اردو قواعد کی کتابیں لکھیں جن میں جان گرائسٹ کا رسالہ قواعد بھی ہے جو ۱۸۰۹ء میں شائع ہوا - خود اہل زبان میں اس طرف سب سے پہلے انشاء اللہ خاں انشا نے توجہ کی اور " دریائے لطافت " کے نام سے ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۸ء میں اردو کی پہلی قواعد لکھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اس زبان کے قواعد اور اصول کسی حد تک مرتب ہو چکے تھے کہ خود اہل زبان ان کو مانتے تھے - انشا نے یہ کتاب نواب سعادت علی خاں (وفات ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۱۴ء) کے دور حکومت میں لکھنؤ میں لکھی اور یہ وہی عہد ہے جس کا ہم اس وقت ذکر کر رہے ہیں - اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز سے پہلے ہی اردو کے قواعد صرف و نحو کے تعین کا خیال پیدا ہو گیا تھا - بلکہ انشا کے زمانے تک دلی اور لکھنؤ کے محاورے کی کشمکش بھی شروع ہو چکی تھی - اساتذۂ لکھنؤ نے اس سلسلے کو جسے مظہر جان جاناں ، سراج الدین علی خاں آرزو ، مرزا رفیع سودا اور میر تقی میر نے شروع کیا تھا ، پایۂ تکمیل کو پہنچایا - اس دور میں قواعد میں جن باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا وہ حسب ذیل ہیں[2] :

۱ - دور ہندوی و ہندی میں قدما نے اکثر حروف رابطہ کو چھوڑ دیا ہے - میر و مرزا کے دور میں اس طرف توجہ ہوئی لیکن اس دور میں بھی بکثرت مثالیں موجود ہیں جن میں حروف رابطہ کو چھوڑ دیا گیا

---

۱ - عبدالحق ، قواعد اردو ، ص ۱۹ -

۲ - ابواللیث صدیقی ، لکھنؤ کا دبستان شاعری ، طبع دوم ص ۴۰۴ ، ۴۰۵ -

ہے - میر و مرزا کے دور کی زبان و محاورہ کی جو فہرستیں شامل ہیں ان کے مطالعے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے - ناسخ اور ان کے دور کے شعرا اور مصنفین نے اس باب میں احتیاط برتی ہے اور حتی الامکان حروف رابطہ کو ترک نہیں کیا ہے - یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ جان جوشوا کیٹلر کی قواعد میں حرف 'نے' موجود ہی نہیں ہے اور میر و مرزا کے دور تک اس کا استعمال قطعی طور پر متعین نہیں تھا ، لیکن اس دور میں اس کا استعمال اسم کی حالت فاعلی میں صیغہ ماضی کے ساتھ مسلم ہو جاتا ہے -

۲ - دور ہندوی و ہندی میں قدما نے اکثر لفظ ہندی و فارسی کو تخفیف سے باندھا ہے - اشعار کے سلسلے میں تو اس کی توجیہ یوں کی جا سکتی ہے کہ ضرورت شعری سے وزن کی وجہ سے ایسا تصرف کیا ہے ، لیکن عبارت نثر میں اس کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی - غالباً اس دور میں ان الفاظ کو عام بول چال کے عوامی محاورے کے مطابق استعمال کیا جاتا تھا - اردوئے معلیٰ کے معیاری محاورے کے استحکام کے بعد کسی قدر اس طرف توجہ ہوئی کہ فارسی اور ہندی کے جو الفاظ اردو میں استعمال کیے جائیں ان میں حتی الامکان اس طرح کا تصرف نہ کیا جائے اور ان الفاظ کو ان کی اصل صورت میں ادا کیا جائے - لکھنؤ میں یہ لے کچھ زیادہ ہی بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے - چنانچہ بیگم کے اردو تلفظ کے مقابلے میں اس کی اصل ترکی بیغم کے استعمال پر اصرار اس کی ایک مثال ہے -

۳ - ساکن کو متحرک ، متحرک کو ساکن ، غیر مشدد کو مشدد اور مشدد کو غیر مشدد کرنے کی مثالیں بھی اس سے پہلے بکثرت ملتی ہیں - اس دور میں اس سلسلے میں بھی احتیاط لازم قرار پاتی ہے -

۴ - عام الفاظ کے بارے میں ناسخ کا مسلک یہ ہے کہ الفاظ میں تنافر نہ ہو ، تعقید نہ ہو، غرابت نہ ہو - یہ اصول وہی ہیں جو انشا نے بھی " دریائے لطافت " میں بیان کیے ہیں - اس دور سے پہلے ان پر سختی سے عمل درآمد نہیں ہوتا تھا - ناسخ نے ان کی پابندی پر زور دیا اور ان کے شاگردوں کی کوششوں سے یہ رواج عام ہو گیا -

۵- فصاحت کے لیے یہ بھی ضروری قرار پایا کہ عبارت میں حشو و زوائد کا دخل نہ ہو - اسی لیے عبارت میں سلاست اور چستی پیدا ہو گئی - اس

سے پہلے اردو میں بالخصوص عبارت نثر میں اس کا زیادہ لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا ۔

٦ ۔ اگرچہ میر و مرزا کے عہد میں بہت سے الفاظ اور تراکیب متروک سمجھی جانے لگی تھیں ۔ لیکن خود اساتذہ کے کلام میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں ۔ کبھو اور کبھی ، کسو اور کسی ، تجھ اور تیرے وغیرہ دونوں قسم کے الفاظ اور تراکیب ملے جلے ملتے ہیں ۔ اس دور میں متروکات کو سختی سے متروکات کی فہرست میں شامل کیا گیا اور ان کا استعمال فصاحت کلام کے منافی قرار پایا ۔

غرض اردو زبان نے اس دور میں وہ صورت پائی جو جدید اردو کہلاتی ہے ۔ اس کے بعد اردو کی تاریخ ڈیڑھ سو سال آگے بڑھی ہے اور اس طویل عرصے میں زبان میں نئی تراش خراش ہوئی ہے ۔ بہت سے نئے الفاظ زبان میں داخل ہوئے ہیں ۔ کچھ الفاظ ترک بھی ہوئے ہیں (لیکن کم تر) ۔ نئی تراکیب اور نئے اسالیب پیدا ہوئے ہیں ۔ اس سے اردو کے ذخیرۂ الفاظ اور اسلوب ادا میں بڑی وسعت پیدا ہوئی ہے ۔ فارسی کے زوال اور انگریزی کے عروج و اقتدار نے بھی زبان کا کینڈا بدلنے میں بڑا حصہ لیا ہے ۔ فارسی الفاظ ، تراکیب ، تشبیہات و استعارات وغیرہ جو پچھلے پچاس سال تک اردو میں رائج اور مقبول تھے آہستہ آہستہ کم ہوتے گئے ہیں اور ان کی جگہ انگریزی الفاظ اور اصطلاحات اردو میں داخل ہوئی ہیں ، بالخصوص ۱۸۵۷ء کے بعد اردو کے دور جدید میں جسے سر سید اور ان کے رفقا کا دور کہا جاتا ہے ، اردو کی علمی اور ادبی حیثیت میں بڑا اضافہ ہوا ہے ۔ نئے موضوعات اور نئے اسالیب پیدا ہوئے ہیں ، اظہار خیال کے نئے طریقے رائج ہوئے ہیں اور اس اعتبار سے دور جدید کی اردو میں زیادہ تنوع اور وسعت ہے ۔ لیکن جہاں تک قواعد کا تعلق ہے اس میں بہت کم تبدیلی ہوئی ہے ۔ اور ہوتا بھی یوں ہی ہے کہ جب کسی زبان کی ادبی حیثیت ایک مرتبہ مسلم ہو جاتی ہے اور اس کے قواعد صرف و نحو مرتب ہو جاتے ہیں تو اس سے زبان کو ایک مستقل محور مل جاتا ہے اور خود اہل زبان جنھیں زبان میں تصرف کا حق پہنچتا ہے اپنے آپ کو ان اصولوں اور قواعد کا پابند بنا لیتے ہیں ۔ اس کے بعد زبان زندہ زبان کی حیثیت سے ترقی

کرتی رہتی ہے اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنے سرمایۂ الفاظ اور انداز بیان میں وسعت پیدا کرتی رہتی ہے - لیکن اس کے قواعد کا مضبوط ڈھانچہ بہت کم تغیرات اور تصرفات قبول کرتا ہے - اردو نے پچھلی صدی میں ان ہی خطوط پر ترقی کی ہے اور اس کی یہ رفتار قابل اطمینان ہے - اس صدی میں انگریزی کے اقتدار اور بالا دستی نے اس رفتار پر اثر ضرور ڈالا ، کیونکہ انگریزی سرکاری ، دفتری اور عدالتی زبان رہی ہے - یہ حاکم قوم کی زبان تھی ، اس لیے اس کے استعمال میں ایک تہذیبی مفاخرت کا احساس بھی شامل تھا - اس نے اردو کی رفتار کو سست ضرورکر دیا لیکن اس کی نشوو نما کو روکا نہ جا سکا ، بلکہ اس نے انگریزی سے بہت کچھ لیا - الفاظ ، اسالیب بیان اور تراکیب انگریزی کے ترجموں نے اردو کو دور جدید کے علمی اور فنی تقاضوں کو پورا کرنے کے لائق بنا دیا اور اب قیام پاکستان کے بعد جب اردو کو قومی زندگی میں اس کا جائز منصب ملا ہے تو یہ راہیں اور بھی واضح اور کشادہ ہو گئی ہیں - لیکن یہ ایک الگ داستان ہے جس کا تعلق قواعد اردو کے ارتقا سے نہیں ہے ، اس لیے اس داستان کو یہیں ختم کیا جاتا ہے -

باب سوم

اردو کی قواعد نویسی کا آغاز اور ارتقا

کسی زبان یا بولی کی پیدائش یا اس کی ابتدائی نشو و نما قواعد و ضوابط اور اصولوں کی مرہون منت نہیں ہوتی ، بلکہ زبان کی نشو و نما کے ایک خاص دور میں یہ قواعد اور اصول آہستہ آہستہ متعین ہوتے ہیں اور خود بولی جانے والی زبان سے ماخوذ اور مستخرج ہوتے ہیں ۔ ہاں جب ایک مرتبہ یہ مرتب اور واضح ہو جاتے ہیں تو پھر یہ ایک معیار اور سند کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں ۔ اہل زبان کو پھر بھی ان میں تصرف کا حق رہتا ہے اور ایک غیر اہل زبان اور اہل زبان میں یہی امتیاز ہوتا ہے کہ اہل زبان ایسے تصرف پر قادر ہوتا ہے جن کی توجیہ اور تشریح قواعد اور ضوابط سے نہیں ہو سکتی ۔ اس لیے قواعد و ضوابط کے مرتب اور مدون ہونے کے بعد بھی زبان کی صحت اور فصاحت کا معیار قواعد صرف و نحو کی کتابیں نہیں ہوتیں ، بلکہ اس زبان کے بولنے والوں کی گفتگو ، اس کے شعرا کا کلام اور اس کے نثر نگاروں کی تصانیف ہوتی ہیں ۔ اسی لیے کسی زندہ زبان کی تحصیل اس کی کتب لغت اور کتب قواعد کے وسیلے سے ممکن نہیں ہے ۔ اس کی تحصیل کے لیے اس زبان کے بولنے والوں کی صحبت اور زبان کے زندہ محاورے سے واقفیت ایک لازمی شرط ہے ۔

کسی زبان کے بولنے والوں میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ اپنے ماں باپ ، بہن بھائیوں ، دوستوں ، سہیلیوں ، گھر سے باہر دوسرے بچوں کے ساتھ زبان سیکھتا ہے اور اسی قاعدے ، محاورے اور اصول کے مطابق سیکھتا ہے جو اس زبان کے بولنے والوں کا محاورہ ہوتا ہے ۔ اس لیے اہل زبان کو زبان سیکھنے کے لیے قواعد کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ لیکن کسی دوسری زبان کا بولنے والا جب کوئی نئی زبان سیکھتا ہے تو وہ اس زبان کے قواعد اور اصول کی طرف توجہ کرنے

پر مجبور ہوتا ہے ۔ زبان سیکھنے کا یہ طریقہ مادری زبان کے حصول کے طریقے سے مختلف ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر زبانوں میں قواعد کی ترتیب و تدوین اہل زبان سے پہلے دوسری زبان والے کرتے ہیں ۔ جو کسی سیاسی یا تجارتی مقصد سے کسی نئی زبان کے سیکھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ۔ لیکن یہ درست نہیں کہ اہل زبان کو کبھی اپنی زبان کی قواعد کی ترتیب و تدوین کی ضرورت محسوس نہ ہو ۔ قواعد نویسی کی تاریخ میں موجودہ قدیم ترین تاریخی قواعد جو پانِنی کی تصنیف ہے اس کا ایک نمونہ ہے ۔ ہم اس کے بارے میں مختصر طور پر پراکرتوں کے ارتقا کی بحث میں گفتگو کر چکے ہیں ۔ پانِنی کسی غیر زبان کا بولنے والا نہ تھا اور نہ وہ قواعد نویس جن کا ذکر پانِنی نے اپنے پیشروؤں کے طور پر کیا ہے کوئی غیرملکی تھے ۔ صورت یہ تھی کہ سنسکرت کی ویدک صورت عام بولی جانے والی زبانوں سے رفتہ رفتہ بہت دور ہوتی چلی جا رہی تھی ، جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ویدوں کو ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا تھا ۔ ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک منتقل ہوتے ہوتے ویدوں کی عبارت میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور یہ خطرہ تھا کہ اگر اس زبان کے قواعد اور اصول مرتب و مدون نہ ہوئے تو یہ انتشار اور خلفشار اور بڑھے گا اور شاید آگے چل کر یہ زبان بالکل ناقابل فہم ہو جائے ۔ ایک مرتبہ ان اصولوں اور قواعد و ضوابط کو خود ویدوں سے جمع کر کے مدون و مرتب کیا گیا اور اس طرح ویدی سنسکرت کی پہلی قواعد وجود میں آئی ۔ اسی طرح کی صورت یونان میں پیش آئی ۔ یونانی اپنے دور اقتدار میں یونان سے نکل کر افریقہ اور ایشیا کی سرزمین تک جا پہنچے تھے اور انھیں دوسری زبانوں کے متعلق علم بھی ہو گیا تھا اور وہ ان سے دلچسپی بھی لینے لگے تھے ۔ لیکن اپنی تہذیب و معاشرت کے عروج کے اس دور میں وہ بجا طور پر ان زبانوں کو وحشیوں کی نامکمل بولیاں سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک قابل اعتنا صرف ان کی یونانی تھی جو ان کے خیال میں ان کے دیوتاؤں کی بولی بھی تھی اور ان عظیم شعرا کی بھی جن میں ہومر جیسا شاعر بھی شامل تھا ۔ ہومر کی تصنیف کو ایک زمانہ گزر چکا تھا اور اس عرصے میں خود یونان کی مختلف بولیوں میں جو

اگرچہ اصلاً آریائی تھیں لیکن مختلف علاقوں میں علاقائی اثرات کے تحت آپس میں خاص فرق پیدا ہو چکا تھا اور ہومر کی زبان اور محاورے میں خود یونانیوں کو اجنبیت کا احساس ہونے لگا تھا ۔ خود ہومر کی تصانیف کے جو نسخے مختلف علاقوں میں رائج تھے ، ان میں بھی اختلاف تھا ۔ اس نے یونان کے زبان دانوں کو ہومر کے کلام کی ترتیب و تدوین اور تشریح و تفسیر کی طرف متوجہ کیا اور اس سے یونانی زبان کے قواعد ، اصول اور ضوابط کے مطالعے کی داغ بیل ڈالی ۔ یوں تو اکثر و بیشتر یونانی حکما کے یہاں زبان اس کی اصل و ابتدا کے باب میں جستہ جستہ خیالات ملتے ہیں ، لیکن پہلا شخص جس نے یونانی زبان کے قواعد کی طرف توجہ کی ڈائونی سی‌اس تھا ۔ اس نے یونانی زبان کے بارے میں اپنے پیشروؤں کے خیالات کا مطالعہ کیا تھا اور پھر ایک معلم کی حیثیت سے اس نے اپنے شاگردوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے یونانی زبان کی قواعد لکھی ۔ ان شاگردوں میں رومی نژاد بھی تھے جن کی تعلیم کے لیے خاص طور پر اس قواعد کی ضرورت تھی ۔ آگے چل کر ان ہی رومیوں نے لاطینی قواعد مرتب کی جس میں انھوں نے اپنی زبان کے ڈھانچے کا مطالعہ کیا ۔ اسی لاطینی قواعد کا ڈھانچہ ایک مدت تک یورپ کے قواعد نویسوں کے لیے ایک معیار اور نمونہ ٹھہرا ۔ ڈائونی سی‌اس کا زمانہ دوسری صدی قبل مسیح کا ہے ۔

اگرچہ ڈائونی سی‌اس کی قواعد تقریباً چار سو سطروں پر مشتمل ایک مختصر سا رسالہ ہے ، لیکن اس کی اہمیت نہ صرف یہ ہے کہ یہ یونانی زبان کی پہلی باضابطہ قواعد ہے ، بلکہ اس کا اثر بعد کی تصانیف پر بھی بہت گہرا پڑا ہے ۔ اس کا آرمینی ترجمہ پانچویں صدی عیسوی میں ہوا اور اس طرح آئندہ چل کر یونانی قواعد کے علاوہ اسے لاطینی ، آرمینی اور سامی زبانوں کی قواعد کے لیے بھی ایک مثالی نمونہ قرار دیا گیا ۔

روم کی عظیم تہذیب بہت سے امور میں یونانیوں کی مرہون منت ہے ۔ چنانچہ لسانی علوم کی تحصیل میں بھی یونان کا فیض یقینی طور پر موجود

ہے - رومیوں میں پہلا قابل ذکر ماہر لسانیات وارو تھا جس کا زمانہ ۱۱۶ ق م سے ۲۷ ق م کا ہے - اس نے لاطینی زبان کے عنوان سے چوبیس جلدوں میں اس زبان کا تجزیہ کیا تھا - افسوس کہ اس نادر تصنیف کی صرف چھ جلدیں (جلد پنجم تا دہم) دستیاب ہوئی ہیں - رومیوں کے بعد بازنطینی دور میں پرس شین نے چھٹی صدی عیسوی (۵۱۲ تا ۵۶۰) میں قواعد زبان پر اٹھارہ رسالے تصنیف کیے جنھیں قرون وسطی میں اس فن کا سب سے اہم ذخیرہ سمجھنا چاہیے - ان میں سے سولہ کتابیں اقسام کلمہ کے متعلق ہیں اور دو کتابیں نحو پر ہیں -

ان اشاروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قواعد نویسی کی طرف توجہ محض خالص علمی مشغلے کی بنا پر نہیں تھی بلکہ اس کا عملی پہلو پیش نظر تھا - یہ مقصد یا تو کسی زبان میں بدلتے ہوئے محاورے کے پیش نظر زبان کی اصل صورت کو قائم اور برقرار رکھنے کا تھا ، جیسا کہ سنسکرت کے ابتدائی قواعد نویسوں کے پیش نظر تھا ، یا کسی قدیم مصنف یا دور کی زبان کی تفہیم ، تعلیم اور تدریس کے لیے اس کے اصول اور ضوابط مقرر کیے گئے ، جیسا کہ یونانیوں نے ہومر کے مطالعے کی غرض سے یونانی قواعد کی طرف توجہ کی یا پھر ان لوگوں کی ، تعلیم و تربیت کے لیے قواعد کی ضرورت پیش آئی جن کو ایک نئی زبان سیکھنی تھی - اس موقع پر کبھی تو اہل زبان نے خود اپنی زبان کی قواعد مرتب کی جیسا کہ بعض قواعد نویسوں کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے - یا پھر اس زبان کے نئے سیکھنے والوں نے خود اپنی ضرورت سے اس کے قواعد کا تجزیہ کر کے انھیں قواعد کی مرتب صورت دی - اکثر اوقات نئے مذاہب کی تبلیغ و اشاعت نے زبانوں کے مطالعے کو تقویت بخشی اور دنیا کے بعض عظیم مذاہب جب اپنے اپنے محدود علاقوں سے باہر پھیلے تو ایسے لوگوں کو ان مذاہب کی زبانوں سے واسطہ پڑا جو ان کے لیے بالکل اجنبی تھیں - اس کے لیے بھی قواعد زبان مرتب کرنے اور ان کی باقاعدہ تعلیم کی ضرورت پیش آئی - بدھوں کے ساتھ پالی ، عیسائیت کے ساتھ لاطینی اور پھر انگریزی اور دوسری زبانیں ، اسلام کے ساتھ عربی کے فروغ اور اشاعت نے ان ملکوں اور ان لوگوں میں جو یہ زبانیں بولتے تھے ان

زبانوں کے مطالعے کا شوق اور ضرورت پیدا کی ۔ یہ داستان اگرچہ نہایت دلچسپ ہے لیکن اتنی طویل ہے کہ اختصار سے بیان کرنے کی بھی گنجائش نہیں ۔ ہمارا تعلق اردو کے قواعد صرف و نحو سے ہے ۔ اور چونکہ اردو کے قواعد نویسوں نے فارسی کے قواعد نویسوں کا اتباع کیا ہے اور فارسی کے قواعد نویسوں نے خود اپنی قواعد عربی قواعد نویسوں سے متاثر ہو کر لکھی ہے ، اس لیے مختصر طور پر صرف عربی اور فارسی قواعد نویسی کے ارتقا کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کو اردو قواعد نویسوں کا مآخذ اور مثالی نمونہ سمجھنا چاہیے ۔

عربوں کے نزدیک علوم ادب آٹھ ہیں ۔ لغت ، نحو ، صرف ، عروض ، قافیہ ، شعر ، اخبار عرب اور انساب ، اور عربی میں ان سب پر نہایت اہم اور مفصل تصانیف موجود ہیں ۔ قواعد کے سلسلے میں عرب مصنفین کی عام روایت ہے کہ پہلا شخص جس نے علم نحو کی بنا ڈالی ابوالاسود ظالم بن عمرو وئلی ہے ۔ وئل بنی کنانہ کا ایک قبیلہ تھا جس سے اس کی نسبت ہے ۔ ابوالاسود کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان کی نشو و نما بصرہ میں ہوئی تھی ۔[۱] بعض روایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوالاسود نے اس علم کے مبادیات حضرت علی ابن ابی طالب سے سیکھے تھے ۔ ابو القاسم زجاجی اسالی میں روایت کرتے ہیں کہ ابوالاسود وئلی نے کہا کہ میں جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس وقت میں نے آپ کو دیکھا کہ کسی فکر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں ۔ میں نے فکر کی وجہ پوچھی ۔ آپ نے فرمایا کہ تمھاری اس بستی میں میں نے ایک شخص کو غلط بولتے سنا ہے ۔ میرے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ اصول عربیت میں ایک کتاب لکھوں ۔ میں نے گزارش کی کہ اگر آپ اس طرف توجہ فرمائیں تو مجھے زندہ کر لیں گے اور ہم میں یہ نعمت رہ جائے گی ۔ پھر تین روز بعد میں خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے ایک صحیفہ عنایت فرمایا جس میں لکھا تھا :

---

۱ ۔ وکیل احمد ، اخبار نحات ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ، سنہ ۱۳۱۴ھ ص ۸ ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الکلام کلمۃ اسم و فعل و حرف ، فالاسم ما انبأ عن المسمی و الفعل ما انبأ عن حرکۃ المسمی و الحرف ما انباعن معنی لیس باسم و لافعل ، ثم قال لی تتبعہ و زدفیہ ماوقع لک و اعلم یا اباالاسود ان الاشیاء ثلثہ ظاہر و مضمر و شی لا یسمی بظاہر ولا مضمر انما ینفاضل العلما فی معرفتہ مالیس بظاہرہ ولا مضمر ۔

ابوالاسود نے کہا کہ میں باب عطف و باب لغت و باب تعجب و باب استفہام و باب اِنَّ و اخوا تہا لکھ کر جناب امیر علیہ السلام کے ملاحظے میں لایا ۔ میں نے حروف ناصب سے اِنَّ و اَنَّ و لیت و لعلَّ و کاَنَّ کو لکھا لیکن لکِنَّ کو چھوڑ دیا ۔ تو آپ نے پوچھا کہ تم نے لکّن کو کیوں چھوڑ دیا ۔ میں نے کہا کہ لکّن کو حروف ناصب سے نہیں شمار کرتا ۔ آپ نے فرمایا کہ لکّن حروف ناصب سے ہے ، اس کو بھی لکھو ۔ غرض ابوالاسود لکھا کرتے تھے اور اصلاح کے لیے جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں لاتے تھے ۔ اسی روایت سے پتا چلتا ہے کہ اس فن کا نام نحو بھی حضرت علی نے تجویز فرمایا تھا ۔

ابوالاسود کے بارے میں یہ روایت بہ تواتر ملتی ہے اور ابوالاسود کے بعد کے تمام نحویوں نے ابوالاسود کی اولیت کو تسلیم کیا ہے اور اس کے شاگردوں میں کئی نامور نحوی شامل ہیں جنھوں نے اس فن کو آگے بڑھایا ۔ اگر یہ روایت درست ہے تو عربی ، فارسی اور اردو قواعد میں کلمہ کی جو تین قسمیں (اسم ، فعل اور حرف) آج تک قائم کی جاتی ہیں ان کی تقسیم اور تدوین سب سے پہلے ابوالاسود نے کی تھی اور اس کی نشان دہی حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمائی تھی ۔ ایک اور روایت یہ ہے :

ایک اعرابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے قرآن پڑھنے کا ارادہ کیا ۔ ایک شخص نے اسے سورہ برات پڑھائی اور ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ بالجبر پڑھا ۔ اعرابی نے کہا ، جب

خداوند تعالیٰ اپنے رسول سے بیزار ہے تو میں اس سے زیادہ بیزار ہوں ۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کان تک پہنچی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو طلب کیا اور پوچھا ، کیا تم رسول اللہ سے بیزار ہو ؟ اس نے کہا یا امیر المومنین ! میں مدینہ میں آیا اور قرآن سیکھنے کا ارادہ کیا ۔ ایک شخص نے مجھے یوں پڑھایا تو میں نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بیزار ہے تو میں اس سے زیادہ بیزار ہوں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، اے اعرابی ! تم کو کسی نے غلط پڑھایا ۔ آیت یوں ہے ۔ ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ اعرابی نے کہا ہم زیادہ بیزار ہیں اس سے جس سے اللہ اور اللہ کے رسول بیزار ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ آئندہ وہی شخص قرآن کی تعلیم کرے جو لغت جانتا ہو تاکہ خطا سے محفوظ رہے اور ابوالاسود کو نحو کی تدوین کا حکم دیا ۔

بہرحال اس روایت سے بھی ابوالاسود کی اولیت کی تصدیق ہوتی ہے ، البتہ بعض حضرات کا قول ہے کہ یحییٰ نحوی کا زمانہ ابوالاسود سے پہلے تھا ۔ لیکن یحییٰ نحوی زبان یونانی کے نحو کے عالم تھے ۔ عربی میں اس فن کی ایجاد و رواج کا سہرا ابوالاسود ہی کے سر ہے ۔ یہ بات اس سے ضرور معلوم ہو جاتی ہے کہ عرب میں یونانی نحو کے جاننے والے چند لوگ ضرور تھے ۔ اور ممکن ہے آگے چل کر جب عہد عباسیہ میں یونانیوں کی بہت سی کتابوں کے ترجمے عربی میں ہوئے ، اس وقت یونانی سے نحو کے اصول اور مبادیات کے سلسلے میں بھی بعض کتب کے ترجمے ہوئے ہوں گے ، اور اس دور میں عربی نحو کی تدوین پر یونانی افکار کا بھی اثر پڑا ہو ، کیونکہ یہ عربی نحو اور بعد میں صرف کی مزید تدوین اور ترقی کا عہد زریں ہے ۔

مختلف روایات میں ابوالاسود کی عمر پچاسی سال اور ان کا سنہ وفات ۶۹ھ بتایا گیا ہے ۔ علاوہ تدوین نحو ان کا یادگار کارنامہ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ پہلے عبارت قرآن میں نقطہ دینے کا رواج نہ تھا ۔ انھوں نے سب سے پہلے قرآن میں نقطے دیے اور اس طرح ان لوگوں کے لیے جن کی زبان عربی نہ تھی اور جو بیشتر حروف میں نقطہ نہ ہونے کی وجہ سے تمیز نہیں کر سکتے تھے قرآن پڑھنا آسان کر دیا ۔

---

۱ ۔ اخبار نحات ، ص ۷ ۔

ابوالاسود کے بے شمار شاگردوں میں نحویوں کی فہرست میں ان کے چار پانچ شاگرد خاص طور پر مشہور ہوئے ، عنبۃ الفیل بن معدان ، میمون الاقرن ، نصر بن عاصم ، عبدالرحمان بن ہرمز اور یحییٰ بن عامر ۔ اس کے بعد نحویوں کا ایک پورا سلسلہ ہے جنھوں نے عربی قواعد کو مرتب اور منظم کیا ۔ ان میں چند نام بطور خاص قابل ذکر ہیں ۔ ان میں ایک ابوعمرعیسیٰ بن عمر ثقفی بصری ہیں[۱] ۔ کہا جاتا ہے کہ علم نحو میں یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ابوالاسود وئلی کے بعد نادر کتب تصنیف کیں ۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ابوالاسود وئلی نے نحو میں باب فاعل و مفعول لکھا تھا ، عیسیٰ نے نحو میں مبوب و مہذب ، کتابیں لکھیں اور بہت سے ایسے لغات پر توجہ کی جو پہلے چھوٹ گئے تھے ۔ اس فن کے ماہرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی عظمت کا اندازہ اس سے ہی ہو سکتا ہے کہ سیبویہ اور خلیل جو خود اس فن کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں ، ان کے تلامذہ میں تھے ۔ بلکہ بعض حضرات کا تو خیال ہے کہ کتاب سیبویہ جو اس فن کی عظیم ترین تصنیف ہے دراصل عیسیٰ ہی کی تصنیف ہے ۔ بعد میں سیبویہ نے اس میں اضافہ کر کے اپنے نام سے شہرت دے دی ۔ ان کی وفات[۲] ۔ ۱۴۹ھ مطابق ۷۶۶ء میں ، بیان کی جاتی ہے ۔ دوسرے مشہور بزرگ ابو عمرو بن العلا مازنی تھے جو قرأت نحو ، اور لغت میں اہل بصرہ کے امام سمجھے جاتے تھے ۔ ان کی استادی اس پایے کی تھی کہ یونس ابن حبیب نے لکھا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے کہ جس کے تمام قول کو ماننا چاہیے تو وہ عمرو بن العلاء ہیں ۔ ان کی وفات خلافت منصور کے دور میں ۱۵۴ھ مطابق ۷۷۰-۷۱ء میں بیان کی جاتی ہے ۔ اس فن کے ایک اور ممتاز امام خلیل بن احمد بصری ازدی ہیں ۔ ان کی شہرت اس بناء پر بھی ہے کہ ان کو عربی میں فن عروض کا موجد قرار دیا جاتا ہے ۔ بلاشبہ ایام جاہلیت کی عربی شاعری اپنے مخصوص مزاج اور زبان و بیان کے اعتبار سے ایک اعلیٰ پایے کی شاعری ہے ، لیکن ایام جاہلیت کے شعرا باوجود شہرت کے اس فن سے واقف نہ تھے ۔ خلیل نے اس فن کو اپنی طبیعت سے

---

۱ - بعض تذکروں میں ان کا نام عیسیٰ عمر الثقفی لکھا ہے ۔

۲ - اخبار نجات ، ص ۲۴ ۔

ایجاد کیا اور مرتب کیا۔ وہ نحو کے بھی امام تھے اور مسائل نحو و تعلیل میں ان کی حیثیت مسلم ہے۔ "کتاب العین" ان کی مشہور تصنیف ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اس کا مصنف لیث بن مضر کو بتایا ہے اور بعض اقوال سے پتا چلتا ہے کہ اول سے "کتاب العین" تک خلیل کی تصنیف ہے اور "کتاب العین" سے آخر تک لیث بن مضر کی۔ خلیل کی دیگر تصانیف میں کتاب النغم، الجمل، العروض، الشواہد، النقط وغیرہ زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ خلیل کی ولادت ۱۰۰ھ مطابق ۱۹-۷۱۸ء میں ہوئی۔ وفات کے باب میں اختلاف ہے۔ ۱۳۰ھ مطابق ۴۸-۷۴۷ء، ۱۶۰ھ مطابق ۷۷-۷۷۶ء، ۱۷۰ھ مطابق ۸۷-۷۸۶ء اور ۱۷۵ھ مطابق ۹۲-۷۹۱ء مختلف سنین مختلف حضرات نے لکھے ہیں۔ ابو بشر عمر بن عثمان ملقب بہ سیبویہ اس دور کے ایک ممتاز نحوی تھے۔ یہ بیضاء کے رہنے والے تھے جو ایران کا ایک مشہور مقام ہے۔ ان کا نشو و نما بصرہ میں ہوا۔ عجمی ہونے کے باوجود یہ عربی نحو پر ایسا عبور رکھتے تھے کہ اس کا اعتراف ان کے بعد کے تمام اساتذہ نے کیا ہے۔ ان کی کتاب کا جو عرف عام میں صرف "سیبویہ" کے نام سے مشہور ہے، یہ پایہ ہے کہ مازنی جو خود اس فن کے امام تھے کہتے تھے کہ جو شخص کتاب "سیبویہ" کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نحو کے فن پر لکھنا چاہے اسے حیا کرنا چاہیے۔ ابوعثمان حافظ جو معتزلہ میں ایک مشہور عالم ہیں ان کا قول ہے کہ نحو میں کسی نے ایسی کتاب نہ لکھی جیسی کتاب "سیبویہ" ہے۔ مستشرقین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سیبویہ کی یہ کتاب عربی کی پہلی باقاعدہ قواعد ہے اور اسے آئندہ زمانے میں بھی ایک مثال اور معیار تسلیم کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئی ہیں اور اس کے بعد بھی اس فن پر بہت کچھ تصنیف اور تالیف کا سلسلہ جاری رہا ہے، لیکن سیبویہ کے بیان کردہ بنیادی مسائل اور مباحث میں بہت کم اضافہ ممکن ہوا ہے۔ ان کی وفات کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے اور ۱۶۱ھ مطابق ۷۹-۷۷۸ء سے ۱۹۴ھ مطابق ۸۱۰-۸۰۹ء تک مختلف سنین بتائے جاتے ہیں۔ ان اساتذہ باکمال کے گروہ کو بصرہ کے دبستان کے نحویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ دوسرا مشہور دبستان کوفہ کے نحویوں کا تھا۔ اس دبستان کے بانی ابو جعفر محمد بن ابی سارہ رواسی کوفی تھے جو عیسیٰ بن عمرو کے شاگرد اور کسائی کے استاد تھے۔ ان کی تصانیف میں

فیصل ، کتاب معانی القرآن ، کتاب الوقف ، الابتداء الکبیر و الصغیر ، کتاب التصغیر زیادہ مشہور ہیں ۔

اس بیان سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ عربی میں قواعد نویسی کے فن نے ایسی ترقی کی کہ اس کی مثال اس دور کی کسی اور زبان کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی ۔ اگرچہ بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ عربی قواعد نویسوں کے بعض مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یونانی اور لاطینی قواعد کے بعض مطالب و مباحث سے واقف تھے لیکن یہ مستشرقین بھی قطعیت کے ساتھ یہ ثابت نہیں کر سکے کہ کن امور میں عربی قواعد نویس ان مطالب و مباحث کے مرہون منت ہیں ، اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ فن عربی قواعد نویسوں کی اپنی ایجاد ہے اور انھوں نے ہی اس فن کو ایسی ترقی دی کہ نہ صرف عربی بلکہ ایسی زبانوں کے لیے بھی جو اصل و نسل کے اعتبار سے مختلف تھیں ، ان کے افکار و مباحث اور ان کی علمی اصطلاحات قواعد نویسی کی اساس قرار پائے ۔ اس کی چند مثالیں فارسی ، اردو اور ہندی کی قواعد نویسی میں ملتی ہیں ۔ اگرچہ یہ سب زبانیں آریائی نسل کی ہیں اور اپنی ساخت اور قواعد کے اعتبار سے عربی سے مختلف ہیں ، لیکن ان زبانوں کے قواعد نویسوں نے عرب کے قواعد نویسوں کو اپنا معلم اور رہبر قرار دیا ہے اور آج تک فارسی و اردو کی اصطلاحات قواعد صرف و نحو اکثر و بیشتر وہی ہیں جو عربی کے قواعد نویسوں نے وضع کی ہیں ۔ یوں تو عربی زبان کی سینکڑوں مستند اور اہم قواعد ہیں ، لیکن ان میں اہم ترین حسب ذیل ہیں :

الالفیہ مصنف ابن مالک و شرح ابن عقیل[۱]

الفصل مصنف زمخشری ۔

لامیۃ الافعال ابن مالک و شرح بدرالدین ۔

عربی کے بعد فارسی کے قواعد نویسوں کا دور آتا ہے ۔ اول تو یہ کہ خود عربی صرف و نحو کی تدوین میں عجمیوں نے ایسی کوشش کی کہ اس فن میں باوجود اس امر کے کہ اہل عرب اپنی دانست میں ان لوگوں کو گونگا سمجھتے تھے اور اپنی فصاحت و بلاغت کو دنیا میں اپنی

---

۱ - طبع بیروت ۱۸۷۲ء ، مرتبہ براک (Broch) ، ۱۸۵۹ء ۔

مثال آپ سمجھتے تھے ، لیکن بالآخر ان کوششوں کی بدولت اہل عرب کو بھی ان کا مرتبہ تسلیم کرنا پڑا ۔ اس کے بعد جب خود فارسی میں صرف و نحو کی تدوین شروع ہوئی تو قدرتی طور پر اصول قواعد میں ان تصورات اور مباحث کا بڑا اثر پڑا جو عربی زبان کے سلسلے میں مرتب و مدون ہوئے تھے۔ عربی اور فارسی اصلاً اور نسلاً ایک دوسرے سے بڑی مختلف زبانیں تھیں ، لیکن عہد اسلام سے فارسی کا تصور بغیر عربی کے اثر اور آمیزش کے ممکن نہیں ہے ۔ چنانچہ فارسی صرف و نحو بہت بڑی حد تک عربی صرف و نحو کی تقلید ہے ۔ یہ تقلید صرف قواعد کی چند اصطلاحات کے استعمال تک محدود نہیں ہے ، بلکہ فارسی زبان کے تقریباً تمام تر اصول و ضوابط انھی سانچوں میں بیان کیے گئے ہیں جو اصلاً صرف عربی کے لیے وضع کیے گئے تھے ۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ فارسی کی صرف و نحو بنیادی طور پر عربی صرف و نحو کی نقل ہے ۔ اردو پر عربی کے اثرات براہ راست کم ہیں ، لیکن فارسی نے جو کچھ عربی سے لیا تھا اسے بہ اضافہ اردو تک منتقل کیا اور اردو کے قواعد صرف و نحو ، خواہ وہ فارسی قواعد کے زیر اثر مرتب ہوئے ہوں یا فارسی کے وسیلے اور واسطے سے یہ سلسلہ عربی تک پہنچتا ہو ، حقیقت یہ ہے کہ انھیں عربی سے ہی ماخوذ سمجھنا چاہیے ۔ اس لیے فارسی قواعد نویسی کے سلسلے میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں ہے ۔

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اردو کی قواعد نویسی کی طرف پہلے توجہ یورپین مصنفین نے کی ۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں ۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ یورپ میں دنیا کی مختلف زبانوں کے مطالعے کا علمی شوق اس سے کئی سو سال پہلے شروع ہو چکا تھا ۔ منجملہ اور محرکات کے اس کا ایک محرک عیسائیت کی تبلیغ کا جذبہ تھا ۔ اگرچہ صحائف اور عبادات کے باب میں کلیسا کا رویہ یہ تھا کہ ان کو تو بہرحال یونانی یا لاطینی میں ہی رہنا چاہیے ، لیکن تعلیم ، تلقین اور تبلیغ کے لیے دیسی بولیوں کو جو دنیا کے مختلف ملکوں میں بولی جاتی تھیں اختیار کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا ، کیونکہ عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ضروری تھا کہ جن لوگوں سے خطاب ہو ان سے گفتگو کے لیے ان ہی کی زبان اختیار کی جائے ۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے گوتم بدھ کو سنسکرت کے مقابلہ میں بدھ مت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ماگدھی پراکرت اور مہابیر کو مہاراشٹری پراکرت اختیار کرنے پر مائل کیا ۔

خود مسلمان صوفیا نے برصغیر پاکستان و ہند میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ہندوی اور ہندی کو اختیار کیا اور عیسائی مبلغین نے اردو کو، چنانچہ اسی جذبے کے ماتحت گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں یورپ کے علما نے یونانی اور لاطینی سے قطع نظر بعض علاقائی زبانوں اور بولیوں کے مطالعے کی طرف توجہ کی اور ان کے لغت اور قواعد کی ترتیب و تدوین کی[۱]۔

ہندوستان کی سیاست اور زبانوں سے دلچسپی کے اور بھی محرکات تھے۔ ان میں تجارت سب سے اہم تھی ۔ ہندوستان کی نادر مصنوعات ڈھاکہ کی ململ اور مرشد آباد کا ریشمی کپڑا، جنوبی ہندوستان کے گرم مصالحے، موتی صندل اور اسی قسم کی دوسری اشیا کے لیے یورپ کے امرا کی مانگ نے تجارتی منڈیوں میں ہندوستان سے تجارت کی اہمیت کو بہت شدت سے محسوس کرایا اور مختلف ممالک کے لوگ اس تجارت کے لیے مختلف راستوں سے اس ملک میں پہنچنے لگے۔ یوں تو بہت سی یورپین اقوام نے اس سلسلے میں تگ و دو کی، لیکن خاص طور پر پرتگالی، ولینڈیزی، فرانسیسی اور برطانوی تجارنے ہندوستان کی تجارت اور دنیا کے اس حصے میں اپنی نوآبادیوں کے قیام کے امکانات کو پوری طرح سمجھ لیا۔ چنانچہ ان ملکوں کے تجارنے بر صغیر پاک و ہند میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں، تجارت کے پروانے، راہ داریاں، اجارے اور مراعات حاصل کیں۔ پھر ان میں اس ملک کے سیاسی زوال اور انتشار کو دیکھ کر ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور آہستہ آہستہ ملک کے مختلف علاقوں خاص طور پر ساحلی حصوں، بندرگاہوں اور جزیروں میں انھوں نے اپنے قدم جمانے شروع کیے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ خود ان مختلف ملکوں میں اقتدار اور بالا دستی کے لیے آپس میں جنگ ہونے لگی۔ اور یہی ہوا جس کے نتیجے کے طور پر اگرچہ برائے نام بعض علاقوں میں فرانسیسی اور پرتگالی اثرات باقی رہ گئے، لیکن عملاً ملک کے بڑے حصے پر انگریزوں کا اقتدار مسلط ہوگیا اور ۱۷۵۷ء میں جب انگریزوں کو باقاعدہ بنگالہ کی دیوانی کے حقوق مل گئے تو گویا ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قدم جم گئے اور آئندہ دو سو سال تک وہ اس ملک کی قسمت

۱۔ Gray : Foundations of Language p. 427,430.

کے مالک رہے ۔ اس سارے دور میں پرتگالی ، ولینڈیزی ، فرانسیسی اور برطانوی مصنفین نے ہندوستانی زبانوں کی طرف ضرورتاً اور مصلحتاً توجہ کی اور اسی سلسلے میں انھوں نے اردو کی طرف بھی توجہ کی جسے وہ اپنی اصطلاح میں ہندوستانی کہتے تھے اور جو ان کے نزدیک ایک حد تک اس ملک کی عام زبان یا Lingua Franca تھی ۔

ہندوستانی زبانوں کے مطالعے اور تحقیق کی طرف یورپین مصنفین کی توجہ اگرچہ تبلیغی ، تجارتی اور سیاسی اغراض و مقاصد کی بنا پر تھی ، لیکن اس کے بعد خاص علمی پہلو اور نتائج بھی قابل لحاظ ہیں ۔ اب یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ فن جسے جدید لسانیات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس میں مختلف موضوعات اور مباحث کے علاوہ زبانوں کے تقابلی مقابلہ کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے اس کی داغ بیل ہندوستان میں سنسکرت کے مطالعے سے پڑی ۔ P. Sassette نے سولھویں صدی عیسوی میں (۸۸-۱۵۷۳ء) ہندوستان میں پانچ سال گزارے اور سنسکرت سیکھی اس کے خطوط جو اس کی وفات کے بعد[1] سنہ ۱۸۵۵ء میں فلورنس سے شائع ہوئے ہیں ، اس مطالعے کے شاہد ہیں ۔ ان خطوط میں اس نے سنسکرت اور اطالوی زبان کی بعض مماثلت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ مثلاً اس نے حسب ذیل سنسکرت اور اطالوی مشترک الفاظ گنائے ہیں :

اطالوی : Sei, Sette, Otto, Novo, Dio, Serpe

سنسکرت : S.a.s. Sapta, a Stau, Nava, Deva Serpe

اسی زمانے میں ایک اور مشنری رابرٹس (Robertus de Nobilibus) نے جس کا زمانہ ۱۶۵۶-۱۵۷۷ء کے درمیان ہے سنسکرت میں اس درجے کا کمال پیدا کر لیا تھا کہ بعض روایات کے مطابق اس نے ایک جعلی وید سنسکرت میں مرتب کر ڈالا تھا ۔ اس کا فرانسیسی ترجمہ "Ezour-Veda" کے عنوان سے دو جلدوں میں سنہ ۱۷۷۸ء میں شائع بھی ہوا ہے ۔ اسی طرح ولندیزی مشنری روجر (A. Roger) (۱۶۴۷-۱۶۳۰ء) نے بھرتری کے دو سو اشعار کا سنسکرت سے ولندیزی میں ترجمہ کیا جو امیسٹرڈم سے ۱۶۵۱ء میں شائع ہوا اور اس کے فرانسیسی اور جرمن ترجمے بھی کیے گئے ۔

۱- Gray-Foundations of Language p. 421

اٹھارویں صدی کے آغاز میں جرمن مشنری ہینکز لیڈن (Hanxleden) نے یورپ میں سنسکرت کی پہلی قواعد لکھی ۔ غرض یورپین مصنفین کا ایک طویل سلسلہ ہے جنھوں نے سنسکرت اور اس کے بعد ہندوستان کی دوسری زبانوں اور بولیوں کی طرف توجہ دی ۔ ان میں سے صرف ایک مصنف کا اور ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کی تحریر نے یورپ کے علما میں سنسکرت کا شوق اور ولولہ پیدا کیا اور جس نے یورپ کی بعض اہم زبانوں مثلاً یونانی اور لاطینی اور سنسکرت کے قریبی رشتے کی طرف پہلے اشارے کیے اور سنسکرت کی عظمت اور اس کی لسانی اہمیت کی طرف علمائے یورپ کو متوجہ کیا ۔ یہ شخص سر ولیم جونز تھا ، جو پیشہ کے اعتبار سے کلکتہ کے فورٹ ولیم کی عدالت العالیہ میں چیف جسٹس تھا ۔ اس نے ۱۷۸۶ء میں سنسکرت کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا ، اسے اس وقت سے آج تک برابر لسانیات کی معتبر تصانیف میں نقل کیا جاتا ہے ۔ اس کی عبارت یہ ہے :

"The Sanscrit language, whatever be its antiquity, is of a wonderful structure; more perfect than the Greek, more copious than the Latin, and more exquisitely refined than either, yet bearing to both of them a stronger affinity; both in the roots of verbs and in the forms of grammar, that could not possibly have been produced by accident ; so strong, indeed, that no philologer could examine all three without believing them to have sprung from some common source, which, perhaps, no longer exists. There is a similar reason, though not quite so forcible, for supposing that both the Gothick and the Celtick, though indeed blended with a very different idiom, had the same origin with the Sanscrit ; and the old Persian might be added to the same family; if this were placed for discussing any question concerning the antiquities of Persia."

سنسکرت زبان ، اس کی قدامت خواہ کچھ ہو ، ساخت کے اعتبار سے ایک عجیب زبان ہے ، یونانی سے زیادہ مکمل ، لاطینی سے زیادہ وسیع اور ان دونوں سے کہیں زیادہ شستہ و رفتہ ، بااین ہمہ ان دونوں سے اس کا بہت قریبی رشتہ معلوم ہوتا ہے ۔ جو افعال کے مادوں اور دوسری صرفی و نحوی شکلوں میں موجود ہے جو یقیناً صرف کسی

اتفاق یا حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا ۔ یہ رشتہ ایسا مضبوط ہے کہ کوئی ماہر لسانیات جو ان تینوں کا مطالعہ کرے بغیر یہ یقین کیے نہیں رہ سکتا کہ ان سب کا ماخذ ایک ہے جو اب موجود نہیں ہے ۔ ایسا ہی سبب جو شاید اتنا قوی نہ ہو گاتھی اور کلتانی ، جن میں بلاشبہ اور مختلف محاوروں کا وجود ہے اسی ماخذ سے نکلی ہیں جن سے سنسکرت بھی ماخوذ ہے ۔ اور قدیم فارسی کو بھی اسی خاندان میں شامل کیا جا سکتا تھا ۔ اگر یہاں ایران کی قدامت سے متعلق کسی سوال پر بحث کرنے کی گنجائش ہوتی ۔

ولیم جونز کی اس عہد آفرین تحریر نے ایک طرف اہل یورپ کو سنسکرت کی قدامت اور اس کی لسانی اہمیت کا احساس دلایا جس کے نتیجے کے طور پر سنسکرت کے باقاعدہ مطالعے کا رواج ہوا اور اس سلسلے میں یورپ کے قواعد نویسوں کو سنسکرت کے قواعد نویسوں کے خیالات اور افکار سے واقفیت حاصل ہوئی ۔ یورپ کی اکثر زبانوں کے لیے لاطینی اور یونانی قواعد نویسی کے اصول رہنمائی کرتے تھے ۔ اب ایک نیا دور شروع ہوا ، جس میں یورپ سنسکرت کے قواعد نویسوں کے افکار و خیالات اور آریائی زبانوں کی قواعد نویسی کے بہت سے اصولوں سے آشنا ہوا ۔ ان قدیم قواعد نویسوں کی عظمت اور اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے عصر حاضر کا ایک ممتاز قواعد نویس لکھتا ہے :

"Indo European comparative grammar had (and has) at its service only one complete description of a language, the grammar of Panini. For all other Indo-European Languages, it had only the traditional grammars of Greek and Latin, wefully incomplete and unsystematic......For no language of the past have we a record comparable to Panini's record of his mother tongue, nor is it likely that any language spoken to-day will be so perfectly recorded. [1]

---

1. Bloomfield-Language V. 270 p. quoted in Phonetics in Ancient India - W. S. Allen Oxford University Press. 2nd Edition 1961, P.1

ہند آریائی تقابلی قواعد کے لیے کام میں آنے والی صرف ایک کتاب تھی (اور ہے) جس میں ایک زبان کا تفصیلی جائزہ ہو ۔ یہ پانی کی قواعد ہے ۔ باقی تمام دوسری ہند یورپی زبانوں کے لیے یونانی اور لاطینی کی روایتی کتب قواعد تھیں جو قابل افسوس حد تک ناقص اور بے اصولی ہیں ۔ کسی قدیم زبان کے بارے میں اتنی تفصیلات موجود نہیں جن کا مقابلہ پانی کی اپنی مادری زبان کی تفصیلات سے کیا جا سکے اور نہ شاید مستقبل میں کسی بولی جانے والی زبان کو اس قدر مکمل طور پر محفوظ کیا جا سکے گا

اسی عہد کے ایک اور ممتاز ماہر لسانیات و صوتیات پروفیسر جے ۔ آر ۔ فرتھ اپنے ایک مقالے "The English School of Phonetics" میں پانی کے ذکر میں فرماتے ہیں :

"Without the Indian grammarians and phoneticians whom he introduced and recommended to us, it is difficult to imagine our nineteenth century school of phonetics."

ان ہندوستانی قواعد نویسوں اور ماہرین صوتیات کے بغیر جن کا اس نے ہم سے تعارف کرایا اور ہم سے ان کے مطالعے کی سفارش کی ہم اپنے انیسویں صدی کے دبستان صُوتیات کا تصور مشکل سے کر سکتے ہیں ۔

افسوس یہ ہے کہ خود برصغیر پاکستان و ہند میں فارسی اور اردو کے قواعد نویس پانی کے نام اور اس کے کارناموں سے قطعاً نا آشنا معلوم ہوتے ہیں ۔ ان کی نظر فارسی اور عربی کے نحویوں سے آگے نہیں بڑھتی ۔ انھی کے افکار و خیالات اور ان کی صرف و نحوی تشریحات کو وہ اپنے لیے راہ نما قرار دیتے ہیں ۔ اس کا ایک سبب شاید یہ بھی ہے کہ ہمارے قواعد نویس سنسکرت سے واقف نہ تھے اور نہ پراکرتوں اور ان کے ارتقا کی تاریخ سے آگاہ تھے ۔ نہ انھیں ہند آریائی زبانوں کی اصل و نسل کی تحقیق سے دلچسپی تھی ۔

1. Ibid p. 3.

بہت بعد میں جب مولانا محمد حسین آزاد اپنی تصنیف "سخندان فارس"[1]
لکھ رہے تھے تو انھوں نے ولیم جونز کی کسی تحریر سے اشارہ پا کر قدیم
سنسکرت اور قدیم فارسی کے رشتے کی طرف چند اشارات تحریر کیے، لیکن
اس سے آگے وہ بھی نہ بڑھ سکے۔ یہ درست ہے کہ جس طرح اردو کے قواعد
صرف و نحو کو عربی یا فارسی کے اصولوں پر مرتب و مدون نہیں کیا جا
سکتا، اسی طرح سنسکرت کی قواعد بھی اردو کے قواعد نویسوں کے لیے
مشعل راہ نہیں بن سکتی لیکن اردو ایک آریائی زبان ہے، اپنی اصل و نسل،
ساخت اور ارتقا میں یہ سنسکرت دور اور پراکرتی دور سے گزر کر اپنے جدید
روپ میں آئی۔ یہ آریائی ساخت کی ایک زبان کے ارتقا کی داستان ہے اور اس
لیے اردو صرف و نحو کے ارتقا کا مطالعہ اس پس منظر کے بغیر مکمل نہیں
ہو سکتا ہے اور نہ درست۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر اردو کے قواعد
نویسوں کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر پاکستان میں جو
لوگ زبانوں کے علمی اور سائنٹفک مطالعے سے دلچسپی رکھتے ہیں انھیں
پانی کے احسانات کا بدلہ چکانے کی یقیناً ضرورت ہے، کیونکہ ہند آریائی
زبانوں کا یہ معلم اول اور قواعد نویسی کے اصولوں کا بانی اسی پاکستان کے
ایک شہر ٹیکسلا کا باشندہ تھا اور اسی سر زمین میں جو آج مغربی پاکستان
کہلاتی ہے، پانچویں صدی قبل مسیح کے آخر میں پیدا ہوا تھا۔

بہرحال یورپ میں سنسکرت کی اہمیت کے احساس اور علم نے جب قواعد
نویسی کے فن کو نئی راہوں سے آشنا کیا اور سیاسی، تجارتی اور تبلیغی
ضروریات نے یورپ کے مبلغین اور مصنفین کو برصغیر کی زبانوں اور بولیوں
کے مطالعے کی طرف مائل کیا تو ان میں سے بعض نے اردو کی طرف توجہ کی۔
اردو کی طرف یہ غیر معمولی توجہ اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ حضرات
برصغیر پاکستان و ہند کی دوسری بولیوں اور زبانوں کو صرف مقامی حیثیت
دیتے تھے اور اردو ان کے نزدیک یہاں کی عام بولی یا Lingua Franca
کی حیثیت رکھتی تھی۔ ابھی تک ہمارے مصنفین نے اس دور کی معاصرانہ

۱۔ سخندان فارس، تاریخ تصنیف حصہ اول ۱۸۷۲ء، حصہ دوم ۱۸۷۸ء۔
طبع حصہ اول ۱۸۷۲، اول و دوم ۱۹۰۷، طبع لاہور
شیخ مبارک علی ۱۹۵۰ء۔

شہادتوں کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا ہے کہ جس سے اس عہد کی تصانیف کی پوری طرح نشاندہی ہو سکے، اس کے لیے پرتگالی، ہسپانوی ولندیزی اور فرانسیسی وغیرہ زبانوں سے براہ راست واقفیت ضروری ہے، کیونکہ اس دور کی اکثر تصانیف کے انگریزی ترجمے موجود نہیں ہیں۔ ان ماخذات سے اردو کے اس دور پر نئی روشنی پڑنے اور نئے انکشافات کا خاص امکان ہے۔

بہرحال اب تک جو مواد سامنے آیا ہے اس کے اعتبار سے پہلا یورپین شخص جس نے ہندوستانی زبان کی قواعد لکھی وہ جان جوشوا کیٹلر تھا جو پروشیا میں پیدا ہوا تھا اور عقیدے کے اعتبار سے مارٹن لوتھر کا پیرو تھا۔ کیٹلر شاہ عالم (۱۷۰۸-۱۷۱۲ء) اور جہاں دار شاہ (۱۷۱۲ء) کے درباروں میں ولندیزی سفیر کی حیثیت سے آیا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۱۱ء میں سورت میں ولندیزی تجارتی کمپنی کا ناظم مقرر ہوا۔ اس نے لاہور، دہلی اور آگرہ کی سیر کی تھی اور تجارتی کمپنی کا ناظم ہونے پر سورت میں بھی ۱۷۱۶ء تک مقیم رہا۔ اس نے لاطینی زبان میں (Grammatica Indostanica) کے نام سے اردو کی ایک قواعد لکھی۔ اس کا سن تالیف غالباً ۱۷۱۵ء ہے، لیکن اس کی اشاعت ۱۷۴۳ء میں ہوئی۔ کتاب کا متن لاطینی میں ہے اور ہندوستانی الفاظ اور عبارت رومن حروف میں لکھی گئی ہے، البتہ حروف کی جدول میں ہندوستانی الفاظ اردو املا میں لکھے گئے ہیں اور ولندیزی کے مطابق ان کا املا اختیار کیا گیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کیٹلر نے ہندوستانی زبان کہاں اور کس سے سیکھی تھی اور اس کی استعداد اس زبان میں کیا تھی۔ وہ جس زمانے میں دلی میں پہلے آیا اس وقت ولی کو دلی میں آئے ہوئے سات آٹھ سال گزرے تھے، اس لیے اس نے جو زبان یہاں سنی اور پڑھی ہو گی وہ اسی عہد کی زبان ہو گی۔ یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ کیٹلر نے اپنی قواعد میں حروف "نے" کا جو زمانہ ماضی میں حالت فاعلی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ اس زمانے میں اس کا استعمال ملتا ہے۔ یہ البتہ درست ہے کہ بعض صورتوں میں یہ استعمال نہیں بھی ہوتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے کیٹلر نے اسے قواعد میں اردو کے مستقل حروف میں شمار نہیں کیا۔ مولوی عبدالحق

صاحب کا بیان ہے" کہ کیٹلر نے علاوہ ہم کے 'آپ' کو بھی جمع متکلم کی ضمیر بتایا ہے۔ یہ گجراتی میں تو ہے، لیکن مجھے اس دور کی اردوئے قدیم میں اس کی یقینی مثال نہیں ملتی ہے۔ سورت قیام میں کی وجہ سے اس نے اس گجراتی لفظ کو اردو بولنے والوں سے اسی طرح سنا ہو اور اسے سند مان کر درج کر لیا ہو۔"[1]

کیٹلر کی قواعد کی اشاعت کے بعد ایک اور مشنری شلز (Schultz)[2] نے ۱۷۴۱ء میں ہندوستانی زبان کی قواعد لکھی جس کا نام Grammatica Indostanica ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں کیٹلر کی قواعد کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یہ قواعد خاصی متعارف ہو چکی تھی۔ یہ قواعد بھی لاطینی زبان میں ہے، لیکن ہندوستانی الفاظ اردو کے رائج رسم الخط میں ہیں اور تلفظ ان کا لاطینی میں درج کیا ہے۔ اس مصنف نے دیوناگری کے حروف کا بھی نمونہ دیا ہے۔ لاطینی میں یہ دو قواعد کی کتابیں اس زبان میں اردو قواعد نویسی کا نمونہ قرار دی جا سکتی ہیں۔ لاطینی اختیار کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس وقت تک یورپ میں لاطینی کی علمی حیثیت اور اہمیت قائم تھی۔ دوسرے مشنریوں کو اپنی تعلیم و تربیت کے لیے لاطینی کا مطالعہ لازمی طور پر کرنا پڑتا تھا۔ تیسرے جیسا کہ اشارۃً پہلے لکھا جا چکا ہے لاطینی کی قواعد اور اس کے

۱۔ عبدالحق، قواعد اردو ص ۱۸

محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتاب "گل کرسٹ اور اس کا عہد" میں اس کا سنہ اشاعت ۱۷۴۵ء دیا ہے۔ بحوالہ رسالہ "گل کرسٹ" مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی، شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۲ء صفحہ ۵، یہ دونوں درست نہیں۔

۲۔ اس کا نام Benjamin Schulzino تھا، مولوی عبدالحق صاحب نے اس کی قواعد کا سنہ تالیف ۱۷۴۴ء لکھا ہے جو درست نہیں۔ اس کا انگریزی ترجمہ کتب خانہ انڈیا آفس میں موجود ہے (ایتھے فہرست کالم ۱۳۶۲، نمبر ۲۵۳۷)۔ اس کے دیباچے میں تاریخ ۳۰ جون ۱۷۴۱ء لکھی ہے۔ مائکرو فلم ذاتی کتاب خانہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ یہ قواعد الگ مقدمے کے ساتھ شائع ہو گی۔

اصول صرف و نحو یورپ کی دوسری زبانوں کے صرف و نحو کی قواعد اور اصولوں کی ترتیب و تدوین کے لیے بطور نمونہ یا معیاری مثال اختیار کیے جاتے تھے ۔ اس لیے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ اس میں اردو کی اصطلاحات کی بجائے لاطینی کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں ۔

اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں بعض اور یورپین مصنفین قواعد اردو کی تدوین و ترتیب کی طرف متوجہ ہوئے ۔ سر جارج گریرسن نے اپنی مشہور تصنیف " جائزہ لسانیہ ہندیہ (Linguistic Survey of India) " میں ان کوششوں کا جائزہ لیا ہے ۔ اس میں جن کتابوں کا ذکر ہے ان میں پرتگیزی میں مشہور کتاب "Portuguese Grammatica Indostan" ہے جو لزبن سے ۱۷۷۸ء میں شائع ہوئی تھی ۔ انگریزی میں اردو کی قدیم ترین قواعد کا مولف مسٹر گلٹسن ہے جو گورنر ونسی ٹارٹ (Vansittart) کا سیکرٹری تھا ۔ اس کا ذکر جان گل کرسٹ نے کیا ہے اور اس کی بڑی تعریف کی ہے ۔ ان کے بعد مسٹر ہیڈلے نے اردو زبان کی ایک قواعد ۱۷۶۵ء میں لکھی ۔ مولوی عبدالحق صاحب لکھتے ہیں [۱] کہ ہیڈلے کی گرامر ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی ۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہیڈلے ۱۷۶۳ء میں بنگال آرمی میں داخل ہوا اور اسی سلسلے میں اسے ہندوستانی سپاہیوں کی ایک کمپنی کی سربراہی سپرد کی گئی[۲] ۔ چنانچہ اس تعلق سے اس نے ۱۷۶۵ء میں ان سپاہیوں کی زبان کے قواعد مرتب کیے اور لندن کے ایک تاجر نے ۱۷۷۰ء میں اسے شائع کیا ۔ لیکن ہیڈلے نے اس پر نظر ثانی کر کے اپنی انگریزی میں اس کا ایک اڈیشن ۱۷۷۲ء میں شائع کیا ۔ غالباً مولوی عبدالحق صاحب کا اشارہ اسی اڈیشن کی طرف تھا ۔ یہ کتاب خاصی مقبول تھی ۔ چنانچہ اس کے مختلف اڈیشن ۱۷۷۴ء، ۱۷۷۹ء، ۱۷۹۴ء، ۱۷۹۷ء، ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۹ء میں شائع ہوئے ۔ ان میں سے ۱۸۰۲ء والے اڈیشن کی تصحیح ہیڈلے کی وفات کے بعد مرزا محمد فطرت لکھنوی نے کی تھی اور اس میں اضافے بھی کیے تھے ۔ خود ہیڈلے نے اپنی زندگی میں ۱۷۹۷ء والے اڈیشن میں گل کرسٹ کے لغت سے

---

۱ - عبدالحق ، قواعد اردو ص ۲۰

۲ - رسالہ گل کرسٹ ص ۶

فائدہ اٹھایا تھا جو ۱۷۹۰ء میں شائع ہوا تھا ۔ اور دو جگہ اس نے اس کا حوالہ بھی دیا ہے ۔ غرض انگریزی میں اردو کی یہ پہلی قواعد ہے جو اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے اور یہ سلسلہ مؤلف کی وفات کے بعد تک جاری رہا ۔ ۱

گریرسن نے اپنے جائزے میں ایک اور شخص کا ذکر کیا ہے جسے مولوی عبدالحق صاحب کی قواعد میں بے بی ڈف۲ اور رسالہ گل کرسٹ کے مرتب نے بے بی ڈف۳ لکھا ہے ۔ مولوی صاحب کے بقول یہ ہیڈ ماسٹر اور رسالہ گل کرسٹ کے مرتب کے بیان کے مطابق بینڈ ماسٹر تھا ۔ گریرسن کے بقول یہ شخص ۱۷۸۵ء میں مدراس میں آیا اور ۱۷۸۷ء میں کلکتہ چلا گیا جہاں اس نے ایک پنڈت سے سنسکرت ، بنگالی اور ہندوستانی زبانیں سیکھیں اور پھر دو ناٹکوں کا بنگالی ترجمہ کیا ۔ اس نے کم و بیش بیس سال اس ملک میں گزارے اور پھر انگلستان واپس چلا گیا ۔ وہاں اس نے اردو قواعد پر ایک رسالہ شائع کیا لیکن گریرسن کا بیان ہے کہ ممکن ہے یہ شخص سنسکرت یا بنگالی جانتا ہو ، لیکن اس کا ہندوستانی کا علم قطعاً ناقص ہے کیونکہ اس نے اپنے رسالے میں ہندوستانی الفاظ کا تلفظ بھی غلط لکھا ہے اور قواعد کے بیان کرنے میں بھی بہت سی غلطیاں کی ہیں ۔ اگر یہ بیان درست ہے کہ اس نے ہندوستانی زبان ایک بنگالی ہندو پنڈت سے سیکھی

---

۱ - رسالہ گل کرسٹ (ص ۷) میں ایک اور مصنف جے ۔ فرگسن (J. Ferguson) کا ذکر کیا گیا ہے جس نے ۱۷۷۳ء میں لندن سے ہندوستانی زبان کا ایک لغت شائع کیا تھا جو دو جلدوں میں تھا اور اس میں ایک مقالہ ہندوستانی زبان کے قواعد پر بھی تھا ۔ اگر اس قسم کے مقالات اور مضامین کو جو اردو کی قواعد کے بارے میں ضمناً دوسری تصانیف کے ساتھ لکھے گئے ہیں اردو کی مستقل تصانیف قواعد میں شامل کر لیا جائے تو یہ فہرست بہت طویل ہو جائے گی ۔ اس لیے ہم نے اس بحث میں صرف ان تصانیف کو مقدم سمجھا ہے جن کا تعلق براہ راست قواعد اردو سے ہے ۔

۲ - عبدالحق ، قواعد اردو ، ص ۲۰

۳ - رسالہ گل کرسٹ ، مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی ص ۸

تھی تو ان غلطیوں کے امکان کا سبب سمجھ میں آ جاتا ہے ۱ -

اسی سلسلے میں گل کرسٹ نے ایک مصنف کرک پیٹرک (Kirk Patrick) کا بھی ذکر کیا ہے جو اس زمانے میں کمانڈر انچیف کے سکریٹری تھے جس زمانے میں اپنی قواعد کی تدوین و ترتیب کے لیے گل کرسٹ جو اس وقت تک فوجی ملازمت میں تھے رخصت لے کر فیض آباد میں مقیم تھے ، انھیں معلوم ہوا کہ کرک پیٹرک بھی یہی کام کر رہے ہیں - یہ صاحب فارسی کے ترجمان تھے - بہرحال گل کرسٹ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ کرک پیٹرک کے کام کا کچھ حصہ طبع بھی ہو چکا ہے - چنانچہ جب وہ سنہ ۱۷۸۵ء کے آخر میں کلکتے پہنچے تو کرک پیٹرک سے ملے اور معلوم ہوا کہ کرک پیٹرک کا کام نامکمل تھا اور انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ گل کرسٹ کے کام کو ہاتھ نہیں لگائیں گے - معلوم نہیں کرک پیٹرک کا کام کس نوعیت اور مرتبے کا تھا - گل کرسٹ بھی اس باب میں خاموش ہیں -

گل کرسٹ بلاشبہ پہلے انگریز مصنف ہیں جنھوں نے اردو زبان ، اس کے لغت اور قواعد اور اس کی ادبی تاریخ پر پوری سنجیدگی سے توجہ کی - وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس زبان کے لسانی پہلوؤں کی تحقیق اور تنقید

---

۱ - گل کرسٹ نے ایک اور مصنف ہنری ہیرس کا ذکر کیا ہے جس کی کتاب "Analysis, Grammar & Dictionary of Hindostany Language" ۱۷۹۱ء میں مدراس سے شائع ہوئی -

گل کرسٹ خود اس کو بنیادی طور پر لغت کی کتاب قرار دیتا ہے اور اس نے اس لغت سے کچھ الفاظ اپنے لغت کے ضمیمے میں شامل بھی کیے ہیں - چونکہ یہ کتاب بھی صرف ضمنی طور پر اردو قواعد کا تجزیہ پیش کرتی ہے ، اس لیے فرگسن کی طرح ہیرس کو بھی اردو کے قواعد نویسوں کی فہرست میں شامل کرنا دشوار ہے - یہ بات البتہ درست ہے کہ اس عہد کے دیگر یورپین مصنفین کے مقابلے میں بقول گل کرسٹ ہیرس نے زیادہ محنت اور صحت سے کام لیا ہے اور اسی بنا پر خود گل کرسٹ نے جو اردو زبان کا ایک ماہر اور ممتاز قواعد و لغت نویس ہے اسے بطور سند مانا ہے اور اپنی تحریروں میں اس کی کتاب سے استفادہ کیا ہے -

کے لیے راہ ہموار کی ۱ ۔ یہ بات بظاہر بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ گل کرسٹ جو ہمارے سامنے ایک ماہر لسانیات اور زبان دان کی حیثیت سے آتے ہیں اصلاً طب کے پیشے سے تعلق رکھتے ہیں اور انھوں نے اپنی طبی تعلیم ایڈنبرا میں حاصل کی تھی اور اسی سلسلے میں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں داخل ہو کر ۱۷۸۲ء میں بمبئی پہنچے تھے اور بمبئی دستہ (Bombay Detatchment) میں بطور اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے ۔ اپنی خود نوشتہ سوانحعمری میں ، جو انھوں نے اپنے لغت و قواعد کے ضمیمے کے طور پر شامل کی ہے ، وہ لکھتے ہیں :

"۱۷۸۲ء میں بمبئی میں وارد ہوتے ہی میں نے محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان میں میرا قیام خواہ اس کی نوعیت جو بھی ہو اس وقت تک نہ تو میرے ہی لیے خوشگوار ہو سکتا ہے اور نہ میرے آقاؤں ہی کے حق میں مفید ثابت ہو سکتا ہے جب تک کہ میں اس ملک کی مروجہ زبان میں پوری دستگاہ حاصل نہ کر لوں جہاں عارضی طور پر مجھے قیام کرنا ہے ۔"

اپنی ایک اور تحریر میں گل کرسٹ لکھتے ہیں :

" چنانچہ اس زبان کو جسے اس زمانے میں مورس (Moors) کہتے تھے سیکھنے کے لیے میں جم کر بیٹھ گیا ۔ میری اس نئی تعلیم کے سلسلے میں لوگوں نے ہیڈلے کی اس تالیف کی طرف رجوع کرنے کا مجھے مشورہ دیا جو اس زبان کی مبادیات پر اس نے لکھی تھی ۔ ایک دو ہفتوں کے بعد مجھے ایک منشی مل گیا جس نے اصرار کیا کہ ہیڈلے سے میں نے جو کچھ سیکھا تھا اسے سرے سے بھلا دوں ۔ کچھ دنوں تک اپنے طور پر کوشش کرنے کے بعد مجھے توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ۔ اس بحرانی دور میں خوش قسمتی سے اپنے دوست کپتان جان ریٹ رے (John Rattray) سے جو اب کرنل ہو چکے تھے سودا

---

۱ ۔ رسالہ گل کرسٹ کے متعلق تفصیلات کے لیے دیکھیے "گل کرسٹ اور اس کا عہد" محمد عتیق صدیقی ، شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند ، علی گڑھ ، ۱۹۶۰ء ۔

کا کلیات مجھے مل گیا - ہندوستانی زبان میں اس وقت تک جو مہارت
میں نے حاصل کی ہے اس کے لیے سودا کی کلیات اور اس کریم النفس
انسان (جان ریٹ رے) کے مشوروں کا نیز ہمت افزائی و امداد کا میں
بے حد مرہون منت ہوں[۱] -"

اس کے بعد گل کرسٹ نے فتح گڑھ اور فیض آباد وغیرہ میں رہ کر
اردو سیکھی اور فیض آباد میں ہی انھوں نے ہندوستانی معاشرت اختیار
کی اور داڑھی رکھی اور یہیں انھوں نے قواعد و لغت اردو کے متعلق لوگوں
سے استفسار کیا تو انھیں پتا چلا کہ اس وقت تک اردو میں اردو کے
قواعد و لغت پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی - یہ واقعہ غالباً
۱۷۸۵ء کا ہے - اس کے بعد گل کرسٹ کلکتے گئے اور پھر غازی پور پہنچے
تا کہ وہاں رہ کر وہ اپنی مجوزہ کتاب اردو لغت اور قواعد مرتب
کر سکیں اور کم و بیش ۱۷۹۵ء تک وہاں رہے - اسی زمانے میں ان
کی پہلی کتاب "A Dictionary, English and Hindostani" یعنی
انگریزی ہندوستانی لغت شائع ہوئی - ۱۷۹٦ء میں انھوں نے
A Grammar of the Hindoostani Language شائع کی جو ان کی مجوزہ
کتاب ہندوستانی لسانیات کی پہلی جلد کا تیسرا حصہ تھی - اس کا پہلا
حصہ انگریزی ہندوستانی لغت تھی جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے - یہ قواعد
اس کا تیسرا حصہ تھا - دوسرا حصہ بطور مقدمہ قواعد و لغت ۱۷۹۸ء
میں شائع ہوا -

سنہ ۱۷۹۸ء میں ہی گل کرسٹ نے ولزلی کے ایما پر جو اس وقت
گورنر جنرل تھے اعلیٰ ملازمتوں میں داخل ہونے والے انگریزوں کو اردو
سکھانے کے لیے ایک مدرسہ Seminary Oriental کھولا - اس مدرسے
میں گل کرسٹ ہندوستانی اور فارسی زبانیں پڑھاتے تھے - سنہ ۱۸۰۰ء میں
فورٹ ولیم کالج قائم ہوا اور گل کرسٹ کو کالج کے ہندوستانی شعبے کا سربراہ
مقرر کیا گیا - فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ نے اردو کے نامور مصنفین اور
شعرا کو جمع کر کے تالیف و تصنیف کا سلسلہ شروع کیا - اس سے اردو زبان

---

۱ - رسالہ گل کرسٹ ص ۲۰

کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جس میں سادہ نثر نگاری کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور ایک پر تکلف خالص کتابی زبان کی بجائے روزمرہ گفتگو کی زبان کو بھی ادبی تصانیف میں اختیار کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام تیار ہونے والی تمام کتابیں اسلوب کے اعتبار سے میر امن کی "باغ و بہار" کے ہم رنگ اور ہم پایہ نہیں ہیں اور بعض تصانیف میں اردو نثر کا قدیمی رنگ بھی جھلکتا ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ اس دور میں پہلی مرتبہ اردو نثر میں علمی اور فنی موضوعات اور مباحث پر توجہ دی جاتی ہے اور زبان کے لغت اور اس کے قواعد صرف و نحو نیز اردو تذکرہ نگاری کی اہمیت ملکی مصنفین پر بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اردو میں اردو شاعروں کا پہلا تذکرہ مرزا علی لطف کا "گلشن ہند" اسی دور کی یادگار ہے اور اسی دور میں اردو کا ایک اہل زبان اردو کی قواعد کی ترتیب و تدوین کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ انشاءاللہ خاں انشا ہیں جنھوں نے اپنی کتاب "دریائے لطافت" ۱۸۰۷ء مطابق ۱۲۲۲ھ میں لکھی۔ انشاء کا تعلق فورٹ ولیم کالج سے نہیں ہے، لیکن وہ اسی دور کی ایک ممتاز شخصیت ہیں جس میں خود گل کرسٹ موجود تھے اور گل کرسٹ کی کتاب کی اشاعت کے دس سال کے اندر انھوں نے ایک ایسی کتاب مرتب کر لی جس پایے کی کتاب اس کے بعد بھی اب تک اردو میں نہیں لکھی جا سکی۔ اس پر ہم تفصیل سے آگے چل کر اظہار خیال کریں گے۔

گل کرسٹ ۱۸۰۴ء میں کالج کی خدمات سے سبکدوش ہوئے۔ بظاہر اس کا سبب گل کرسٹ کی علالت تھی جس کی بنا پر انھوں نے پہلے جہاز سے یورپ واپس جانے کی خواہش کی، لیکن شبہ ہوتا ہے کہ اس کے کچھ اسباب اور بھی تھے۔ مثلاً فورٹ ولیم کالج کے صدر شعبۂ عربی کو چھبیس سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور گل کرسٹ کو صرف پندرہ سو روپے ماہوار۔ انھوں نے کالج کے ارباب اقتدار سے درخواست کی کہ انھیں بھی وہی تنخواہ ملنی چاہیے جو عربی کے صدر کو ملتی ہے، لیکن ان کی درخواست منظور نہ ہوئی۔ گل کرسٹ کو یہ بھی شکایت تھی کہ ہندوستانی کتب کی ترتیب، تدوین اور اشاعت کے باب میں کالج کونسل ان کی تجویزوں پر پوری طرح عملدرآمد نہیں کرتی۔ بہر حال ۱۸۰۴ء میں وہ وطن واپس چلے گئے اور

۱۸۴۱ء تک مختلف آسامیوں پر اردو کی درس و تدریس میں مصروف رہے اور پیرس میں ۹ جنوری ۱۸۴۱ء کو ان انتقال ہوا ۔ اس دور کی اردو زبان کے محاورے ، لغت اور قواعد زبان کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے گل کرسٹ کی تصانیف ایک اہم ماخذ ہیں ۔ گل کرسٹ کی قواعد اردو کی ایک تلخیص اردو میں میر بہادر علی حسینی نے "رسالہ گل کرسٹ" کے نام سے مرتب کی تھی ۔ بعض مصنفین نے اس کا اشاعت ۱۸۱۶ء اور بعض نے ۱۸۲۰ء لکھا ہے ۔ مجلس ترقی ادب نے اس رسالے کو حال ہی میں شائع کیا ہے اور اس کی بنیاد جس مطبوعہ نسخے پر رکھی ہے وہ ہندوستانی پریس کلکتہ میں کلکتہ اسکول بک سوسائٹی کے لیے ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا تھا ۔ اس کی مقبولیت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کے مختلف اڈیشن ۱۸۳۱ء ۱۸۴۶ء اور ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئے ۔ اس رسالے کے مطالعے سے اٹھارویں صدی کے اواخر میں اردو کے رائج قواعد کے بارے میں حسب ذیل امور خاص طور پر قابل ذکر ہیں :

۱ ۔ گل کرسٹ نے ہندی (یعنی اردو) میں علامت مصدر حرف 'نا' بتائی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ناں ؤناں جو بطور علامت مصدر اردوئے قدیم کے دور میں استعمال ہوتے تھے معیاری اردو میں ترک ہو چکے تھے ۔

۲ ۔ اسم مفعول کے بیان میں بہادر علی حسینی کا ترجمہ یہ ہے ۱ ۔

"اسم مفعول وہ ہے کہ دلالت کرے ذات پر اس شخص کی کہ جس پر فعل واقع ہووے ۔ اس مفعول کا وزن موافق ہے ، فعل ماضی کے وزن کے ساتھ جیسا کہتے ہیں "وہ تو میرا مارا ہے ۔"

ظاہر ہے یہ مصدر عربی قواعد کی تقلید کا نتیجہ ہے ورنہ اردو میں فعل ماضی یا مفعول کے لیے وزن کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔ " غالباً یہ کہنا زیادہ درست ہوتا کہ مفعول کی صورت ہندی الاصل الفاظ میں اکثر فعل ماضی کے مطابق ہوتی ہے ۔

۳ ۔ اسم فاعل کی بحث میں بہادر علی حسینی نے ترجمہ کیا ہے ۲ :

۱۔ رسالہ گل کرسٹ ۔ ص ۳ ۔
۲۔ ایضاً ۔

" فائدہ : اکثر اسم فاعل عربی اور فارسی کا ہندی میں مستعمل ہے ، جیسا فاضل ، عاشق ، آئندہ ، روندہ ۔"

لیکن اسم مفعول کی بحث میں جو فوراً اس بحث کے بعد شروع ہوئی ، اس کا ذکر نہیں کہ جس طرح اکثر اسم فاعل عربی اور فارسی کے اردو میں مستعمل ہیں اسی طرح اکثر اسم مفعول بھی عربی فارسی کے ہندی میں استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً معشوق ، پروردہ وغیرہ ۔

اس سلسلے میں انشا نے قواعد اردو کے بیان میں اصول قواعد کے ملحوظ رکھنے کے سلسلے میں بڑی دلچسپ بحث کی ہے جس کا ذکر " دریائے لطافت" کے باب میں آئے گا ۔

اس سلسلے میں بہادر علی حسینی نے اسم مفعول مؤنث جمع کے صیغے میں جو شکلیں درج کی ہیں وہ اس کی شہادت ہیں کہ کم از کم انیسویں صدی کے آغاز تک یہ شکلیں مستند اردو میں شامل تھیں ۔ بہادر علی حسینی کی عبارت یہ ہے :

" اسم مفعول مذکر واحد 'مارا' جمع 'مارے' مؤنث واحد 'ماری جمع 'ماریں' 'ماریاں' اور کبھی اسم مفعول کے صیغوں میں زائد ہوتا ہے لفظ ہوا اور ہوئے بہ یائے مجہول ، ہوئی ، ہوئیں اور ہوئیاں بہ یائے معروف جیسا مارا ہوا وعلی ہذا القیاس[1] "

۵ - یہی صورت اسم حالیہ کے بیان میں ہے ۔

تا ، تے اور تی کے علاوہ جمع مونث میں تین تیاں مثلاً مارتیں مارتیاں اور ان کے ساتھ ہوئیں اور ہوئیاں کا استعمال بھی بتایا ہے ۲ -

اس بیان سے پھر قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قواعد نویس اردو کے قواعد صرف کو بیان کرتے وقت عربی قواعد کی تشریحات کو پیش نظر رکھتے تھے ۔ اسم حالیہ کے باب میں لکھتے ہیں :

---

۱ - رسالہ گل کرسٹ ص ۳

۲ - ایضاً ص ۴

" اسم حالیہ کہ وہ فی الوقع موافق اصطلاح عرب کے حال ہے یعنی جو بیان کرے ہیئت فاعل کی یا مفعول کی چنانچہ کہتے ہیں ، زید مارتا چلا جاتا تھا - یعنی جاتا تھا ، جس حالت میں کہ اس سے مار صادر ہوتی تھی -

٦ - اسم تفصیل کی بحث میں مؤلف تسلیم کرتے ہیں۱ :

" اسم تفصیل وہ ہے کہ دلالت کرے اوپر اس بات کے کہ اس کے مدلول کو فضیلت یعنی زیادتی ہے غیر پر - پس اسم تفصیل کے واسطے کوئی صیغہ خاص موضوع نہیں بلکہ لفظ "سے" اور "میں" اور حرف " گا" اس کی علامت ہے جیسا وہ تجھ سے بھلا ہے ان آدمیوں میں یہ قابل ہے " یعنی قابل تر" سب کا بڑا وہ ہے -

یہ بیان بھی صاف غمازی کرتا ہے کہ اردو قواعد نویس کے ذہن میں عربی اسم تفصیل ہے اگرچہ اردو میں اس کے لیے کوئی خاص صیغہ موضوع نہیں ہے آگر چل کر لکھتے ہیں -

فائدہ ــ اکثر اسمائے تفصیل عربی و فارسی کے ہندی میں مستعمل ہیں جیسا افضل ، احسن ، بہتر ، نیک تر -

یہ بات اہم ہے کہ مؤلف نے اسم مشتق کی چار قسمیں گنائی ہیں : اسم فاعل ، اسم مفعول ، اسم حالیہ اور اسم تفضیل ، حالانکہ اسم تفضیل کے باب میں خود تسلیم کر لیا ہے کہ اردو میں اس کے لیے کوئی صیغہ خاص موضوع نہیں ہے - لیکن آگے چل کر اسم آلہ کو اسم مشتق میں شمار نہیں کیا ہے اور صرف اتنا لکھا ہے کہ ۲ اور اسم آلہ کے واسطے کوئی لفظ مقرر نہیں لیکن کبھو مصدر معنی ظرفیت کا فائدہ دیتا ہے جیسا رمنا جھرنا یعنی ہرن کے رہنے کی جاگہ اور پانی کے جھرنے کی جگہ اور اسی طرح مصدر کبھی اسم آلہ کے معنی کو مفید ہوتا ہے جیسا بیلنا اور کبھی علامت اسم آلہ کی نون ساکن یا لفظ نی ہوتا ہے جسے بیلن ، بیلنی ، کترنی ،چھلنی ،

---

۱ - ایضاً ص ۴
۲ - ایضاً ص ۸

سونگھنی ، لکھنی ۔

بعد کے قواعد نویسوں نے جو اردو قواعد میں اسم آلہ کا باب الگ قائم کیا ہے وہ بعد کی ایجاد یا بدعت ہے ۔ اسم آلہ کے لیے جن علامات کا ذکر گل کرسٹ اور میر بہادر علی حسینی نے کیا ہے وہ بھی کافی نہیں ہیں ، مثلاً چند صورتیں جسب ذیل ہیں :

۱ ۔ الف پر ختم ہونے والے اسما جن کے معنوں سے آلے کا تصور ہے اور وہ کسی فعل سے مشتق نہیں ، چمٹا ، بسولا ، پھاوڑا ، کھرپا ، اور ان کی تصغیر چمٹی ، بسولی ، کھرپی (پھاوڑا کی تصغیر پھوڑیا ہوگی جو مستعمل نہیں)۔

۲ ۔ ی پر ختم ہونے والے اسما جن کے معنوں میں آلے کا تصور ہے اور وہ تصغیر نہیں مثلاً کرنی (جسے بعض لوگ کنی بھی بولتے ہیں) ، سلائی، سوئی ۔

۳ ۔ واو پر ختم ہونے والے اسما جو کسی فعل سے مشتق ہیں مثلاً جھاڑو (جھاڑنا سے) ، بھارو (بھارنا سے) ۔

۴ ۔ حروف صحیحہ پر ختم ہونے والے اسما جن میں آلہ کا تصور ہے اور وہ کسی فعل سے مشتق ہیں یا جامد ہیں مثلاً چھاج (چھاننا ، چھاجنا) سوپ ، تک (یا تگ بمعنی ترازؤ) ۔

۸ ۔ ضمیر کی بحث میں میر بہادر علی حسینی نے لکھا ہے :

ہندی میں ضمائر کے چھ لفظ ہیں : میں واحد متکلم ، ہم جمع متکلم ، تو یا تیں مخاطب واحد ، تم جمع مخاطب واحد غائب وہ جمع غائب وے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیں اور وے انیسویں صدی کے آغاز تک موجود تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ۱ آگے چل کر لکھا ہے کہ ہندی محاورے میں ضمیر متکلم کی جگہ فروتنی کے واسطے بہ حسب مراتب لفظ بندہ اور غلام اور نیازمند اور خاکسار اور احقر اور مخلص اور فدوی اور عاصی اور گنہ گار وغیرہ اور ضمیر مخاطب کے مقام میں ادباً اور تعظیماً موافق مراتب کے لفظ خود بدولت اور خداوند اور پیر و مرشد اور صاحب قبلہ اور ملازمان وغیرہ استعمال کرتے ہیں ۔ اس سلسلے میں لفظ آپ جو سب سے کثیرالاستعمال

---

۱ ۔ رسالہ گل کرسٹ ص ۴

ہے اس کا ذکر نہیں (وغیرہ میں اس کو شامل سمجھ لیجیے) تو ، تم اور آپ میں تدریجی مرتبہ یا موانست اور یگانگت کا جو لحاظ ہے غالباً اس وقت تک واضح اور متعین نہیں ہوا تھا ۔

۹ ۔ اسمائے موصول میں حرف معنوی یا اسمائے ظروف کے سبب حالت واحد میں 'جو' کی جگہ 'جس' کے استعمال کے سلسلے میں 'جس پاس' بجائے 'جس کے پاس' لکھا ہے ۔ اسی طرح 'جن' کو واحد اور 'جنھوں' کو صورت جمع میں لکھا ہے ۔ بعد میں 'جنھوں' کو ترک ہوا ، لیکن انیسویں صدی کے آغاز تک باقی تھا ۔

۱۰ ۔ لفظ کون اور کوئی یا کچھ کے استعمال کے سلسلے میں ایک شعر نقل کیا ہے :

مجھ سے مت جی کو لگاؤ کہ نہیں رہنے کا
میں مسافر ہوں کوئی دن کو چلا جاؤں گا

اس شعر میں 'کو' کا استعمال بھی بعد میں ترک ہوا اور اس کی جگہ 'میں' (بمعنی بعد) اختیار ہوا ۔ یہ صورت بھی غالباً انیسویں صدی کے اوائل تک موجود تھی ۔

۱۱ ۔ لفظ ہم ، تم ، اِن ، اُن ، جِن ، تِن ، کِن ، کو جمع بتایا ہے کہ تعظیماً واحد کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں ، بخلاف لفظ انھوں 'جنھوں' تنھوں کنھوں ان میں سے تِن اور کِن کی جگہ اِن اور کِس اختیار کیے گئے ۔ تنھوں اور کنھوں دونوں متروک ہو گئے ، لیکن انیسویں صدی کے آغاز تک موجود تھے ۔ اسی طرح تیوں ، تدھر ، اِتّا ، اُتّا ، کِتّا ، جِتّا ، تِتّا ، تِتنا ، کد ، جد تد ، وغیرہ بھی موجود ہیں ۔

۱۲ ۔ گل کرسٹ نے اسم کی پانچ حالتیں بتائی ہیں :

۱ ۔ حالت فاعلیت ، ۲ ۔ حالت مفعولیت ، ۳ ۔ حالت اضافت ، ۴ ۔ حالت ظرفیت اور ۵ ۔ حالت ندا ۔

---

۱ ۔ رسالہ گل کرسٹ ص ۲۳

۲ ۔ مثلاً مولوی عبدالحق

بعد کے قواعد نویسوں نے ۶ چھ حالتیں لکھی ہیں :

۱ - فاعلی ، ۲ - ندائی ، ۳ - مفعولی ، ۴ - خبری ، ۵ - اضافی اور ۶ - طوری

۱۳ - جمع کے سلسلے میں لکھا ۱ ہے کہ ہندی میں بطور فارسی کے بھی جمع ہوتی ہے جیسے باتاں اور راتاں - اس وقت تک یہ صورت موجود تھی - بعد میں ان کی جگہ باتیں اور راتیں ہوگئیں - اسی طرح یہ بھی لکھا ہے کہ عربی و فارسی علامت جمع پر علامت ہندی بھی داخل کرتے ہیں - چنانچہ احکاموں ، امراؤں ، علماؤں ، مقدماتوں ، اشرافوں ، نجباؤں ، فضلاؤں کو بطور مثال لکھا ہے - یہ صورت بھی بعد میں ترک ہو گئی -

لفظ سکھی کے سلسلے میں لکھا ہے ، زبان قدیم میں اس کی جمع سکھین سکھین یعنی بہ کسر یا و نیز بہ فتحہ یا دونوں طرح آتی تھی - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں صورتیں اٹھارویں صدی کے آخر تک ترک ہو چکی تھیں اور باقی صورتیں جواب قدیم یا متروک سمجھی جاتی ہیں انیسویں صدی کے آغاز تک باقی تھیں - چنانچہ انکھیاں ، رتیاں ، بتیاں اس وقت تک رائج تھیں -

افعال کے سلسلے میں حسب ذیل قدیم صورتیں اس وقت تک باقی تھیں : وے سمجھتی ہیں ، وے سمجھتیاں ہیں ، وے سمجھے ، وے سمجھیاں ہیں ، وے سمجھیاں ہیں ، وے سمجھیاں تھیں ، وے سمجھتیاں تھیں وے سمجھتیاں ، تو جاوے ، وہ جاوے ، وے جاویں ، وے پیویں ، ہم پیویں ، حروف میں ، ستی ، سوں -

گل کرسٹ کے رسالے کے اس تجزیے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسے اردو کی پہلی مفصل قواعد کہنا درست ہے - یہ صحیح ہے کہ گل کرسٹ نے عام بول چال کی زبان سے زیادہ کتابی زبان کے نمونوں پر بھروسا کیا ہے اور میاں مسکین مشہور مرثیہ گو اور مرزا سودا کی زبان کو اردو کی تفہیم اور تشریح کے لیے سب سے زیادہ استعمال کیا ہے - اور ان دونوں کے کلام میں ضرورت شعری سے تصرفات بھی ہیں اور سودا

---

۱ - رسالہ گل کرسٹ ص ۲۸

کے کلام میں بقول انشا بعض ایسی خصوصیات موجود تھیں جو اس وقت کے فصحائے شاہجہاں آباد قبول نہ کرتے تھے - تاہم اس قواعد کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اس سے ہمیں اس عہد کی زبان کا مستند اور معیاری قواعد کا تجزیہ مل جاتا ہے -

گل کرسٹ کے علاوہ اس دور میں بہت سے دوسرے یورپین مصنفین نے بھی اردو قواعد نویسی کی طرف توجہ کی - ان میں سے حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں :

۱ - جان شکسپیر ، اردو گریمر ، پہلا اڈیشن ۱۸۱۳ء ، دوسرا ۱۸۱۸ء ، تیسرا ۱۸۲٦ء ، چوتھا ۱۸۴۳ء ، پانچواں ، ۱۸۵۸ء

۲ - ولیم ٹیٹ ، مقدمہ زبان ہندوستانی ، طبع اول ۱۸۵۷ء ، دوم ۱۸۲۴ء ، سوم ۱۸۳۳ء -

۳ - گارساں دتاسی ، مقالہ قواعد اردو ، ۱۸۳۸ء -

۴ - ایس - ڈبلیو - بری ٹن - رسالہ قواعد ہندوستانی ، ۱۸۳۰ء -

۵ - اسٹیفورڈ ارناٹ ، جدید خود آموز قواعد زبان اردو ، طبع اول ۱۸۳۱ء ، دوم ۱۸۴۴ء -

٦ - ایس - اوناٹ ، رسالہ قواعد اردو ، تشریح و اضافہ ڈنکن فاربس ، طبع ۱۸۴۴ء -

۷ - جیمس آربالن ٹائن ہندوستانی گریمر ، ۱۸۴۴ء ، ۱۸٦۸ء -

۸ - ریورنڈ جی - اسال ، ہندوستانی گریمر ، ۱۸۴۷ء ، ۱۸۵۸ء -

۹ - جے - دت لوپرا اخنو ، قواعد ہندوستانی ، ۱۸۵۲ء -

۱۰ - کاٹن ماتھر - ہندوستانی قواعد مرتبہ سر مونیرہ لیھس ، ۱۸٦۲ء

۱۱ - جان ڈاسن - ہندوستانی گریمر ، ۱۸۷۲ء -

۱۲ - جان پلیٹ - قواعد اردو ، ۱۸۷۴ء -

۱۳ - پامر ، ہندوستانی فارسی و عربی قواعد ، ۱۸۸۲ء -

۱۴ - ڈبلو - کیگر ، قواعد ہندوستانی ، ۱۸۸۳ء -

۱۵ - فان کیو - قواعد ہندوستانی ، ۱۸۸۳ء -

۱۶ - جے - ولسن ، اردو گریمر ، ۱۸۸۲ء

۱۷ - اے - سی - ڈل ، ہندوستانی گریمر ، ۱۸۹۳ء -

۱۸ - شلسر ، ہندوستانی گریمر ، ۱۸۹۴ء ۱ -

یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ بعض اور یورپین مصنفین نے بھی اردو کے قواعد اور لغت نویسی کی طرف توجہ کی ہوگی بالخصوص پرتگالی ، ولینڈیزی اور فرانسیسی مصنفین نے اردو کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کی چھان بین سے ان کا پتا چلانا دشوار نہیں لیکن ہمارے کتب خانوں میں کتابیں موجود نہیں اور ان ملکوں میں کتب خانوں کا جائزہ لینا اور اردو زبان و ادب کے متعلق مفید مطالب مآخذات کا اخذ و حصول موجودہ حالات میں اس کتاب کے مصنف کے لیے ممکن نہیں ہے ، لیکن اردو زبان و ادب کی کوئی تاریخ اس وقت تک مکمل نہ ہوگی جب تک یہ سارے مآخذات ہمارے سامنے موجود نہ ہوں - یہاں ضمنی طور پر موسیوگارسان دتاسی کا نام لینا کافی ہے جس کے چند خطبات اور مقالات ۲ کا فرانسیسی سے اردو میں ترجمہ شائع ہوا ہے اور جن لوگوں نے ان خطبات و مقالات کا مطالعہ کیا ہے وہ واقف ہیں کہ یہ مضامین اردو کی تاریخ کے لیے ایک بیش بہا مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں - اسی مصنف نے ہندی و ہندوستانی ادب کی ایک تاریخ تین ضخیم جلدوں میں لکھی ہے جو فرانسیسی میں ہے - اس میں شامل ہندی کے شعرا کا ترجمہ ہندوستان میں ہوا ہے - اردو شعرا اور مصنفین پر اس کتاب کے اندراجات کا ترجمہ ضروری حواشی اور تعلیقات کے ساتھ ایک فرانسیسی خاتون لیلن نزرو نے کراچی یونیورسٹی کی اردو میں پی - ایچ ڈی - ڈگری لینے کے لیے کیا تھا - افسوس کہ مالی وسائل نہ ہونے کے باعث یونیورسٹی ابھی تک اسے شائع نہیں کر سکی -

---

۱ - بحوالہ عبدالحق قواعد اردو ص ۱۹ تا ۲۵

۲ - شائع کردہ انجمن ترقیٔ اردو ہند ، و انجمن ترقیٔ اردو پاکستان -

بہرحال انیسویں صدی میں خود اردو بولنے والے اس زبان کی قواعد نویسی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سلسلے میں سب سے پہلا کارنامہ انشاءاللہ خان انشا کی ”دریائے لطافت“ ہے[۱] ۔ انشاء اللہ خان بڑے ذہین اور طباع انسان تھے ۔ اردو شاعری کی تاریخ میں وہ اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جو عبوری دور کہلاتا ہے ۔ جس میں شاعری اور زبان کی ٹکسال کا مرکز دہلی سے منتقل ہوکر پہلے فیض آباد اور پھر لکھنؤ پہنچا تھا ۔ ان کی شاعری اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے ، لیکن اپنی تصنیف ”دریائے لطافت“ کی وجہ سے وہ اردو زبان اور قواعد کی تاریخ میں ایک اہم شخصیت ہیں ۔ انھوں نے ایک لسانی دور کا اختتام اور ایک نئے دور کا آغاز خود دیکھا اور اسے بڑی صحت کے ساتھ آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا ۔ اہل زبان میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو کی ہیئت اور اصلیت پر غور کیا ۔ مولوی عبدالحق صاحب ”دریائے لطافت“ (طبع اول الناظر پریس لکھنؤ ، سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اردو نمبر ۱۴ ، ۱۹۱۶ء) کے مقدمے (صفحہ ۴) میں لکھتے ہیں :

سید انشاء اللہ خان انشا پہلے شخص ہیں جنھوں نے عربی فارسی زبان کا تتبع چھوڑ کر اردو زبان کی ہیئت و اصلیت پر غور کیا اور اس کے قواعد وضع کیے اور جہاں کہیں تتبع کیا بھی ہے تو وہاں زبان کی حیثیت کو نہیں بھولے ۔“

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قواعد وضع کرنے سے مولوی عبدالحق صاحب کی مراد کیا ہے ۔ زبان کی قواعد کوئی شخص وضع نہیں کرتا اور نہ زبان کسی ایک شخص کے وضع کردہ قواعد یا قوانین کی پابند ہوتی ہے ۔ یہ کہنا البتہ درست ہے کہ انھوں نے یہ قواعد مرتب کیے اور بعض اصولوں کی وضاحت کی ۔ عربی فارسی کا تتبع چھوڑنے کا مسئلہ بھی بحث طلب ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ انشا نے اردو کو اردو کی حیثیت سے دیکھا اور سمجھا ہے لیکن قواعد نویسی میں ان کے سامنے فارسی کی ہی مثالیں ہیں اور ان کی قواعد کا پورا ڈھانچہ وہی ہے جو ان سے پہلے اور بعد میں ملتا ہے ۔ البتہ انھوں نے قواعد کے مفہوم کو ذرا زیادہ وسیع کیا ہے اور ایسی بحثیں اٹھائی

۱ ۔ تصنیف ۱۲۲۲ھ بمطابق ۱۸۰۷ء ، تاریخی نام ”اردوئے ناظمی“

ہیں جو عام طور پر قواعد کی کتابوں میں شامل نہ تھیں ۔ مثلاً اردو میں دخیل اور مستعار الفاظ کی حیثیت ، زبان میں مقامی محاورے کی اہمیت ، محاورہ ، بولی اور زبان کا فرق ، فصاحت کا معیار اور اس کی حدود وغیرہ ایسی بحثیں ہیں جو اردو کے سلسلے میں پہلی مرتبہ انشاءاللہ خان نے دریائے لطافت میں اٹھائی ہیں ۔ افسوس کہ انشاء اللہ خان نے اردو کی ابتدا کے باب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا[۱] ، لیکن بعض باتیں انشا نے ایسی بھی لکھی ہیں جن کو اردو قواعد کے سلسلے میں سب سے پہلے انھوں نے واضح طور پر لکھا ۔ مثلاً اردو کے بارے میں یہ خیال عام ہے کہ اردو مختلف زبانوں کے الفاظ کا مجموعہ ہے ۔ یہ بات اس حد تک تو درست ہے کہ اردو میں سنسکرت ، پراکرتوں ، ہندوستان کی غیرآریائی زبانوں اور بولیوں، عربی، فارسی، ترکی ، پرتگالی فرانسیسی ، انگریزی وغیرہ کے بکثرت الفاظ شامل ہیں ، لیکن یہ الفاظ جب اردو میں آگئے تو یہ صرف مستعار الفاظ نہیں رہے بلکہ دخیل الفاظ بن گئے ۔ اکثر ان کے تلفظ میں تصرف ہوا ۔ کہیں املا بدلا کہیں معنی میں تبدیلی ہوئی اور کہیں ان تینوں قسم کی تبدیلیوں کی ترکیب و ترتیب موجود ہے ۔ پھر یہ کہ اردو میں آنے کے بعد ان پر اردو کے قواعد کا اطلاق ہونے لگا ، ایسی صورت میں یہ الفاظ اردو ہوگئے اور ان کا استعمال وہی صحیح اور درست استعمال تسلیم کیا جائے گا جیسا کہ اردو میں ہوگا ۔ یہ

---

۱ ۔ دریائے لطافت ص ۱ میں انشا کا بیان یہ ہے :

”چوں بیشتر جائے عیش سلاطین تیموریہ دارالخلافہ شاہجہان آباد بودہ است و فصیحان و بلیغان و علمائے عالی قدر فریقین و دیگر ارباب فنون لطیفہ و اصحاب علوم شریفہ در آن شہر دل نواز آرام گاہ برائے خود ساختہ بودند ، ہر چند کہ لاہور و ملتان و اکبرآباد ہم مسکن بادشاہان صاحب قدرت و شوکت بودہ و عمارات بلند سر بہ فلک رسانندہ دریں شہرہا موجود است ، لیکن برابر نمیتواں گفت زیرا کہ دریں جا سلاطین عالی مقام زیادہ از جاہائے دیگر تشریف داشتہ اند ، خوش بیانان آنجا متفق شدہ از زبان ہائے متعدد الفاظ دلچسپ جدا نمودہ و در بعضے عبارات و الفاظ تصرف بکار بردہ زبان تازہ سوائے زبان ہائے دیگر بہم رسانیدند و بہ اردو موسوم ساختند ۔“

بات نہ صرف اردو زبان کے قواعد نویسوں کے لیے نہایت اہم ہے ، بلکہ اس سے اردو زبان کی ہیئت اور اس کے مزاج پر بڑی واضح روشنی پڑتی ہے - اس کے علاوہ اردو کے ارتقا کی منازل اور مدارج کے سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے - اردو میں نئے الفاظ کے اخذ و انتخاب ، اصطلاحات کے وضع کرنے اور نئے مفاہیم کو ادا کرنے کے لیے نئی ترکیبوں کی ایجاد میں بھی رہبری ہوتی ہے -

انشاء کے اپنے الفاظ یہ ہیں۱ :

" دیگر مخفی نہ ماند کہ ہر لفظے کہ در اردو مشہور شد عربی باشد یا فارسی یا ترکی یا سریانی یا پنجابی یا پوربی از روئے اصل غلط باشد یا صحیح آن لفظ لفظ اردو است اگر موافق اصل مستعمل صحیح است و اگر خلاف اصل است ہم صحیح است و غلطی موقوف بر استعمال پزیرفتن در اردو است زیرا کہ ہرچہ خلاف اردو است غلط است گو دراصل صحیح باشد و ہرچہ موافق اردو است صحیح باشد گو دراصل صحت نداشتہ باشد -"

انشا نے اس قسم کی بے شمار مثالیں دی ہیں - صرف دو مثالیں نقل کی جاتی ہیں۲ :

" سفیل دراصل فصیل است و در استعمال قابلیت دستگاہاں ہمین است لیکن ہر چہ بر زبان قابل و ناقابل میگزرد و سامعہ پسند اہل اردو سفیل است گو غلط باشد -"

" محکر بر وزن مفعل لفظے است ہندی بمعنی گردش کنندہ این تصرف اگرچہ بہ تقلید عربیان غلط محض است لیکن صحیح است زیرا کہ در اردو مروج است -"

یہ پوری بحث نہایت دلچسپ ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انشاءاللہ خاں اردو بولنے والے پہلے مصنف ہیں جنھوں نے زبان کے اس مزاج کا تجزیہ کیا ہے اور غور و فکر کے لیے نئی راہیں کھولی ہیں -

---

۱ - دریائے لطافت ، ص ۲۴۱ -
۲ - ایضاً ، ص ۲۴۲ -

اس کتاب کی بعض اور بحثیں بھی نہایت اہم ہیں - یہ اردو کی واحد کتاب ہے جس میں اردو کے مقامی محاوروں کے فرق اور ان کی اہمیت کا تجزیہ کیا گیا ہے - زبانوں کے مطالعے میں کسی زبان کی مختلف علاقائی بولیوں کا تجزیہ اب لسانیات کا ایک مخصوص موضوع ہے جسے Area Dialectology کا نام دیا گیا ہے - انشا نے دہلی اور لکھنؤ میں اردو بولنے والوں کو ان کی بولیوں اور مخصوص محاوروں کے اعتبار سے الگ الگ گروہوں میں تقسیم کیا ہے - اس ساری بحث سے محسوس ہوتا ہے کہ صوتی اور ترکیبی سطح پر انشاء اللہ خاں کا یہ تجزیہ حیرت انگیز حد تک جدید لسانیاتی تجزیے کے مطابق ہے - اس سے اُس وقت کی رائج اردو کے معیاری نمونے کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور مختلف علاقوں میں بولیوں کے آپس کے اختلافات کی نوعیت کا بھی پتا چل جاتا ہے -

انشاء اللہ خاں انشا نے اردو کی صوتیات سے بھی نہایت اہم بحث کی ہے - اس سے پہلے مصنفین نے یہ تقسیم تو کی تھی کہ اردو میں کتنی آوازیں ہندی ہیں ، کتنی عربی اور کتنی فارسی کی مخصوص آوازیں ہیں ، لیکن بہت کم مصنفین نے اس طرف توجہ کی تھی کہ اردو کی ہائیہ آوازیں خود اپنی مستقل حیثیت رکھتی ہیں اور ان کو محض غیر ہائیہ اور ہائیہ کا مرکب قرار دینا درست نہیں ہے - انشا نے ان کی تعداد سترہ بتائی ہے[1] - اسی طرح ان آوازوں کو الگ الگ شمار کیا ہے جو ' یا ' کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتی ہیں - ان کی تعداد گیارہ بتائی ہے - آٹھ وہ ہیں جو ہا و نون کے ساتھ مل کر ایک آواز دیتی ہیں ، دو آوازیں واو کے ساتھ ایک ہو جاتی ہیں -

افسوس کہ انشا کی یہ تقسیم درست نہیں ہے - انھوں نے حروف کو سامنے رکھا اور صحیحوں اور مصوتوں کی تفریق کو نظرانداز کر دیا - اصل میں ان صورتوں میں پہلے صحیحے کے بعد ایک انفیائی مصوتہ ہے - مثلاً

۱- دریائے لطافت ، ص ۷ - انشاء نے تعداد تو سترہ بتائی ہے لیکن مثالیں صرف سولہ کی دی ہیں - بھ ، پھ ، تھ ، ٹھ ، ڈھ ، ڑھ ، جھ ، چھ ، دھ ، ڈھ ، کھ ، گھ ، لھ ، مھ ، نھ ، وھ ، یھ ، جس حرف کی مثال نہیں وہ رہ ہے - جس کی مثال سرہانا ہے - بعد کے قواعد نویسوں نے اسے شامل نہیں کیا ہے - دیکھیے "مصباح القوعد" ، فتح محمد خاں جالندھری ۱۹۰۵ء صفحہ ۵ حاشیہ -

کھنڈانا بمعنی پراگندہ کرنا ، جھنڈولا بمعنی بچہ جس کے سر پر بال ہوں ، ڈھنڈورا بمعنی منادی وغیرہ ۔

یہی صورت ان گیارہ آوازوں کی ہے جو بقول انشاء 'یا' کے ساتھ متحد ہوتی ہیں ۔ مثلاً کیا ، دھیان وغیرہ ۔ ان میں بھی پہلے صحیحے کے بعد ایک خفیف مصوتہ ہے۱ ۔ کتاب کا ایک نہایت دلچسپ حصہ دہلی کے محلوں کی بول چال کے فرق سے متعلق ہے اور ایک باب میں مصطلحات دہلی کو جمع کر دیا ہے ۔ اسی طرح دہلی اور لکھنؤ کی زبان کے فرق کو ظاہر کیا ہے اور ان تمام بحثوں میں بڑی لسانی بصیرت کا ثبوت ملتا ہے ۔ غرض اردو قواعد نویسی کی تاریخ میں یہ کتاب ایک نادر نمونہ ہے ۔ کتاب کا ایک حصہ جو عروض بیان اور بدیع سے متعلق ہے انشاء کے شریک کار قتیل کی تصنیف ہے ، لیکن کتاب کی جان یہی پہلا حصہ ہے جو انشا کی ذہانت اور طباعی کا نتیجہ ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی میں اکثر مصنفین اردو ، اردو کی قواعد کی طرف متوجہ ہو چکے تھے ۔ انشاء کی " دریائے لطافت " کو لکھے مشکل سے چند سال گزرے تھے کہ روشن علی انصاری نے ۱۸۱۰ء میں " رسالہ صرف و نحو " کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۲ ۔

بہادر علی حسینی نے گل کرسٹ کے رسالے کو اسی زمانے میں اردو میں منتقل کیا اور محمد ابراہیم نے ۱۸۲۳ء میں کتاب قواعد اردو لکھی ۔ مولوی عبدالحق۳ کا بیان ہے کہ سرسید احمد خاں نے بھی اردو صرف و نحو پر ایک رسالہ لکھا تھا جس کا قلمی نسخہ اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ کی لائبریری میں موجود تھا اور کاتب نے کتاب کے آخر میں سن کتابت ۱۲۵۶ ہجری مطابق ۱۸۴۰ء تحریر کیا تھا ۔ اس سے قیاس ہے کہ

---

۱ ۔ اردو کے صحیحوں اور مصوتوں کی بحث تفصیل سے آگے الگ فصل میں آتی ہے ۔

۲ ۔ مولوی عبدالحق سنہ طباعت ۱۸۴۹ء بتایا ہے ، لیکن گارسان دتاسی نے ۱۸۴۵ء مطابق ۱۲۶۱ھ لکھا ہے اور پوری تفصیلات دی ہیں ۔

۳ ۔ عبدالحق ، مقدمہ قواعد اردو ، ص ۲۶ ۔

رسالہ لگ بھگ اسی زمانے کی تصنیف ہو گا ۔ بقول عبدالحق اس میں صرف و نحو کے معمولی قواعد ہیں اور زیادہ تر مصادر سے بحث کی گئی ہے ۔ مولوی عبدالحق صاحب اس کتاب کو کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں سمجھے سوائے اس کے کہ بقول ان کے ، اس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ سر سید کو اردو زبان سے کس قدر دلچسپی تھی ۔

سرسید کے اس رسالے کی تصنیف کے تین سال بعد مولوی احمد علی دہلوی نے " فیض کا چشمہ " کے نام سے ایک ابتدائی رسالہ اردو صرف و نحو پر لکھا جو دہلی سے ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا ۔ یہ بھی ایک معمولی رسالہ ہے اور غالباً طالب علموں کے استفادے کے لیے لکھا گیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک مدرسوں اور مکتبوں میں اردو قواعد کی تعلیم شامل نصاب ہو چکی تھی ۔ اسی زمانے میں اس عہد کے مشہور عالم اور شاعر و مصنف امام بخش صہبائی نے جو دہلی کے مشہور دلی کالج میں پروفیسر بھی تھے اردو صرف و نحو پر ایک کتاب لکھی تھی جو دہلی سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی تھی ۔

گارساں دتاسی کے بقول اس کے ۱۸۴۵ء کے مطبوعہ نسخے میں ۲۹۸ صفحات تھے ۔ بقول گارساں دتاسی انگریزی میں اس کا عنوان :
A Grammar of the Urdoo Language in Urdoo by Moulvi Imam Bux of the Delhi College.

ہے ۔ گارساں ہی کے بقول اس کتاب کے تیسرے باب میں الفاظ اور چوتھے میں محاورات اور ضرب الامثال سے بحث کی گئی تھی ۔ گارساں خبردار کرتا ہے کہ صہبائی کی قواعد اردو کو ان کی ایک اور تصنیف قاعدہ اردو سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے ۔ اس آخرالذکر نام سے انہوں نے اردو

---

۱ - بعض حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ انشاء سے پہلے ۱۸۰۶ء میں امانت علی شیدا نے "صرف اردو" کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا ۔ یہ تاریخ خاکہ تاریخ "ادبیات اردو" جلد سوم زیر ترتیب پنجاب یونیورسٹی لاہور میں دی گئی ہے ۔ اگر یہ درست ہے تو اس کتاب کا سال تالیف " دریائے لطافت " سے ایک سال پہلے کا ہے لیکن مجھے یہ رسالہ دستیاب نہ ہو سکا ۔

کی تعلیم و تدریس کے لیے ایک ابتدائی کتاب لکھی تھی جس میں اردو کے حروف تہجی سے بحث کی گئی تھی - یہ کتاب صہبائی نے کالج کی ملازمت کے دوران لکھی اور قیاس ہے کہ یہ کالج کے طلبہ کی تدریس کے لیے لکھی گئی ہو گی -

۱۸۵۷ء کے آس پاس طالب علموں کے لیے قواعد اردو کی بے شمار کتابیں تالیف ہوئیں - تالیف ان کو اس لیے کہنا چاہیے کہ دراصل ہر مصنف نے ایک ہی ڈھانچہ اور ایک ہی انداز اختیار کیا ہے - تصرف ہے تو صرف اتنا کہ مختلف مؤلفین نے قواعد کے مختلف حصوں کو زیادہ تشریح و تفصیل سے لکھا ہے اور مثالوں میں فرق کیا ہے - ایک اور بات جو ان تمام تالیفات میں مشترک ہے یہ ہے کہ ان سب نے فارسی قواعد کے نمونوں کو پیش نظر رکھا ہے اور کسی نے زبان کے آریائی مزاج کو ملحوظ نہیں رکھا - اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ اردو کی ابتدا کے بارے میں تحقیقات بالکل ابتدائی مدارج میں تھیں اور اردوئے قدیم کا بہت بڑا حصہ خصوصاً ولی سے پہلے کی شاعری اور نثر نگاری کا سرمایہ عام طور پر مصنفین اور مؤلفین کی دسترس سے باہر تھا - نیز اردو اور برصغیر پاکستان و ہند کی دوسری زبانوں اور بولیوں کے تقابلی مقابلے کا دور شروع نہیں ہوا تھا - اس لیے اردو کی تقابلی قواعد لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا- اردو کے قواعد نویسوں کے سامنے اردو کے دو ہی نمونے تھے ، ایک دلی کی اردوئے معلیٰ اور دوسرے لکھنؤ کی اردو - ان میں بھی عام خیال یہ تھا کہ لکھنو اور دہلی کی زبان میں صرف متروکات کا فرق تھا اور متروکات کی بحث قواعد کا حصہ نہیں سمجھی جاتی تھی ، یا پھر اسما کی تذکیر و تانیث کا مسئلہ تھا - جنس حقیقی کے باب میں تو سب اردو بولنے والے متفق تھے ، لیکن جنس غیر حقیقی جو صرف قیاسی یا سماعی تھی اس کے باب میں نہ صرف یہ کہ بعض اسماء کی تذکیر و تانیث میں دلی اور لکھنؤ کے بولنے والوں میں فرق تھا ، بلکہ خود ایک ہی علاقے میں ایک ہی لفظ کو مسلم الثبوت اساتذہ نے مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال کیا تھا اس لیے تذکیر و تانیث کی بحث قواعد کی ان کتابوں میں بڑی تفصیل سے دی جاتی تھی اور بعض مؤلفین نے تو پورے

رسالے صرف تذکیر و تانیث پر ہی لکھے ہیں ۱ - بعض اور قواعد نویسوں نے محاوروں کو بھی اپنی تالیفات میں شامل کر لیا ہے اور بعض نے عروض ، بیان اور بدیع کو بھی ، حالانکہ ان کا تعلق قواعد سے بہت کم ہے -

ایک اور رجحان جو ان قواعد نویسوں میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے وہ شعرا کے کلام سے سند دینے کا رواج ہے - یہ مسئلہ بجائے خود بحث طلب ہے - نحو کے باب میں تو شعر سے سند بہت ہی دشوار ہے کیونکہ شاعر بحر اور وزن کے اہتمام میں اجزائے کلام کی ترتیب کو عام بول چال کے خلاف ترتیب سے بھی نظم کر دیتا ہے - اور اگر اس سے تعقید پیدا نہ ہو تو اسے جائز بھی سمجھا جاتا ہے ، لیکن قواعد صرف ادبی اور کتابی زبان کے قواعد تک محدود نہیں ہوتی ، زبان کا اصلی رنگ روزمرہ گفتگو کی زبان میں ہی ملتا ہے اور ہر کتابی اور ادبی زبان میں کسی نہ کسی قدر تکلف اور اہتمام ضرور پایا جاتا ہے - نحو سے قطع نظر اکثر صرفی شکلوں میں ضرورت شعری سے تصرف کر لیا جاتا ہے ، اس لیے شعر کو بطور سند پیش کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے - اس کے جواز میں صرف ایک ہی بات کہی جا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان کی سب سے بڑی سند خود اہل زبان ہوتے ہیں اور چونکہ اکابر شعرا اہل زبان میں زبان و بیان کے مزاج شناس سمجھے جاتے ہیں اس لیے ان کی بات سند سمجھی جاتی ہے اور اگر کوئی ترکیب یا صرفی صورت عام رواج یا قیاس کے خلاف بھی ان کے یہاں ملتی ہے تو اسے ان کا تصرف سمجھا جاتا ہے اور ایسے تصرفات کو قابل قبول مانا گیا ہے - زندہ زبانوں میں جو تصرفات اور اضافے ہوتے ہیں وہ اکابر شعرا اور مصنفین کی تحریروں سے ہی قبول عام کی سند حاصل کرتے ہیں - اگر یہ صورت نہ ہو تو زبان کی ترقی رک جائے گی اور اس کا سرمایہ محدود ہو کر

---

۱ - مثلاً "رسالہ تذکیر و تانیث مشہور بہ مفیدالشعرا" ، تصنیف حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی ، طبع اول ۱۲۹۳ ہجری - اس کے بعد نواب کلب علی خاں کے زمانۂ ملازمت میں جلال نے اس پر نظر ثانی کی - اس کا ایک اڈیشن مطبع مجیدی کانپور سے ۱۳۶۳ھ - میں طبع ہوا تھا - اس کا اس سے پہلے کا اڈیشن ۱۳۴۰ھ میں شائع ہوا تھا اور منیر لکھنوی نے اس کی تاریخ طبع "مفید شاعران لاریب و شک ہے" کہی تھی -

رہ جائے گا۔

انشاء اللہ خاں نے ”دریائے لطافت“ میں میر و سودا کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے کلام میں چند الفاظ ایسے ملتے ہیں جو شاہجہاں آباد کی اردوئے معلیٰ کے رائج محاوروں کے مطابق نہیں، لیکن وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس کے باوجود ان حضرات کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے چند لفظ نامعقول ترک بھی کیے[۱]۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تصرفات کی بحث اردو کے ارتقا کی ایک اہم کڑی ہے، لیکن اس موضوع کو یہاں تفصیل سے نہیں لکھا جا سکتا۔ تصرفات کے باب میں انشاء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جو شخص دہلی میں پیدا نہ ہوا ہو اور اس شہر کے فصحا میں اس نے اعتبار پایا ہو اسے بھی ان تصرفات کا حق حاصل ہو جاتا ہے[۲]۔

درسی ضرورت سے کتابیں لکھنے والوں میں انگریز اور ہندوستانی

---

۱ - انشاء کی اپنی عبارت یہ ہے (دریائے لطافت صفحہ ۳۳):

”ازین گفتگوہا عدم حفظ مرتبہ افصح اردو در سخن گفتن یعنی مرزا رفیع دہلوی علیہ الرحمۃ و میر صاحب عالی قدر میر محمد تقی صاحب باوجود لہجہ اکبرآباد و شمول الفاظ برج و گوالیار در وقت تکلم از سبب تولد در مستقرالخلافۃ مذکور مقصود خاطر داعی آثم نیست بلکہ مرہون منت این صاحبان ام کہ چند لفظ نامعقول را ترک کردہ اند۔“

۲ - دریائے لطافت (ص ۲۵) اصل عبارت یہ ہے:

”بالجملہ ہر کہ کلامش ازین عیوب کہ مانع فصاحت است پاک بود فصیح باشد گو در شاہجہاں آباد متولد نگردیدہ باشد مگر تصرف کردن او در الفاظ مقبول خاطر ہا نمیتواند شد چرا کہ این رتبہ بہم رسانیدن را ولادت متکلم در دہلی و پیدا کردن اعتبار در فصحائے آنجا شرط است و این ہم چندان استعجاب ندارد کہ شخصے جائے دیگر قدم بجلوہ گاہ وجود نہد و از صحبت اہل دارالخلافہ زبان را یاد بگیرد و در شہر رسیدہ صاحب اعتبار شود پس بعد حصول این مرتبۂ بلند اگر ایجاد محاورہ بکند یا در لفظے تصرفے شائستہ بکار برد غالب کہ قبول کنند یا بعضے بہ پسندیدہ و بعضے ناپسندیدہ آن سرباز زنند بہرحال چنین کس بے تامل از عوام دہلی فصیح تر است۔“

دونوں شامل تھے - اور ان میں سے اکثر کتابیں مختلف علاقوں کے محکمہ ہائے تعلیم کے ایما پر لکھی گئی ہیں اور مختصر ہیں - مصنفین میں عام طور پر مدرسین ہیں یا سرکاری ملازمین جو مختلف محکموں کے طالب علموں اور محکمے کے ملازموں کو زبان سکھانے کے لیے اس قسم کی کتب نصاب مرتب کرتے ہیں - اس سلسلے میں جو مؤلفین خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان میں مولوی محمد اسماعیل میرٹھی بھی شامل ہیں جنھوں نے بچوں کے لیے اردو میں درسی کتابوں کا ایک پورا سلسلہ لکھا تھا اور جو بیسویں صدی کے نصف اول تک نہایت مقبول اور رائج رہا - مولوی صاحب نے قواعد میں بھی دو رسالے تصنیف کیے تھے جو بار بار چھپے ہیں -

قواعد کی ان کتابوں کی الگ الگ تفصیل طوالت کا باعث ہوگی لہٰذا ان میں سے صرف چند کا ذکر کیا جاتا ہے - مولوی کریم الدین پانی پتی نے ''قواعدالہندی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کا ایک اڈیشن لاہور سے ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا تھا - ایک اور مصنف حیدر جنگ بہادر نے قواعد ہندوستانی کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا جو لندن میں ۱۸۶۱ء میں طبع ہوا - ایک اور مصنف محمد علی ہیں ، جنھوں نے غیر ملکیوں کی تعلیم کے لیے '' ہندوستانی ٹیچر '' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو بنگلور سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی - پنجاب کے محکمۂ تعلیم نے میجر ہالرائیڈ کے ایما پر قواعد اردو لکھوائی - اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ، لیکن اس کا ایک اڈیشن لاہور سے ۱۸۷۸ء میں شائع ہوا تھا - شیو پرشاد نے '' رسالہ صرف و نحو اردو '' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو ۱۸۸۱ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا - لکھنؤ سے ہی '' زبدۃ القواعد '' کے نام سے رائے درگا پرشاد نے ایک اور کتاب لکھی جو ۱۸۸۳ء میں مرتب ہوئی - '' اردو صرف و نحو '' کے نام سے الہ آباد سے ایک کتاب ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی تھی - اس کے مصنف کا نام راجہ شیو پرشاد تھا - غالباً یہ وہی مصنف اور وہی رسالہ ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے - ۱۹۰۱ء میں منشی صاحب نے بنارس میں ''قواعد اردو'' کے نام سے ایک قواعد مرتب کی اور ۱۹۰۴ء میں الہ آباد سے مولوی محمد احسن کی کتاب '' قواعد اردو '' شائع ہوئی - شیخ برکت علی کی '' ہندوستانی گرامر '' ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی - قواعد

کی ان کتابوں میں مولوی فتح محمد خاں جالندھری کی ''مصباح القواعد'' ایک ممتاز کتاب ہے۔ یوں تو اس کے کئی نسخے شائع ہوئے ہیں، لیکن اشاعت خانہ رامپور نے ۱۹۴۵ء میں ناظم برق پریس رامپور سے اس کا ایک نسخہ مصنف کے صحیح کیے ہوئے نسخے سے مقابلہ کر کے شائع کیا تھا۔ عصر حاضر کے اکثر و بیشتر قواعد نویسوں نے فتح محمد جالندھری کی ''مصباح القواعد'' سے استفادہ کیا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک اور اہم کڑی مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' ہے جس کے کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اسی کا ایک مختصر اڈیشن طلبہ کے لیے الگ بھی شائع کیا گیا ہے۔ ان سطور کے راقم نے بھی اردو کی ایک مختصر قواعد طلبا کی ضروریات پوری کرنے کے لیے لکھی تھی جو لاہور سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ ابتدائی مدارس کے طلبہ کے لیے سید قائم رضا نسیم امروہوی نے ''جدید آئین اردو'' کے نام سے مختصر کتابوں کا ایک سلسلہ مرتب کیا ہے جس میں قواعد کے اصولوں کو انشا کی مشقوں کے ساتھ سمجھایا ہے۔ قواعد کی تعلیم و تدریس کے اس سلسلے میں اور بھی بہت سی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

اردو میں غیر ملکیوں اور اہل ملک کی تصنیف و تالیف کی ہوئی سیکڑوں کتابیں موجود ہیں، لیکن اب تک اردو کی کوئی ایسی قواعد مرتب نہیں ہوئی جو اردو کی تاریخی قواعد ہو اور جس میں اردو صرف کے عہد بہ عہد ارتقا کا جائزہ لیا گیا ہو۔ اور نہ کوئی ایسی قواعد مرتب ہوئی جس میں اردو اور اس سے قریبی تعلق رکھنے والی زبانوں کے قواعد کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہو۔ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ اردو زبان کے قواعد اس کے اپنے ہیں اور صرف عربی یا فارسی سے مستعار نہیں ہیں۔ لسانیات کے جدید علم نے قواعد کے تصور کو بھی اب بہت کچھ بدل دیا ہے اور جس قسم کی قواعد کی کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں وہ روایتی قواعد (Formal Grammar) کے اصولوں کے مطابق ہیں۔ زبان کی ساخت اور اس کے اجزائے ترکیبی کے لیے جدید لسانیات نے نئے تصورات اور نئے پیمانے مہیا کیے ہیں۔ کسی زبان کے لیے ایک مکمل قواعد کو عصر حاضر

کے ان تمام تقاضوں کو سامنے رکھنا پڑے گا۔ اردو کی یہ قواعد اسی سلسلے کی ایک کوشش ہے۔ یہ دعویٰ کرنا بہت بڑی بات ہو گی کہ یہ قواعد ہر طرح سے مکمل ہے، لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اردو قواعد نویسی کی تاریخ میں یہ ایک نئے اور سائنٹفک نقطۂ نظر کی ترجمانی کی کوشش ہے۔

باب چہارم

اردو کا صوتی نظام

اردو کے قواعد نویسوں نے قواعد کی کتابوں میں بحث کا آغاز حرف سے کیا ہے۔ ان معنوں میں جن میں اس سلسلے میں قواعد نویسوں نے حرف کا استعمال کیا ہے گمراہ کن اور مبہم ہے۔ ایک تو یہ کہ حرف کی اصطلاح کو یہی قواعد نویس آگے چل کر کلمہ کی تقسیم میں دوسرے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جب کلمہ کو اسم ، فعل اور حرف میں تقسیم کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حرف ایک تحریری علامت کا نام ہے۔ یہ ابتدائی بحث دراصل تحریر کی نہیں کلام کی بحث ہوتی ہے اور کلام کا سب سے سادہ جز حرف نہیں صوتیہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی زبان کے ایک صوتیہ کو ایک حرف پوری صحت کے ساتھ پیش کر سکے ، اس لیے اکثر ایک مفرد صوت یعنی صوتیہ کو ایک سے زیادہ علامات کی مدد سے ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے[۱] اور اکثر ایک بنیادی علامت میں ایزاد اور اضافے سے مختلف صوتیوں کو ظاہر کرتے ہیں[۲]۔

---

۱ - مولوی عبدالحق صاحب حرف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں (قواعد اردو) صفحہ ۳۷ :

”سادہ آوازوں کو تحریری علامت میں لانے کا نام حرف ہے۔“ دراصل حرف سادہ الفاظ کو تحریری علامات میں لانے کا فعل یا عمل نہیں ہے ، جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے ، بلکہ حرف خود علامت ہی کا نام ہے۔ ان علامات سے سادہ آوازوں کو ظاہر کرنا تحریر یا املا ہے۔ گویا سادہ آواز اور حرف ایک ہی چیز کی دو صورتیں ہیں۔ آواز اس کی صوتی صورت اور حرف اس کی علامتی تحریری شکل ہے۔

۲ - دیکھیے ب ، پ ، ت ، ٹ ، ث ، ج ، چ ، ح ، خ وغیرہ۔

باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۳ پر دیکھیں

صوتیہ۱ آواز یا صوت کا وہ اقل ترین جزو ہے جس کا مزید تجزیہ یا تکسیر ممکن نہ ہو اور اس اقل ترین جز کا فرق کلام میں فرق پیدا کر دے، مثلاً بل اور پل کہ ان دونوں کلمات میں تین تین عناصر ہیں، آخری دو عناصر یکساں ہے، ب اور پ کا اقل ترین فرق ان دونوں کلمات میں تفریق اور تفہیم کا باعث ہے اور یہ ایسا عنصر ہے جو مفرد ہے، مزید تجزیے کی گنجائش نہیں رکھتا، گویا یہ صوتی اکائی ہے۲ - یہ صوتی اکائیاں ہی کلام میں تفریق و تمیز کا باعث ہوتی ہیں اور انھی کو زبان کا بنیادی جز یا اساس قرار دینا چاہیے، اس قسم کی اکائیوں کو کسری صوتیہ۳ سے تعبیر کیا جاتا ہے - ایک اور قسم کا صوتی اثر بھی اس قسم کی تفریق اور تمیز کا باعث ہوتا ہے جسے بالا کسری صوتیہ۴ کہنا چاہیے مثلاً اردو میں اس طرح کے جملے میں :

"میں جاتا ہوں"

ایک کلام کا انداز عام بیانیہ ہے جس میں ایک فعل عمل یا حالت کی اطلاع ہوتی ہے، لیکن اگر اس جملے میں 'میں' پر زور یا تاکید دے کر ادا کیا جائے تو اس میں استفہام کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے - اس قسم کے عناصر کو بھی صوتی اکائی سمجھا جاتا ہے - لیکن ہماری عام تحریر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲

ب، ت، ٹ، ث میں بنیادی شکل حرف کی ایک ہے لیکن ظاہر ہے، ان آوازوں میں کوئی مشترک عنصر نہیں پایا جاتا - یہی صورت ج، ح، خ کی ہے - ج اور چ میں ایک عنصر مشترک ہے، اس کی تفصیل آگے آئی ہے -

۱- اس ساری بحث میں صوتیہ جدید لسانیاتی اصطلاح فونیم (Phoneme) کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے -

۲- اردو صوتی نظام کے تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ "اردو کا صوتی نظام" خطبہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۸ دسمبر ۱۹۶۵ء شائع کردہ پنجاب یونیورسٹی لاہور -

۳- کسری صوتیہ اسانیاتی اصطلاح (Segmental Phoneme)

۴- بالا کسری صوتیہ (Suprasegmental Phoneme)

میں اس کو ظاہر کرنے کی صرف یہ صورت ہے کہ جملے کے آخر میں علامت استفہام لگا دیتے ہیں - لیکن استفہام دونوں طرح سے پیدا ہو سکتا ہے - یہ زور یا تاکید چاہے پہلے جز 'میں' پر ہو یا دوسرے جزو جاتا پر اور اس طرح عام تحریر میں یہ اندازہ لگانا دشوار ہوتا ہے کہ زور کس رکن پر ہے[۱] -

پھر کسری صوتیوں کی بھی دو انواع ہیں - ہمارے قواعد نویسوں نے پھر تحریر کا سہارا لے کر ان کو حروف صحیحہ اور حروف علت کا نام دیا ہے - ان کی تعریف ہمارے قواعد نویسوں نے یہ کی ہے[۲] :

" بعض زبانوں مثلاً سنسکرت ، انگریزی وغیرہ میں سادہ آوازوں کو مرکب کرنے کے لیے جو جنبش لب و زبان کو ہوتی ہے ، اس کے لیے بعض حروف مناسب قرار دیے ہیں اور جہاں دو یا دو سے زیادہ حروف کا ملانا منظور ہوتا ہے ، وہاں ان میں سے بلحاظ آواز ایک نہ حرف ضرور آتا ہے - اس لیے اس قسم کی ہر زبان میں حرف کی دو قسمیں کی گئی ہیں : ایک وہ حرف جو دوسرے حروف کو ملا کر آواز قائم کرنے کے لیے آتے ہیں ، جنھیں عربی میں حروف علت کہتے ہیں ، اور دوسرے جو بغیر ان حروف کے آپس میں مل کر آواز پیدا نہیں کرتے ، وہ حروف صحیحہ کہلاتے ہیں -"

اس طرح کی تشریح اور توضیح سے صوت اور اس کی تحریری شکل میں خلط مبحث پیدا ہوتا ہے - حرف تو صرف آواز کی ایک علامت ہے جو تحریر یا املا میں استعمال کی جاتی ہے ، اس لیے اصل فرق حرف کا نہیں ان اصوات کا ہے جو ان حروف سے ظاہر کی جاتی ہیں - دوسرے یہ خیال درست نہیں کہ حرف کی یہ تقسیم سنسکرت ، انگریزی وغیرہ یا اس قسم کی ہر زبان کے لیے مخصوص یا محدود ہے - دنیا کی تمام زبانوں میں اصوات کی تقسیم

---

۱ - زور یا تاکید (Phoneme Stress) کی بحث اور نوعیت کے لیے عام لسانیات کی کوئی کتاب دیکھیے مثلاً Haucket An Introduction to General Linguistics

۲ - عبدالحق ، قواعد اردو ص ۴۳ -

اسی نوع کی ہے - فرق صرف یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں ان کی تعداد میں فرق ہے ، یا ان کی نوعِ ادا میں فرق ہے ، لیکن صوتی اکائیوں میں اسی دو قسم کی اکائیوں کو شامل کیا جاتا ہے - حرف علت کی جو تعریف کی گئی وہ بھی نامکمل ہے - بلاشبہ ایسی اصوات دوسری آوازوں کو ملانے کا کام دیتی ہیں ، لیکن یہ آوازیں اکیلی بھی قائم رہ سکتی ہیں ، مثلاً اردو کی آواز آ ، اے ، او ، وغیرہ جو تحریر میں تو دو آوازیں نظر آتی ہیں ، لیکن اصلاً مفرد آوازیں ہیں - دوسری قسم کی آوازیں جن کو قواعد نویسوں نے حرف صحیحہ کہا ہے ، البتہ ایسی ہیں جو ادا میں بغیر پہلی قسم کی آوازوں کے سہارے کے قائم نہیں رہ سکتیں - پہلی قسم کی آوازوں کو مصوتہ[1] اور دوسری قسم کی آوازوں کو صحیحہ یا مصمتہ کہتے ہیں[2] -

اردو میں صوتیوں کی تعداد (بالا کسری صوتیوں کو چھوڑ کر) چونسٹھ (۶۴) ہے - جن کی تفصیل یہ ہے :

(۱) دس (۱۰) مصوتے جو حسب ذیل الفاظ کے صوتی عناصر میں درمیانی مفرد آواز کی حیثیت رکھتے ہیں - اگرچہ تحریر میں ان کو ایک علامت (حرف) اور ایک حرکت (اعراب) کی مدد سے ظاہر کیا جاتا ہے - یہ جملہ الفاظ تین صوتی اکائیوں پر مشتمل ہیں - ابتدائی اور انجامی صوت مصمتے یا صحیحے کی ہے درمیانی صوت مصوتہ ہے :

میر ، مِر ، میر ، مار ، مَر ، مُر ، مور ، مور ، مور - بین الاقوامی مروجہ صوتی املا ان کا حسب ذیل ہے :

mir, mr, mer, mar, mer, mvr, mcr, mor, mur

مصوتوں کی ادا میں آلات صوت میں خاص دخل زبان اور ہونٹوں کا ہوتا ہے - زبان کی حرکت اپنی قائم اور حالت سکون سے دو سمتی ہوتی ہے - اوپر نیچے اور آگے پیچھے - ہونٹ اپنی شکل کے اعتبار سے مصوتوں کی

---

۱ - Vowel - اب مصوتہ کی اصطلاح اردو میں تقریباً مسلم ہو چکی ہے ، البتہ Consonant کے لیے مصمتہ اور صحیحہ دونوں کا استعمال باقی ہے -

۲ - نقشہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں -

ادا میں یا تو گول ہو جاتے ہیں یا یہ گولائی اختیار نہیں کرتے۔ مصوتوں کی تشریح کے ان مسلمہ اصولوں کی روشنی میں اردو کے مصوتوں کی حالت اس نقشے سے ظاہر ہوتی ہے۔
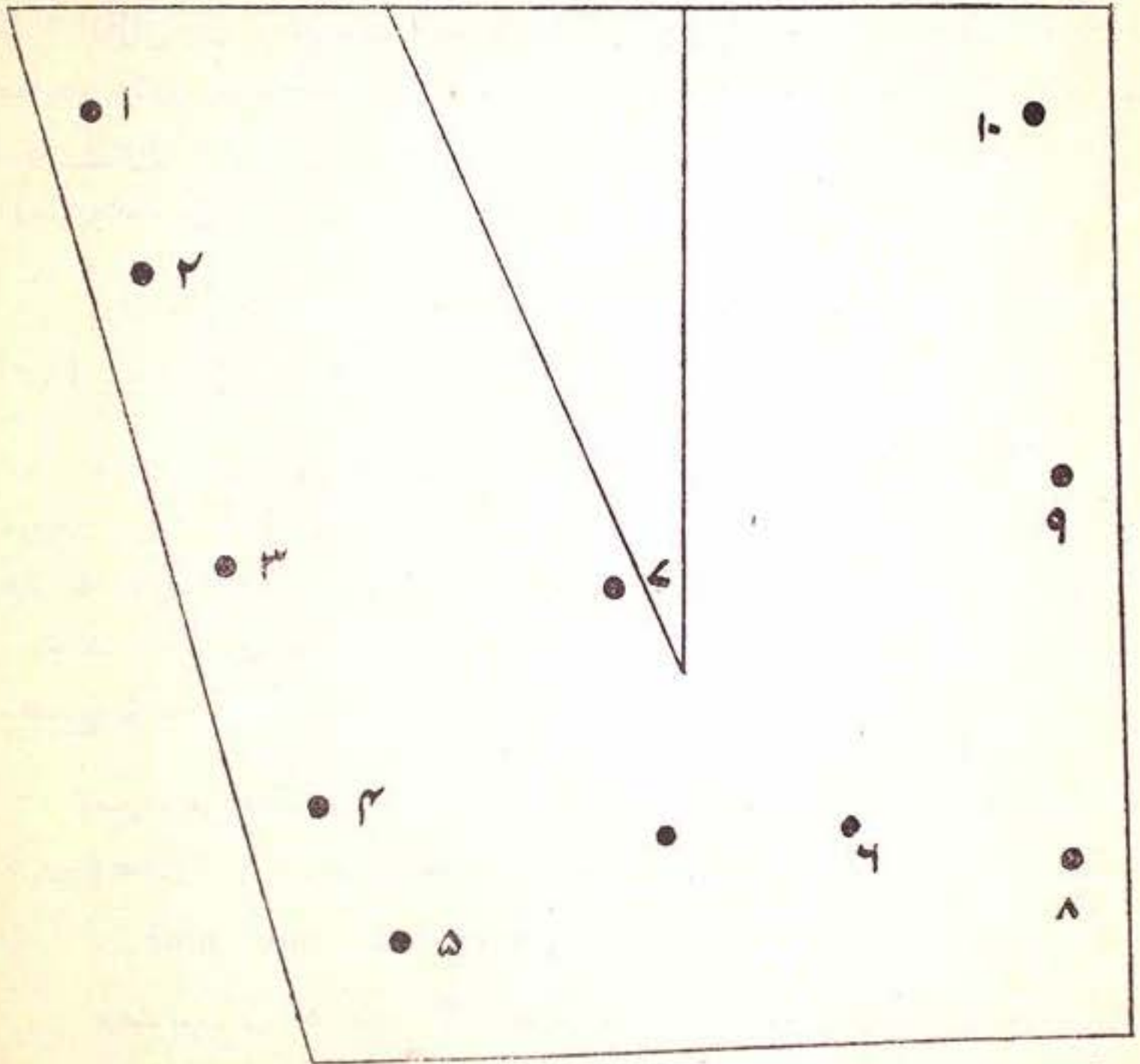
۱ میر mir ، ۲- مِر mɪr ، ۳ - میر mer ، ۴- میر mɛr ، ۵- مار mar
۶- مر mər ، ۷- مر mr ، ۸ مور mɔr ، ۹- مور mor ، ۱۰- مور mur ۱

تشریح ان اصوات کی یہ ہو گی کہ وہ صوت جو اردو املا میں یائے معروف اور کسرہ سے ظاہر کی جاتی ہے (مثلاً میر ، فیل ، چیل ، ڈھیل میں درمیانی آواز) نوع ادا کے اعتبار سے اس حالت میں ادا ہوتی ہے کہ زبان آگے کی طرف اور اوپر کی جانب حرکت کرتی ہے اور اس صوتیہ کا محل ادا ان دونوں سمتوں میں حرکت کی انتہائی حد ہے - اس صورت میں ہونٹ گولائی اختیار نہیں کرتے - اسی حالت میں جب تدریجاً زبان انتہائی بلندی سے بالکل سطح معمول تک آتی ہے تو درمیان میں وہ صوتیے ادا ہوتے ہیں جو نمبر ۲ سے نمبر ۵ تک منسلکہ خاکے میں نظر آتے ہیں - اسی طرح جب زبان محل معمول سے انتہائی پیچھے اور انتہائی بلندی کی سطح سے سطح معمول پر آتی ہے تو وہ صوتیے ادا ہوتے ہیں جو نمبر ۱۰ ، نمبر ۹ اور نمبر ۸ سے منسلکہ خاکے میں ظاہر ہوتے ہیں - نمبر ۶ اور نمبر ۷ درمیانی صورت رکھنے والے صوتیے ہیں - اس طرح ان سادہ مصوتوں کی تعداد اردو میں دس ہوتی ہے -

مصوتے کی ادا میں سانس جو پھیپھڑوں سے برآمد ہوتی ہے وتران الصوت سے گزر کر حلق ، منہ اور ہونٹوں کے راستے سے خارج ہوتی ہے اور راستے میں کسی بندش ، ضیق ، تنگی یا رگڑ کے بغیر خارج ہو جاتی ہے - اس کے

---

۱ - یہ املا بین الاقوامی صوتیاتی انجمن کی روش کے مطابق ہے جسے اختصار سے .I.P.A کہتے ہیں - کسی بھی زبان کے صوتیوں کو صحت کے ساتھ تحریر میں لانے کے لیے اس قسم کا صوتی املا ناگزیر ہے - مختلف ماہرین نے مختلف علامات تجویز کی ہیں ، لیکن عام طور پر برطانیہ میں قائم بین الاقوامی صوتیاتی انجمن کی علامات کو لسانیاتی تحریروں میں استعمال کیا جاتا ہے - امریکی ماہرین لسانیات میں سے بعض اسی کو استعمال کرتے ہیں اور بعض دوسری علامات کو جو عام طور پر امریکی لسانیاتی تحریروں میں اختیار کی جاتی ہیں -

برعکس دوسرے قسم کے صوتیوں میں جن کو صحیحہ یا مصمتہ کہا گیا ہے ، یہ اس صوتی گزر گاہ میں مختلف مقامات پر بندش ، ضیق ، تنگی یا رگڑ کے باعث کسی قدر تصادم یا تنگی سے برآمد ہوتی ہے -

مصوتوں کی ادا میں ایک اور صورت یہ ممکن ہے کہ یہ سانس ناک کے ذریعے سے بھی خارج ہو - ایسی آوازوں کو جو سانس کے ناک کے راستے سے خارج ہونے سے پیدا ہوں انفی آوازیں کہتے ہیں - اگر منہ اور ناک دونوں راستوں سے خارج ہوں تو ایسی صداؤں کو انفیائی صوت کہتے ہیں ، مثلاً وہ آوازیں جو اردو کے رائج رسم الخط میں میم اور نون سے ظاہر کی جاتی ہیں انفی آوازیں ہیں ، لیکن وہ آوازیں جو اردو میں نون غنہ کے ساتھ لکھی جاتی ہیں ، انفی نہیں بلکہ انفیائی آوازیں ہیں اور یہ انفیائی آوازیں دراصل مصوتوں کی متبادل انفیائی شکلیں ہیں - مثلاً باس اور بانس میں کہ دونوں مجموعے تین تین آوازوں سے مرکب ہیں - درمیانی آواز پہلے اور دوسرے مجموعے میں ایک مصوتہ ہے - پہلے میں مصوتے آ کی سادہ شکل ہے اور دوسرے مجموعے میں یہی صوت اپنی انفیائی شکل میں موجود ہے - اردو کے دسوں مصوتے اس طرح ایک انفیائی صورت بھی رکھتے ہیں ، اس لیے وہ اور انفیائی مصوتے ملا کر اردو میں مصوتوں کی تعداد بیس (۲۰) ہو جاتی ہے[1] -

---

۱ - اکثر ماہرین لسانیات کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر سادہ مصوتے اور اس کی انفیائی شکل کو الگ الگ مصوتہ قرار دینا چاہیے - مصوتے کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے متقابل جفت کی ضرورت ہوتی ہے جسے اصطلاحاً اقلی جفت کہتے ہیں - اگر اس طرح کے متقابل اقلی جفت موجود ہوں تو صوتیے کا وجود ثابت ہو جاتا ہے - اردو میں اس طرح کے متقابل اقلی جفت انفیائی اور سادہ مصوتوں کے ثبوت میں بکثرت مل جاتے ہیں - مثلاً باس ، بانس ، ساس ، سانس ، باک ، بانک ، بھوک ، بھونک وغیرہ -

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۹ پر دیکھیں)

ان سادہ مصوتوں کے علاوہ مصوتوں کے مرکب کی ایک شکل اور ہے جنھیں دو صوتے مصوتہ کہنا چاہیے ۱ - یہ تقسیم بہت قدیم ہے - چنانچہ سنسکرت کے قواعد نویس بھی سادہ اور مرکب دو قسم کے مصوتے بتاتے ہیں - سادہ مصوتوں کو سمان اکشرا ۲ اور مرکب مصوتوں کو سندھیا اکشرا ۳ کا نام دیا گیا ہے - چنانچہ اتھروا پراتی ساکھیا میں جو ویدوں کے تلفظ کی تشریحات ہیں اور وجاسانیی پراتی ۴ ساکھیا میں اور کیتا یانیا ۵ پراتی ساکھیا میں جو یجروید کی تشریحات ہیں بہ صراحت لکھا گیا ہے کہ :

" اگرچہ دو صوتے مصوتے ، مصوتوں کے مرکب ہیں لیکن ان کو مفرد حروف سمجھا گیا ہے ۶ - "

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸)

* چند ماہرین لسانیات کی یہ رائے ہے کہ سادہ مصوتوں کو اصل سمجھنا چاہیے اور انفیہ کو ایک الگ مصوتہ - اس طرح انفیائی مصوتوں کو سادہ مصوتے اور انفیہ کا مرکب مصوتہ سمجھنا چاہیے - لیکن یہ مصوتے مرکب نہیں مفرد ہیں اور وہی صورت ہے جو ہائیہ آوازوں کی ہے - اس کی بحث آگے آئی ہے -

۱ - dipthong

۲ - samanaksara

۳ - samdhy aksara

۴ - vajasaneyi pratisakhya

۵ - Katyayaniya Pratisakhya

۶ - بحوالہ W. S. Allen-Phonetics in Ancient India. Oxford University Press 1051. p. 63

اصل عبارت انگریزی میں براہ راست سنسکرت حوالوں سے نقل ہوئی ہے اور یہ ہے :

"Although dipthongs are combinations of vowels, they treated as single letters."

چنانچہ دیوناگری رسم الخط میں بھی ان دو صوتے مصوتوں کے لیے ایک ہی حرف استعمال کیا گیا ہے - سنسکرت (ویدک) کے ان قدیم شارحین اور قواعد نویسوں نے اس قسم کے صرف دو دو صوتے مصوتوں کا ذکر کیا ہے - ـَ + ی /əi, / اور ـئ + ـَ او /əu/ بعد میں ہند آریائی زبانوں میں اس طرح کے چند اور دو صوتے مصوتے پیدا ہو گئے - اردو میں ان کی تین شکلیں پائی جاتی ہیں :

۱ - / əi / ء + ـَ + ی مثلاً گئی ، کئی ، بھئی (مقابلے میں گائی یا گ + ئی ، کائی یا ک + ئی ، بھائی یا بھ + ئی) -

(۲) / əu/ء + ـَ + و مثلاً گئو ، مئو ، بئو (مقابلے میں گا + و یا گ + ؤ ما + ؤ یا م + ئو ، ب + ؤ) -

(۳) / ʌi / s+ر + و + ی ، مثلاً سوئی ، روئی ، کھوئی (مقابلہ میں سو+ ئی یا سُ + ئی ، رو + ئی یا رُ + ئی ، کھو+ ئی یا کھ + ئی)

ویدوں کے شارحین نے ان دو صوتے مصوتوں کے نوع ادا میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ ان میں ء + ی / əi / حلقی مخی۱ اور ء + ی / ʌi / حلقی لبی۲ ہے -

اس طرح اردو میں سادہ ، انفیائی اور دو صوتے مصوتوں کی کل تعداد بائیس (۲۲) ہو جاتی ہے ۳ -

صوتیوں کی دوسری نوع ایسی آوازوں کی ہے جن کو باہم ملنے کے لیے مصوتے کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے - اردو میں ان کی تفصیل یہ ہے ، یہ صوتیے اردو رسم الخط میں حسب ذیل حروف سے ظاہر کیے جاتے ہیں :

---

۱ - glotto-palatal

۲ - glotto-labial

۳ - اصل ہند آریائی میں مصوتوں کی تعداد بہت کم تھی - ویدک دور اور پھر پراکرتی عہد سے گزر کر موجودہ ہند آریائی زبانوں میں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے - اس کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی - ویدک سنسکرت کی کسی مستند قواعد میں یہ تفصیل دیکھی جا سکتی ہے -

ب ، بھ ، پ ، پھ

ت ، تھ ، ٹ ، ٹھ

د ، دھ ، ڈ ، ڈھ

ر ، رھ ، ڑ ، ڑھ

چ ، چھ ، ج ، جھ

ح ، خ ، غ ، ق

ک ، کھ ، گ ، گھ

ل ، لھ

م ، مھ ، ن ، نھ ، نگ

و ، وھ ، ف

ی ، یھ

س ، ش ز ، ژ

ان کی کل تعداد چوالیس (۴۴) ہوتی ہے - اردو کے اکثر قواعد نویسوں نے مخلوط الہا (ہائیہ) ۱ آوازوں کو الگ الگ شمار کرنے میں تامل کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ چند آوازیں ہیں جو ہائے مخلوطی سے مل کر ایک ہو جاتی ہیں ، اس لیے ان کو الگ شمار نہیں کرنا چاہیے - لیکن کسی زبان میں صوتیوں کے تجزیہ کے لیے جو طریق کار مسلم ہے اور جس کا ذکر ہم مصوتوں کے تجزیے کے سلسلے میں کر چکے ہیں ، یہ ہے کہ اگر دو صوتیوں کے متقابل جفت مل جائیں تو ان کو الگ الگ صوتیہ شمار کرنا چاہیے - اردو کے ہائیہ صوتیے اس اصول پر پورے اترتے ہیں - مثلاً

باپ اور بھاپ	ب ــ بھ
پل اور پھل	پ ــ پھ
تال اور تھال	ت ــ تھ
ٹاٹ اور ٹھاٹ	ٹ ــ ٹھ
دان اور دھان	د ــ دھ
ڈال اور ڈھال	ڈ ــ ڈھ
بڑ اور بڑھ	ڑ ــ ڑھ

۱- aspirated

بارا اور بارہا	ر ــ رھ
تم ہارے اور تمھارے	م ــ مھ
دولا اور دولھا	ل ــ لھ
نا اور ننھا	ن ــ نھ
واں اور وہاں	و ــ وھ
یاں اور یہاں	ی ــ یھ[1]
کال اور کھال	ک ــ کھ
گوٹ اور گھوٹ	گ ــ گھ
جاڑا اور جھاڑا	ج ــ جھ
چال اور چھال	چ ــ چھ

اردو کے قواعد نویسوں میں بعض نے ان کو ایک ایک حرف تہجی شمار کیا ۔ انشا نے ان کی تعداد سترہ (۱۷) بتائی ہے[2] ، فتح محمد جالندھری نے پندرہ (۱۵) انھوں نے وھ اور یھ کو شامل نہیں کیا ہے ۔ مولوی عبدالحق صاحب نے ان کی تعداد تیرہ ہی لکھی ہے[3] ۔ تعجب ہے کہ انھوں نے تھ اور ٹھ کو بھی اپنی فہرست میں شامل نہیں کیا جس کی مثالیں اور تقابل اردو میں بکثرت ہیں ۔ وھ اور یھ کو انھوں نے بھی شامل نہیں کیا ۔ انشا کی ' دریائے لطافت ' مولوی صاحب کے سامنے تھی ۔ اگر یہ آوازیں اردو میں نہیں ہیں تو اس نکتے کی وضاحت کی ضرورت تھی ۔ درسی قواعد کی کتابوں میں صرف بھ ، پھ ، تھ ، ٹھ ، دھ ، ڈھ ، ڑھ ، چھ ، جھ ، کھ ، گھ گیارہ ہائیہ آوازوں کا ذکر ملتا ہے ۔ یہ غالباً دیوناگری رسم الخط میں ہندی کی آوازوں کے زیر اثر لکھا گیا ہے ۔ ہیڈلے نے جو اردو کی قواعد لکھی ہے اس میں اس نے حروف کی دو جدولیں دی ہیں ۔ ایک بنگالی حروف جن میں حسب ذیل ہائیے موجود ہیں : کھ ، گھ ، چھ ، جھ ، تھ ، دھ ، ٹھ ، پھ ، بھ ، ڈھ ، ان میں ڑھ موجود نہیں ہے ۔ فارسی حروف تہجی جن کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ ہندوؤں نے انھیں اختیار کیا ہے ، ان میں ظاہر ہے کوئی ہائیہ آواز شامل نہیں ہے ۔ دیوناگری حروف تہجی میں رھ ، مھ ،

۱- یہ دونوں مثالیں انشا نے دی ہیں ۔
۲ - دریائے لطافت ، ص ۷ ۔
۳ - قواعد اردو ، ص ۳۸ ۔

نھ ، وھ ، یھ ، ڑھ موجود نہیں ہیں - گویا یہ آوازیں ہندی میں موجود نہیں ہیں ا -

انفی مصمتوں کا مسئلہ بھی اختلافی ہے - دو صحیحوں پر اتفاق ہے - یہ وہ آوازیں ہیں جو اردو میں م اور ن سے ظاہر کی جاتی ہیں اور دیوناگری میں म اور न سے لیکن دیوناگری میں ایک ڑ ङ کی آواز اس کے علاوہ اور ایک انفی آواز ن کی آواز سے ملتی جاتی ہے - ایک نگ کی آواز ہے - یہ آخرالذکر اردو میں بھی موجود ہے - ہمارے قواعد نویسوں نے ن کی صرف دو صورتیں تسلیم کی ہیں جن کو ن اور نون غنہ کا نام دیا ہے - نون غنہ دراصل انفی مصمتہ نہیں ، بلکہ مصوتے کی انفیائی آواز کی صورت ہے - الفاظ کے آخر میں جب یہ مصوتے کے بعد آتا ہے تو اس میں نقطہ نہیں لگایا جاتا ، لیکن درمیان میں آئے تو اس انفیائی مصوتے اور انفی مصمتے کی تمیز کی کوئی صورت نہیں - بعض جدید قواعد نویسوں نے البتہ اس کے لیے مختلف علامات تجویز کی ہیں - اس کی بحث اردو کے حروف تہجی کے سلسلے میں آگے آتی ہے - نگ تحریر میں دو صوتیوں کا مرکب نظر آتا ہے - حقیقت میں یہ بھی ایک مفرد آواز ہے اور اردو کے عام الفاظ رنگ ، سنگ ، ڈھنگ ، بھنگ ، جھنگ میں موجود ہے - بعض ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ عام انفی ن کی بھی اردو میں دو شکلیں ہیں - لفظ کے کسی رکن کا جب یہ جز آخر ہو اور مصوتے کے بعد آئے تو اس کی شکل زیادہ واضح ہوتی ہے اور اگر جزو اول ہو اور مصوتے سے پہلے آئے تو اس کی شکل صوتی اعتبار سے ہلکی ہوتی ہے ، مثلاً بن اور بنا میں ن کی آوازیں ایک ہی نہیں ہیں ، پہلا ن اس صورت میں ادا ہوتا ہے جب زبان کا درمیانی حصہ تالو کے درمیانی حصے پر رکتا ہے اور سانس ناک کے راستے سے خارج ہوتی ہے - دوسری صورت میں زبان کا نسبتاً اگلا حصہ جو نوک زبان کے قریب واقع ہے اوپر کے سامنے دانتوں کے عین پیچھے رکتا ہے - پہلے ن کو تحی ۲ اور دوسرے کو دندانی ۳

---

۱ - George Hadely - A compendious grammar of the curent corruqt dialect of the jargon of Hindostan (commonly called Moors). - for the use of the Bengal and Bombay Establishments. Sixth Edition 1804. London.

۲ Palatal

۳ Dental

کہنا چاہیے ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صوتی فرق تو موجود ہے ، لیکن چونکہ ان دونوں قسم کے انفیوں کے تقابلی جفت دستیاب نہیں ہوتے ، اس لیے ان کو الگ صوتیہ شمار کرنے کے بجائے صرف ہم صوتیہ[۱] قرار دینا چاہیے ۔

اردو کے یہ مصمتے لفظ میں ابتدائی ، درمیانی یا انجامی محل پر واقع ہو سکتے ہیں ، لیکن بعض صحیحے صرف خاص محل پر آتے ہیں ۔ مثلاً ڑ ، ڑھ کبھی ابتدائی صورت میں واقع نہیں ہو سکتے ، نگ صرف انجامی محل پر واقع ہو سکتا ہے ۔ مھ ، نھ ، رھ ، لھ بھی ابتدائی محل پر واقع نہیں ہوتے ۔

ہر لفظ جو اردو میں بولا جاتا ہے ایک یا ایک سے زیادہ رکن[۲] پر مشتمل ہوتا ہے ۔ رکن کی تعداد کا انحصار مصوتوں کی تعداد پر ہے ۔ اگر صرف ایک مصوتہ ہو گا تو لفظ صوتی صورت میں ایک رکنی ہو گا ۔ ایک سے زیادہ مصوتہ ہو گا تو ہر مصوتے کی نسبت سے رکنوں کی تعداد اتنی ہی ہو جائے گی ۔ چل ایک رکنی لفظ ہو گا کہ اس میں مصمتے چ اور ل کے درمیان ایک مصوتہ ہے جسے اردو تحریر میں زبر یا فتحہ سے ظاہر کرتے ہیں ۔ چلا دو رکنی لفظ ہو گا ۔ پہلا رکن چ اور فتحہ پر مشتمل اور دوسرا رکن لام اور الف پر مشتمل ہے ۔ ایک سے تین رکن تک پر مشتمل الفاظ اردو میں عام ہیں ۔ چار رکنوں پر مشتمل الفاظ کم ہیں ۔ اور چار سے زیادہ شاذ ہیں ۔ مثالیں ان کی یہ ہیں :

۱۔ ایک رکنی لفظ :

الف ۔ آ ، اے ، او

ب ۔ آج ، آب

ج ۔ جا ، لا

د ۔ جل ، چل ، جال ، چال بول ، مول میل ، میل ، مل وغیرہ

۱۔ دو رکنی لفظ

الف ۔ آؤ ، آئے ، آئی

۱۔ Allophone

۲۔ Syllabie

ب - آیا ، آتا

ج - جاتا ، لاتا

د - جلتا ، چلتا ، بولتا ، ملتا

۳- سہ رکنی لفظ :

الف - اتارا ، اجالا ، اشارہ ، اسالہ ، اترتا ، اچھلتا

ب - بلکتا ، سلگتا ، منبھلتا

ج - بادامی ، بازاری ، بارانی

۴- چار رکنی الفاظ :

استفہامی ، استدلالی ، کھڑکھڑاتا ، کسمساتا ، پھڑپھڑاتا

۵- پانچ رکنی لفظ :

استقبالیہ ، استفہامیہ

پانچ رکنوں سے زیادہ پر مشتمل الفاظ اردو میں شاذ ہیں اور ان کی مثالیں صرف اختراعی مصطلحات علمی میں ملتی ہیں جو بالعموم ایک سے زیادہ لفظوں کی مرکب شکلوں میں ہیں ۔

اپنی صوتی ساخت کے اعتبار سے اردو کا ہر رکن ایک سے زیادہ صورت میں واقع ہو سکتا ہے ۔ مندرجہ ذیل مثالوں میں اردو کے رکنوں کی صوتی ساخت کی مختلف انواع شامل ہیں ۔ اختصار کے لیے مصوتے کے لیے م اور مصمتے کے لیے ص کے مخففات استعمال کیے گئے ہیں :

۱ - م مثلاً آ ، اے - او

۲ - م ص آج ، آگ ، آن

۳ - م ص ص ایکٹ ، اسپ ، اشک ، اصل

۴ - ص م جا ، لا - کا ، کی ، کو ، سے ، میں ، نے

۵ - ص م ص جال ، لال ، کال ، کیل ، میل

٦ - ص م ص ص راست ، کاشت ، داشت ، نظم ، نثر ، وقت ، سخت ، پرت ، ورت

اردو کے کسی لفظ کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ان مذکورہ بالا رکنوں میں سے ایک یا ایک سے زیادہ ساخت کے رکنوں پر مشتمل ہوگا - مثلاً باجا

د کھا وا

میں ص م ، ص م دو رکن ہیں - دکھاوا میں تین رکن ہیں ، ص م ص م ص م

چل تا ؤ

چلتاؤ میں بھی تین رکن ہیں ، ص م ص ص م م - غرض اسی طرح اردو میں بولے جانے والے ہر رکن کی ترکیب متعین ہو سکتی ہے اور تجزیے سے معلوم ہو گا کہ ہر صورت میں رکن مذکورہ بالا چھ قسموں میں سے ایک قسم کا ہو گا -

اس فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ اردو میں ایسا کوئی رکن نہیں آتا جس کے آغاز میں دو مصمتے ہوں - بعض آریائی زبانوں میں جن میں سنسکرت اور انگریزی کو بطور مثال سامنے رکھا جا سکتا ہے ، ایسے رکن پائے جاتے ہیں جو دو بلکہ دو سے بھی زیادہ مصمتوں کو آغاز رکن میں رکھتے ہیں (مثلاً انگریزی میں SK جسے اکثر املا میں SCH مثلاً School لکھتے ہیں) ، دو مصمتوں کے مجموعوں کی مثال جو آغاز رکن میں عام طور پر آتے ہیں - اور مثالیں یہ ہیں : Scale, Scarf Stand, Stool تین صحیحوں کی مثال Str سے شروع ہونے والے لفظوں میں ملتی ہے - مثلاً (Straight, Stream, Street Strike) اردو کے رکن میں اس قسم کی صوتی ترکیب ناممکن الوقوع ہے - اسی لیے انگریزی کے مستعار الفاظ جو اس قسم کے ترکیبی رکن سے شروع ہوتے ہیں ، اردو میں اردو کی صوتی ترکیب اختیار کر لیتے ہیں اور عام طور پر ایک مصوتہ داخل کر کے دو صحیحوں کے مجموعوں کو دو رکنوں میں ڈھال لیتے ہیں - مثلاً انگریزی سکول [۱] (School) اردو میں اسکول [۲]

اس کول

ہو جاتا ہے جو اردو کے صوتی رکن م ص ص م ص کی ترکیب کے مطابق ہو جاتا ہے - اگرچہ اردو میں دو مصمتوں کے مجموعے رکن کا جزو آخر بن سکتے ہیں (رکن نمبر ۳ و نمبر ۶) - لیکن اردو کا عام رجحان اور

۱ - جس کا صوتی املا /Skul/ ہو گا -

۲ - جس کا صوتی املا /ɪ skul/ ہو گا -

مزاج اس قسم کے مجموعوں کو بھی کم تر قبول کرتا ہے ۔ چنانچہ نظم۱ اور نثر ظ م اور ث ر کے مصمتوں کے مجموعوں پر ختم ہوتے ہیں اور محتاط لوگ ان کو اسی طرح بولتے ہیں ۔ لیکن عوام اکثر نظم اور نثر ۲ یہ گمان درست نہ ہوگا کہ یہ صورت صرف غیر محتاط لوگوں کی ہے ۔ اردو میں لفظ اصطبل اس طرح بولا جاتا ہے کہ اس میں تین رکن ہو جاتے ہیں ، ا + ص + ط + بل ۳ ، لیکن اصل میں لفظ ا ص + طبل۴ ہے اور اردو کے بعض مستند شعرا نے اس کو اسی طرح باندھا ہے اور یہ استعمال ضرورت شعری سے نہیں بلکہ عربی الفاظ کو ان کے اصل تلفظ سے ادا کرنے کی کوشش کی روایت کے مطابق ہے ۔ اردو میں اس کی مثالیں ایک دو نہیں سینکڑوں لفظوں میں مل سکتی ہیں اور ان سب کو غلط العام یا محاورۂ عوام کہہ کر نادرست قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

رکن کے سلسلے میں ایک اور بات قابل لحاظ ہے ۔ رکن کی ترتیب میں اقل ترین وصلی یا فصلی۵ وقفے سے بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے ۔ مثلاً آپا جی تین رکنی ترکیب ہے ۔ اگر تینوں رکنوں میں درمیانی وقفہ صوتی اعتبار سے یکساں ہو تو اس کا مفہوم کچھ اور ہے اور اگر پہلے رکن اور بقیہ دو رکنوں میں فصلی وقفہ آ جائے تو اس کی صورت آ + پا جی ہو جائے گی ۔ جس کا مفہوم بالکل الگ ہو گا ۔ صوتیے کی تعریف کے مطابق اس قسم کے فصلی وقفے کو بھی ایک صوتیہ شمار کرنا چاہیے ۔ یہ اس قسم کا صوتیہ ہے جس کو ہم نے بالا کسری صوتیہ کہا ہے ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اردو میں صوتیوں کی تفصیل اور تعداد حسب ذیل ہے :

کسری صوتیے :

الف ۔ مصوتے دس سادہ ، دس انفیائی اور تین مرکب مصوتے کل تعداد ۲۳

---

۱ - جن کا صوتی املا / nəzm / اور / nəsr/ ہو گا ۔

۲ - جن کا صوتی املا nəzəm اور nəsər ہو گا ۔

۳ - جن کا صوتی املا /Stəbəl/ ہوگا ۔

۴ - جن کا صوتی املا /Stabl/ ہوگا ۔

۵ - جس کے لیے عام لسانیات کی اصطلاح یا فصلی وقفہ (Juncture) ہے ۔

ب ۔ صحیحے چوالیس ۴۴
بالا کسری صوتیے تاکید اور فصلی وقفہ ۲
۶۹

اس طرح اردو میں صوتی اکائیوں کی کل تعداد انہتر (۶۹) قرار پائی ہے ۔
انشاء اللہ خاں انشا نے اردو کی صوتی خصوصیات کے سلسلے میں بعض اور دلچسپ باتیں کہی ہیں ۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ سترہ (۱۷) حرف ایسے ہیں جو نون کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتے ہیں ۔ مثالیں جو انھوں نے دی ہیں ، ان میں انگرکھا ، بندوڑ ، تنور ، رنگیلا ، سنگار ، گنڈورا ، لنڈورا ، منگیتر وغیرہ شامل ہیں[۱] ۔ یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ ان مثالوں میں الف بے ت ر س گ ل م وغیرہ نون کے ساتھ مل کر ایک آواز ہو جاتے ہیں ۔ یہ ساری مثالیں انفیائی مصوتوں کی ہیں ۔ اسی طرح وہ لکھتے ہیں گیارہ (۱۱) حرف[۲] ایسے ہیں جو یا کے ساتھ متحد ہوتے ہیں ، مثلاً پیوسی بیوتانا ، کیا ، گیارہ ، دھیان ، جیوڑا ، چیونٹی ، ڈیوڑھی ، نیولا ، شیوداس ، سیوداس ۔ دراصل یہ صورت یا کے موجود ہونے سے پیدا ہوئی ۔ واو اور یا دو آوازیں ایسی ہیں کہ ان کو نیم مصوتہ بھی کہتے ہیں ۔ دراصل ان کے ساتھ جو مصوتہ شامل ہوتا ہے اس کے ملاپ سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ مصوتہ اپنی معمولی حالت سے مختصر تر ہو جاتا ہے ، ورنہ مصوتہ باقی ضرور رہتا ہے ۔ اگر انشا کی یہ توجیہ تسلیم کر لیں تو پھر اردو میں ابتدائی رکن میں دو صحیحوں کے مجموعے کا وجود بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور پھر اس ایک رکنی لفظ مثلاً کیا کے صوتی عناصر ترکیبی ک ی + ا[۳] قرار پائیں گے ۔ اصل صورت اس کے برعکس ہے ۔ ک اور ی کی آوازوں کے درمیان کسرہ مختصر آواز موجود ہے اور اس کی صوتی صورت ک + کسرہ اور ی + ا ہے[۴] ۔ اس طرح یہ لفظ یک رکنی نہیں ، بلکہ دو رکنی ہے ۔

---

۱ ۔ انشاء اللہ خاں ، دریائے لطافت ص ۷ ۔
۲ ۔ ایضاً ص ۸ ۔
۳ ۔ صوتی املا /kya/ ۔
۴ ۔ صوتی املا / kiya / ۔

اسی طرح انشا نے لکھا ہے کہ آٹھ (۸) حرف ایسے ہیں جو ہا و نون کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتے ہیں ۱ - کھنڈانا ، گھنگرو ، بھنڈلانا ، پھندنا ، جھنڈولا ، دھنکانا ، ڈھنڈوھورا ، چھنگلیا ، یعنی کھ ، گھ ، بھ ، پھ ، جھ ، دھ ، ڈھ ، چھ (۶) آٹھ (۸) آوازیں بقول انشا ک + ھ + ن ، گ + ھ + ن + ب + ھ + ن + پ + ھ + ن + ج + ھ + د + ھ + ن ، ڈ + ھ + ن + چ + ھ + ن ہیں - انشا خود لکھتے ہیں کہ ھ سے مل کر یہ لفظ ایک ہو جاتے ہیں ، اس لیے ان کو پھر ھ سے مل کر الگ صورت قرار دینے کی ضرورت نہیں - مثالیں جو انشا نے دی ہیں ان میں بھی خلط مبحث ہے -

۱ - کھنڈانا ، اس میں کھ کے بعد انفیائی مصوتہ ہے ، ن کے کھ سے ملنے کی صورت نہیں (جھنڈولا ، دھنکانا کی بھی یہی صورت ہے) -

۲ - گھنگرو ، اس میں گھ + سادہ مصوتہ پیش + نگ + را + سادہ مصوتہ و ہے -

۳ - بھنڈلانا ، اس میں بھ + سادہ مصوتہ (زبر) + ن + ڈ + ل + سادہ مصوتہ + ن + سادہ مصوتہ ہے (پھندنا اور چھنگلیا کی بھی یہی صورت ہے) -

انشا نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو حرف ایسے ہیں کہ واو کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتے ہیں - یا کی طرح واو بھی اس صورت میں نیم صوتیہ بن جاتا ہے اور الف و بائے فارسی جن میں انشا واو کا ادغام بتاتے ہیں دراصل اس ادغام کی صورت اختیار نہیں کرتے -

اردو کے رائج حروف تہجی میں بعض حروف ایسے ہیں جن سے ظاہر ہونے والی آوازوں کے بارے میں اس بحث میں کچھ نہیں کہا گیا - یہ حروف حسب ذیل ہیں :

ث ، ذ ، ص ، ض ط ، ظ ، ع -

یہ آوازیں ان الفاظ میں ملتی ہیں جو اردو میں عربی یا فارسی سے آئے

---

۱ - دریائے لطافت ص ۶ -

ہیں اور اب بطور دخیل١ یا مستعار اردو میں موجود ہیں۔ بلاشبہ جن زبانوں کے الفاظ میں یہ آوازیں شامل ہیں ، ان زبانوں میں ان کا صوتی وجود مسلم ہے اور انھیں ان زبانوں کے مستقل صوتیوں میں شمار کرنا چاہیے ۔ لیکن اردو میں ان کا دخل عام معیاری بول چال میں صرف تحریر میں باقی رہ گیا ہے ۔ اس طرح اردو بولنے والے ان لفظوں کو الگ پہچان لیتے ہیں اور معنی کی تفہیم اور تعین آسان ہوجاتا ہے ۔ خاص طور پر ہم صوت الفاظ میں املا سے ہی یہ تمیز آم اور عام ، باد اور بعد ، سور اور صور وغیرہ میں ہوتی ہے ۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض لوگ بہ تکلف و اہتمام عربی الاصل آوازوں کو ان کے اصل مخارج سے ادا کرنے کی سعی و کوشش کرتے ہیں ۔ وہ ان آوازوں کے ادا کرنے پر قادر ہیں ۔ لیکن عام معیاری بلا تکلف بول چال میں ث س ص کی تفریق بالکل معدوم ہو جاتی ہے ۔ یہی صورت حال ت اور ط ، ز ، ذ ، ض اور ظ ، ع اور الف میں تمیز کی ہے ۔ اردو کی عام بول چال میں یہ صوتیے موجود نہیں اور گفتگو میں ہم صوتی الفاظ کے معنی کا فرق صوتی فرق سے نہیں بلکہ سیاق و سباق سے ہوتا ہے ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اردو کے رسم الخط سے ان حروف کے اخراج کے حامی ہیں ۔ تحریر میں ان کی اہمیت اور انھیں قائم رکھنے کے جواز کی بحث اردو کے صوتی نظام کے بجائے اردو کے املا سے متعلق ہے جو ایک الگ باب ہے ۔

---

١ ۔ دخیل اور مستعار یہاں دو الگ معنوں میں استعمال ہوئے ہیں ۔ دخیل الفاظ وہ ہیں جو کسی اور زبان سے اردو میں آئے اور ان میں صوتی یا معنوی یا دونوں قسم کی تبدیلی ہوئی ۔ مستعار الفاظ ایسے الفاظ ہیں جو بغیر تبدیلی کے اردو میں اُسی صوتی اور معنوی صورت میں قائم ہیں جو اصل زبان یا زبانوں میں تھی ۔

باب پنجم

اردو املا یا ہجا

ہمارے قواعد نویسوں نے ہجا اور حروف تہجی کے سلسلے میں بھی بڑی الجھا دینے والی باتیں کی ہیں مثلاً :

" یہ حروف جو ہر ملک کے ساتھ مخصوص کیے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آوازیں آب و ہوا وغیرہ کے اثر سے اس ملک والوں کے گلوں سے بہ آسانی نکلتی ہیں مگر دوسرے ممالک کے لوگ اسی وجہ سے ان کو ادا نہیں کر سکتے یا بدقت ادا کرتے ہیں - انسان کا گلا آلۂ موسیقی کے اصول پر بنا ہے اور اسی طور پر اس میں تار بھی بندھے ہوئے ہیں - سانس کے ہوا میں ملنے سے زبان ، تالو ، ہونٹ ، دانت اور خلائے دہن کی مدد سے آواز میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں - ۱

اس بیان کو قبول کرنے میں لسانیات کے معمولی طالب علم کو بھی تامل ہوگا - یہ کہنا درست نہیں کہ حرف ہر ملک کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں - یورپ میں یونان سے لے کر برطانیہ تک اور ادھر ایشیا میں روس میں جو حروف استعمال ہوتے ہیں ان کو کہتے تو رومن یا لاطینی ہیں لیکن یہ اطالیہ کے لیے مخصوص نہیں ہیں اور نہ کبھی تھے بلکہ یہ بھی کہنا درست نہ ہوگا کہ یہ حروف خاص اس ملک کی زبان بولنے والوں کے لیے مخصوص تھے یا ہیں - یہ حروف اب بیشمار ایسی زبانوں کے بولنے والوں کی بول چال کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں جو دنیا کے مختلف علاقوں میں (بہ شمول افریقہ ، ملیشیا ، اور انڈونیشیا وغیرہ) میں پھیلے ہوئے ہیں - مختلف نسلوں ، قوموں اور ثقافتی گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں - مختلف خاندانوں کی زبانیں بولتے ہیں ، جو آپس میں ایک دوسرے سے اکثر کوئی علاقہ یا

---

۱ - عبدالحق ، قواعد اردو ، ص ۳۸ ، ۳۹

تعلق نہیں رکھتیں ۔ عربی رسم الخط افریقہ کی بہت سی ایسی زبانوں اور بولیوں کے لیے عام طور پر استعمال ہوتا ہے جو اصلاً اور نسلاً عربی سے تعلق نہیں رکھتیں[۱]۔ برصغیر ہند و پاکستان میں آریائی اور غیرآریائی زبانوں کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے ۔ فارسی ، بلوچی ، پشتو ، سندھی اور اردو آریائی زبانیں ہیں جو عربی حروف میں لکھی جاتی ہیں ۔ بلوچستان میں بولی جانے والی بروہی یا براہوی دراوڑی نسل کی زبان ہے اور وہ بھی عربی حروف میں لکھی جاتی ہے ۔ بعض اوقات ایک ہی زبان کو اس کے مختلف بولنے والے مختلف حرفوں میں لکھتے ہیں ۔ پنجابی ، پنجاب کے علاقے کی عام بول چال کی مقامی بولی تھی اور ہے ۔ اس کے بولنے والے مسلمان ، سکھ اور ہندو سب ہی تھے ۔ سکھ اسے اس رسم الخط میں لکھتے تھے جو گر مکھی یا گرو مکھی کہلاتا ہے اور مسلمان اپنی پنجابی کو انھی حروف میں لکھتے تھے جو اردو کے لیے استعمال ہوتے تھے اور آج بھی ہوتے ہیں ۔ اسی طرح سندھ کے ہندو اپنی سندھی مڑیہ حروف میں لکھتے تھے اور مسلمانوں نے اس کے لیے عربی حروف کو ترجیح دی ۔ اردو اور ہندی باعتبار ساخت ایک ہی زبان کے دو نام ہیں اور جسے آج ہندی کہا جاتا ہے وہ دور جدید کی ایک مفروضہ زبان ہے جس میں اردو کے قواعد صرف و نحو سے اصلاً بالکل اختلاف نہیں ہے ۔ اختلاف ہے تو صرف ادبی سطح پر کہ اردو بولنے والے اپنی اردو میں عربی فارسی کی آمیزش زیادہ کرتے ہیں اور آج کے ہندی بولنے والے اپنی ہندی میں سنسکرت اور پراکرتوں کی آمیزش پر اصرار کرتے ہیں لیکن دونوں کا اصل فرق حروف یا رسم الخط ہی کا ہے ۔ اردو والے فارسی حروف اور ہندی والے دیوناگری استعمال کرتے ہیں ۔ یہی دیوناگری کسی قدر بدلی ہوئی صورتوں میں بنگالی ، گجراتی اور مرہٹی وغیرہ کے لیے استعمال ہوتی ہے ۔ غرض یہ کہنا کہ کوئی حرف یا کوئی آواز کسی ملک یا کسی زبان کے ساتھ مخصوص ہے درست نہ ہوگا ۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے گلے کی ساخت کے اعتبار سے مختلف ملکوں کے

---

۱ ۔ مثال کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ Arabic Loan Words in Berbe with special reference to the dialects of Rif- University Studies. Karachi University, August 1964. Karachi.

رہنے والوں اور مختلف زبانوں کے بولنے والوں میں کوئی ایسا فرق نہیں جو اس امتیاز کی اصلی اور بنیادی وجہ ہو - ہر انسان اپنے آلات صوت کی مدد سے ہر وہ آواز نکال سکتا ہے جو کسی دوسرے ملک یا کسی دوسری زبان کے بولنے والوں سے مخصوص سمجھی جاتی ہے اور اس طرح ان آوازوں کی تعداد کی کوئی حد یا تعداد نہیں جن کے ادا کرنے پر انسان قادر ہوتا ہے - لیکن ہر زبان میں انسان کے گلے سے ممکنہ ادا ہونے والی بیشمار آوازوں میں سے صرف چند آوازیں ہی استعمال ہوتی ہیں - یہ معاملہ تخصیص یا تخصص کا نہیں صرف انتخاب اور اختیار کا ہے اور اسی انتخاب اور اختیار کی بنا پر مختلف بولیوں اور زبانوں کے صوتی نظام میں تمیز ہوتی ہے - اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ زبانوں کے صوتی نظام بھی اٹل نہیں ہوتے - زندہ زبانوں میں صوتی تبدیلیاں برابر ہوتی رہتی ہیں اور کسی زبان کے موجودہ اور عصری صوتی نظام کی بنا پر یہ فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا کہ اس نظام میں ہمیشہ سے صرف یہی آوازیں تھیں اور ان میں ترک یا اضافہ نہیں ہوا ہے - موجودہ آریائی زبانوں کے صوتی نظام میں جتنی آوازیں موجود ہیں وہ سب ویدک سنسکرت میں نہ تھیں اور نہ ویدک سنسکرت کی تمام آوازیں آج ان بولیوں اور زبانوں میں استعمال ہوتی ہیں - خود عربی کا یہ حال ہے کہ عام خیال کے مطابق عربی میں گاف کی آواز نہیں ، اسی لیے قواعد نویسوں نے اسے کاف فارسی کہا ہے - چنانچہ قرآن حکیم میں بھی گ کا حرف نہیں ہے لیکن آج جو لوگ سعودی عرب جاتے ہیں وہ یہ سن کر حیران رہ جاتے ہیں کہ سعودی عرب جدہ کو گدہ کہتے ہیں اگرچہ تحریر میں جدہ ہی ہے - اسی طرح جمال ناصر کو گمال ناصر کہتے ہیں - گ کی آواز عرب کی بعض قبائلی بولیوں میں مقامی طور پر موجود تھی ؛ چونکہ قبیلہ قریش کی بولی میں نہ تھی اس لیے قرآن کی زبان میں بھی نہیں ملتی اور چونکہ عربی کی اشاعت دیگر ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ ہوئی اور قرآن حکیم کی عربی معیاری اور مستند عربی کا نمونہ قرار پایا اس لیے اس میں گ کی آواز یا اس کے حروف تہجی میں گ کا حرف نہیں ہے -

حروف کے ہر ملک سے مخصوص ہونے کے سلسلے میں دو باتیں اور ایسی کہی گئی ہیں جو درست نہیں ہیں - یہ کہنا صحیح نہیں کہ انسان کے گلے میں ”تار بھی بندھے ہوئے ہیں -“ یہ غلط فہمی شاید اس بنا پر ہوئی کہ

قدیم قواعد نویسوں کو انسانی آلات صوت کی ساخت کا تشریحی علم نہ تھا۔ ۱ ان قواعد نویسوں نے آلات صوت میں وتران الصوت یا Vocal Chords کا ذکر کیا ہے۔ یہ نام گمراہ کن ہے کیونکہ وتران الصوت یا Vocal Chords اپنی ساخت میں تاروں سے قطعاً مشابہت نہیں رکھتے بلکہ کسی قدر ہونٹوں سے مشابہ ہیں۔

تکلم

VOICE

کھس پس

WHISPER

کشادہ

OPEN

بستہ

CLOSED

---
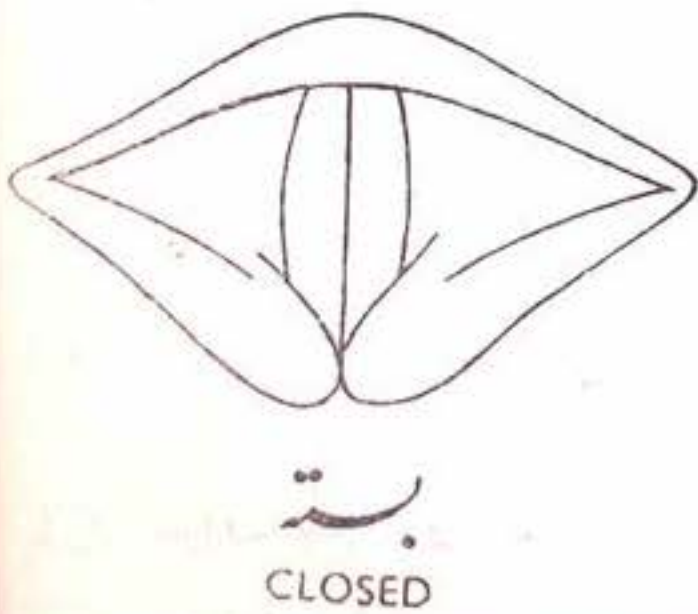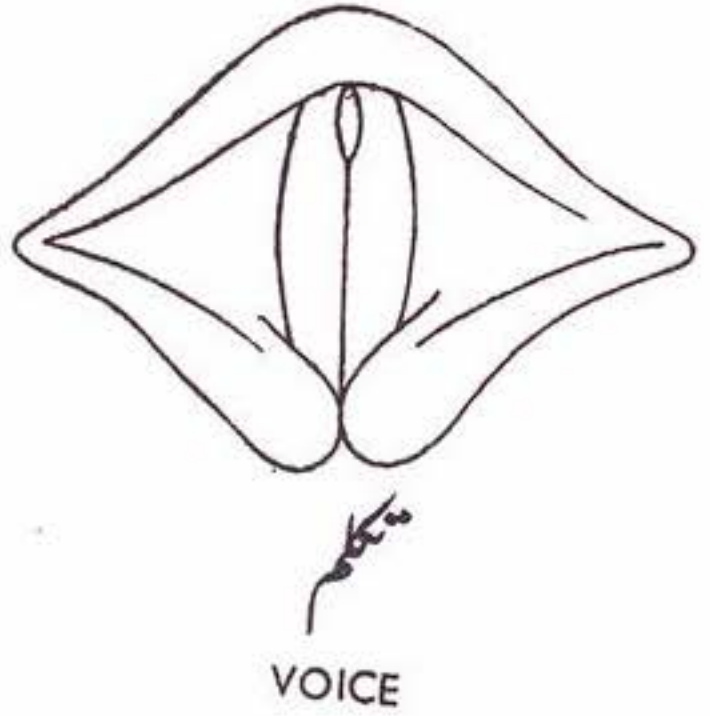
۱ - جدید لسانیات میں صوتیات (Phonetics) کی بحث کے دو عنوان الگ

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۵ پر)

سانس جو پھیپھڑوں سے نرخرہ میں ہوتی ہوئی ان سے گزرتی ہے اس میں وتران صوت کی وجہ سے دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں - اگر یہ وتران لصوت کشادہ ہوں تو سانس بغیر کسی تصادم کے آگے نکل جاتی ہے - ایسی صورت میں ادا ہونے والی آوازوں کو کشادہ یا صدائی (Un-Voiced) کہتے ہیں دوسری صورت میں وتران صوت بند ہوتے ہیں - نرخرہ سے آنے والی ہوا اس سے ٹکراتی ہے تو ایک لمحے کے لیے یہ جدا ہو جاتے ہیں اور ہوا اس تصادم کے بعد خارج ہوتی ہے - ایسی صورت میں ادا ہونے والی آوازوں کو ضیقی یا بند آوازوں (Voiced) کے نام سے پکارا جاتا ہے - مثلاً پ اور ب سے اردو میں ظاہر ہونے والی آوازیں مخارخ کے اعتبار سے ایک ہیں یعنی دونوں اس صورت میں ادا ہوتی ہیں کہ سانس کا راستہ ہونٹوں سے مسدود ہوتا ہے اور جب یہ راستہ کھلتا ہے تو سانس ہونٹوں کے اس کشادہ راستے سے خارج ہو جاتی ہے - لیکن جو عمل پ اور ب کی آوازوں میں فرق کا باعث ہے وہ وتران الصوت کی صورت ہے - پ کے ادا ہونے میں وتران الصوت کشادہ اور ب کے ادا ہونے میں بند ہوتے ہیں - اس لیے پ اور ب ایک ہی قسم کی آوازیں ہیں جنھیں دو لبی مسدوے (Bilabirl Stops) کہتے ہیں - پ کشادہ اور صدائی (Voiceless) ہے؛ ب بند اور غیر صدائی Un-voiced ہے - یہی فرق ت اور د ، ٹ اور ڈ ، ک اور گ ، چ اور ج س اور ز ، ش اور ژ سے ظاہر ہونے والی آوازوں میں تفریق کا باعث ہے -

دوسری بحث جو اس سلسلے میں چھیڑی گئی ہے یہ ہے کہ: '' سانس کے ہوا میں ملنے سے زبان ، تالو ، ہونٹ ، دانت اور خلائے دہن کی مدد سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴)

الگ ہیں - ایک تشریحی صوتیات جسے (Articulatory Phonetics) کہتے ہیں اور دوسرے صدائی یا طبیعیاتی صوتیات (Acoustic Phonetics) - اول الذکر میں آلات صوت کی تشریح اور ان سے ادا ہونے والی آوازوں کی نوعیت ، مخارج ، ترتیب و تقسیم سے بحث ہوتی ہے - دوسرے عنوان میں صوت کے طبیعیاتی پہلو ، صوتی لہروں کی بحث ، ان کے طبیعیاتی (Physical) عناصر اور اجزا کا تجزیہ ہوتا ہے - تفصیل کے لیے عام صوتیات کی کوئی بھی درسی کتاب دیکھی جا سکتی ہے -

آواز میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں ۔'' یہ مسئلہ طبیعیاتی صوتیات (Acoustic Phonetics) کا ہے ۔ پہلی بات تو اس سلسلے میں یاد رکھنے کی یہ ہے کہ تالو، ہونٹ، دانت اور خلائے دہن میں سانس میں تبدیلیاں پہلے ہو چکی ہوتی ہیں ۔ دوسرے یہ کہ یہ سانس ہوا میں ملتی نہیں ۔ مختصر طور پر اس پورے عمل کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ بولنے والے کی سانس آلات صوت کی مختلف صورتوں اور وضع ادا کے باعث مختلف صورتیں اختیار کر کے ناک یا منہ یا دونوں راستوں سے خارج ہوتی ہے اور اس کے خارج ہونے سے گرد و پیش موجود ہوا میں ایک طرح کا ارتعاش یا تموج پیدا ہو جاتا ہے ۔ یہی ارتعاش یا تموج صوتی لہروں کی شکل میں سامع کے کان کے پردوں سے جا ٹکراتا ہے اور اس کے دباؤ کی کمی بیشی کا اثر کان کے پردے سے لے کر دماغ کے خلیوں تک مختلف اعضا اور اعصاب کے وسیلے سے ایک پیغام یا اشارے کی حیثیت سے پہنچ جاتا ہے ۔ یہاں پہنچ کر دماغی عمل اس طبیعاتی اشارے یا پیغام کو علم یا خبر میں تبدیل کرتا ہے اور سماعت و فہم کا سلسلہ پورا ہو جاتا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جب کوئی کلمہ یا آواز ہوا کے واسطے یا وسیلے سے متکلم سے سامع تک پہنچتا ہے تو ہوا میں کیا چیز حرکت کرتی ہے ؟ یہ خیال درست نہیں کہ وہ ہوائی ذرات جو متکلم کے منہ سے نکلتے ہیں وہی سامع کے کان کے پردوں تک پہنچتے ہیں ۔ بلکہ ان ذروں کی حرکت کی وجہ سے گرد و پیش کی ہوائے بسیط میں جو تہیج یا تہلکا ہوتا ہے وہی سامع کے کان تک پردے سے جا کر ٹکراتا ہے ۔ ہوائی ذرات اپنی قائم جگہ یا مستقر سے صرف آگے پیچھے حرکت کرتے ہیں اور پھر اپنے مستقر پر واپس آجاتے ہیں ۔ اس صورت حال سے ہوائی ذرات میں دو مختلف کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ۔ ذرات جو ایک دوسرے سے دور دور ہوتے ہیں، جب کوئی تہیج ان ذرات کو ایک سمت میں دھکیلتا ہے تو یہ ذرات آپس میں مل جاتے ہیں اور ایک لمحے کے لیے ہوا کا دباؤ بڑھ جاتا ہے ۔ اس عمل کو جماؤ (Condensation) کہتے ہیں ۔ جب مہیج سے پیدا ہونے والا تہیج پیچھے کی طرف لوٹتا ہے تو یہ ذرات پھر الگ الگ ہو جاتے ہیں اور ایک طرح کا خلا ان کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس عمل کو کھنچاؤ (Rarefaction) کہتے ہیں ۔ مہیج کے مسلسل واقع ہونے سے جماؤ اور کھنچاؤ کا ایک زنجیرہ سا بن

جاتا ہے جو ہوا میں صوتی لہر بن کر گزرتا ہے اور سامع کے کان کے پردے پر اثر انداز ہوتا ہے۔

یہ مختصر کیفیت صرف اس لیے بیان کی گئی کہ اس سے معلوم ہوگا کہ ہمارے قواعد نویس آوازوں کی نوعیت اور ہیئت کے باب میں بالعموم لاعلم ہوتے ہیں۔ ان علوم پر دنیا کی مختلف زبانوں میں برسوں سے اعلیٰ درجے کی علمی تصانیف شائع ہو رہی ہیں۔ لیکن اردو کے لیے یہ علم ابھی شجر ممنوعہ ہے۔ غرض اردو میں مختلف آوازوں کو ظاہر کرنے کے لیے جو حروف اور علامات استعمال ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
ا	ب	بھ	پ	پھ	ت	تھ	ٹ	ٹھ	ث	ج	جھ	چ	چھ	ح	خ	د	دھ	ڈ	ڈھ

۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷
ذ	ر	رھ	ڑ	ڑھ	ز	ژ	س	ش	ص	ض	ط	ظ	ع	غ	ف	ق

۳۸	۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶	۴۷	۴۸
ک	کھ	گ	گھ	ل	م	ن	و	ہ	ی	ے۔

ان کے علاوہ تین علامات ہیں جن کو اعراب کہتے ہیں۔ فتحہ، کسرہ اور ضمہ جن کو زبر، زیر اور پیش بھی کہتے ہیں۔ زیر اور زبر دو منحنی آڑے خطوط ہیں۔ زبر کو حروف کے اوپر اور زیر کو حروف کے نیچے لگایا جاتا ہے۔ (ــَــ ، ــِــ) پیش کی صورت چشمی (ــُــ) ہے اور اسے بھی حروف کے اوپر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ تینوں اعراب الگ الگ یا واو اور ی یا ئے کے ساتھ مل کر اردو کے نو سادہ مصوتوں کی آوازوں کے ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک الٹا پیش واو کے ساتھ مل کر دسویں مصوتے و (مثلاً کو، بہ مقابلہ کو) کی آواز کو ظاہر کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ اس طرح حروف کے علاوہ یہ علامات چار ہو گئیں اور حروف اور علامات مل کر کل تعداد باون ہو جاتی ہے۔ ان اشکال کو شکلی اتحاد کی بنیاد پر چند ذیلی صورتوں میں یوں مرتب کر سکتے ہیں:

ا

ب پ ت ٹ ث

ج چ ح خ

د ذ ڈ

ر ڑ ز ژ	س ش
ص ض	ط ظ
ع غ	ف ق
ک گ	ل م
ن	و ہ
ی	ے

ان حروف کی یہ ترتیب ظاہر کرتی ہے کہ ایک ہی بنیادی ساخت کی علامت کو ذرا سا رد و بدل کر کے ایک مختلف آواز کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے - جن اشاروں یا علامتوں سے یہ فرق ظاہر کریں انھیں توضیحی علامات کہنا چاہیے ، مثلاً ب ، پ ، ت ، ٹ ، ث میں بنیادی شکل ب ہے ، جس میں نقطوں کی تعداد ، ان کے محل وقوع اور یا نقطہ کی جگہ خفیف ط کے استعمال سے پانچ مختلف آوازوں کو ظاہر کیا گیا ہے - یہ صورت دراصل اس وقت پیش آتی ہے جب کوئی زبان کسی دوسری زبان سے رسم الخط یا تحریر اخذ کرتی ہے - چونکہ ماخذ زبان میں اور اخذ کرنے والی زبان میں سو فی صد صوتی یگانگت ضروری نہیں اس لیے دونوں میں صوتی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے یا تو یہ کرتے ہیں کہ ماخذ زبان میں جو آوازیں ہوتی ہیں اور اخذ کرنے والی زبان میں ان کا وجود نہیں ہوتا تو وہ علامات اور حروف جو ماخذ زبان کی ایسی آوازوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں ، اخذ کرنے والی زبان میں نئی آوازوں کے لیے اختیار کر لیے جاتے ہیں ، اگر ایسی علامات زیادہ نہ ملیں تو دوسری صورت یہ کی جاتی ہے کہ موجودہ علامات میں ہی جزوی ترمیم ، تغیر ، تصرف ، حک و اضافہ سے کام لیتے ہیں اور اس طرح نئی آوازوں کو ظاہر کرنے کے لیے نئی علامات اور حروف پیدا ہو جاتے ہیں -

اردو میں استعمال ہونے والے یہ حروف فارسی کے واسطے اور وسیلے سے عربی حروف سے لیے گئے ہیں - عربی میں (جس وقت فارسی نے یہ حروف اخذ کیے) حسب ذیل حروف عربی آوازوں کے لیے موجود تھے :

ا ب ج د ہ و ز ح ط ی ک ل م ن س ع ف ص ق ر ش ت ث خ ذ ض ظ غ -

ان میں سے پہلے چار حروف کو ملا کر اور ان کے درمیان فتحہ کی آواز شامل کر کے ان کو ابجد کہتے ہیں ۔ چنانچہ فارسی اور اردو میں بھی یہی نام مستعمل ہے ۔ اگرچہ اردو اور فارسی میں عربی کی یہ تمام آوازیں موجود نہیں ہیں ، لیکن چونکہ ان دونوں زبانوں میں عربی الاصل الفاظ کی کثرت ہے اس لیے عربی الاصل الفاظ کے املا میں دونوں زبانوں نے عربی کے ایسے حروف کو قائم رکھا ہے ۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ قرآن حکیم کا بھی رسم الخط ہے اور قرآن کے الفاظ میں کسی قسم کا صوتی یا تحریری فرق خلط مبحث کا باعث ہو سکتا ہے ۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ اس قسم کے کسی تغیر یا تصرف کو قبول نہ کیا جائے ۔ جب ایک مرتبہ یہ الفاظ اپنی تحریری شکلوں میں فارسی اور اردو میں داخل ہو گئے تو پھر ان کی مثال سے اور الفاظ بھی آنے لگے اور اکثر مشتقات میں معنوں میں بھی ترمیم و اضافہ ہوا لیکن قرآن میں استعمال ہونے والے الفاظ کے معانی اور حروف کی اصلیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا ۔ اس طرح کے عربی کے خاص حروف ث ، ح ذ ، ص ض ط ظ ع اور ق ہیں ۔

لیکن فارسی میں بعض آوازیں ایسی ہیں جو عربی میں نہ تھیں مثلاً پ ، چ ، گ اور ژ ۔ ان کو ظاہر کرنے کے لیے فارسی میں ب ، ج ، ک اور ز کی علامتوں میں تصرف ہوا ، اسی لیے ان حروف کی آوازوں کو عربی کی آوازوں سے ممیز و ممتاز کرنے کے لیے بائے فارسی ، جیم فارسی ، کاف فارسی[1] اور زائے فارسی کا نام دیا گیا ہے ۔ بعض حضرات بجائے فارسی کے اس ترکیب میں لفظ تازی استعمال کرتے ہیں ۔ پھر جب یہ فارسی حروف اردو کے لیے اختیار اور استعمال کیے جانے لگے تو بعض آوازیں اردو میں ایسی تھیں جو فارسی اور عربی دونوں میں نہ تھیں ۔ یہ آوازیں حسب ذیل ہیں : ٹ ، ڈ ، ڑ اس لیے ان کا نام تائے ہندی ، دال ہندی اور رائے ہندی رکھا گیا ۔ اردو میں ہائیہ آوازیں ایسی تھیں جو نہ عربی میں تھیں نہ فارسی میں ۔ ان کو مخلوط الہا یا ملفوظ الہا آوازیں کہا گیا اور ان کو ابتدائی سادہ

---

۱ - ذ کی آواز کے بارے میں اختلاف ہے ۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ بھی عربی کی خاص آواز ہے اور خاص فارسی میں نہیں ملتی لیکن بعض حضرات لکھتے ہیں کہ قدیم فارسی میں بھی ذ کی آواز موجود تھی ۔

آوازوں اور ہائے مخلوطی کے مرکب سے ظاہر کیا گیا ۔ گویا ایک ہی آواز کے ظاہر کرنے کے لیے دو علامتوں سے مرکب ایک علامت اختیار کی گئی ۔

بھ ، پھ ، تھ ، ٹھ ، جھ ، چھ ، دھ ، ڈھ ، رھ ، ڑھ ، کھ ، گھ ، لھ ، مھ ، نھ ، وھ ، یھ اور اس طرح سے وہ سترہ آوازیں ظاہر کی گئی ہیں جو خاص اردو میں ہیں ، عربی فارسی میں نہیں پائی جاتیں ۔ اس طرح اردو میں جس طرح ان آوازوں کا مجموعہ موجود ہے جو آریائی زبانوں کی ہندی شاخوں میں ہیں اور ان میں اضافہ ان آوازوں کا ہوا ہے جو خاص فارسی اور خاص عربی کی آوازیں ہیں ۔ اسی طرح اردو کے ابجد میں ایسی علامات موجود ہیں جو دیسی ، عربی ، فارسی ، سب آوازوں کو ادا کرنے کے لیے کافی ہیں ۔

موجودہ اردو میں اس رسم الخط کو لکھنے میں دو طریقے عام طور پر رائج ہیں : ایک نسخ کہلاتا ہے اور دوسرا نستعلیق ۔ نسخ رسم الخط وہ ہے جسے عام طور پر عربی رسم الخط بھی کہتے ہیں کیونکہ عربی میں اسی خط میں قرآن لکھا جاتا ہے اور جدید عربی ٹائپ اور طباعت کے لیے بھی اسی رسم الخط کو استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس میں ایک بات تو یہ ہے کہ گول دائروں کی جگہ عام طور پر نیم گول دائرے ہوتے ہیں اور عام طور پر تحریر میں ان کی کرسی تین سے زیادہ درجوں کی نہیں ہوتی ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حروف کی درمیانی شکل ایک درجے پر قائم ہوتی ہے ۔ اگر کسی لفظ مثلاً کاف میں مرکز آتا ہے تو وہ ایک درجے اوپر قائم ہوتا ہے اور جس لفظ میں نیم دائرہ ہوتا ہے وہ ایک درجہ نیچے قائم ہوتا ہے ۔ نستعلیق میں مختلف حروف کے مختلف جوڑوں کی کرسی الگ الگ ہوتی ہے اور اس طرح تحریر ، ٹائپ اور طباعت میں اس طرح کی روش تحریر میں بہت زیادہ جگہ صرف ہوتی ہے لیکن نستعلیق کی خوبی اس کا ظاہری حسن اور دل کشی ہے ۔ اس میں دائرے گول ہوتے ہیں اور اجزائے حروف محل وقوع کی مناسبت سے باریک اور موٹے ہوتے ہیں ۔ اس سے تحریر میں نقاشی کی خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے اور ایک عرصے تک ایران اور ہندوستان میں تحریر کے لیے یہی روش عام اور مقبول رہی لیکن بعد میں پھر اسے ترک کر کے نسخ کی طرف لوٹنے کی تحریک عام ہو رہی ہے ۔ ایران میں اب بھی تمام طباعت نسخ رسم الخط میں ہی ہوتی ہے ۔ صرف آرائش اور عنوانات کے لیے

نستعلیق رسم الخط اختیار کیا جاتا ہے - اردو کے ابتدائی دور میں بھی نسخ ہی اختیار کیا گیا تھا چنانچہ دکھنی دور کی اکثر و بیشتر کتابوں کے مخطوطات نسخ میں ہی ملتے ہیں - شمالی ہند میں بھی نسخ کا رواج تھا لیکن مغلوں کے دور میں فارسی کے مشہور نستعلیق خطاطوں کی شہرت اور ان کی فنکاری کے حسین نمونوں نے اردو لکھنے والوں کو بھی نستعلیق کی طرف مائل کیا - اردو میں طباعت کا رواج ہوا تو پہلے نستعلیق ٹائپ ہی بنانے کی کوششیں کی گئیں چنانچہ جو ٹائپ بنا وہ نسخ اور نستعلیق کی ایک درمیانی شکل تھی - فورٹ ولیم کالج میں اکثر تصانیف اسی قسم کے ٹائپ میں چھاپی گئی تھیں اور اب تک بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں - اسی عرصے میں اردو کے لیے لیتھو یعنی پتھر کے چھاپے کا رواج ہوا - اس کی ایجاد کا سہرا جرمنوں کے سر تھا - اس قسم کی طباعت میں عبارت کو نستعلیق عبارت میں لکھ کر پتھر پر اس کی کاپی اتار لی جاتی اور پھر اسے سیاہی لگا کر چھاپ لیا جاتا - عرصے تک یہ طریقہ رائج اور مقبول رہا اور اب بھی اردو کی طباعت میں بکثرت استعمال ہوتا ہے - لیکن جدید میکانیکی دور میں طباعت کے نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے پتھر کے چھاپے کا طریقہ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوا اور اس کی بجائے ٹائپ سے چھاپنے کا رواج بڑھنے لگا ہے اور اس کے لیے نسخ رسم الخط ہی موزوں و مناسب معلوم ہوتا ہے -

طباعت کے علاوہ نسخ رسم الخط ٹائپ مشین کے لیے بھی موزوں ہے اور اردو کے موجودہ ٹائپ رائٹروں میں یہی استعمال کیا جاتا ہے - اس رسم الخط کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بعض زبانوں کے رسم الخط کے برخلاف جن میں ایک ایک حرف الگ لکھا جاتا ہے اس رسم الخط میں حروف کو ملا کر لکھا جاتا ہے اور ملا کر لکھنے میں حروف کی پوری شکل ظاہر کرنے کی بجائے ان کی صرف امتیازی شکلیں ہی جزوی طور پر لکھی جاتی ہیں اور اس طرح ایک ایک حرف کی کئی کئی شکلیں بن جاتی ہیں مثلاً ع کی ایک شکل ابتدائی ہے جب وہ کسی دوسرے حرف سے مل کر آتا ہے مثلاً علم میں - ایک شکل درمیانی ہے مثلاً معلوم میں - ایک آخری شکل ہے جب یہ اپنے ماسبق حرف سے ملتا ہے مثلاً جمع میں اور ایک آخری شکل جس میں یہ ماقبل سے ملا نہ ہو مثلاً دفاع میں - اس طرح ہر حرف کی کم سے کم دو شکلیں ضرور آتی ہیں ایک سالم شکل اور ایک مختصر شکل -

اس سے طباعت اور ٹائپ میں بڑی دقت ہوتی ہے چنانچہ اسے دور کرنے کے لیے کوشش کی جاتی ہے کہ کسی لفظ کی دو سے زیادہ شکلیں نہ ہوں اور بعض کے لیے صرف ایک ہی شکل ہو ۔ اردو رسم‌الخط کے ان مسائل پر برابر غور ہو رہا ہے اور امید ہے کہ آہستہ آہستہ یہ دقتیں رفع ہو جائیں گی ۔

اردو کا یہ رسم الخط جسے فارسی یا عربی رسم الخط کہا جاتا ہے ، اس بنیادی رسم الخط سے ماخوذ ہے جو فنیقیوں کا رسم الخط تھا ۔ دنیا کے جتنے رسم الخط ہیں وہ دو قسم کے ہیں : ایک وہ ہے جسے کلماتی (Morphemic) کہتے ہیں اور دوسرا جسے صوتیاتی (Phonemic) کہتے ہیں ۔ اول‌الذکر میں کسی علامت سے کوئی پورا مفہوم یا کلمہ ادا ہوتا ، اور آخر الذکر میں مخصوص علامات کسی زبان کے مخصوص صوتیوں کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں ۔ تحریر کے ابتدائی دور میں صرف اول الذکر قسم کی علامات اور نشانات کو تحریر میں استعمال کیا جاتا تھا ۔ اس کی ایک مثال مصورات (Pictograms) ۱ میں ملتی ہے ۔ ان مصورات میں ہر تصویر یا نقش کسی پورے اور مکمل واقعے ، حالت یا شئے کو ظاہر کرتا ہے ۔ اس میں بھی ارتقا کی دو منزلیں نظر آتی ہیں ۔ ابتداءً مصورات میں پورا واقعہ یا پورا جملہ ایک ہی تصویر یا نقش سے ظاہر کیا جاتا تھا ۔ پھر اس کے اجزا کو الگ الگ ظاہر کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ نقوش استعمال ہونے لگے ۔ ان کو مصورات کی بجائے مخیلات (Ideograms) کہنا زیادہ درست ہوگا ۔ مصر کے اس رسم الخط میں جس کو ہیرو غلفی (Hieroglyphic) کہتے ہیں یہ دونوں کیفیتیں نظر آتی ہیں ۔ پھر آہستہ آہستہ یہ علامات روایتی اور مسلم بن گئیں تو ان کے خد و خال میں کمی آتی گئی اور رفتہ رفتہ یہ اصل تصویر کی نہایت ناقص اور مبہم یادگار رہ گئیں ۔ یہی وہ شکلیں ہیں جو بظاہر بے معنی نظر آتی ہیں لیکن اصلاً اور ابتداءً ان معنوں میں بامعنی تھیں کہ ان سے مکمل تصورات واضح ہوتے تھے ۔ اس قسم کی تصویر کشی کو فنیقیوں نے غالباً مصریوں سے سیکھا تھا لیکن یہ شرف ان ہی فنیقیوں کو حاصل ہے کہ انھوں نے رسم الخط کو صوتیاتی بنایا یعنی

---

۱ ۔ اس ساری بحث کی تفصیلات کے لیے دیکھیے راقم کے مضامین مطبوعہ علی گڑھ میگزین دسمبر سنہ ۱۹۳۶ء

ان علامات سے بجائے پورا تصور ظاہر کرنے کے اس کی صرف ابتدائی آواز کو ظاہر کرنے لگے - فنیقیوں کا یہ رسم الخط اس اعتبار سے دنیا کا پہلا صوتیاتی رسم الخط ہے اور یہی ایک طرف عربی رسم الخط کا ماخذ ہے اور دوسری طرف اس یونانی اور روسی رسم الخط کی بنا بھی اسی رسم الخط پر ہے جس سے آج کا معروف رومن رسم الخط ماخوذ ہے - اسی زمانے میں فرات کی وادی میں ایک اور رسم الخط ترقی پا رہا تھا - یہ پیکانی (Cuniform) رسم الخط تھا اور اصل میں مصری ہیروغلفی علامات کے اصولوں پر قائم تھا - سمیریوں نے جس رسم الخط کو اختیار کیا اس میں ایسی تصویریں جو خیالات کو ظاہر کرتی ہیں استعمال کی جاتی تھیں - پیکانی رسم الخط کے سلسلے میں ایک دقت یہ پیش آئی کہ یہ نقوش مٹی کی نرم اینٹوں پر بنائے جاتے تھے اور اس کام کے لیے ایک خاص اوزار کام میں لایا جاتا تھا جو پیکان کا ہم شکل ہوتا تھا ، اور اسی بنا پر یہ رسم الخط پیکانی رسم الخط کہلاتا ہے - ظاہر ہے کہ نرم مٹی پر جو نشانات بنائے جاتے ہوں گے وہ زیادہ واضح نہیں ہوں گے - اس لیے رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے یہ نشانات صرف رسمی علامتیں بن کر رہ گئے جن میں اصل تصویروں کی جھلک مشکل سے نظر آتی ہے [۱] - اس فنیقی رسم الخط کی شکلیں ان کے نام اور تصویری معنی اس جدول میں دیے گیے ہیں -

شکل	نام	معنی	موجودہ حرف
[illegible]	الف	بیل	ا
[illegible]	بیت	مکان ، خیمہ	ب
[illegible]	جمل	اونٹ	ج
[illegible]	دالت	خیمے کا دروازہ	د
[illegible]	ہے	×	ح
[illegible]	واؤ	کھونٹی	و
[illegible]	زین	تلوار	ز
[illegible]	خط	باڑھ	خ
[illegible]	طیت	×	ط

---

۱ - رسم الخط کی تاریخ کے لیے متعدد کتب موجود ہیں - ایک مستند کتاب The Alphabet - D. Dringer, New York 1948. دیکھی جا سکتی ہے -

ید	ہاتھ	ی
کف	جھکا ہوا ہاتھ	ک
لامد	آر	ل
مم	پانی	م
نون	مچھلی	ن
سمخ	×	س
عین	آنکھ	ع
فیہ	منہ	ف
صاد	کانٹا	ص
قاف	پشت سر	ق
رخ	چہرہ	ر
شین	دانت	ش
طاؤ	صلیب	ت
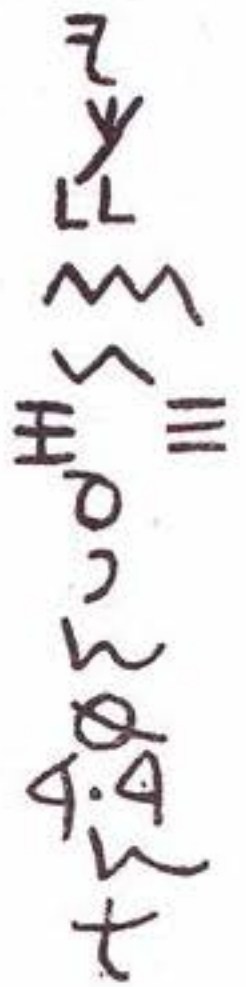
ان تمام علامات کی ابتدائی شکلیں با معنی تصویریں ہیں مثلاً جو جمل بمعنی اونٹ ہے، اس کی شکل ابتداءً اونٹ کو بیٹھی ہوئی حالت میں ظاہر کرتی ہے ۔ ان ہی شکلوں سے مختلف مدارج اور منازل سے گزر کر اردو کا موجودہ رسم الخط ظہور میں آیا ۔ ظہور اسلام سے قبل اس نے جو صورت اختیار کی تھی اسے کوفی کہتے ہیں اور عربی کے بعض قدیم مخطوطات اور کتبات اسی کوفی رسم الخط میں ہیں ۔

خط نسخ کا ارتقا اسی کوفی سے ہوا اور پھر نستعلیق پیدا ہوا ۔ بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ خط نسخ کے موجد خواجہ عمادالدین یاقوت مستعصمی تھے اور بعض روایات کے مطابق انھوں نے یہ خط ۳۱۰ ہجری مطابق ۹۳۲ء میں ایجاد کیا ۔ نسخ اور نستعلیق کے درمیان ایک اور رسم الخط ہے جسے تعلیق کہتے ہیں جس کا موجد حسن بن حسین علی کو بتایا جاتا ہے جنھوں نے چوتھی صدی ہجری یا دسویں صدی عیسوی میں خط تعلیق ایجاد کیا ۔ اور بعض حضرات اس کی ایجاد خواجہ تاج السلمانی سے منسوب کرتے ہیں ۔ خط نستعلیق کا موجد بعض حضرات میر علی تبریزی کو بتاتے ہیں جو امیر تیمور کے ہم عصر تھے۔ لیکن بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا

رواج ان سے پہلے ہو چکا تھا - بہر حال یہ خط برصغیر ہند و پاکستان میں مسلمانوں کے ساتھ آیا اور ان کے دور میں اس نے ترقی کی - یہاں تک کہ جن بولیوں اور زبانوں کے لیے اس سے پہلے کوئی رسم الخط نہ تھا اور وہ صرف بولیوں کی حد تک عام بول چال میں محدود تھیں ان کو بھی ایک رسم الخط مل گیا - پشتو ، بلوچی ، سندھی ، اردو ، بروہی سب اسی رسم الخط میں بلکہ مغلیہ دور میں تو بعض سنسکرت کی کتابوں کو بھی اسی رسم الخط میں لکھا گیا ہے - اس خط کی اور بے شمار آرائشی صورتیں ہیں جن کا ذکر فن کتابت و خطاطی کی مستند کتابوں میں ملتا ہے - یہ خاص مسلمانوں کا فن تھا اور مسلمان فنکاروں نے ، جو تصویریں اور مجسمے بنانے کے فن کو اختیار نہیں کرنا چاہتے تھے ، انھوں نے اپنی تخلیقی قوتوں سے اس فن کو معراج کمال پر پہنچایا - دنیا کے عجائب خانوں میں ان کی تحریریں آج بھی ان کے فن کی یادگار ہیں -

اردو کے اس رسم الخط میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں اور بعض دشواریاں بھی - سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ رسم الخط قرآن کا رسم الخط ہونے کی وجہ سے ساری دنیائے اسلام میں متعارف ہے اور خود ہندوستان اور پاکستان کی بہت سی زبانوں اور بولیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے - سندھی ، پشتو ، بلوچی ، بروہی ، پنجابی اور فارسی زبان کا بھی یہی رسم الخط ہے - یہ درست ہے کہ صرف رسم الخط کسی زبان کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے لیکن کم از کم زبان کی صوتیات کو اس سے پہچاننے اور زبان سیکھنے میں آسانی ضرور ہوتی ہے - دوسرے چونکہ حروف کو تحریر میں مختصر کر کے لکھا جاتا ہے اس لیے اسے ایک قسم کی مختصر نویسی سمجھنا چاہیے جس سے تحریر کی رفتار بھی تیز ہوتی ہے اور تحریر میں کفایت بھی ہوتی ہے - دشواریاں بھی بعض قابل لحاظ ہیں - پہلی دشواری تو یہ ہے کہ یہ رسم الخط صوتی نہیں ہے یعنی ایک آواز کے لیے ایک ہی علامت استعمال نہیں ہوتی - حروف صحیحہ تو ایک حد تک خاص صوتیوں کو ظاہر کرتے ہیں اور دقت صرف ان حروف میں ہوتی ہے جو بولنے میں ایک سی یا تقریباً یکساں آوازوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں مثلاً ث ، ص س ، ت ط ، ز ، ذ ض ظ اور ع - ان کے استعمال میں بعض اوقات خود اہل زبان سے غلطی کا امکان

رہتا ہے اور اس کی صحت تعلیم اور اردو میں استعمال ہونے والے عربی فارسی الفاظ کی شناخت اور ان سے واقفیت پر منحصر ہے۔ لیکن بڑی دشواری مصوتوں کے ظاہر کرنے میں پیش آتی ہے۔ تحریر میں تین حروف اور تین اعراب کے مجموعوں سے اردو کے دس مصوتے ظاہر کرنا پڑتے ہیں اور انفیائی مصوتوں کے لیے ایک نون غنہ کا اور اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ گویا ایک انفیائی صوتے کو ظاہر کرنے کے لیے تین علامات استعمال کرنا پڑتی ہیں۔ مختلف ترکیبوں سے سادہ مصوتوں کو اس طرح ظاہر کیا جاتا ہے۔ م اور ل کے درمیان ی + زیر مثلاً میل (فاصلے کا ایک پیمانہ)۔

زبر مثلاً مل (ملنا سے امر)

ے × زبر مثلاً میل (کثافت)

ے مثلاً میل (ملاوٹ)

الف مثلاً مال (دولت)

زیر مثلاً مل (ملنا سے امر)

پیش مثلاً مل (شراب)

واؤ — زبر مول (بر وزن قول)

واؤ — پیش مول (قیمت)

واؤ — علامت مجہول مول (نفع سود)

حروف علت اور حرکت کی اصطلاحات فارسی اور اردو کے قواعد نویسوں نے عربی کے قواعد نویسوں سے مستعار لی ہیں اور ان کا اطلاق دراصل صرف عربی کے لیے صحیح اور مناسب ہے۔ عربی رسم الخط کی اٹھائیس علامتیں جن کو حروف الہجاء، حروف التہجی، حروف الہجائیہ یا حروف المعجم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، سب کے سب صحیح ہیں۔ ان میں سے تین بطور علامت مصوتوں کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ یہ تین حروف واو، الف اور یائے ہیں ان کا مجموعہ وائے ہے جو بیماری یا علت کے موقع پر ادا ہونے والا کلمہ ہے اور یہی ان علامات کو حرف علت کہنے کی بنا ہے۔ عربوں میں اصلاً مختصر مصوتوں کے لیے کوئی علامت نہ تھی، بعد میں تین علامات

فتح ، کسر ، ضمہ[۱] -

فتح اور ضمہ کے لیے عربی میں نصب اور رفع کی اصطلاحات بھی استعمال ہوتی ہیں - مثلا الحوریتہ بنصب الحاء یعنی الحرویہ جس میں ح پر زبر ہے - ضمہ کے لیے دوسری اصطلاح قبو بھی ہے مصوتے کو حرکۃ کہتے ہیں اور اس کی علامت کو شکل - قرآن مجید کے قدیم ترین مخطوطات میں ان حرکات کو نقطوں کے ذریعے سے ظاہر کیا گیا ہے اور جو بالعموم سرخ سیاہی سے لگائے گئے ہیں -

فتحہ کے لیے یہ نقطہ اوپر ، کسر کے لیے نیچے اور ضمہ کے لیے یا درمیان میں یا سطر پر لگاتے تھے - قیاس یہ ہے کہ فتحہ الف سے کسر ی سے اور ضمہ و سے ماخوذ ہے - عربی میں ان حروف علت اور حرکات اور ان کے مختلف مجموعوں کی صوتی آوازیں بالکل ویسی نہیں ہیں جیسی اردو میں ہیں یہ اس لیے کہ عربی مصوتوں کا نظام ایک الگ نظام ہے مثلاً وہ آواز جو فارسی میں یائے مجہول [۲] سے ظاہر کی جاتی ہے اسی بنا پر مجہول کہلاتی ہے کہ عرب اس آواز سے آشنا نہ تھے اور ان کے نزدیک یہ مجہول تھی - عربی میں حرکات کو دوہرا کرنے کا نام تنوین ہے - ایسی صورت میں تحریر میں دو فتحہ دو کسر یا دو ضمہ لکھتے ہیں - اور تلفظ اس کا ایک نون کی اضافی آواز سے کرتے ہیں اور اسی بنا پر اسے تنوین کہتے ہیں - یہ صورت حرف لفظ کے آخر میں واقع ہوتی ہے - اردو املا میں بعض عربی الاصل الفاظ میں قائم ہے اور بعض میں عربی لفظوں کی اردو شکل بن جانے کے باعث تنوین باقی نہیں رہی ہے - عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان کے لفظ

---

۱ - اصلاً عربی میں فتح ، کسر ضمہ اور آوازوں کو فتح ضمہ ان علامات کا نام ہے جن کو زبر ، زیر اور پیش کہتے ہیں -
قواعد عربی کے متعلق حوالے اکثر و بیشتر ایسی قواعد سے لیے گئے ہیں جہاں کسی دوسرے ماخذ سے استفادہ کیا ہے وہاں اس کی وضاحت ہے -

۲ - Caspari - A Grammar of the Arabic Language Translated from German into English and edited by W. Wright. III editon. Revised by W. Robertson Smmith and M. J. De Goje. University Press Cambridge. 1955. P. 7.

میں تنوین قواعد نویسوں کے نزدیک جائز نہیں ہے - مثلاً فارسی کے لفظ انداز اور رسید کو اندازاً اور رسیداً کرنا درست نہ ہو گا اگرچہ اول الذکر اب بہت عام ہے - علاوہ حرکات کے بعض علامات اور ہیں جو عربی سے اردو میں آئیں - ان میں ایک علامت جزم ہے (عربی جزمہ - یہ علامت ایک رکن کو آگے آنے والے رکن سے الگ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے : مثلاً قرآن (قر+آ+ن نہ کہ قرا+ن) ، عبرانی میں بھی یہ صورت ملتی ہے اور جزم کا دوسرا نام سکون (سکون) اس کے عبرانی نام سے ہی ہے - عربی میں کوئی حرف جس کے بعد مصوتہ نہ ہو ساکن کہلاتا ہے اور اس کے برعکس جس حرف کے بعد کوئی مصوتہ ہو اسے حرف متحرک کہتے ہیں - یہ قول (عبدالحق قواعد اردو ص۴۶) درست نہیں ہے کہ اردو میں ہر لفظ کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے - اگر حرکت کے معنی یہ ہیں کہ حرف کے بعد مصوتہ ہو تو اردو میں واو ، الف ، یائے اور حرکات کے مجموعے پر ختم ہونے والے الفاظ بہ کثرت ہیں - مثلاً جا ، جو ، جی ، جو ، جو ، جیے وغیرہ - یہ کہنا البتہ درست ہوگا کہ اردو میں کوئی لفظ حرف ساکن سے شروع نہیں ہوتا - جزم کے لیے عربی میں کئی علامات مستعمل ہیں - قدیم اشکال میں ۵ ے ملتے ہیں - ان کے بعد ں اور ۵ کا بھی استعمال ہوا - قرآن مجید کے قدیم نسخوں میں ایک خط ـ بھی مستعمل ہے - ایک عجیب بات یہ ہے کہ بعض مخطوطات میں جزم مصوتوں کو طویل کرنے کے لیے بھی استعمال کی گئی ہے : مثلاً قالْ صبوْر اور کبھی کبھی الف مقصورہ کے اوپر بھی جزم لگایا گیا ہے - اگرچہ عربی فارسی اور اردو میں واو اور یا کا استعمال مصوتوں کی آوازیں ظاہر کرنے کے لیے ہوا ہے لیکن یہی حروف صحیحہ آوازوں کو بھی ظاہر کرتے ہیں مثلاً وار اور یارا --[1]

---

۱ - بعض قواعد نویسوں (مثلاً مولوی عبدالحق ، قواعد اردو ص ۴۵) نے واو اور یا کے ساتھ الف کو بھی حروف صحیح میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ الف جب لفظ کے شروع میں آتا ہے ، تو ہمیشہ حرف صحیح ہوتا ہے - یہ خیال درست نہیں ہے - الف شروع میں بھی مصوتہ ہی ہوتا (باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۸ پر)

ایک اور علامت تشدید ہے ۔ اس کے لفظی معنی قوی کرنا ، مضبوط بنانا ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دو صحیحے متواتر آئیں اور ان کے درمیان کوئی مصوتہ نہ ہو تو ان کو دو مرتبہ لکھنے کی بجائے صرف ایک مرتبہ لکھتے ہیں اور حرف کے اوپر تشدید کا نشان ــّـ لگا دیتے ہیں ۔ ایسی صورت میں ان دونوں حروف کے مجموعے کے اول و آخر مصوتے کا ہونا ضروری ہوتا ہے ۔ جب تشدید حروف علت واو یا یر ہو تو تلفظ میں پہلا حرف مرکب مصوتہ اور دوسرا حرف بطور صحیحہ آواز دیتا ہے ۔ مثلاً نیّر ۔ (ن + ــَـ ی) (ی + ــَـ + ر) اور کبھی ہوتے تو دونوں صحیحے ہیں ، لیکن پہلا صحیحہ ذرا مختلف اور مختصر آواز ظاہر کرتا ہے مثلاً نوّاب ۔

(ن + ــَـ + و) + (و + ا + ب) ۔

ہمزہ ــ ء کو بعض قواعد نویسوں نے حروف تہجی کی فہرست میں شامل کیا ہے[۱] ــ مولوی عبدالحق صاحب[۲] ــ کا یہ کہنا درست ہے کہ اسے غلطی سے حروف میں شامل کر لیا گیا ہے لیکن یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ یہ در حقیقت ی اور واو کے ساتھ وہی کام دیتا ہے جو مد الف کے ساتھ ، یعنی جہاں ی کی آواز کھینچ کر نکالنی پڑے اور قریب دو ی کے ہو یا جہاں واو کی آواز معمول سے بڑھ کر نکالی جائے ، وہاں بطور علامت کے اسے لکھ دیتے ہیں ۔ دراصل عربی میں اسے خفیف ع سمجھنا چاہیے اور اسی لیے اس کی شکل بھی ء کی منحنی شکل ہے اور اس کے استعمال سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ الف سے ظاہر ہونے والی آواز کی جگہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۷)

ہے ۔ اردو میں اکثر الفاظ مصوتوں سے شروع ہوتے ہیں چونکہ مصوتوں کے لیے الگ الگ علامات نہیں ہیں اس لیے الف اور کسی دوسری علامت کے مرکب سے مصوتے کی آواز ظاہر کرتے ہیں مثلاً الطاف (م ص + ص م ص) ایثار (م + ص م ص) اوباش (م + ص م ص) الثا (م ص + ص م) وغیرہ ۔

۱ ۔ مثلاً فتح محمد خاں جالندھری ، (مصباح القواعد حصہ اول ، مطبوعہ نام برق پریس رامپور سنہ ۱۹۰۵ ص ۵ ۔

۲ ۔ قواعد اردو ص ۴۶

یہاں ع کی آواز نکالنا چاہیے۔ افریقی اور بعض دوسرے مخطوطات میں یہ منحنی ع واضح طور پر ملتی ہے، مثلاً أ خُلُقٌ ، قرآن حکیم کے قدیم ترین مخطوطات[1] میں ہمزہ کو ظاہر کرنے کے لیے حروف علت کو دوہرا لکھتے ہیں ۔

ہمزہ ہمیشہ ی یا واو کے ساتھ آتا ہے مثلاً گئی ، کئی ، تیئں ، نیئں (قدیم شکلیں نہیں) گئیں ، آؤں ، جاؤں ، گئو یائے معروف ی اگر لفظ کے آخر میں ہو تو اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں مثلاً رای کیونکہ اس کا تلفظ ر + ا + ی واضح ہے ۔ یہی صورت آخر یائے مجہول ے مثلاً رائے کی ہے لیکن آئے ، بائے میں لکھنے کی ضرورت بعض لوگوں نے محسوس کی ہے حالانکہ الف ممدودہ کے بعد اس کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ۔

مصوتہ الف کی آواز جب طول دے کر ادا ہوتی ہے تو اس پر ایک علامت خاص لگا دیتے ہیں اسے مد ~ کہتے ہیں اور اس الف کو الف ممدودہ کہتے ہیں مثلاً آب (بہ مقابلہ اب) بغیر طول دیے آواز کو ظاہر کرنے کے لیے جو الف استعمال ہوتا ہے اسے الف مقصورہ کہتے ہیں ۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اگر الف مقصورہ کے ساتھ کوئی علامت حرکت نہ ہو تو وہاں فتحہ سمجھنا چاہیے (مثلاً اب) لیکن کسرہ اور ضمہ کی علامت کا لکھنا ضروری ہے (مثلاً اِس ، اُس)

انشا نے بعض آوازوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ی کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتی ہیں مثلاً (کیاری ، گیارہ وغیرہ) ہم اس پر بحث کر چکے ہیں لیکن ان صورتوں میں ی صحیحے کی آواز مصوتے کے ساتھ کسی قدر مدغم ہو کر ادا ہوتی ہے ۔ ایسی ی کو بعض قواعد نویسوں نے یائے معدولہ کا نام دیا ہے اور اسے ظاہر کرنے کے لیے مختلف علامات تجویز کی ہیں ۔ مثلاً ایسی صورت میں ی کے نیچے یا اوپر ایک خط سیدھا (جو فتحہ کے خط سے آڑا ہوتا ہے ممتاز ہوتا ہے) لگا دیتے ہیں مثلاً کیاری ۔ لیکن یہ علامات متفق علیہ نہیں ہیں ۔

اسی طرح انفیائی مصوتوں کو انفی آوازوں سے ممتاز کرنے کے لیے

---

[1] Wright ¾ Arabic Grammar Vol. 1 p. 17 -

مختلف علامات تجویز کی گئی ہیں مثلاً مصوتے پر ایک منحنی دائرہ (باس ، باْس) یہ علامت بھی متفقہ نہیں ہے -

اردو میں فارسی کے بعض مستعار اور دخیل الفاظ کے آخر میں ایک ہائے ہوتی ہے مثلاً (ہفتہ ، روزہ) وغیرہ یہ ہائے اصل لفظ کا جزو نہیں ہے - (فارسی کے قدیم تلفظ میں اس کی آواز فتحہ کی طرح ہوتی تھی اور اب یائے مجہول کی طرح ادا کرتے ہیں) بعض لوگ اردو میں فارسی کی تقلید میں ہندی الفاظ کے آخر میں بھی یہ ہائے لکھتے ہیں - یہ صحیح نہیں ہے (مثلاً ناشتا کو ناشتہ ، گھنٹا کو گھنٹہ ، رسا کو رسہ) اس ہائے کو قواعد نویسوں نے اپنی اصطلاح میں ہائے مختفی کہا ہے - اسی طرح اردو میں فارسی کے بعض مستعار اور دخیل الفاظ جن کے املا میں ایک واؤ لکھا تو جاتا ہے لیکن پڑھا نہیں جاتا اسے واؤ معدولہ کہتے ہیں - یہ واؤ ہمیشہ خ کی آواز اور ایک مصوتے کی آواز کے بعد لکھی جاتی ہے (مثلاً خود ، خوش) بعض اور الفاظ میں واؤ کی آواز صرف مصوتے کی آواز ہوتی ہے (مثلاً خواب ، خوار) ان دونوں صورتوں میں واؤ کی آواز صحیحہ واؤ کی آواز نہیں ہے - اردو کے قدیم رسم الخط میں اس کے امتیاز کے لیے کوئی علامت خاص مقرر نہ تھی لیکن اب اسے واؤ کے نیچے یائے معدولہ کی طرح ایک سیدھا منحنی خط لگا دیا جاتا ہے - مثلاً خود ، خوار وغیرہ)

عربی میں اسما کے ساتھ تخصیص کے لیے ا ل لگاتے ہیں - یہ انگریزی کے definite article 'the' کے مترادف ہے - عربی کے الفاظ کے املا میں یہ املا کہیں پڑھا جاتا ہے اور کہیں نہیں پڑھا جاتا - جن حروف سے پہلے ل کی آواز ادا نہیں ہوتی انھیں حروف شمسی کہتے ہیں کیونکہ الشمس میں ش کے ماقبل لام کی آواز ادا نہیں کی جاتی - یہ حروف حسب ذیل ہیں -

ت ، ث ، د ، ذ ، ر ، ز ، س ، ش ، ص ، ض ، ط ، ظ ، ن ، ل ، یہ چودہ حروف ہیں -

ا ب ج ح خ ع غ ف ک م ن و ی ، یہ حروف ایسے ہیں کہ ان سے پہلے ل کی آواز ادا ہوتی ہے - انھیں حروف قمری کہتے ہیں کیونکہ القمر

میں ق اسی قسم کا حرف ہے اسی مناسبت سے انھیں حروف قمری کا نام دیا گیا ہے -

ظاہر ہے یہ صورت صرف عربی الاصل الفاظ کے لیے ہے - اردو میں فارسی یا ہندی الاصل الفاظ کے ساتھ ا ل کے استعمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ عربی میں ان تمام حروف کے لیے اعداد بھی معین و مقرر ہیں - ان کی تفصیل یہ ہے -

(ا ب ج د ، ہ و ز ، ح ط ی ، ک ل م ن ، س ع ف

۱ ۲ ۳ ۴ ، ۵ ۶ ۷ ، ۸ ۹ ۱۰ ، ۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰ ، ۶۰ ۷۰ ۸۰

ص ، ق ر ش ت ، ث خ ذ ، ض ظ غ -

۹۰ ، ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ ، ۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰ ، ۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰ -

اسی طرح ہر لفظ میں حروف کے مجموعوں کے حساب سے ایک مجموعی عدد حاصل ہوتا ہے - تاریخی ناموں کی یہی بنا ہے - عربی ، اردو ، فارسی میں اس طرح کی تاریخ گوئی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں - ہندی یا فارسی الفاظ میں جو حروف خاص ہندی یا فارسی کی آوازوں کو ظاہر کرتے ہیں ، ان کے لیے اعداد ان کے قریبی شکلی حروف کے برابر سمجھی جاتی ہے مثلاً پ کو ب کے برابر ج کو چ کے برابر ڑ کو ر کے برابر ڈ کو د کے برابر، مخلوط الہا یا ہائیہ لفظوں میں ھ کو الگ عدد شمار کرتے ہیں ، اس حساب میں الفاظ کی صوتی نوعیت پر غور نہیں کیا جاتا - صرف ان کا املا پیش نظر رکھا جاتا ہے -

اس باب میں صرف ان علامات سے بحث کی گئی ہے جو اردو میں مختلف آوازوں (مصوتوں اور صحیحوں) کے لیے استعمال ہوتی ہیں - عبارت میں جملے کے اجزا جملوں کے انجام ، استفہام استعجاب ، ندا ، جملہ ناتمام ، کلام منقول ، حوالہ ، وقفہ ، سکتہ وغیرہ کے لیے جو علامات استعمال کی جاتی ہیں - ان کا تعلق اردو کے صوتی نظام سے نہیں ہے بلکہ اس کے املا سے ہے اس لیے اس بحث کو یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے :

صرف اور اس کے مباحث اور موضوعات

مختلف مفرد آوازوں (مصوتوں اور صحیحوں) کے مختلف مجموعوں کا نام کلام ہے ، اگرچہ بعض صوتی اشارے ایسے ہیں جن کو مصوتوں اور صحیحوں کا مرکب کہنا دشوار ہے ۔ مثلاً وہ آواز جو تاسف کے لیے ادا ہوتی ہے کہ اس میں زبان کا اگلا حصہ تالو کے اگلے حصے پر لگتا ہے اور پھر سانس بجائے باہر کی طرف خارج ہونے کے اندر کی طرف داخل ہوتی ہے ۔ ایسی آوازیں جن کو درون داخل آوازیں کہتے ہیں بعض زبانوں میں مستقل صوتیوں کی حیثیت رکھتی ہیں[1] ۔ لیکن اردو میں ایسی آوازیں صوتی نظام سے خارج ہیں اگرچہ بعض اوقات خاص کر جذباتی شدت کے موقعوں پر ادا ہونے والی آواز میں (مثلاً مسکتے ہوئے) درون داخل کیفیت بھی شامل ہوتی ہے ، لیکن اردو کی اکثر و بیشتر آوازیں سانس کے برون خارج عمل سے پیدا ہوتی ہیں اور یہی وہ آوازیں ہیں جو اردو کے مصوتوں اور صحیحوں کی صورت میں موجود ہیں اور انھیں کے مجموعوں کو کلام کہتے ہیں جس کی تحریری صورت املا ہوتی ہے ۔

یہ صوتی مجموعے دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ بعض بے معنی اور بعض بامعنی بے معنی صوتیے قواعد کی بحث سے خارج ہیں ، اگرچہ بعض بے معنی مجموعے بھی کلام میں موجود ہوتے ہیں مثلاً ایک قسم کے بے معنی مجموعے وہ ہوتے

---

۱ - مثلاً افریقہ کی وہ تمام زبانیں جن کو Click یا چسکارے والی زبانیں کہتے ہیں اسی قسم کی ہیں ۔ ہند آریائی زبانوں میں سندھی میں درون داخل آوازوں میں سندھی ب کی آواز ہے ۔ سندھی میں اردو کی ب اور بھ کے علاوہ ایک اور آواز ب کی ہے جو اس طرح ادا ہوتی ہے کہ دونوں ہونٹ بند ہوتے ہیں ۔ نیچے کا ہونٹ حرکت کر کے اس بندش کو دور کرتا ہے اور ساتھ ہی سانس اندر کی طرف کھنچتی ہے ۔

ہیں جن کو تابع مہمل کہتے ہیں اور جو ایک بامعنی مجموعے کے ساتھ محاورے میں استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً چائے وائے ، پانی وانی ، پان وان ، کام وام وغیرہ ان میں وائے وانی وان وام مہمل ہیں کہ ان سے کوئی معنی نہیں ہیں ۔ البتہ بعض بے معنی تابع مہمل ایسے ہوتے ہیں کہ صوتی طور پر متجانس ہوتے ہیں اور مرکبات سے الگ ان کے اپنے مستقل معنی ہوتے ہیں مثلاً وائے اردو میں کلمہ تاسف ہے اور اس اعتبار سے کلام بامعنی ہے لیکن چائے وائے میں تابع جزو کے طور پر یہ بے معنی ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس طرح کے بے معنی کلمات الگ زبان میں کوئی بامعنی وجود نہیں رکھتے۔ صرف بطور تابع استعمال ہوتے ہیں ۔ ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ بامعنی کلام اور اس کے تابع مہمل میں صوتی مماثلت ہوتی ہے اور تابع مہمل میں صرف ابتدائی صوتیہ اصل صوتیے کی بجائے واو سے بدل جاتا ہے ۔ یہ ابتدائی اصل صوتیہ چاہے مصوتہ ہو چاہے صحیحہ دونوں صورتوں میں تابع مہمل میں واو سے بدلا جاتا ہے (مثلاً آنا وانا ، پانی وانی ، کالی والی) وغیرہ ۔

کلام بامعنی کا اقل ترین جزو جو معنوی اعتبار سے ایک اکائی ہو کلمہ کہلاتا ہے ۔ جدید لسانیاتی اصطلاح میں اسے (Morpheme) کہتے ہیں ۔ Morpheme کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کلمہ یا (Morpheme)

ایک مکمل معنوی اکائی ہو اور اپنے معنی کی تکمیل کے لیے کسی اور کلمہ کا محتاج نہ ہو ۔ آم ، رات، بیل وغیرہ اس قسم کے کلمے کو اصطلاحاً کلمہ بالذات (Free Morpheme) کہہ سکتے ہیں ، ایک اور قسم کے بامعنی کلمے ایسے ہوتے ہیں کہ الگ ایک مکمل معنوی اکائی کی حیثیت سے ان کے کوئی معنی نہیں ہوتے لیکن جب کسی کلمہ بالذات کے ساتھ استعمال کیا جائے تو ان کی معنویت ظاہر ہوتی ہے ۔ مثلاً اردو میں وں کے کوئی معنی نہیں لیکن مرغ + وں کے مجموعے میں وں کے جزو کے اضافے سے صیغۂ عدد میں جمع کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں ۔ اس اعتبار سے وں کلمہ بالذات تو نہیں لیکن کلمہ تابع (Bound Morpheme) ہے کہ صرف کلمہ بالذات کے ساتھ مل کر ہی اپنے معنی دیتا ہے ۔ یہ کلمہ تابع صرف ایک صوتہ بھی ہو سکتا ہے یعنی صرف ایک مصوتہ ، مثلاً آ بھی کلمہ تابع کے طور پر

نفی کے معنی دیتا ہے ۔ اٹل بہ معنی نہ ٹلنے والا (والی) لیکن ظاہر ہے کہ
ا کے انفرادی طور پر یہ معنی نہیں ہیں ۔ عام طور پر اس طرح کے تابع
کلمات بطور سابقہ اور لاحقہ استعمال ہوتے ہیں اور ایک ہی کلمہ بالذات میں
ایک سے زیادہ تابع کلمات شامل ہو کر معانی میں وسعت پیدا کرتے چلے
جاتے ہیں ۔ یہ ان زبانوں کی ایک خوبی ہے جو تحلیلی اور ترکیبی ساخت
کی زبانیں ہیں کہ ان میں مشتقات یعنی کلمہ سے دوسرے کلمات بنانے کا
لامحدود امکان ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس بعض زبانوں میں اس قسم کے
مشتقات کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور ہر کلمہ ، کلمہ بالذات ہوتا ہے ۔ دنیا
کی مشہور زبانوں میں مثلاً چینی اس قسم کی زبان ہے ۔ ایسی زبانوں میں
ہر مطلب کو ادا کرنے کے لیے ایک مفرد کلمہ بالذات کی ضرورت ہوتی
ہے چونکہ انسانی حافظہ کلمات کی ایک محدود تعداد ہی کو محفوظ رکھ
سکتا ہے ، اس لیے ایسی زبان میں کلمات کی تعداد محدود ہوتی ہے اور اکثر
ایک ہی کلمہ سے مختلف مطالب ادا کرنا پڑتے ہیں ۔ اور معانی کا تعین
سیاق و سباق سے ہوتا ہے ۔ چینیوں نے اس کا ایک حل یہ بھی تلاش کیا
ہے کہ تحریر کو صوتی شکل دینے کی جگہ تصوراتی رکھا ہے ، اس لیے
تحریر میں کلمے کا مفہوم اس کی تحریری صورت سے بھی ہو جاتا ہے ۔

ان تابع کلمات کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ زبان کی تاریخ کے
کسی دور میں یہ بجائے خود مستقل اور بالذات کلمات تھے ۔ رفتہ رفتہ ان
میں صوتی تصرف اور معنوی تجدید اتنی ہوئی کہ اب ان کی اصلی شکل
انفرادی طور پر بہت کچھ بدل چکی ہے اور انفرادی معنویت بھی بظاہر محو
ہو گئی ہے لیکن کلمات بالذات کے ساتھ آتے ہیں تو ان میں یہ معنی پیدا ہو
جاتے ہیں ۔ اس کی ایک مثال اردو میں ستان ہے یہ عام طور پر اسما کے
ساتھ آ کر ظرف مکان یا مقام کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ گلستان ۔ قبرستان ۔
پرستان ۔ پاکستان ۔ وغیرہ ۔ ستان کے معنی اردو میں اب کسی کلمہ بالذات
کے معنی نہیں ہیں ۔ اصلاً ہند آریائی میں स्थ (س تھ) قیام یا کھڑا
ہونے کو ظاہر کرتا ہے ۔ چنانچہ دنیا کی اکثر زبانوں میں مکان ، مقام ،
قیام ، کو ظاہر کرنے والے کلمات میں یہ صوتی کلمہ موجود ہے ۔ انگریزی میں
Stable, Stand, Station, Statute, statue, Apostacy, Statics,
Static, Stool, Stem, Stall, Stamina, Stage, Stammer, Stud.

ان تمام الفاظ میں ST کی آواز قیام ، کھڑا ہونا ، مکان اور مقام اور ان کا ٹھہرنا ظاہر کرتے ہیں ۔ اب بھی انگلستان میں بعض علاقوں کے نام کے ساتھ Stead اور Stede موجود ہے مثلاً Hamstede یا Hamstead ۔ فارسی میں ستان کے یہی معنی ہیں کہ فارسی مصدر استادن اس کی صورت ہے ۔ ہندی میں استھان جگہ کو کہتے ہیں ۔ اردو میں گھوڑے کو تھان پر باندھتے ہیں (ستھ کی مرکب آواز تسہیل الصوت کے باعث صرف تھ رہ گئی) آستانہ بھی اسی سے مشتق ہے تھان (ٹھاون) کی جگہ کے معنوں میں اسی کی ایک صورت ہے ۔

بعض تابع کلمات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی اصلیت صوتی و معنوی بالذات بھی تھوڑی بہت باقی رہتی ہے ، لیکن اکثر تابع کلمات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اصلی صوتی اور معنوی حیثیت تغیرات کے باعث بہت پیچھے رہ جاتی ہے اور اس خفیف حیثیت کا تعین صرف کلمات بالذات کے استعمال سے ہوتا ہے مثلاً اردو میں ی کی معنوی اور صوتی حیثیت تابع کلمہ کی ہے کہ اس کے معنی بالذات کچھ بھی متعین نہیں ۔ لیکن اردو میں بطور تابع کلمہ کے یہ مختلف معنی کا اضافہ کرتا ہے ۔ مثلاً :

۱ ۔ معنی اضافی نسبتی ترک ، ترکی ، پاکستان ، پاکستانی ، شہر ، شہری ۔

۲ ۔ معنی تانیث (بہ تبدیل الف مذکر) گھوڑا ، گھوڑی ، بکرا ، بکری ۔

۳ ۔ معنی تصغیر (بہ صوتی تصرف کلمہ بالذات) گٹھر ، گٹھڑی ، پگڑ ، پگڑی ، لکڑ ، لکڑی ۔

۴ ۔ معنی تصغیر (بلا صوتی تصرف کلمہ بالذات) روٹ ، روٹی ۔

۵ ۔ معنی اسم از صفت سرخ ، سرخی ، زرد ، زردی ، خوب ، خوبی ۔

یہ صرف چند صورتیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں ۔ زبان میں ایسی بے شمار صورتیں ہیں کہ کلمات تابع بطور تابع کلمات مشتقات بنانے میں کام آتے ہیں اور بطور سابقے اور لاحقے کے استعمال ہوتے ہیں ۔

علاوہ کلمات تابع کے بعض اور صوتی تغیرات اور تصرفات بھی کلمہ میں

معنوی تغیر کا باعث ہوتے ہیں - مثلاً اس طرح کا ایک تغیر ادخال (Infixation) ایک صوتیے کی جگہ دوسرا صوتیہ آ کر معنوی اکائی میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے - ایسی صورت میں ایک بنیادی معنی دونوں کلمات میں قائم رہتے ہیں ، لیکن دونوں صورتوں میں کچھ اضافی اور اشتقاقی معنی بھی ہوتے ہیں جو دونوں صورتوں میں الگ الگ ہوتے ہیں - اس کی ایک اچھی مثال عربی میں ملتی ہے اور عربی کے بہت سے الفاظ جو اردو میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں ، اس قسم کی تبدیلیوں کے تابع ہیں - مثلاً مُحْتَرَم اور مُحْتَرِم دونوں میں ایک بنیادی مشترک تصور عزت کا ہے لیکن پہلا کلمہ بطور اسم مفعول (جس کی عزت کی جائے) اور دوسرا بطور اسم فاعل (عزت کرنے والا) استعمال ہوتا ہے - جو لوگ ان ادخالی تغیرات سے واقف نہیں ہوتے وہ اکثر ان کلمات کے ادا کرنے میں غلطی کرتے ہیں اور مُحْتَرَم کی جگہ مُحْتَرِم کا استعمال تو بہت عام ہے[۱] -

ہمارے قواعد نویسوں نے بھی کلمے کی دو قسمیں بنانے کی بجائے لفظ کی دو قسمیں بتائی ہیں[۲] - حالانکہ لفظ صرف کلمے کی تحریری صورت کا نام ہے اور لفظ بجائے خود نہ بامعنی ہے اور نہ مہمل - بامعنی یا مہمل کا اطلاق تو اس کلمے پر ہو سکتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے - اردو میں لفظ انگریزی Word کے مترادف ہے لیکن انگریزی میں Word کا مفہوم صوتی اور تحریری دونوں صورتوں پر منطبق ہوتا ہے - اردو میں اس کی جگہ کلمہ اور لفظ الگ الگ مفہوم کے حامل ہیں - لفظ کو Word (تحریری) اور کلمہ (صوتی) کو Morpheme کے مترادف سمجھنا چاہیے - جس علم میں کلمات کے تغیر و تبدل اور ان کے بنانے اور بننے کے طریقوں اور اصولوں کا بیان ہو اسے قواعد کی اصطلاح میں علم صرف کہتے ہیں - یہ تغیر و تبدل اور اشتقاق کا عمل ، عمل تصریف یا محض تعریف کہلاتا ہے - جدید لسانیاتی

---

۱ - فتح محمد خان ، مصباح القواعد حصہ اول صفحہ ۱۹ -

۲ - عبدالحق قواعد اردو ص ۵۳ -

اصطلاحوں میں اسے Morphophonemics سمجھنا چاہیے۱ -

بامعنی کلام کو ہمارے قدیم قواعد نویسوں نے موضوع کہا ہے اور ان کے نزدیک لفظ موضوع سے اگر اکیلے معنی سمجھے جائیں تو اس کا نام کلمہ ہے - چپ رہنا ، مار ڈالنا اور اسی قبیل کے اور ایسے الفاظ جن کے اجزا ایک سے زیادہ ہیں اگرچہ بجائے خود ہر ایک جز کے جدا گانہ معنی ہیں مگر بحالت ترکیب چونکہ ان سے ایک معنی سمجھے جاتے ہیں ، اس لیے ہر ایک لفظ کلمہ ہے - کلمے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ لفظ مفرد ہو بلکہ اس کا معنی مفرد ہونا ضروری ہے -

ہر کلمے کو لفظ کہہ سکتے ہیں - ہر لفظ کو کلمہ نہیں کہہ سکتے۲ -

لفظ اور کلمے کے فرق کو ہمارے قواعد نویسوں نے بہت الجھایا ہے - ایک بیان آپ نے اوپر پڑھا دوسرا بیان دیکھیے -

” صرف میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے - الفاظ گفتگو میں آتے ہیں اور اس کی نقل لکھنے میں کی جاتی ہے - لفظ جملے کا کم از کم جز ہوتا ہے ہر لفظ کے کچھ نہ کچھ معنی ہوتے ہیں جس کے اصل اور صحیح معنے بول چال یا جملے میں آنے سے معلوم ہوتے ہیں - بعض لفظ بے معنی یا مہمل بھی ہوتے ہیں لیکن ان کا تعلق قواعد سے نہیں - قواعد میں صرف با معنی الفاظ سے بحث کی جاتی ہے - لفظ کی حیثیتیں اور صورتیں مختلف ہوتی ہیں ، کہیں اس کی حالت اور صورت کچھ ہوتی ہے اور کہیں کچھ ، ہم بول چال یا لکھنے میں لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور بتاتے ہیں۳ -“

---

۱ - اس اصطلاح کی توجیہ کے لیے دیکھیے
Charles. F. Hockett. A Course in Modern Linguistics. The Macmillan. Co. New York. Ed. 1959, p. 135.

یہ مصنف اس کی توجیہ یوں کرتا ہے
"The way in which the morphemes of a given language are variously represented by phonemic shapes can be regarded as a kind of code. This code is the morphophonemic system of the Language."

۲ - فتح محمد خان جالندھری ، قواعد اردو صفحہ ۱۸ -

۳ - عبدالحق ، قواعد اردو صفحہ ۵۳ -

لیکن لفظ کے معنی صرف نقش کے ہمارے یہاں مسلمہ طور پر موجود ہیں - مرزا غالب فرماتے ہیں :

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

انشاء اللہ خان نے دو نہایت دلچسپ اصطلاحیں اختراع کی تھیں لیکن افسوس کہ ان کے سوا کسی نے ان کو استعمال یا اختیار نہ کیا - بک اور بول - لکھتے ہیں :

بک دو گونہ بود بامعنی و بے معنی ، بے معنی از بحث بیرون است ، و بامعنی معتبر بود در بحث آن را بہ بول تعبیر کنم ، زیرا کہ بک اعم است ازینکہ بامعنی بود یا بے معنی و بول منحصر در لفظ موضوع مفرد باشد[۱] -

مرزا غالب نے البتہ اپنے ایک شعر میں یہ فرق جتایا ہے :

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اس قسم کی تعریفات میں بول یا کلمہ یا صرف کلمہ بالذات پر حاوی ہوتا ہے اور بامعنی کلمہ تابع بحث سے خارج ہو جاتا ہے - اسی لیے اس قسم کے کلمات کی الگ بحث ہمارے قواعد نویسوں نے الگ نہیں کی ہے البتہ بعض صرفی صورتوں میں ان کا ذکر ذیلی حیثیت سے کیا ہے اور وہاں بھی ان کی حیثیت تسلیم نہیں کی ہے - اس لیے 'صرف' کو اس کے مکمل مفہوم اور معنوں میں کلمہ بالذات اور کلمہ تابع دونوں پر محیط سمجھنا چاہیے اور دونوں قسم کے کلمات کو اس بحث میں شامل کرنا چاہیے - ہمارے قواعد نویسوں نے عام طور پر کلمات بالذات کو جنھیں وہ مستقل بتاتے ہیں ، پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے :

۱- اسم جو کسی جاندار شے یا کیفیت کا نام ہو -

۲- صفت وہ لفظ ہے جس سے کسی اسم کی کیفیت یا حالت معلوم ہو -

۱- انشاءاللہ خان ، دریائے لطافت ص ۱۳۲ -

۳- ضمیر وہ لفظ ہے جو بجائے اسم کے استعمال ہوتا ہے -

۴- فعل جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے -

۵- تمیز جو فعل یا صفت یا دوسری تمیز میں کمی یا بیشی پیدا کرے یا اس کی کیفیت یا حالت بتائے -

غیر مستقل الفاظ کو حروف کا نام دیا گیا ہے جن کی چار قسمیں ہیں -

۱- ربط ۲- عطف ۳- تخصیص ۴- فجائیہ -

بعض دوسرے قواعد نویسوں نے مستقل اور غیر مستقل کی تقسیم نہیں کی ہے بلکہ کلمے کو صرف تین قسموں میں تقسیم کیا ہے[۱] -

۱- اسم وہ کلمہ ہے جو اکیلا اپنے معنی دے اور اس میں کوئی زمانہ نہ پایا جائے -

۲- فعل وہ کلمہ ہے جو اکیلا اپنے معنی دے اور اس میں کوئی زمانہ پایا جائے -

۳- حرف وہ کلمہ ہے کہ جب تک اس کے ساتھ اور لفظ نہ ملے اپنے معنی نہ ظاہر کرے -

انشاءاللہ خاں[۲] نے ان سب کو ملا کر کلمات کی توجیہہ اس طرح کی ہے -

" پس بول یا بہ زمانہ از سہ زمانہ کہ ماضی و حال و استقبال باشد شامل بود وہ آن را فعل نامند مانند آیا ہے و آتا ہے و آوے گا یا چنین نہ بود وآن را اسم گویند مانند شمس و قمر و این ہر دو دلالت بذات خود بر معنی نمایند و مستقل باشند و قسمے است از بول کہ مستقل نہ بود بذات خود و دلالت کند بر معنی بواسطہ غیر و آن را حرف میخوانند چون بر بمعنی پر و سے بہ معنی از مثال آن کوٹھے پر ہم سے چڑھا نہیں جاتا برائے

---

۱ - فتح محمد خاں جالندھری مصباح القواعد حصہ اول ۲۱ -

۲ - انشاءاللہ خاں دریائے لطافت ص ۱۳۲ -

ربط کلام در عبارت بسیار آید و ممکن است کہ عبارت خالی از حرف ہم باشد مثلاً ۔ زید آیا و کوٹھا گرا ۔''

جس طرح ہمارے قواعد نویسوں کے ذہن پر عربی اور فارسی قواعد نویسی کے اصول اور لوازم سوار تھے اسی طرح یورپین زبانوں کی قواعد پر لاطینی کا اثر تھا اور یورپ کی جدید السنہ کی قواعد کو بھی انھیں سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی تھی جو ابتداً صرف لاطینی قواعد کے بیان کے اور توجیہ کے لیے تراشے گئے تھے اور وہی اصطلاحات جو لاطینی قواعد کے لیے وضع کی گئی تھیں وہی یورپین زبانوں کے لیے اختیار کر لی گئیں ۔ چنانچہ انگریزی زبان کے قواعد اور اصول بھی انھیں اثرات کے تابع ہیں ۔ اہل مغرب نے جب اردو کی قواعد نویسی کی طرف توجہ کی تو قدرتی طور پر ان کے سامنے وہی سانچہ تھا جو انگریزی میں موجود تھا اور چونکہ اہل مغرب کی اکثر و بیشتر تصانیف اور تالیفات کا مقصد خود اہل یورپ سے ان زبانوں کا تعارف تھا اور ان میں سے اکثر عربی و فارسی اس کے قواعد اور اصول اور اس کی علمی اصطلاحات وغیرہ سے آشنا نہ تھے ، اس لیے اردو میں رائج قواعد نویسی کے طریق کار اور عربی فارسی مصطلحات کی بجائے انھوں نے اس سانچے کا اختیار کرنا زیادہ موزوں اور مناسب جانا جن سے ان کے قاری واقف اور آشنا تھے ۔ ذیل میں چند نمونے اس تقسیم کے دیے جاتے ہیں جو انھوں نے 'صرف' کے باب میں قائم کی ہے ۔ جارج ہیڈلے George Hadely کی قواعد (چھٹا ایڈیشن) سنہ ۱۸۰۴ء/۱۲۱۹ھ) میں جس زبان کے نمونے پیش کیے گئے ہیں وہ مستند ، معیاری اور فصیح اردو نہیں ہے ۔ اس کا عنوان خود ہیڈلے نے یہ تجویز کیا ہے :

A compendious grammar of the current corrupt dialect of the Jargon of Hindostan commonly called Moors with a vocabulary English and Moors—Moors and English.

اپنی اس کتاب میں[1] فارسی اور بنگالی حروف تہجی کے بیان اور تشریح کے بعد صرف کے آغاز کا پہلا عنوان یہ ہے :

---

1. George Hadely - A compendious grammar of the current corrupt dialect of the Jargon of Hindostan. VIth Edition 1804 London.

of nouns substantive and adjective, And First of case, Gender and Number.

اس بحث میں انھوں نے سب سے پہلے صیغہ یا حالت (Case) کا ذکر کیا ہے اور پانچ حالتیں بتائی ہیں -

فاعلی	Nominative
اضافی	Genitive
مفعولی	Dative
خبری	Accusative
ندائی	Vocative
طوری	Ablative

ہیڈلے کے بقول اسم Nouns substanive اور صفت Adjective میں حالت کا اظہارحرف (Post Posit ion) سے ہوتا ہے - انھوں نے حروف(Post Positon) کا یہ خاکہ دیا ہے :

فاعلی ۱	Nominative	×
اضافی ۲	Genitive	(Kan) of کاں
نحوی	Dative	کے پاس (Kay pauss) to near to) (Ko) to کو
خبری	Accusative	×
ندائی ۳	Vocative	Oh, (oh) آو
طوری	Ablative	Kay, pas, say from (from near to) Say (from) کے پاس سے مئے (mine) in Saath (with) ساتھ

۱ - ہیڈلے نے صرف انگریزی کی اصطلاحات دی ہیں - ترجمہ یہاں صرف تفہیم کے لیے راقم نے شامل کر دیا ہے -

۲ - ملحوظ رہے کہ ہیڈلے نے مونث کی اور جمع کے کا ذکر نہیں کیا -

۳ - ہیڈلے نے حروف ندا آو لکھا ہے انہ کہ آو اور اے کو چھوڑ دیا ہے -

حالت مفعولی اور حالت خبری میں مختلف حرفوں کے استعمال توجیہہ اس طرح کی ہے ۱ -

The first dative and Alative are used in a locomotive sense only, and that only when personlly applied as صاحب کے پاس جاؤ Sauheb Kay paus jaou go to (or rather near to) master; Sauheb Kay Pauss se jaou - صاحب کے پاس جاؤ۲ go from (from near to) master. But when not personally and locomotively applied, use the second dative and Ablative as صاحب کو دے۳ Saheb ko do. give thou to master, Saheb ko do give you to master صاحب کو دو

اس بحث کے بعد صیغہ عدد کی بحث ہے اور گردان کو Declension of Nouns Substantive and Adjective

کا عنوان دیا ہے

اس کے بعد ضمیر کی بحث ہے - عنوان ہے of pronoun substantive and Adjective.

اس کے بعد فعل کی بحث ہے

Verbs, of numbers, persons, moods, voices, tenses and conjiugations

اس میں لکھا ہے کہ عدد کے صیغے دو ہیں : (واحد جمع) Mood تین ہیں - Indicative Infinitive Imperative باقی حالتیں مثلاً optative اور Potential ہیں جو خاص الفاظ کے شمول سے خاص حالتوں کو ظاہر

---

۱ - ہیڈلے کی یہ قواعد جس رسم الخط میں شائع ہوئی ہے وہ اب انگریزی طباعت میں بھی متروک ہے - اس لیے ہیڈلے کی اصل عبارت کی بجائے اسے رائج ٹائپ میں لکھا گیا ہے مثلاً کی دو شکلیں ہیں S اور F ان میں آخری شکل اب متروک ہے اس لیے حوالوں میں جہاں یہ شکل F ہے اسے بھی S لکھا گیا ہے -

۲ - اصل کتاب میں اردو عبارت میں "سے" نہیں ہے - یہ طباعت کی غلطی ہے - رومن میں موجود ہے -

۳ - اصل عبارت میں یائے معروف اور یائے مجہول کا فرق بھی نہیں ہے - صرف یائے معروف لکھی ہے -

کرتی ہیں - فعل کی دو صورتیں (Voices) لازم اور متعدی ہیں - ان کو Active اور Passive کہا ہے - مثلاً : مارنا ، مارا جانا ، ہونا ، ہوجانا - زمانے تین ہیں : ماضی ، حال ، مستقبل - فعل کی بحث میں چند اصطلاحیں جو ہیڈلے نے استعمال کی ہیں یہ ہیں :

Preterit participle, Subjunctive, Preteri pluferfect ; perterimperfect, Participles.

چونکہ ہیڈلے نے تسلیم کیا ہے کہ اس کی قواعد صرف علمی ضروریات کے پیش نظر لکھی گئی ہے ، لہٰذا اس نے صرف مذکورہ بالا مباحث پر اس قواعد کو صرف ۵۶ صفحات میں ختم کر دیا ہے اور اس طرح اس میں گویا صرف دو بحثیں ہیں : اسم صفت اور ضمیر کی ایک عنوان میں اور فعل کی دوسرے عنوان میں - جان شیکسپیر (Johd Shakespear) کی قواعد نسبتاً زیادہ مفصل ہے اور ہیڈلے کی قواعد کے برعکس ، جس کو وہ صرف ایک غیر فصیح بولی کی قواعد بتاتا ہے ، یہ مستند ہندوستانی کی قواعد ہے اس کا عنوان یہ ہے[1] :

A Grammar of the Hindustani Language, Third Edition London, 1826.

شیکسپیر کی قواعد میں باب اول رسم الخط اور حروف تہجی کی بحث میں ہے جس میں عربی فارسی اور دیوناگری رسم الخط کی تشریح ہے باب دوم میں تلفظ سے بحث ہے - اس کے بعد ابواب کی تقسیم حسب ذیل ہے :

Chapter III

on the Noun—Division of Nouns into different kinds—on gender—formation of Feminines from Masculine—on Number and the formation of Plural—on change or Inflection before Post positions—cases, how formed—Vocatives, Interjections used with

---

۱ - سرورق پر یہ اشعار بھی طبع ہیں -

سخن کے طلب گار ہیں عقلمند سخن سے ہے نام نکویاں بلند
سخن کی کریں قدر مردان کار سخن نام ان کا رکھے برقرار

it—construction of Nouns, adopted from the Persian and Arabic—Declension of Nouns—Peculiarities in the inflection of Numerals and some Nouns of Time—Adjectives, declension of ordinals of numbers, how formed and declined—comparison of Adjectives, how expressed—use of the adjunct of Similitude in.

Chapter V

on the Verb—The Imperative in the second person singular, or The Root—The infinitive, how formed and declined—The Past Participle—The Past Conjunctive Participle—The Past Tenses ; namely the past indefinite, the pluperfect or past past, the past definite or past present, the past future and the past conditional or optative—The Present Tenses ; namely the present indefinite, the imperfect or present past, the presont definite or present present, and the present future—Future Tenses—The Imperative—Respectful or Precative forms of the Future and Imperative—Transitive and casual verbs, how formed—Compound verbs, how formed—Derivative verbs how obtained—Passive sense of a verb, how denoted—Synopsis of additions to the root to form the Infinitives Participles, and indefinite tenses—Auxiliaries used in forming the Definite Tenses of Verbs—The Substantive Verb—Conjungation of the Verb جا go—Conjugation of the Verb ہو be, become—Conjugation of a reguler intransitive verb—Conjugation of a Transitive or causal Verb in the active and passive Voices.

Chapter VI

on Indeclinable words — Post positions and prepositions — Adverbs—Conjunctions—Interjections.

Chapter VII

On the numerals. The cardinals, with the Arabic and Indian figures—Arabic letters, how adopted to represent numbers—The

ordinals, and how formed—The Aggregate or collective Numbers—The Distributives, the Proportionals and the Reduplicatives—The Fractionals.

Chapter VIII

on the Formation of Derivatives—Abstract Nouns, how formed—nouns denoting the agent how formed—Local and Instrumental Nouns, how derived — Diminutive Nouns, how obtained — Adjectives, how formed from Substantives — Adjectives of Intensity, how obtained—Adjectives and Adverbs, from the Pronouns—Transitive and Causal verbs, how derived. Verbs, how derived from Nouns.

شکسپیر نے قواعد کے نویں باب میں نحو سے بحث کی ہے - اگرچہ نحو کی بحث قواعد کے زیر بحث حصے سے الگ ہے لیکن ایک مغربی قواعد نویس کے قواعد اردو کے پورے تصور کو واضح کرنے کے لیے اسے بھی یہاں نقل کرنا ضروری ہے -

Chapter IX

on the Syntax. The usual arrangements of words in a sentence. Regimen of Nouns of various genders—Construction of Nouns, and extra ordinary uses of the Post positions کا etc.—Cases used with the Verb—Post positions often understood—Construction of Post positions, and of words used Post positively—what Post positions are more usual and polite than others of a similar meaning—construction of Adjectives with their substantives—with numerals a singular Noun generally preferred—The elliptical use of the feminine genitive of a pronoun—Precedence of the first person—Idiomatical way of relating the words of a third person—The second personal pronoun, how used. Terms of respect adopted for it, and of humility for the first person. use of the Pronoun وہ and یہ—use of the Pronoun آپ—Adjuncts to the Pronoun etc. to denote peculiarity etc.—Peculiar uses of the

interrogatives. Peculiar uses of the Relative and the correlative —Peculiar uses of کوئی and کچھ— concord of the Verb with its governing Noun and the construction with نے Infinitive of gerund ; peculiarities in the use of it—Past and present Participles; peculiar uses of them.—Past Indefinite Tense used at times in a present or future sense—Present Tense used in the sense of Future—Indefinite Future of the Aorist ; peculiar use of it. Adverbs of Negation ; how used—The conjunctions کہ and جو in what sense used—The conjunction اور or او or, و how used —The conjunction اگر and جو to be answered by by پس or تو —Uses of جون or جیون and their correlatives تون or تیون — Affirmation or assent how expressed—The residence of any one how indicated—words of similar meaning or of like sound used to gether—Appellations of Honour attributed to different classes of men.

اس تفصیلی خاکے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان مصنفین کے پیش نظر اردو کے وہ قواعد و ضوابط بھی تھے جن کا اتباع عربی اور فارسی قواعد نویسوں کے زیر اثر اردو قواعد نویسوں نے کیا تھا اور یہ لوگ لاطینی قواعد نویسی کے بنیادی تصورات اور عناصر سے بھی آشنا تھے اور چونکہ ان کے مخاطب اور قاری مغربی زبانوں کی قواعد سے واقف تھے اس لیے انھوں نے انھیں سانچوں کو قبول کیا ہے - شکسپیر نے انگریزی کے مترادف وہ اردو اصطلاحات بھی نقل کی ہیں جن کے لیے انھوں نے یہ انگریزی اصطلاحات اختیار کی ہیں - یہ فہرست حسب ذیل ہے :

A

Ablative (case)	حالت مفعول یا مفعول معہ
Accidence	صرف
Accidental	عارضی
Accusative (case)	حالت مفعول یا مفعول معہ
Acted	مفعول

Active (voice of a verb)	معروف
Actor	فاعل
Adjective	اسم وصف یا اسم صفت
Adjective (with a substantive)	صفت یا نعت
Adjective (with its substantive)	صفت ، موصوف ، نعت ، منعوت
Adjective (with the comparative) or superlative degree	اسم تفضیل
Adjective (of similitude)	اسم تشبیہ
Adjective (of quantity)	اسم مقدار
Adjective (of quality)	اسم کیفیت
Adverb	حرف ، حرف تمیز ، ظرف
Adverb (of place)	ظرف زماں
Adverb (ef time)	ظرف مکاں
Adverb (of affirmation)	حرف ایجاب
Adverb (of Negation)	حرف نفی
Adverb (of Injunction)	حرف تاکید
Adverb (of peculiarity or Identity)	حرف تخصیص
Adverb (of Similitude)	حرف تشبیہ
Adverb (of exception)	حرف استثنا
Adverb (of cause or reason)	حرف تعلیل
Adverb (of method)	حرف طرح
Adverb (of condition)	حرف شرط
Adverb (of Society)	حرف محیة
Adverb (of extremity)	حرف غایت
Affirmation	ایجاب یا اثبات
Affirmative	موجبہ یا مثبت
Agent or Actor	فاعل
Alphabet	الف بے یا حرف تہجی
Aorist	مضارع
Apocope	حذف
Article	حرف
Artificial or positive	جعلی

C

Case	حالت یا کارک
Causal Verb	فعل متعدی یا متعدی بمفعولین
Commen cement	ابتدا
Common	مشترک
Compound	مرکب
Concrete Noun	اسم صفت یا صفت مشبہ
Condition	شرط
Conditional	شرطی
Conjugation	تصریف یا گردان
Conjugate (to)	تصریف کرنا
Conjunction	عطف یا حرف
Conjunction copulative	حرف عطف
Conjunction disjunctive	حرف تردید
Conjunction explanatory	حرف بیان
Conjunction conditional	حرف شرط
Conjunction consequential	حرف جزا
Consonant	حرف صحیح
Construction	ربط
Construe (to)	ربط دینا
Context	قرینۂ مضمون ، معنی ، فحوائے کلام
Correlative pronoun	جواب موصول
Couplet	بیت یا دوہا

D

Dative case	حالت مفعول یا مفعول لاجلہ
Declension	تصریف ، تبدیل ، گردان ، صرف
Declined or Inflected	منصرف

Defective	ناقص
Definition	تعریف
Definite	محدود
Definite article	حرف معرفہ یا حروف تعریف
Definite noun	اسم معرفہ
Degree comparative	صیغۂ تفضیل
Degree superlative	صیغۂ مبالغہ
Demonstrative pronoun	اسم اشارہ
Demonstrative pronoun the noun with it.	مشارالیہ
Derivation	اشتقاق یا وجہ تسمیہ
Derivative	مشتق
Diacritical points	اعراب یا حرکات
Doubling (of a letter)	تشدید ، ادغام
Double (letter)	مشدد
Doubtful	مبہم
Dual number	تشنیہ
Dual (a word)	مثنیٰ

E

Elision	حذف
Elision-cut off by it a letter or syllable	محذوف
Emphasis	تاکید
Emphatick [1]	تاکیدی
Etymology	اشتقاق یا تشقق ، وجہ تسمیہ ، صرف
Enuphony	تحسین تلفظ
Exception	استثنا
Exception (irregular)	مستثنیٰ یا شاذ
Explanatory	بیانیہ ، بیانوا ، یا شرحوار
Expletive	تکیۂ کلام یا سخن تکیہ

۱ - شیکسپیر نے یہی املا استعمال کیا ہے -

Expletive of a nominative or name of the agent, before a transitive verb in a past tense.	ماضی متعدی کی فاعل کا حرف لازم
Explication	شرح یا تفسیر
Expressed	ملفوظ یا مرکوز

F

Female	مادہ
Feminine gender	تانیث
Feminine of the gender	مونث
Foot (in verse)	رکن
Form (of a word)	وزن
Future (tense of a verb)	مستقبل
Future (futurity)	استقبال

G

Gender	جنس
General	اکثریہ
Genitive case	حالت اضافیت یا حالت جبری
Genitive (the governed of two nouns)	مضاف الیہ
Gerund	اسم مصدر
Governed	معمول ، مفعول یا منصوب
Governing	فاعل یا عامل
Governing (of two nouns in construction)	مضاف
Grammar	صرف و نحو یا بیاکرن [1]

H

Hemistich	مصراع [2]

---

۱ - ان کا املا شیکسپیر کے یہاں اسی طرح ہے -

۲- شیکسپیر نے یہ اصطلاح استعمال کی ہے - اردو کے کسی قواعد نویس نے بیاکرن نہیں لکھا - ہندی والے بیاکرن ہی کہتے ہیں -

---

I

Idiom	محاورہ ، طرز کلام ، اصطلاح
Immoveable (a consonant without a vowel)	غیر متحرک [1]
Imperative	امر
Imperfect (tense)	ماضی استمراری ، مستمر ماضی
Imperfect (verb or noun)	ناقص
Indeclinable	غیر منصرف
Indefinite noun or article	اسم تنکیر یا اسم نکرہ
Indefinite (tense etc)	مطلق
Inference	حاصل یا نتیجہ
Infinitive	مصدر
Inflection	تبدیل ، تصریف ، گردان
Interjection	حرف ، حرف ندا
Interrogative	اسم استفہام ، حرف استفہام
Irregular	سماعی ، شاذ

L

Letter	حرف

M

Male	نر
Masculine gender	تذکیر
Masculine (a word)	مذکر
Metre	نظم ، قافیہ ، بحر ، وزن ، میزان
Mood	صیغہ
Moveable	متحرک

۱۔ شیکسپیر نے غیر متحرک لکھا ہے باقی لوگوں نے اسی کو ساکن لکھا ہے ۔

N

Negation	نفی
Negative	منفی
Neuter verb	فعل لازم ۱
Nominative case	حالت فاعل
Nominative case (noun in it)	فاعل ، مبتدا ، کرنا
Noun	اسم
Noun-primitive	اسم جسد
Noun-derivatibe	اسم مشتق
Noun-concrete or abstract	اسم صفت
Noun-verbal	اسم مصدر ، حاصل مصدر
Noun-of the actor	اسم فاعل
Noun-Indefinite	اسم تنکیر ، اسم نکرہ
Noun-definite (by an article)	اسم معرفہ
Noun-diminitive	اسم تصغیر
Noun-of excess	اسم مبالغہ
Noun-of placc	اسم مکان ، اسم ظرف
Noun-of time	اسم زمان
Noun of instrument	اسم آلہ
Noun appellativer	اسم جنس
Noun arbitrary	اسم سماعی
Noun of name proper	علم
Number (of a verb or noun)	صیغہ ۲
Numeral	اسم عدد
Nunation	تنوین

۱ - انگریزی کے قواعد نویسوں نے اسے Intransitive verb لکھا ہے لیکن شکسپیر نے اس کی جگہ Neuter verb کی اصطلاح پسند کی ہے -

۲ - Number کے لیے صیغے کا استعمال محل نظر ہے - کیونکہ یہ تو صیغہ **عدد** کا ہے جنس کا بھی صیغہ ہوتا ہے اسی لیے جدید لسانیاتی اصطلاحوں میں صیغہ کو Grammatical category کہتے ہیں -

---

O

Origin	اصل ، بنیاد ، مبدا
Original	اصلی ، ذاتی ، جوہری
Orthography	املا ، رسم الخط
Orthographical marks	اعراب

P

Parenthesis	جملہ معترضہ
Part of speech	کلمہ
Participle past	اسم مفعول
Participle past-conjunctive or pluperfect	ماضی معطوف علیہ
Participle present	اسم حالیہ
Particular	جزیہ
Passive (voicl of a verb)	مجہول
Past (tense)	ماضی
Past-absolute or indefinite tense	ماضی مطلق
Past past, or pluperfect tense	ماضی بعید
Past present, or past indefinite tense	ماضی قریب [1]
Past-future tense	ماضی متشکی
Prohibition	نہی
Pronoun	ضمیر یا اسم ضمیر
Pronoun (common or reflective)	ضمیر مشترک
Pronounciation	تلفظ ، مخرج
Prose	نثر
Prosody	عروض
Proximate	قریب

---

۱ - Past Indefinite ماضی مطلق ہو گا ۔ شیکسپیر کو یہاں دھوکا ہوا ۔

Q

Quiescent (having no vowel)	ساکن ، موقوف

R

Radical	اصلی ، ذاتی ، جوہری
Regular	باقاعدہ یاقیاسی ۱
Relative pronoun	اسم موصول
Remote	بعید
Rhyme	قافیہ ، ردیف ، سجع
Rule	قاعدہ ، قانون ، ضابطہ

S

Scanning	تقطیع
Sentence	جملہ
Sign	علامت
Simile ۲	تشبیہ
Simple	بسیط
Single	مفرد
Singular number	واحد یا صیغۂ واحد
Spelling	املا - ہجے
Substantive (when alone)	اسم
Substantive (with an adjective)	موصوف ، منعوف

---

۱ - Regular کو قیاسی کہنا بھی محل نظر ہے - مثلاً جنس حقیقی ہو تو اسے Regular کہیں گے لیکن یہ قیاسی نہ ہو گی البتہ جنس غیر حقیقی ہو تو قیاسی یا سماعی ہو سکتی ہے - صرف توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ غیر حقیقی ہونے کے باوجود چونکہ اس کا تعین دوسری موجود مثالوں کو سامنے رکھ کر اسی پر قیاس کرتے ہیں - اس لیے اس میں باقاعدگی پیدا ہو جاتی ہے -

۲ - شیکسپیر نے یہی املا اختیار کیا ہے -

Superlative	مبالغہ
Syllable, first	فا کلمہ
Syllable, second	عین کلمہ
Syllable, third	لام کلمہ
Syllable, fourth	لام ثانی کلمہ
Synonimous	مترادف ، ہم معنی
Syntax	نحو

T

Tense	صیغہ یا زمان یا سمے ۱
Tetrastich	رباعی ۲

U

Uncommon	شاذ
Understood	مقدر ، مضمر
Ungrammatical	بے قاعدہ ، نامربوط ، خلاف قیاس
Universal	کلیہ ، کلی
Unlimited	غیر محدود
Uncompounded	بسیط ، غیر مرکب

V

Verb	فعل
Verb intransitive	فعل لازمی
Verb transitive	فعل متعدی
Verse (in opposition to prose)	نظم
Verse (in prosody)	بیت

---

۱ - یہاں بھی Tense کو صرف صیغہ کہنا درست نہ ہو گا یہ صیغۂ زمان ہے -
۲ - رباعی کو tetrastich کہنا درست نہ ہوگا - tetra
کے معنی تین کے ہیں - رباعی میں تین نہیں چار مصرعے ہوتے ہیں -

Vocative case	حالت ندا
Voice (of a verb)	صیغہ
Voice active	صیغۂ معروف
Voice passive	صیغۂ مجہول
Vowel, long واؤ الف یا	حرف علت
Vowel, short (that is ـُـ ـَـ ـِـ)	حرکت ، اعراب ، ماترا

باب ہفتم

اسم

اسم کی مختصر تعریف ہمارے قواعد نویسوں نے یہ کی ہے :

" اسم وہ لفظ ہے جو کسی کا نام ہو[1] ۔"

یہ تعریف جامع نہیں ہے ۔ اولاً تو اسم صرف لفظ یعنی تحریری شکل سے مخصوص نہیں اس لیے اگر یوں کہتے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو کسی کا نام ہو تو شاید زیادہ بہتر ہوتا ۔ علاوہ ازیں صرف نام ہی اسم نہیں ہے ۔ اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہو گا کہ لکھنے والے کی مراد نام سے کسی انسان شہر ، جگہ یا چیز کا نام ہے ۔ اس لیے بعض قواعد نویسوں نے ذرا وضاحت کر کے لکھا ہے :

" اسم کسی شخص ، جگہ یا شے کے نام کو کہتے ہیں ۔"

لیکن یہ تعریف بھی جامع نہیں ہے ۔ بہت سے کلمات ایسے ہیں جو نہ کسی شخص خاص کا نام ہیں نہ کسی عام چیز کا نام بلکہ ان سے بعض کیفیات ، حالتیں ، صفات ، اعداد وغیرہ کا پتہ چلتا ہے ۔ اس لیے اسم کی زیادہ جامع اور مانع تعریف یہ ہو گی :

" اسم وہ کلمہ ہے جو اکیلا اپنے معنی دے اور اس میں کوئی زمانہ (حال ، ماضی ، مستقبل) نہ پایا جائے[2] ۔"

چنانچہ انشاءاللہ خاں نے بھی یہی تعریف کی ہے[3] ۔

"×۳ پس بول یا بہ زمانہ از سہ زمانہ کہ ماضی و حال و استقبال

---

۱ ۔ عبدالحق ، قواعد اردو ص ۵۵ ۔
۲ ۔ فتح محمد خاں جالندھری ، قواعد اردو ص ۲۱ ۔
۳ ۔ انشاءاللہ خاں ، دریائے لطافت ص ۱۳۲ ۔

باشد شامل بود و آن را فعل نامند مانند آیا ہے و آتا ہے اور آوئے گا یا چنیں نہ بود و آن را اسم گویند مانند شمس و قمر و این ہر دو دلالت بذات خود بر معنی نمایند و مستقل باشند ۱ ۔''

ساخت کے اعتبار سے اسم کی قسمیں

جیسا کہ اردو زبان کی ساخت کے سلسلے میں بیان کیا گیا ۔ اردو آریائی زبانوں کے خاندان میں شامل ہے اور اس اعتبار سے منجملہ اور خصوصیات کے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اشتقاق ہوتا ہے یعنی ایک کلمہ سے دوسرا کلمہ بنا لیا جاتا ہے ۔ جس کلمہ سے دوسرے کلمے بنائے جا سکیں اس کو مصدر کہتے ہیں اور جو کلمے اس طرح بنائے جائیں وہ مشتق کہلاتے ہیں ۔ چند کلمات ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہ توکسی دوسرے کلمے سے بنائے جاتے ہیں اور نہ ان سے کوئی دوسرا کلمہ بنتا ہے ۔ ایسے کلمے کو جامد کہتے ہیں ۔

مصدر مشتق اور جامد کی اصطلاحیں عربی قواعد سے لی گئی ہیں لیکن ساخت کا جو عمل اوپر بیان ہوا وہ اردو عربی دونوں میں پایا جاتا ہے ۔ اس لیے ان اصطلاحوں کے استعمال میں کوئی دقت نہیں ۔ البتہ بعض دوسری زبانیں ایسی ہیں جن میں مصدر مشتق اور جامد کی یہ تفریق اور تقسیم موجود نہیں ہے ۔ مثلاً چینی زبان میں تمام اسما غیر تصریفی ہوتے ہیں یعنی ان میں سے کوئی اسم نہ دوسرے اسم سے بنتا ہے اور نہ اس سے کوئی دوسرا اسم بنتا ہے ۔ چینی میں اسم کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں : ۲ اسم اشارہ

---

۱ ۔ اسم و فعل کا یہ فرق جو آریائی زبانوں میں پایا جاتا ہے اور عربی میں بھی ہے دنیا کی بعض زبانوں میں موجود نہیں ہے مثلاً نوٹکا Nootka کے بارے میں ہاکٹ لکھتا ہے :

"At least one language, Nootka, is known to have a bipartite system. One significance of this system is that it disproves any assumption that the contrast between noun and verb is Universal on the level of parts of speech. —A course in Modern Linguistics, p. 224.

۲ ۔ فتح محمد جالندھری ، قواعد اردو ص ۲۱ ۔

۲۔ اسم عدد ۳۔ اسم مقدار ۴۔ اسم ذات اور ۵۔ ضمائر : مثلاً تین میزیں کہنے کے لیے پانچ اسم استعمال کرنا پڑیں گے جو حسب ذیل مفہوم ظاہر کریں گے :

۱ ۔ اسم اشارہ ۲ ۔ اسم عدد ۳ ۔ صفت ۴ ۔ شے ۵ ۔ اسم ذات اور مرکب یہ ہو گا ۔

"یہ + تین + سطح + شیے + میز = تین میزیں ۔

بہرحال اردو میں ساخت کے اعتبار سے اسم کی تین قسمیں ہیں :

۱ ۔ جامد ایسے اسم جو نہ خود کسی دوسرے کلمے سے بنے ہیں اور نہ ان سے کوئی کلمہ بنا ہے ۔ مثلاً اونٹ ، بکرا ، تلوار ، قلم ۔

۲ ۔ مشتق وہ اسم ہیں جو کسی دوسرے کلمے سے بنائے جائیں مثلاً پڑھنا سے پڑھنے والا ، پڑھا ہوا ، سرخ سے سرخی وغیرہ۔ بہت سے اسما مشتق ہو سکتے ہیں ، لیکن تمام مشتقات اسم نہیں ہوتے کیونکہ افعال بھی مشتق ہوتے ہیں مثلاً پڑھنا سے پڑھتا تھا ، پڑھے گا ۔ تینوں فعل ہیں کہ بامعنی کلمات ہیں اور ان میں ایک زمانہ (حال ، ماضی ، مستقبل) پایا جاتا ہے ۔ مصدر ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس سے دوسرے کلمے نکلتے ہیں ۔ مثلاً پرھنا سے پڑھا (پڑھنا مصدر ہو گا فعل نہ ہو گا کیونکہ فعل کے لیے شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی ایک زمانہ پایا جائے ، مصدر میں زمانے کی تعیین نہیں ہوتی ، پڑھو ، پڑھائی ، پڑھتا ہوا ، پڑھتا ہے) اسی لیے بعض قواعد نویسوں نے مصدر کی تعریف یوں کی ہے[۱] :

جو کلمہ کسی کام یا حرکت کا بیان ہو اور اس میں زمانہ نہ پایا جائے یعنی اس کام اور حرکت کا کوئی وقت معین نہ ہو ، اس کو مصدر کہتے ہیں ۔ مصدر کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے کہ مصدر وہ اسم ہے جس میں ہونا یا کرنا یا سہنا بلا تعلق زمانے کے سمجھا جائے اس لیے

---

۱ ۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض صورتوں میں اسم جامد سے بھی مصدر بن سکتا ہے لیکن ایسے مصدر کو مصدر جعلی کہنا زیادہ صحیح ہوگا ، (مثلاً جوتا یا جوتی سے جتیانا ۔ جعلی اور اصلی مصدر کی بحث فعل کے ساتھ مصدر فعلی کے باب میں دیکھیے ۔

کہ جتنے کام ہیں سب میں یا تو ہونا پایا جاتا ہے جیسے ہو جانا ، اٹھنا ، بیٹھنا ، آنا ، جانا ، وغیرہ یا کرنا جیسے کھانا ، پینا ، لکھنا ، پڑھنا یا سہنا جیسے پٹنا ، لپٹنا ، مارا جانا وغیرہ -

مصدر کی یہ تعریف عام اور رائج ہے لیکن اصل میں اس کا اطلاق صرف ایسے کلمات پر ہوتا ہے جنھیں مصدر فعل کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ان سے اسم اور فعل دونوں مشتق ہوتے ہیں مثلاً کھانا سے کھاؤ اور کھاتا ہے - پہلا اسم اور دوسرا فعل ہے - لیکن بعض مصادر ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ہونا ، کرنا ، سہنا نہیں ہوتا - ان میں کوئی کیفیت ہوتی ہے جو خود اسم ہوتی ہے (مثلاً صفت) اور اس سے دوسرے اسم مشتق ہوتے ہیں (مثلاً سرخ سے سرخی ٹھنڈے سے ٹھنڈا) - مصدر کی تعریف میں ان دونوں کو شامل کرنا چاہیے - قواعد نویسوں نے عام طور پر صرف مصدر فعلی کو مصدر بتایا ہے اور اس کی علامت اردو میں نا بتائی ہے (لیکن شرط یہ ہے کہ اس کلمے میں ہونا ، کرنا ، سہنا وغیرہ بھی شامل ہو اسی لیے بعض کلمات جن کے آخر میں نا آتا ہے مصدر نہیں ہیں - مثلاً نانا ، رانا ، پرانا ، چونا ، سونا ، نتھنا ، گھرانا - دوسری شناخت مصدر کی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں سے نا دور کرنے کے بعد جو کلمہ باقی رہ جائے وہ فعل کا صیغہ امر ہو مثلاً کھانا سے کھا - گھرانا ، پرانا وغیرہ سے نا خارج کر کے یہ صورت پیدا نہیں ہوتی اس لیے یہ مصدر نہ ہوں گے) مصدر فعلی کا بیان فعل کے سلسلے میں تفصیل سے کیا گیا ہے - مصدر فعلی کی اس وضاحت کے بعد جامد اسم کی وضاحت بھی آسان ہوگی - وہ تمام اسما جو نہ تو مصدر فعلی ہوں اور نہ مصدر فعلی سے مشتق ہوں جامد ہوں گے - اسی طرح اسم جامد سے نہ مصدر فعلی بن سکتا ہے اور نہ فعل[۱] -

---

۱ - W. Wright — A Grammar of the Arabic Language P. 107 Vol. 1. —a noun that is stationary or incapable of growth, one that is not itself a *nomen actionis* or infinitive, nor derived from a nom'act, and which does not give birth to a nom. act. or verb as رجل a man, بط a duck opposed to اسم مشتق, a noun that is derived from a nom. act. or verbal root as کاتب a writer, قتیل slain.

باعتبار نوعیت اسم کی قسمیں

عربی کے قواعد نویسوں نے نوعیت کے اعتبار سے اسم کی چھ قسمیں بتائی ہیں :

۱۔ اسم یا الموصوف یا المنعوت۱ ۔

یعنی ایسے اسم جن کے ساتھ کوئی صفت استعمال کی جاسکتی ہے ۔

۲۔ صفت یا اسم صفت ۔

جیسے الوصف الصفتہ یا النعت کہتے ہیں ۔ اس سے مراد ایسا اسم ہوتا ہے جو کیفیت ، حالت ، یا نوعیت ظاہر کرے۲ ۔

۳۔ اسم العدد یا صفت عددی ۳ ۔

۴۔ اسم الاشارہ ۴ ۔

۵۔ اسم الموصول یا موصول الاسمی

۶۔ ضمیر یا مضمر

اردو کے قواعد نویسوں نے بالعموم یہ ترتیب و تقسیم کی ہے :

۱۔ اسم جو کسی جان دار شے یا کسی کیفیت یا حالت کا نام ہو۔

۲۔ صفت ، جس میں کسی اسم کی کیفیت ، حالت ، مقدار اور تعداد سب شامل ہوں ۔

(۳) ضمیر ، جس میں اسم الاشارہ اور ضمیر شخصی دونوں شامل ہیں ۔

ان میں اول الذکر قسم کے اسم جامد ہوتے ہیں یا مشتق ، اشیا کے

---

۱ - Nomen substantivum or substantive

شکسپیر نے (substantive) کو صرف اسم کہا ہے ۔ اس صورت میں کہ وہ اگرچہ صفت کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے بلا صفت کے ہو اگر صفت کے ساتھ ہو تو اسے شکسپیر نے موصوف یا منعوف کہا ہے ۔

۲ - Nomen adjectivum or Adjective

۳ - Nomen numerale or Numeral adjective.

۴ - Nomen demostrativum.

نام سب جامد ہیں ۔ مشتق اسما اشیا کے نام بھی ہوسکتے ہیں اور صفات بھی ۔ پھر مشتق اسما یا تو مصدر فعلی سے مشتق ہوتے ہیں مثلاً عربی مفتاح بمعنی کنجی یا چابی کہ فعل فتح سے مشتق ہے یا کاتب کہ کتب سے مشتق ہے یا پھر بجائے مصدر فعلی کے مصدر اسمی سے مشتق ہوتے ہیں ، مثلاً انسان سے انسانی ۔ ایسے مصدر اسمی سے مشتق اسم صفت بھی ہوسکتے ہیں اور اسم بھی انسان سے انسانی صفت ہے اور انسانیت اسم صفت بعض اسما عربی میں ضمیر سے بھی مشتق ہوتے ہیں مثلاً انا (میں) سے انانیت اور بعض حروف سے مثلاً کیف سے کیفیت ۔ اردو میں اس طرح کے اسما زیادہ تر وہی ہیں جو عربی سے مستعار اور دخیل ہیں اور عربی کے قاعدے سے بنائے گئے ہیں ۔

پہلے ان اسما سے بحث کی جاتی ہے جنھیں ہمارے قواعد نویسوں نے اسم کے عام نام سے لکھا ہے جو کسی جاندار یا کسی شے نام ہیں ۔

اس طرح کے اسم کی دو قسمیں ہیں جن کو قواعد نویسوں نے اسم جامد کی قسمیں بتایا ہے (۱) اسم عام (۲) اسم خاص [۱] ۔ اسم عام کے لیے نکرہ اور خاص کے لیے معرفہ کی اصطلاحیں بھی استعمال کی گئی ہیں لیکن قواعد نویسوں نے نکرہ اور معرفہ میں اور بھی اسم شامل کرلیے مثلاً :

اسم نکرہ میں اسم ذات [۱] ، اسم کنایہ [۲] ، اسم استفہام [۳] ، اسم صفت [۴] ، مصدر [۵] حاصل مصدر [۶] ، اسم فاعل [۷] ، اسم مفعول [۸] ، اسم معاوضہ [۹] اور اسم حالیہ [۱۰] شامل ہیں ۔

اسم معرفہ میں علم [۱] ، اسم ضمیر [۲] ، اسم اشارہ [۳] اور اسم موصول [۴] شامل ہیں ۔

---

۱ ۔ یہ دونوں اصطلاحیں انگریزی کے Proper noun اور Common noun سے ترجمہ کی گئی ہیں اور نسبتاً بعد کے قواعد نویسوں (مثلاً عبدالحق قواعد اردو ص ۵۵) نے استعمال کی ہیں ۔ ان سے پہلے عام طور پر نکرہ اور معرفہ کی اصطلاحیں رائج تھیں ۔

اسم خاص ایسے اسم کو کہتے ہیں جو کسی خاص شخص یا کسی خاص چیز یا مقام کا نام ہو مثلاً عبداللہ ، حیدرآباد وغیرہ ۔ معنوی اعتبار سے عبداللہ کے معنی اللہ کا عبد یا غلام ہوں گے اور ہر انسان اس اعتبار سے اللہ کا غلام یا عبداللہ ہے ، لیکن جب عبداللہ کہہ کر کوئی خاص شخص مراد لیں تو یہ اسم خاص ہو گا کہ سوائے اس عبداللہ شخص خاص کے اس سے کوئی اور عبداللہ مراد نہ ہوگا ۔ اسی طرح حیدرآباد کے معنی حیدر کا آباد کیا ہوا شہر ہوئے اور وہ کوئی بھی شہر ہو سکتا ہے جسے کسی حیدر نے آباد کیا ہو لیکن حیدرآباد سے جب ہماری مراد وہ خاص شہر ہو جو مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سندھ کا ایک شہر ہے تو یہ اسم خاص ہو گا ۔

اسم خاص وہی ہے جسے بعض قواعد نویسوں نے علم بھی لکھا ہے اور علم کی تعریف یہ کی ہے کہ ” بچے کا جو نام ماں باپ نے رکھا ہو یا کسی چیز کا نام جو لوگوں نے قرار دے دیا ہو اسے علم کہتے ہیں[1] ۔ بعض دیگر قواعد نویس اسی علم کو نام کہتے ہیں اور اسے علم کی دیگر اقسام میں سے ایک قسم بتاتے ہیں ۔ یہ دیگر اقسام (علاوہ نام کے) حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ خطاب : علاوہ نام کے کوئی وصفی نام جو کسی کے نام کے ساتھ یا نام کے علاوہ اس کے نام کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ عہد شاہی میں بادشاہوں اور امیروں کی طرف سے اس طرح کے اعزازی نام امرا اور اکابر کو دیے جاتے تھے ۔ مثلاً مغلوں کے دور میں آصف جاہ ، نجم الدولہ ، اعتمادالدولہ وغیرہ کے خطاب دیے جاتے تھے ۔ یہ سلسلہ آخر دور مغلیہ تک چلتا رہا ۔ چنانچہ سرسید احمد خان کو بھی جوادالدولہ اور عارف جنگ کے خطاب ملے تھے ۔ انگریزی دور میں شمس العلما کا خطاب بعض اکابر ادیبوں اور مصنفوں کو دیا گیا ہے ، مثلاً شمس العلما مولوی نذیر احمد اور شمس العلما مولوی شبلی - ملکی خدمات کے صلے میں خان صاحب (مثلاً خان صاحب ابوالاثر حفیظ جالندھری) خان بہادر (خان بہادر ڈپٹی حبیب اللہ خاں) مسلمانوں کو اور رائے بہادر اور رائے صاحب ہندوؤں کو خطاب دیے جاتے تھے - سر کا خطاب بھی دور انگلیشیہ میں ایک اعلیٰ خطاب تھا ۔ (ڈاکٹر

---

۱ ۔ فتح محمد خاں جالندھری ، قواعد اردو حصہ اول صفحہ ۱۱۹ ۔

سر ضیاءالدین احمد) بعض لوگوں نے علمی سندوں کو بھی خطاب میں شامل کیا ہے (مثلاً بی ۔ اے ، ایم اے ، ایل ایل بی) ۔ بلاشبہ ان خطابوں سے ایک صورت تخصیص کی ضرور پیدا ہو جاتی ہے لیکن از روئے قواعد خطاب کو اسم خاص کہنا محل نظر آتا ہے ۔ خان بہادر سے جب تک کوئی خاص خان بہادر مراد نہ ہو اس کا اطلاق دوسرے کسی بھی خان بہادر پر ہو سکتا ہے ، اور اسم خاص کے لیے شرط ہے کہ وہ کسی خاص شخص یا شئے یا مقام کا نام ہو ۔ ہاں سیاق و سباق سے اگر خطاب سے شخص خاص کی طرف اشارہ ہو تو اسے اسم خاص یا علم میں شمار کر سکتے ہیں ۔

۲۔ لقب : ایسا نام جو کسی خاص وصف یا صفت کے باعث کسی کے نام کے ساتھ استعمال ہو یا کثرت استعمال سے اس نام کی بجائے بھی استعمال ہونے لگے ۔ مثلاً کلیم اللہ جو حضرت موسیٰ کا لقب ہے کہ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف ان کو حاصل ہوا تھا ۔ معنوی اعتبار سے ہر وہ شخص جو اللہ سے کلام کرے کلیم اللہ ہو گا لیکن یہ وصف مخصوص حضرت موسیٰ سے ہوا اس لیے ان کو موسیٰ کلیم اللہ کہتے ہیں اور محض کلیم اللہ بھی کہیں تو اس سے مراد حضرت موسیٰ ہوتی ہے ۔ اسی طرح حضرت آدم کو صفی اللہ ، حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ ، حضرت اسماعیل کو ذبیح اللہ ، حضرت عیسیٰ کو روح اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۔ اگرچہ یہ سب مثالیں پیغمبروں کے لقب کی ہیں لیکن لقب پیغمبروں کے لیے مخصوص نہیں ۔ مرزا اسداللہ خاں غالب کا خطاب نجم الدولہ دبیرالملک تھا اور لقب مرزا نوشہ ۔

۳۔ کنیت ایسا اسم خاص ہے جو کسی کے باپ ، بیٹے ، ماں ، بیٹی کی نسبت پر قائم ہو ۔ یہ رواج عرب میں قدیم سے تھا کہ نام کے علاوہ ایک نام ایسا بھی رکھتے تھے جس میں باپ ، بیٹے ، ماں ، بیٹی کے نام سے نسبت ہوتی تھی ۔ مثلاً ابوالقاسم (کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے بیٹے

۱۔ فتح محمد خاں جالندھری ، قواعد اردو ، حصہ اول صفحہ ۱۱۹ ۔

قاسم کی نسبت سے) ابوالحسن [1] (کنیت حضرت علی ابن ابو طالب کی ان کے بیٹے حضرت امام حسن کی نسبت سے) ابن اثیر (مشہور مورخ) ام سلمہ وغیرہ ۔ برصغیر ہند و پاکستان میں اس کا رواج نہ تھا ، لیکن بعض مسلمانوں کے ناموں میں عربی کی تقلید میں اس کی مثالیں ملتی ہیں ، البتہ سماجی تابو کی وجہ سے اکثر بیویاں شوہروں کے نام یا شوہر بیویوں کے نام نہیں لیتے تھے اور ان کو اولاد کی نسبت سے پکارتے تھے ۔ جمن کی ماں ، جمن کے ابا ۔ اس کو چاہیں تو کنیت کہہ لیں ورنہ حقیقت میں کنیت نہیں ۔ اس کا ذکر یوں ضروری ہوا کہ عربی ناموں میں جو اردو ادب اور تاریخ میں بار بار آتے ہیں کنیت کی مثالیں ملتی ہیں ۔

۴ ۔ عرف : ایسا نام ہے جو کسی کے اصلی یا حقیقی نام کے علاوہ تحقیر ، تصغیر یا محبت کی وجہ سے اختیار کر لیا جائے یا اصلی نام کو مختصر کر کے اس کی جگہ استعمال کریں ۔ مثلاً ننھے میاں ، منے میاں ، چنوں میاں کہ اکثر لوگ محبت میں بچوں کو ان ناموں سے پکارتے ہیں یا مجیدالدین کو بزرگ صرف مجیدا یا صرف مجو کہہ کر پکاریں تو یہ مجیدالدین کا عرف ہو گا ۔ میر تقی میر کے صاحبزادے میر عسکری عرف کلو تھے ۔ لڑکیوں کے نام اکثر گوری ، منی ، چنی پڑ جاتے ہیں ۔

۵ ۔ تخلص : ایسا نام جو شاعر اور مصنف اپنی تحریروں میں اپنے اصلی نام کی جگہ بطور قلمی نام کے استعمال کرتے ہیں ۔ عربی، اردو اور فارسی میں اس کا رواج بہت عام تھا ۔ کبھی تخلص نام کا کوئی جزو ہوتا ہے مثلاً انشا تخلص ہے انشاالله خاں کا ۔ لیکن اکثر یہ نام سے الگ ہوتا ہے مثلاً آرزو ، تخلص سراج الدین علی خاں کا ، میر ، تخلص میر محمد تقی کا ، سودا ، تخلص مرزا محمد رفیع کا ، حاتم ، تخلص شیخ ظہورالدین کا ، مصحفی تخلص شیخ غلام ہمدانی کا ، ناسخ ، تخلص امام بخش کا ، حسرت ، تخلص فضل الحسن کا ، فانی ، تخلص شوکت علی خاں کا ۔ تخلص کی وجہ تلاش کرنا بے سود ہے ۔ اکثر شعرا نے ایک تخلص اختیار کیا پھر اسے ترک کر کے دوسرا اختیار کر لیا ۔ اس کی ایک مثال مرزا غالب ہیں کہ پہلے اسد تخلص کرتے تھے، پھر

---

۱ ۔ اقبال نے اپنے اس قطعے میں اسی کنیت کو استعمال کیا ہے ،

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے کہ جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

غالب کرنے لگے ۔ بعض لوگ جو ایک سے زیادہ زبانوں میں شعر کہتے ہیں اکثر مختلف زبانوں میں مختلف تخلص اختیار کرتے ہیں مثلاً سلطان محمد قلی قطب شاہ اردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے ۔ اردو میں تخلص قطب شہ اور فارسی میں معانی تھا ۔

بعض اوقات اسم خاص کا استعمال بطور اسم صفت کے ہونے لگتا ہے ، اور ایسا اسم جو تھا تو کسی کا خاص نام لیکن بعد میں کوئی خاص وصف اس نام سے ایسا منسوب ہوا کہ دونوں لازم و ملزوم یا مترادف بن گئے ۔ مثلاً حاتم قبیلہ طے کا سردار تھا اور جس کی سخاوت کی داستانیں ضرب المثل ہیں ۔ اب حاتم کا نام سخاوت کا مترادف بن گیا ۔ کسی سخی کی تعریف کریں تو کہتے ہیں وہ حاتم ہے ۔ اسی طرح دلیری میں رستم و سہراب ، علم میں ارسطو ، افلاطون ، سقراط اور بقراط ، دولت و امارت میں سکندر ، جاہ و حشمت میں دارا ، عدل میں نوشیرواں ، عشق میں مجنوں و فرہاد ، محبوبی میں لیلیٰ و شیریں اس طرح کے اسم ہیں کہ اصلاً اسم خاص تھے ، لیکن اب بطور اسم کی صفت استعمال ہوتے ہیں مثلاً وہ شخص اپنے وقت کا رستم ہے ۔ فلاں شخص قسمت کا سکندر ہے ۔ ان دونوں جملوں میں رستم اور سکندر شخص موصوف کی صفت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ۔

نام یوں تو شخص خاص یا فرد واحد کے لیے استعمال ہوتا اور اس کے لیے مخصوص ہوتا ہے لیکن بعض اوصاف کی بنا پر بعض نام علامت یا اشارہ بن کر ان اوصاف کے حامل جملہ اشخاص و افراد کے لیے بھی استعمال ہونے لگتا ہے ۔ مثلاً محمود کہ نام سلطان محمود غزنوی کا اور ایاز کہ اس کے ایک غلام کا نام تھا جو اسے بے حد محبوب بھی تھا ۔ رفتہ رفتہ محمود ملوکیت کا اور ایاز غلامی کا استعارہ بن گیا [۱] ۔

یا سید کہ عرف سرسید احمد خاں کا ہے اور جمن کہ ایک نام ہے ۔ جو عام طور پر نچلے طبقے کے ناخواندہ اشخاص میں عام ہے ، سید اور جمن

---

۱ ۔ علامہ اقبال کا ایک شعر ہے :

جادوے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں ساز دلبری

دونوں رفتہ رفتہ بجائے نام کے استعارہ بن گئے - ایک جدید تعلیم علم اور سرکاری قدر و منزلت کا اور دوسرا جہالت ، گمنامی اور کس مپرسی کا۱ - اس طرح کا استعمال شاعری اور ادب میں بہت ہوتا ہے اور اس سے گویا نام میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۲ -

---

۱ - حضرت اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں : ع

کونسل میں بہت سید ، مسجد میں فقط جمن

۲ - اسم العلم کے سلسلے میں عربی قواعد نویسوں نے زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے - بعض حصے اس بحث کے اردو کے سلسلے میں غیر متعلق ہیں ، اور بعض صورتیں اردو میں بھی موجود ہیں ، اس لیے مختصراً اس بحث کو یہاں درج کیا جاتا ہے -

عربی قواعد نویسوں کے بقول ، اسم العلم یا تو جنسی ہو گا یا شخصی - علم جنسی کا اطلاق ایسے نام پر ہو گا جس کا اطلاق ایک جنس سے تعلق رکھنے والے ہر فرد پر کیا جا سکے مثلاً اسامۃ بمعنی شیر کہ ہر شیر کو اسامۃ کہہ سکتے ہیں علم شخصی کا اطلاق ایک جنس کے صرف ایک ہی فرد پر ہوگا مثلاً داحس یا الغبراء (کہ گھوڑوں کے نام ہیں) قروب (کہ ایک اونٹ کا نام ہے) سعد اور عوف کہ مردوں کے نام ہیں ، الخنسا کہ عورت کا نام ہے - یہ سب علم شخصی ہیں کہ ان کا اطلاق صرف ایک فرد مرد یا عورت یا ایک شئے پر ہوتا ہے - پھر اسم علم یا تو نام حقیقی ہوتا ہے مثل جعفر و عمر و یا پھر کنیت کہ باپ بیٹے کے نام کے تعلق سے مثل ابوالعباس ، یا ماں بیٹی یا بیٹے کے نام کے تعلق سے مثل ام کلثوم یا بیٹا باپ کے تعلق سے ابن حیان یا بیٹی ماں یا باپ کے تعلق سے مثل بنت ہند یا پھر اسم علم ہوتا ہے کہ کسی نام ، کسی عیب یا خصوصیت کی بنا پر پڑ جائے - مثلاً بطہ کسی ایسے شخص کا نام پڑ جائے کہ موٹا ، بھدا اور پستہ قد ہو یا کوئی شخص اونٹ جیسی ناک رکھنے والا الف الناقہ کہلائے یا تعظیم و تکریم کے لیے اس نام سے پکارا جائے ، مثل زین العابدین یعنی عبادت کرنے والوں کی زینت یا شمس المعالی یعنی خوبیوں کا سورج پھر اسم علم یا تو مفرد ہوتا ہے کہ ایک کلمہ مفرد پر مشتمل

یا مرکب ہوتا ہے کہ اس میں شامل کلمات ایک جملے کی صورت رکھتے ہیں ، مثل بَرَقَ نَحرُہٗ (اس کا نرخرہ چمکا) یا شاب قرناہا (اس کی دو لٹیں سفید ہوگئیں) یا پھر یہ مرکب - مرکب مزجی ہوتا ہے مثل بعلبک ، معدیکرب یا یہ مرکب مضاف مضاف الیہ کی صورت میں ہوتا ہے - عبد مناف ، ام کلثوم امرء القیس - اسی طرح اسم علم یا تومرتجل ہوتا ہے یا صرف اسم خاص کی صورت میں واقع ہوتا ہے ، مثلاً عمران یا منقول کہ اس کے معنی کچھ اور ہوتے ہیں اور پھر ان سے خاص معنی یا اسم خاص یا نام مراد ہو جاتے ہیں اور اس منقول اسم علم کی چھ قسمیں ہیں (۱) - منقول عن اسم عین مثل ثور و اسد (۲) - منقول عن اسم معنی مثل فضل (۳) - منقول عن صفۃ مثل حاتم نائلہ (۴) - منقول عن فعل مثل یحییٰ ، تغلب (۵) - منقول عن صوت مثل ببّہ (٦) - منقول عن مرکب مثل بعلبک و عبد مناف وغیرہ -

اسم عام

اردو کے قواعد نویسوں نے اسم عام کی تین قسمیں بتائی ہیں :

(۱) عام نام (۲) اسم کیفیت (۳) اسم جمع -

عام نام سے مراد وہ نام ہے جو کسی فرد یا ذات خاص سے منسوب و متعلق نہ ہو - یہ وہی ہے جسے عربی کے قواعد نویسوں نے اسم جنس کا نام دیا ہے جسے انگریزی میں Generic or common noun کہتے ہیں جو ایک پوری جنس کے لیے مقرر ہوتا ہے - مثلاً گھوڑا کہ ہر گھوڑے کو گھوڑا کہہ سکتے ہیں لیکن اسم خاص نام مثلاً رخش صرف اس گھوڑے کا نام ہے جو رستم کا گھوڑا تھا - اس قسم کے اسم الجنس یا اسم عام کو عربی قواعد نویسوں نے مزید دو قسموں میں تقسیم کیا ہے - ایک کو اسم عین کہا گیا ہے جو کسی شخص ، شے یا جگہ کا نام ہو ، اسے انگریزی قواعد نویسوں نے concrete noun بھی کہا ہے[۱] ، اس کے مقابلے میں اسم معنی ہے جو کسی مجرد تصور (Abstract idea) کا نام ہوتا ہے - اسے انگریزی قواعد نویسوں نے Abstract noun کہا ہے مثلاً علم ، جہل وغیرہ - بعض عربی قواعد نویسوں نے صفت کو بھی اسم معنی میں شمار کیا ہے - اردو کے قواعد نویسوں نے صفت اور اسم کیفیت کو اسم عام سے الگ شمار کیا ہے -

اسم کیفیت سے مراد ایسا اسم عام ہے جس سے کسی شخص یا چیز کی کوئی حالت یا کیفیت معلوم ہو جیسے نرمی ، سختی ، تاریکی ، جلن ، چبھن ، کسک ، الجھن ، سمجھ وغیرہ - اسمائے کیفیت دو چیزیں ظاہر کرتے ہیں :

---

۱ - (شکسپیر) (Hindustani Grammar p. 139) نے Concrete noun کا ترجمہ اسم صفت یا صفت مشبہ کیا ہے - یہ درست نہیں ہو گا - یہ ترجمہ Abstract noun کا ہو سکتا ہے - شاید یہاں سہو تحریر ہے -

۱- کوئی حالت مثلاً صحت ، نیند ، رفتار ، سچ ، جھوٹ ۔

۲- کوئی وضعی کیفیت مثلاً درد ، خوشی ، مطالعہ ۔

دونوں قسم کے اسمائے کیفیت مشتق ہوتے ہیں ۔ یعنی دوسرے کلموں سے بنتے ہیں ۔ عام طور پر اسم کیفیت بنانے کے قاعدے یہ ہیں :

۱- فعل سے مثلاً چلنا سے چال چلن ، گھبرانا سے گھبراہٹ ، کڑگڑانا سے گڑگڑاھٹ ، تڑپنا سے تڑپ ، لچکنا سے لچک ۔

۲- صفت سے مثلاً نرم سے نرمی ، گرم سے گرمی ، سرد سے سردی ، خوش سے خوشی ، جوان سے جوانی ۔

۳- اسم سے مثلاً دوست سے دوستی ، دشمن سے دشمنی ۔

۴ - اکثر عربی فارسی اور ہندی کے الفاظ اردو میں بطور اسم کیفیت استعمال ہوتے ہیں مثلاً صحت ، حسن ، خوبی ، جوش تڑپ وغیرہ ۔

۵- دو لفظوں کے مرکب سے مثلاً (الف) چھاننا + بیننا سے چھان بین جاننا جاننا + پہچاننا سے جان پہچان ۔

اسم کی بحث ۔ جنس ، عدد ، اور حالت

اسم تو دنیا کی ہر زبان میں پائے جاتے ہیں لیکن اپنے اپنے مزاج کے مطابق ہر زبان میں اسم کے کچھ لوازم ہوتے ہیں مثلاً بعض اسم مذکر ہوتے ہیں کہ ان سے مراد نر کی جنس ہوتی ہے اور بعض اسم مؤنث ہوتے ہیں کہ ان سے مراد جنس مادہ کی جنس ہوتی ہے اور جنس کی یہ تقسیم قانون قدرت کے مطابق ہے کہ قدرت میں اکثر و بیشتر جانداروں میں نر و مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں ۔ بعض زبانوں میں ایک ہی جوڑے کے نر و مادہ کے لیے الگ الگ کلمے ہوتے ہیں اور ان میں جنس کی پہچان کلمے کی صورت پر نہیں بلکہ اس کے معنی پر منحصر ہوتی ہے مثلاً گائے اور بیل مرد اور عورت میاں اور بیوی ۔ بعض اوقات کلمہ ایک ہی ہوتا ہے مگر کلمے کی ظاہری صورت میں بھی نر اور مادہ کی پہچان کی کوئی علامت ہوتی ہے مثلاً بکرا اور بکری ، لڑکا اور لڑکی ۔ بعض زبانوں میں دو کلمے الگ الگ مذکر اور مؤنث کے

معنی رکھنے والے ہوتے ہیں اور اسم کے ساتھ بطور سابقہ یا لاحقہ استعمال ہو کر مذکر یا مؤنث کے معنی پیدا کرتے ہیں ۔ بعض زبانوں میں مذکر اور مؤنث کا فرق صرف اسم کی حالت واحد میں قائم رہتا ہے ۔ حالت جمع میں ایک ہی صیغہ جنس کا سب کے لیے استعمال ہوتا ہے [۱] ۔ روسی ، جرمن اور انگریزی اس قسم کی زبانیں ہیں ۔ مثلاً انگریزی میں اگر ضمیر کو اسم کا قائم مقام تسلیم کر کے (جو درحقیقت ہوتا ہے) جنس کی تعداد دیکھیں تو اسم سات قسم کے ہوں گے ۔

واحد مذکر غائب

۱۔ اسم جن کے لیے ضمیر صرف he استعمال ہوگا ، مثلاً مردوں کے نام جانداروں میں مذکر جنس مثلاً John, boy, man

واحد مؤنث غائب

۲۔ اسم جنس کے لیے ضمیر صرف she استعمال ہو سکتا ہے ۔ عورتوں کے نام ، جانداروں میں مؤنث جنس مثلاً Mary, girl, woman

واحد بے جان غائب

۳۔ اسم یا بے جان چیزوں کے اسم عام جن کے لیے ضمیر it استعمال ہو سکتا ہے مثلاً road, street, paper

۴۔ اسم جن کے لیے ضمیر مذکر واحد غائب اور ضمیر مؤنث واحد غائب he or she دونوں اصل کے مطابق استعمال ہوتے ہیں مثلاً citizen, president, doctor

۵ ۔ اسم جن کے لیے ضمیر مذکر واحد غائب اور ضمیر بے جان واحد غائب he or it دونوں اصل کے مطابق استعمال ہو سکتے ہیں مثلاً oat, ramg

۶ ۔ اسم جن کے لیے ضمیر مؤنث واحد غائب اور ضمیر بے جان واحد غائب she or it دونوں اصل کے مطابق استعمال ہو سکتے ہیں مثلاً boat, car, ship

---

۱ ۔ Charles. F. Hockett - A Course in Modern Linguistics p. 233

۷ - اسم جن کے لیے ضمیر مذکر واحد غائب ، ضمیر مؤنث واحد غائب، ضمیر بے جان واحد غائب he, she or it تینوں میں سے کوئی حسب موقع استعمال ہو سکتے ہیں مثلاً baby, child, cat, dog, rober وغیرہ ۔

یہ ساتوں صورتیں صرف صیغۂ واحد کی ہیں ۔ صیغۂ جمع میں ان میں سے ہر ایک کے لیے صرف ایک ضمیر جمع غائب they کا استعمال ہوتا ہے ۔ صورت واحد میں ساتوں صورتوں کو سامنے رکھیں تو جنس کے صیغے تین معلوم ہوتے ہیں : مذکر، مؤنث اور بے جان اور تمام اسما ان تینوں جنسوں کے سات طبقات میں تقسیم ہو جائیں گے بعض مذکر ہوں گے بعض مؤنث ، بعض بے جان ، بعض مذ کر یا مؤنث دونوں میں سے کسی ایک جنس کے ایک ہو سکتے ہیں ۔ بعض مذکر اور بے جان دونوں میں سے کسی ایک جنس کے ، بعض مؤنث اور بے جان دونوں میں سے کسی ایک جنس اور بعض مذ کر ، مؤنث اور بے جان تینوں میں سے کسی ایک جنس کے ہو سکتے ہیں ۔ اردو میں اگر ضمیر سے پتا چلائیں تو جنس کا تعیین قطعاً نہیں ہو گا چاہے واحد ہو چاہے جمع : مثلاً ۔

وہ آیا	وہ آئی
وہ آئے	وہ آئیں

اگر صیغہ غائب کی جگہ متکلم استعمال کریں تو بھی جنس کا تعین نہیں ہو گا ۔

میں آیا	میں آئی
ہم آئے	ہم آئے

یہی صورت صیغہ حاضر میں ہوگی

تو آیا	تو آئی
تم آئیں	تم آئے

اس سے معلوم ہوا کہ اردو میں جنس کے تعین میں ضمیر کے حوالے سے کچھ مدد نہیں ملتی البتہ ضمیر کے ساتھ فعل سے جنس کی تعیین ہوتی ہے ۔ بہ الفاظ دیگر اردو میں فعل میں بھی جنس کا صیغہ ہوتا جو اسم کے صیغہ جنس کے مطابق ہوتا ہے ۔ انگریزی یا فارسی میں فعل میں جنس کا صیغہ نہیں

ہوتا اسی طرح اردو میں حرف اضافت سے بھی جنس کا پتا چلتا ہے۔ اس کا لڑکا ، اس کی لڑکی ۔ لڑکا مذکر ہے لڑکی مؤنث ۔ انگریزی میں حروف رابطہ میں تذکیر و تانیث کا فرق نہیں ہوتا ۔ پھر اردو میں صفت سے بھی موصوف کی جنس کا پتا چلتا ہے یعنی صفت بھی موضوف سے مطابقت جنس رکھتی ہے ۔ (اچھا لڑکا اچھی لڑکی) ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اردو میں جنس حقیقی کی دو صورتیں ہیں : یعنی مذکر اور مؤنث اس جنس کو جنس حقیقی یا اصلی ، یوں کہا گیا ہے کہ درحقیقت ان اشیا میں جن پر ان کا اطلاق ہوتا جنس میں یہ تمیز مذکر اور مؤنث کی پائی جاتی ہے ، ایسی اشیا کے جوڑے ہوتے ہیں ۔ چاہے ان جوڑوں کو ظاہر کرنے کے لیے ایک ہی کلمے میں مذکر اور مؤنث کی خاص علامتیں (مثلاً لڑکا ، لڑکی) استعمال کریں یا دونوں جنسوں کے لیے الگ الگ لفظ ۔ بیل ، گائے) استعمال کریں ۔ زبانوں میں جنس حقیقی ہی ہوتی ہے کہ مذکر یا مؤنث ہو لیکن بعض زبانوں میں جنس کی ایک قسم اور ہوتی ہے جو بے جان اشیا کی جنس کہلاتی ہے[۱] ۔ اس قسم کی زبانوں میں جن میں جنس کی یہ تین قسمیں ہوں جنس کی بحث مشکل نہیں ۔ مذکر جاندار چیزیں جنس مذکر سے تعلق رکھتی ہیں ۔ مادہ جاندار چیزیں جنس مؤنث کے تحت آتی ہیں اور جملہ بے جان اشیا جنس بے جنس کے تحت شمار ہوتی ہیں ۔ سنسکرت انگریزی اور بعض دوسری آریائی زبانوں میں جنس کی یہ تین قسمیں موجود ہیں لیکن بعض دوسری آریائی زبانوں میں یہ تیسری قسم نہیں پائی جاتی اور صرف مذکر یا مؤنث کی دو جنس ہیں کہ جن کا اطلاق صرف جانداروں پر ان کی حقیقی جنس کے مطابق ہوتا ہے ۔ فارسی اس کی ایک اچھی مثال ہے کہ اس میں بے جان چیزوں کی جنس کوئی نہیں ۔ اسی طرح فعل اور حروف رابطہ میں بھی کوئی علامت جنس کی نہیں ہوتی اور نہ اسم سے ان کی جنس کے متاثر ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے سامی زبانوں میں (جن میں عربی ایک مثال ہے) بھی جنس کے صرف دو صیغے ہوتے ہیں : مذکر اور مؤنث ، جن زبانوں میں جنس کے تین صیغے موجود ہیں وہاں جنس کا مسئلہ آسان ہے کہ نر کے لیے مذکر ، مادہ کے لیے مؤنث اور بے جان کے لیے بے جان کا صیغہ موجود ہوتا

---

۱ ۔ انگریزی کا Neuter Gender جسے بے جنس ، جنس کہنا درست ہے ۔

ہے لیکن بعض زبانیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں جنس کے صرف دو صیغے مذکر اور مؤنث ہوتے ہیں ۔ اگر ان زبانوں میں صیغہ جنس کا استعمال صرف جانداروں کی قدرتی جنس ظاہر کرنے تک محدود ہو اور بے جان اشیا کے لیے جنس کا کوئی صیغہ استعمال نہ کیا جائے تو مسئلہ آسان ہو جاتا ہے ۔ لیکن بعض زبانیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں جنس کے صیغے تو وہی دو ہوتے ہیں جو جانداروں کی جنس حقیقی کے صیغے ہیں لیکن ان میں بے جان چیزوں کو بھی ایک یا دوسری جنس سے ظاہر کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے یہ جنس اصلی یا حقیقی نہیں ہوتی ۔ ایسی جنس کو جنس غیر حقیقی کہتے ہیں[۱] ۔ جن زبانوں میں جنس غیر حقیقی کا استعمال ہوتا ہے وہاں جنس کا اطلاق صرف ان بے جان چیزوں کے لیے ہی نہیں ہوتا جس کے لیے اس زبان میں اپنے اصلی کلمات موجود ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام مستعار اور دخیل کلمات جو دوسری زبانوں سے اس زبان میں آتے ہیں ان کی بھی کوئی جنس (مذکر یا مؤنث) مقرر کر لی جاتی ہے (.مثلاً قلم کہ اصلاً عربی ہے اور فارسی میں اس کی کوئی جنس نہیں لیکن اردو میں مذکر آتا ہے اور پنسل کہ انگریزی ہے اور بے جان لیکن اردو میں مؤنث ہے) ۔

اگرچہ یہ درست ہے کہ جانداروں میں واضح طور پر جنس حقیقی موجود ہوتی ہے اس کے باوجود بعض جاندار ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں نر و مادہ کی تمیز تو ہوتی ہے ، لیکن اردو میں ان میں سے بعض بلا امتیاز نر و مادہ مذکر اور بعض مؤنث ہی بولے جاتے ہیں مثلاً طوطی ، کوا ، ہد ہد ، الو ، طوطا ، خرگوش ، بھیڑیا ، لنگور ، گدھ ، تیتر کہ ان میں مذکر اور مؤنث موجود ہیں لیکن ان کو مذکر ہی بولتے ہیں[۲] ۔ اسی طرح قمری ، فاختہ ، مینا ، چیل ، مرغابی ، ابابیل میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں ، لیکن ان سب

---

۱ - یعنی Grammatical Gender -

۲ - بعض لوگ طوطا کو مذکر اور طوطی کو اس کا مؤنث بتاتے ہیں لیکن طوطی بطور مذکر عام طور پر استعمال ہوتا ہے ۔ بعض لوگ تیتر کو مذکر اور تیتری کو اس کا مؤنث بتاتے ہیں لیکن تیتری ایک الگ جانور ہے کہ جسامت میں تیتر سے بڑا (بقدر مرغ) ہوتا ہے ۔

کو مؤنث ہی بولتے ہیں - بلبل کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعض لوگ اس کو مذکر اور بعض مؤنث بولتے ہیں لیکن مذکر بولیں یا مؤنث دونوں صورتوں میں مراد دونوں جنسوں سے ہوتی ہے -

جانداروں سے قطع نظر جب بے جان چیزوں کی جنس پر غور کریں تو کوئی ایسا قاعدہ یا اصول نظر نہیں آتا جس کے مطابق ان کی جنس کا تعین ہو سکے - یہ درست ہے کہ جس طرح جانداروں میں جنس کی تمیز کے لیے بعض علامتیں مقرر ہیں کہ ان سے مذکر اور مؤنث کا تعین ہو جاتا ہے لیکن جہاں ایسی تمیزی علامت نہیں ہوتی وہاں معنی سے جنس کی تمیز ہو جاتی ہے (مثلاً بیل اور گائے میں کوئی علامت اول الذکر میں تذکیر اور آخرالذکر میں تانیث کی نہیں ہے لیکن ان کے معنی سے اول الذکر کی جنس مذکر اور آخر الذکر کی مؤنث متعین ہو جاتی ہے - لیکن بے جان اشیا میں معنی سے جنس کی تعیین میں کوئی مدد نہیں ملتی اس لیے اس کے تعین کے لیے دو صورتیں اختیار کی جاتی ہیں - جن اسما میں کوئی ایسی علامت ہو جو جانداروں کی جنس کا تعیین کرتی ہے تو اس علامت کے قیاس پر ان اشیا کو مذکر یا مؤنث قرار دے لیتے ہیں ، مثلاً بعض کلمات کے آخر میں الف تذکیر کی علامت ہے (لڑکا ، مرغا ، بکرا ، گدھا وغیرہ) اس قیاس پر دریا مذکر بولتے ہیں اور یائے معروف بعض اسما میں علامت تانیث ہوتی ہے - (مثلاً جن کے مذکر میں علامت مذکر الف لڑکا - لڑکی) اس قیاس پر ندی کو مؤنث بولتے ہیں معنی دونوں کے ایک ہیں لیکن علامت جنس کے قیاس پر ایک کو مذکر اور دوسرے کو مؤنث قرار دیا - ایسی جنس کو جنس قیاسی کہتے ہیں ، اس لیے اس دوسری قسم کی جنس کو جنس سماعی کہتے ہیں اور جنس کی یہی قسم ہے جسے جنس سماعی کہتے ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سماعی جنس کے تعین میں دو قسم کے اسما سامنے آتے ہیں - ایک قسم میں جنس کے تعین کا تعلق مثال (Analogy) پر ہوتا ہے مثلاً گاڑی ، بہلی ، پالکی ، ڈولی سب سواریاں ہیں - ان میں یائے معروف کو علامت تانیث قیاس کر کے مونث قرار دیا اور یہ سب مؤنث قیاسی ہوئے ، باقی سواریوں کو انھیں کی مثال پر بلاعلامت تانیث کے مؤنث قرار دے لیا مثلاً ریل ، موٹر ، بس ، فٹن ، پنس ، رتھ ، میانہ ، ناؤ ، ناؤ یہ سب سواریوں کے نام

ہیں اور سب کو مؤنث بولتے ہیں ۔ لیکن جہاز کو مذکر بولتے ہیں یہ جنس قیاسی نہیں ہے کہ اس میں قیاس کے لیے علامت جنس تذکیر نہیں نہ اس میں اور سواریوں کی مثال کی پابندی ہے ۔ یہ محض سماعی (Arbitrary) ہے ۱ ۔

جنس حقیقی

اردو میں جنس حقیقی ساخت اور تمیزی علامات کے اعتبار سے دو قسم کے ہیں ۲ ۔ بعض اسما ایسے ہیں جن میں مذکر اور مؤنث اسما میں کوئی جنس کا تمیزی کلمہ نہیں ہوتا ۔ مذکر اور مونث کے متقابل کلمات الگ الگ ہوتے ہیں ۔ ایسے الفاظ کی تعداد اردو میں بہت کم ہے ۔

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
باپ	ماں	داماد	بہو
باوا، ابا، بابا	اماں	صاحب	میم
		نواب	بیگم ۴
		بادشا	ملکہ
بھائی	بہن ۳	راجا	رانی
میاں	بیوی ، بی بی	غلام	لونڈی
خصم	جورو	بیل	گائے
سسرا، خسر	ساس	مینڈھا	بھیڑ
		مرد	عورت

---

۱ ۔ رتھ کے سلسلے میں مرزا غالب کا لطیفہ مشہور ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ رتھ مذکر ہے یا مؤنث ، مرزا صاحب نے فرمایا اگر اس میں مرد سوار ہوں تو مذکر اور عورتیں بیٹھی ہوں تو مؤنث ۔

۲ ۔ اسے جدید لسانیات کی اصطلاح میں (Suppletion یا Alternation Suppletive) کہتے ہیں ۔

۳ ۔ بعض قواعد نویس بھائی (مذکر) کے مقابل بھاوج (مؤنث) بتاتے ہیں ۔ دیکھیے فتح محمد خاں جالندھری ، مصباح القواعد حصۂ اول صفحہ ۱۴۹ حاشیہ ۔

۴ ۔ بادشاہ اور بیگم کی تذکیر و تانیث کی یہ صورت اردو میں ہے ۔ اصل ترکی میں بیگ مذکر ہے ۔ میم علامت تانیث ، اس لیے بیگم میں علامت موجود ہے ۔ یہی علامت خانم میں ہے ۔ یہ دونوں لفظ اردو میں ترکی سے آئے ہیں اور دخیل ہو گئے ۔

دوسری قسم کی جنس حقیقی میں جنس کی مختلف علامات میں سے کوئی ایک علامت پائی جاتی ہے ۔ اس کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ ہندی الاصل کلمات جن کے آخر میں الف بطور علامت مذکر موجود ہوتا ہے مثلاً گھوڑا ، بکرا ، گدھا ، لڑکا ، دولھا ، مرغا ، بیٹا، چچا ، دادا ، نانا ، تایا ، پھوپا ، بھانجا ، بھتیجا ، کانا ، رانا ، بلا ، چوہا ، مکڑا وغیرہ سب مذکر ہیں ۔

۲۔ عربی فارسی کے وہ کلمات جو اردو میں دخیل یا مستعار ہیں ان میں سے جن کلمات کے آخر میں الف یا ہائے ہو وہ مذکر ہوتے ہیں مثلاً اللہ ، خدا ، بندہ ، خواجہ ۔

۳۔ پیشہ وروں کے نام جو مذکر ہوتے ہیں ، اکثر یائے معروف پر ختم ہوتے ہیں ۔

تیلی ، تمبولی ، درزی ، کولی ، مالی ، باورچی ، پجاری ، موچی ، نائی ، گھوسی ، بہشتی ، بھنگی ، چپراسی ، سپاہی ، خلاصی ، میراثی ، مداری ، حلوائی ، قصائی ، ڈفائی ، طبلچی ۱ ، مشعلچی ، خزانچی ، توپچی ۔ اسی طرح عربی فارسی سے ماخوذ اس قبیل کے نام ہیں مثلاً منشی ، مولوی ، قاضی ، حاجی ، لیکن اسے بھی بطور کلیہ نہیں سمجھنا چاہیے ۔ بیشمار پیشہ وروں کے نام ایسے ہیں جو مذکر ہیں اور آر پر ختم ہوتے ہیں مثلاً لوہار ، (لہار) چمار ، کمہار ، سنار ۔ بعض صرف الف پر ختم ہوتے ہیں ، جولاہا ، دھنیا ، کنجڑا ، بنیا ، ڈھلیا ۔ بعض ایسے ہیں جو کسی حرف صحیحہ پر ختم ہوتے ہیں مثلاً ڈوم ۔ بعض ایسے ہیں جو عربی کے قاعدے کے مطابق یا اس قیاس پر بنائے گئے ہیں ، خیاط ، بزاز ، بقال ، نداف ، حداد ، عطار وغیرہ ۔ اسی پر بعض لوگ حجام کو قیاس کرتے ہیں ۔ یہ خیال درست نہیں ہے ۔

---

۱ ۔ طبلچی ، مشعلچی وغیرہ قسم کے کلمات میں لاحقہ چی ترکی کا ہے بمعنی والا ۔ ان کو اس فہرست میں یوں شامل کیا کہ ان کی تانیث اسی طرح کرتے ہیں جس طرح یائے معروف پر ختم ہونے والے کلمات کی مثال درزی ، درزن ، مشعلچی ، مشعلچن وغیرہ ۔

۴۔ جانوروں میں جیسا کہ مذکور ہوا جنس حقیقی موجود ہوتی ہے لیکن ان کے لیے جو کلمات استعمال ہوتے ہیں ان میں سے بعض میں تو علامت تذکیر الف موجود ہوتی ہے (گھوڑا بکرا ، مرغا ، دنبا ، وغیرہ) لیکن اکثر و بیشتر یہ تمیز مؤنث کے مقابلے سے ہی ہوتی ہے کہ مؤنث میں علامت تانیث ہوتی ہے اور مذکر میں کوئی علامت نہیں[1] -

مثلاً حسب ذیل جانوروں کے ناموں میں تمیز جنس مذکر کی کوئی علامت نہیں :

اونٹ ، شیر ، گیدڑ ، ہرن -

ان میں سے بعض کی پہچان یائے معروف بطور علامت تانیث مادہ کے نام کے ساتھ ہوتی ہے مثلاً ہرن — ہرنی اور بعض میں نی یعنی نون اور یائے معروف کے ساتھ اونٹ — اونٹنی ، شیر — شیرنی لیکن بعض میں یہ تمیز بھی نہیں ہوتی جب مطلق یہ کلمہ بولا جائے تو اس سے مراد اس جانور کی دونوں جنس ہوسکتی ہیں مثلاً گیدڑ کہ اس کی جمع نہ گیدڑی آتی ہے اور نہ گیدڑنی - ان اسموں کی جنس کی تمیز نر اور مادہ لگا کر بناتے ہیں یا پھر سیاق و سباق میں صفت یا فعل سے جنس کا پتا چلتا ہے -

۵ - پیشہ وروں کے اسموں کے علاوہ بعض جانوروں کے ناموں کے آخر میں بھی یائے معروف ہوتی ہے اور مؤنث نہیں ہوتے - ان کی یائے معروف نہ تذکیر کی علامت ہوتی ہے اور نہ تانیث کی - مثلاً ہاتھی — ان کی پہچان بھی مؤنث کے تقابل سے ہوتی ہے -

ہاتھی - ہتھنی -

۶ - جانداروں میں اسم خاص کی جنس ظاہر ہے کہ مذکر کا اسم خاص مذکر ہوگا اور مؤنث کا اسم خاص مؤنث لیکن اس کی بھی بعض علامتیں ہیں مثلاً[2] :

۱ - واو معروف آخر کلمہ میں مذکر اسم خاص اور واو مجہول مؤنث اسم خاص کی پہچان ہے ، مثلاً کلو مرد کا نام ہوگا اور کلو عورت کا ، مکھو

---

۱ - اسے جدید لسانیاتی اصطلاح میں - Zero Morpheme کہتے ہیں -

۲ - انشاءاللہ خاں انشا ، دریائے لطافت ص ۱۳۷ -

مرد کا نام ہوگا اور مکھو عورت کا۔ جس اسم خاص مذکر میں واو معروف نہ ہو اس کے مقابل اسم خاص مؤنث میں بھی واو مجہول کا استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً جمال نام ہوگا مرد کا اور جمالو عورت کا، عرف میں بھی مؤنث کی پہچان واو مجہول سے ہوتی ہے۔ بلو (بلال کا عرف یا پیار سے بلا کا مخفف) مرد کا عرف ہوگا اور بلو (بلقیس کا عرف یا پیار سے بلی کا مخفف) عورت کا، جمن مرد کا اور جمو عورت کا نام ہے رحیم یا رحمو — رحیمن — علیم — علیمن — حلیم — حلیمن وغیرہ مثالیں بہ کثرت مل سکتی ہیں۔

۶۔ بعض اسمائے خاص مذکر میں واو معروف نہیں ہوتا تو ان کے مقابل جنس مؤنث کے اسما میں نون ہوتا ہے مثلاً امیر نام مرد کا اور امیرن نام عورت کا ہوگا۔ قطب یا قطبی نام مرد کا اور قطبن نام عورت کا[۱]۔

۷۔ اسم خاص میں مذکر کی پہچان ایک یہ بھی ہے کہ مذکر کے ساتھ، شیخ، سید، خان، مرزا وغیرہ تمیزی کلمات بھی ہوتے ہیں اور اسم خاص مؤنث میں نسا (مثل قطب النسا، مہر النسا، بدرالنسا) بیگم، خانم وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

۸۔ اسم خاص مذکر کو اصلی صورت کی بجائے تحقیر یا بے تکلفی میں مختصر کر لیا جاتا ہے۔ اس تصرف کے لیے الف یا یائے الف کا استعمال کرتے ہیں مثلاً پیر بخش سے پیرا یا پیریا، کبھی واو مثلاً پیرو[۲]۔

۱۔ انشاء اللہ خاں (دریائے لطافت ص ۱۳۶) نے لکھا ہے کہ قطب الدین یا قطب نام مرد کا اور قطبی بیگم عورت کا ہوگا۔ اگر دین اور بیگم ہو تو ممکن ہے یہ صورت درست ہو لیکن قطبی نام کسی عورت کا مسموع نہیں۔ قطب الدین کا مخفف قطبی ایک عام نام ہے۔ انشاءاللہ خاں کا یہ قول بھی محل نظر ہے کہ قطبن اور مردان اسمائے مشترک ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کے نام ہو سکتے ہیں۔ انشا نے خود تسلیم کیا ہے کہ قطبی (کہ قطب کی تحقیر ہے) در مؤنث قبول نہ دارد۔

۲۔ چنانچہ اردو میں مثل مشہور ہے: دولت تیرے تین نام پرسا، پرسی پرس رام۔ یعنی ایک شخص غریب مفلس و نادار تھا کہ لوگ تحقیر سے اسے پرسا کہتے تھے۔ اس کے دن پھرے تو پرسی کہلانے لگا اور جب صاحب ثروت ہوا تو سب اسے پرس رام کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

۹ - انشاءاللہ خاں نے دریائے لطافت میں لکھا ہے شاہجہاں آباد میں لقب و ترخیم و علم سے لوگوں کا شہر کے مختلف فرقوں اور طبقوں سے تعلق معلوم ہو جاتا تھا - مثلاً کشمیری لوگ اپنے بچوں کو میاں جان ، جھبو، شبن ، ابو ، مچھو ، لبو ، منو ، مدرو ، قدرو، عظمو ، عصمو ، نصرو ، کمو ، حفظو ، کلو ، اچھن کے لقب دیتے تھے - ان کے مقابلے میں دلی کے پنجابیوں میں رلدو، جیون ، سوندھا ، کلو ، بھاگو ، چھنگا ، للو ، کرمو ، رحمو، پنو ، چنو ، دھنا ، سوندھی ، گاما ، جھنڈو ، بھلا ، ملا ، بھلو ، رانجھا ، وغیرہ عام نام یا لقب ہوتے تھے - اب یہ تمیز اس قدر تعین کے ساتھ باقی نہیں ہے البتہ اب بھی بعض ناموں سے علاقائی نسبت کا تعین ہوجاتا ہے، مثلاً اللہ دتا ، احمد دین ، صاحب دین ، شاہ دین ، معراج دین (کہ ان ناموں میں دین سے پہلے ال ہونا درست ہے اور بعض ناموں مثلاً سراج الدین وغیرہ میں ملتا ہے) پنجاب کے علاقے کے رہنے والوں کے نام ہیں کہ دوسرے علاقے والے معراج الدین ، سراج الدین وغیرہ استعمال کرتے ہیں - پرانے ناموں میں بیگ تورانی یا ترکی نسل کے لوگوں کے نام کا جزو سمجھا جاتا تھا مرزا مغول کے ناموں کا جزو تھا ۲ -

۱۰ - بعض اسم خاص ایسے ہوتے ہیں کہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں ، مثلاً رحمت ، راحت ، فراست ، گلاب وغیرہ - ایسے اسما میں جنس کی وضاحت کے لیے مؤنث میں بیگم ، خاتون ، بی بی وغیرہ لگا لیتے ہیں - بی بی کو بعض حضرات صرف بیوی یا زوجہ کے معنوں میں اختیار کرتے ہیں - یہ درست نہیں ہے - بی بی ، بیوی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے - بی اور بی بی ، مطلق عورت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے -

۱۱ - بعض اسما ایسے ہوتے ہیں کہ مؤنث ہوتے ہیں اور ان کے مقابل مذکر نہیں ہوتا ، مثلاً رنڈی ، کسبی ، ہڑونگی ، ڈائن ، چڑیل ، سوت ، سہاگن۳ -

---

۱ - آج بھی لاہور کے ایک تاجر خاندان میں عام لقب ہے

۲ - اس بحث کو تفصیل سے دریائے لطافت میں دیکھیے -

۳ - یہ مولوی عبدالحق کی رائے ہے (قواعد اردو ص ٦٧) لیکن سہاگن کے مقابلے میں سہاگ بھی مسموع ہے -

۱۲ - بعض اسما ہوتے تو ہیں مذکر لیکن مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں مثلاً بچہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور بچہ مذکر اور بچی کے مقابل مؤنث ہے -

مؤنث حقیقی

مذکر کے مقابلے میں جانداروں میں مؤنث حقیقی کا وجود ظاہر ہے - اردو میں اس کی تمیز مختلف طریقوں سے ہوتی ہے -

۱ - بعض اسما ایسے ہیں کہ ایک ہی قسم یا قبیل کے مذکر اور مؤنث کے لیے الگ الگ لفظ ہیں مثلاً بیل ، گائے -

۲ - جس اسم مذکر کے آخر میں الف یا ہ علامت تذکیر ہو اسے یائے معروف سے بدل دیں تو مؤنث بن جاتے ہیں ، مثلاً گھوڑا ، گھوڑی ، لڑکا ، لڑکی ، بندہ ، بندی -

۳ - جن مذکر پیشہ وروں کے نام کے آخر میں یائے معروف ہو ان کی تانیث بنانے کے لیے یائے معروف کو نون سے بدل دیتے ہیں ، مثلاً دھوبی ، دھوبن ، تیلی ، تیلن — گھوسی ، گھوسن ، موچی ، موچن -

۴ - جن ۱ اسما کے آخر میں حرف علت نہ ہو ان میں سے بعض میں صرف یائے معروف یا نی کے اضافے سے مؤنث بن جاتا ہے مثلاً برہمن ، برہمنی ، پٹھان — پٹھانی ، حلال خور — حلال خورنی -

---

۱ - مولوی عبدالحق نے (قواعد اردو ص ۴۶) تیتر، لوہار ، سنار ، چمار ، کی مؤنث تیتری ، لوہاری ، سناری ،چماری لکھا ہے - تیتری ، تیتر کا مؤنث نہیں - ایک الگ پرندہ ہے - چماری مستعمل ہے لیکن کمتر، چمارن زیادہ عام ہے - لوہاری اور سناری بطور مؤنث شاذ ہیں - لوہارن اور سنارن زیادہ عام ہیں ، فتح محمد جالندھری (مصباح القواعد ص ۱۵۰) کا یہ قول بھی محل نظر ہے کہ اہل دہلی لہاری ، کمہاری اور چماری بولتے ہیں - اور بعض اطراف میں لہارن ، کمہارن اور چمارن بولتے ہیں - یہ استعمال صرف اطراف دہلی میں نہیں پورے روہیلکھنڈ میں عام ہے -

۵ - بعض اوقات جن اسما کے آخر میں یائے معروف ہو اس میں یائے معروف سے پہلے الف نون داخل کرتے ہیں - کھتری ، کھترانی -

۶ - بعض اسما جن کے آخر میں حرف علت نہ ہو ان میں انی لگا کر مؤنث بناتے ہیں ـــ شیخ ، شیخانی ، سید ، سیدانی ، مغل ، مغلانی -

۷ - اسم خاص میں بعض اسما میں مذکر اور مؤنث کی تمیز عربی کی علامات تمیزی سے ہوتی ہے ، مثلاً سلمیٰ ، صغری ، کبریٰ یا فاطمہ ، حلیمہ ، سعد یہ وغیرہ -

جانداروں میں اسم خاص کی تذکیر و تانیث کی جو مثالیں اوپر درج ہوئیں وہ مکمل فہرست کا درجہ نہیں رکھتیں اور اکثر ناموں کو محض مثال سامنے رکھ کر مردوں اور عورتوں کے نام کے لیے استعمال کرتے ہیں - اس لیے بعض اوقات سیاق و سباق یا مرد اور عورت کے امتیازی ، احترامی کلمات ، صاحب ، جناب ، بیگم ، خانم وغیرہ کے بغیر محض کلمے سے جنس کا تعین دشوار ہوتا ہے -

جانداروں کے اسم عام میں تانیث کی ایک پہچان (جیسا کہ مذکور ہوا) یائے معروف ہے - خاص کر جن اسما کے آخر میں الف بطور علامت مذکر موجود ہو تو یہ الف تانیث کے لیے یائے معروف سے بدل جاتا ہے - لڑکا ، لڑکی ، دادا - دادی ، گھوڑا -گھوڑی - لیکن محض یائے معروف کو تانیث کی علامت نہ سمجھنا چاہیے مثلاً (ہاتھی ، مولوی کہ مذکر ہیں) اسی طرح اسم مذکر کے آخر میں ہائے مختفی ہو اسے بھی ہائے معروف سے بدل کر مؤنث بناتے ہیں - مثلاً بندہ ، بندی ، گندہ ، گندی ، کندہ ، کندی - جن اسمائے عام کے مذکر میں الف یا ہائے مختفی نہ ہو ان کے مؤنث بھی یا تو یائے معروف کے لگانے سے بنائے جاتے ہیں (مثلاً ہرن ، ہرنی کبوتر ، کبوتری) یا نون کے اضافے سے مثلاً ناگ ، ناگن ، سانپ سانپن[۱] - یا نی کے اضافے مثلاً

---

۱ - مالک سے مالکن اردو میں فصیح نہیں سمجھا جاتا لیکن ہندی میں اب عام ہو چکا ہے - تانیث کی علامت نون بعض اور اسما میں بھی موجود ہے مثلاً سوکن - پیشہ وروں کے ناموں کے سلسلے میں بھی اس کی مثالیں سامنے ہیں دھوبی : دھوبن ،گھوسی ، گھوسن - ان میں بھی مذکر کے کلمہ میں علاوہ نون کے اضافے کے صوتی تصرف کی بھی مثالیں موجود ہیں -

شیر ، شیرنی ، اونٹ ، اونٹنی یا انی کے × اضافے سے مثلاً جیٹھ ، جیٹھانی ، دیور دیورانی ، مہتر ، مہترانی ، پنڈت پنڈتانی یا ، یا کے لگانے سے مثلاً بندر سے بندریا ، بعض اسما میں ان علامت کے علاوہ خود اسم کی اصلی صورت صوتی میں بھی قدرے تغیر ہوتا ہے - مثلاً ہاتھی سے ہتھنی - اس صورت میں مذکر کی اصلی ہائے معروف کہ علامت تانیث نہ تھی غائب ہو گئی اور تھے سے پہلے کے مصوتے میں بھی فرق پیدا ہو گیا - اس طرح کا مصوتوں کا تصرف بعض اوپر کی مثالوں میں بھی ہے ، مثلاً ہرن سے مؤنث ہرنی بنانے میں رے اور نون کے درمیانی کا مصوتہ غائب ہوا - آخری نون اور علامت تانیث کے درمیان ایک مصوتے کا اضافہ ہوا ، کتا سے کتیا ، چوہا سے چوھیا ، گدھا سے گدھیا ، چڑا سے چڑیا بنانے میں بھی علاوہ یا لگانے کے اسم کی صوتی صورت مذکر میں بھی تصرف ہوا ہے -

الف پر ختم ہونے والے الفاظ کی تانیث میں یائے معروف کا استعمال اصلاً پراکرتی الاصل الفاظ پر صادق آتا ہے مثلاً لڑکا - لڑکی ، ظاہر ہے عربی میں یہ صورت نہیں ہوتی اور فارسی میں تو اسم میں کوئی علامت مذکر یا مؤنث کی نہیں ہوتی لیکن اردو میں عربی فارسی کی تانیث بھی اسی طرح بناتے ہیں - مثلاً بندہ ، بندی ، شاہزادہ ، شاہزادی - بے چارہ ، بے چاری ، حرام زادہ ، حرام زادی ، وغیرہ -

اکثر اسم مذکر یا مؤنث ایسے ہیں کہ ان کو مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال کرتے ہیں مثلاً بچہ بچے - عام طور پر اسم جمع میں بھی یہ صورت ہوتی ہے، مثلاً فوج کہ مؤنث ہے اس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں - چھوٹے چھوٹے جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں میں اگرچہ جنس حقیقی کا امتیاز موجود ہوتا ہے لیکن ان کے لیے اکثر صرف ایک ہی جنس مذکر یا مؤنث استعمال کرتے ہیں مثلاً جھینگر ، کچھوا ، مچھر مذکر ہیں - چھپکلی ، مکھی ، چھچھوندر ، مچھلی مؤنث ہیں ، لیکن ان میں سے مذکر میں مؤنث اور مؤنث میں مذکر بھی شامل ہیں -

جنس غیر حقیقی

جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں بیان کیا جا چکا ہے دنیا کی اکثر

زبانوں میں جنس حقیقی مذکر اور مؤنث کے سوا تیسری جنس کا تصور نہیں لیکن بعض زبانوں میں مثلاً آریائی زبانوں میں (سنسکرت اور موجودہ آریائی زبانوں میں انگریزی) ایک جنس بے جان اشیا کی الگ ہے ۔ بعض زبانیں ایسی ہیں جن میں بے جان کی الگ جنس نہیں بلکہ بعض چیزیں ان میں بھی مذکر اور بعض مؤنث قرار دے لی گئی ہیں حالانکہ حقیقت میں یہ جنس کے امتیاز سے محروم ہیں ۔ اس قسم کی جنس کو جنس غیر حقیقی کہتے ہیں ۔ آریائی زبانوں میں بعض جدید زبانوں مثلاً اردو میں یہ صورت موجود ہے ۔ سامی زبانوں میں عربی میں بھی موجود ہے ١ ۔

---

١ ۔ عربی میں جنس کی تقسیم کا مختصر حال یہ ہے کہ اسما یا تو مذکر ہوتے ہیں یا مؤنث ، یا ایسے جو مذکر یا مؤنث دونوں ہو سکتے ہیں اس میں بے جان جنس (Neuter) نہیں ہوتی ۔ مؤنث حقیقی ہوسکتے ہیں، مثلاً امراۃ (عورت) ناقۃ (اونٹنی) یا غیر حقیقی یا مجازی مثلاً الشمس (سورج) نعل (جوتا) ظلمۃ (تاریکی) بشریٰ (نیک خبری) ۔ اسم کی تانیث کا اندازہ دو طرح سے ہوتا ہے: یا تو اس کے معنوں سے ۔ اس صورت میں اسم مؤنث کو ، المؤنث المعنوی ، کہتے ہیں ، مثلاً وہ سارے اسم خاص اور اسم عام جو مؤنث کی جنس رکھنے والوں کے معنی رکھتے ہیں مثلاً اُم (ماں) عروس (دلہن) عجوزہ (بوڑھی عورت) مریم ، سعاد ، زینب ۔ اسی قبیل میں وہ اسم شامل ہیں جن کو معناً مونث قرار دیا گیا ہے ۔ مثلاً شعو (سوت) ۔

ملکوں اور شہروں کے اسم خاص مؤنث ہیں کیونکہ اسم عام ارض ، بقعہ ، مدینہ ، بلدہ ، قریۃ مؤنث ہیں ۔ اس اعتبار سے مصر مخا مونث ہیں (اگرچہ بعض لوگ مصر کو مذکر کہتے ہیں) لیکن بعض اسم الشام ، العراق وغیرہ اصلاً مؤنث ہیں ۔ لیکن تعریف میں مذکر بھی آتی ہیں سمتوں کو ظاہر کرنے والے اسما بھی مؤنث ہیں کہ جہت خود مؤنث ہے ۔ ہواؤں کے نام آگ کے نام مؤنث کیونکہ ریح اور نار دونوں مؤنث ہیں ، (سوائے اعصار کے جو مذکر ہے) جسم کے اکثر اعضا مؤنث ہیں بالخصوص ایسے اعضا جو جفت ہیں مثلاً ید (ہاتھ) رحل (ٹانگ) عین

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷٦ پر دیکھیں)

جنس غیر حقیقی

جنس غیر حقیقی کے تعین میں بظاہر جنس کے تعین یا تخصیص کی کوئی بنیاد نہیں ہے - ایک حد تک یہ درست ہے لیکن ان میں یہ جنس کس طرح پیدا ہوئی ، اس کا تصفیہ دشوار ہے کیونکہ موجودہ زبان میں کتنے ہی اصول کیوں نہ مرتب ہوں وہ جنس غیر حقیقی کی تمام مثالوں پر حاوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۵)

(آنکھ) اذن (کان) سن (دانت) کف (کندھا) ساق (پنڈلی) وغیرہ - ان کے برعکس راس (سر) وجہ (چہرہ) انف (ناک) فم (منھ) صدر (سینہ) ظہر (پیٹھ) خد (رخسار) سب مذکر ہیں - ہڈیاں ، رگ ، پٹھے ، خون بھی مذکر ہیں - شبہ الجمع جن سے ایسی اشیا ظاہر ہوں جو شعور سے عاری ہوں مؤنث ہیں ، (مثلاً) ابل اونٹ ذود (اونٹنیوں کا گلہ) دوسری قسم عربی میں مؤنث کی مؤنث اللفظی ہے کہ اس میں اسم میں علامت تانیث سے اس کا مؤنث ہونا پہچانا جاتا ہے ، مثلاً ۃ پرختم ہونے والے اسا مؤنث ہیں - جنۃ (جنت) ظلمۃ (تاریکی) حیاۃ یا حیوۃ (زندگی) سب مؤنث ہیں - الف مقصورہ یا یائے معروف پر ختم ہونے والےاسا بھی مؤنث ہوتے ہیں مثلاً (دعویٰ دعوی) نجوی (راز)لوسی (الزام) زکری (حافظہ) الدنیارویا (خواب) بشریٰ (اچھی خبریں) - اسی طرح وہ اسم جو آ پر ختم ہوں مؤنث ہوں گے ، صحرا (جنگل) کبریا (بڑائی اللہ تعالیٰ) ، لیکن بعض اسا جوۃ پر ختم ہوتے ہیں مذکر ہیں مثلاً خلیفۃ ، علامۃ - ایسے اسا کثرت یا شدت کو ظاہر کرتے ہیں - ان کے علاوہ حسب ذیل اسا نہ تو المؤنث المعنوی ہیں اور نہ مؤنث اللفظی بلکہ محض اہل زبان کے استعال کی بدولت مؤنث قرار پائے ہیں -

ارض (زمین ، عالم ، فرش) بیر (کنواں) حرب (جنگ) خمر (شراب) درع (زرہ) دلو (ڈول)دار (گھر) رحی (باورچی) ریح (ہوا) الشمس(سورج) طاغوت (بت) عروض (وزن) عصا (چھڑی) عقاب (عقاب) عقرب (بچھو) عیر (کارواں) فاس (کلہاڑی) الفردوس (جنت) افعی (سانپ) کاس (پیالہ) منجنیق ، موسی (استبرا) نار (آگ) نعل (جوتا) نفس (روح) نوی (منزل) لیکن ان میں سے بعض کبھی کبھی مذکر استعال ہوتے ہیں مثلاً حرب ، خمر ، درع ، دار ، دلو ، ریح -

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۷ پر دیکھیں)

نہیں ہوتے اور بہ کثرت یکساں مثالوں کے ساتھ ہی مستثنیات کی فہرست اس قدر طویل ہو جاتی ہے کہ اصول سے استثنا کی بجائے اسے اصول استثنا کا کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے - مثلاً عربی میں ہواؤں کے نام اس قیاس پر کہ خود ریح (ہوا) مؤنث ہے ، مؤنث ہیں - اردو میں بھی 'ہوا' مؤنث ہے - اس لیے پروا ، پچھوا ، نسیم ، لو ، آندھی وغیرہ مؤنث ہیں لیکن جھکڑ مذکر ہے ، بگولہ مذکر ہے ، ڈڈورا مذکر ہے - غرض اسمائے غیر حقیقی کو کسی طرح بھی[1] جنسوں اور طبقوں میں تقسیم کریں جنس مذکر یا مؤنث کے تعین کے لیے قاعدے یا اصول مرتب کرنا کہ جامع بھی ہوں اور مانع بھی دشوار ہی نہیں ناممکن ہے ، اس لیے زبان کے مطالعے کے بعد صرف یہ باتیں عمومی طور پر کہی جا سکتی ہیں :

۱- بڑی[1] ، بھاری بھرکم ، قوی اور عظیم الشان اشیا مذکر ہیں اور چھوٹی کمزور ہلکی پھلکی چیزیں مؤنث ، یہاں تک کہ جب اصل لفظ مذکر ہے اور اس کی چھوٹی یا کمزور یا ہلکی صورت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے تو اسے مؤنث بنا لیا جاتا ہے اور اسی طرح جب اصل لفظ مؤنث ہوتا ہے اور اسے بڑی بھاری بھر کم صورت میں لانا مقصود ہوتا ہے تو اسے مذکر بنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۶)

اسماء الجنس جو عام طور پر جانوروں اور پرندوں کی جنس کے لیے استعمال ہوتے ہیں اپنی لفظی حیثیت سے مؤنث اور معنوی حیثیت سے مذکر ہوتے ہیں مثلاً حما (کبوتر) شاء (بھیڑ بکری) بقر(جانور) جراد (ٹڈا) نحل (شہد کی مکھی) شجر (درخت) نخل (کھجور کے درخت) تمر (چھوارا) سحاب(بادل) ذہب (سونا) اسی طرح اسما الجمع اشباہ الجمع جن کا اطلاق اسماء الجنس پر نہیں ہوتا مؤنث ہوتے ہیں ، مثلاً قوم ، نفر ، تجر (تاجر) لیکن اہل اور آل مذکر ہیں - حروف تہجی کے نام اکثر مؤنث ہیں مثلاً ھذہ الالف ، یہ الف ہے) - مصدر بھی مؤنث ہوتے ہیں - لفظ خود مذکر ہے ، کلمہ اور لفظ مؤنث ہیں - اسی طرح بعض اسم ہیں کہ مؤنث اور مذکر دونوں صورتوں میں آتے ہیں - مثلاً ازار ، آل ، بشر ، بطن (پیٹ) خیال ، دکان ، روح ، سبیل ، سلاح ، سلطان ، سلما ، سما ، سوق ، صراط ، صلح ، طریق ، عرس ، عنبر ، عنکبوت ، فرس ، فلک ، قوس ، سان ، لیل ، مصک (مشک) -

۱ - عبدالحق قواعد اردو لوازم اسم ص ۵۹ -

لیتے ہیں ، مثلاً سنسکرت میں اصل لفظ رشم تھا ۔ اس سے ہندی رسا بنا ۔ یہ دونوں مذکر ہیں ۔ اس کی چھوٹی اور کمزور صورت رسی ہے ، سنسکرت گوڈ تھا ، ہندی میں گول یا گولا بنا ۔ یہ دونوں مذکر ہیں ۔ اس کی چھوٹی اور کمزور صورت گولی بنائی گئی ہے جو مونث ہے ۔ اسی طرح پگ سے پگڑی بنی جو مؤنث ہے ۔ اس سے پگڑ بنا جو مذکر ہے اور بڑی پگڑی کے معنوں میں آتا ہے[1] ۔ لیکن اس اصول کا اطلاق بھی ان تمام چیزوں پر نہیں ہوتا جو یائے معروف پر ختم ہوں اور کمزور اور چھوٹی اور مؤنث ہوں ۔ مثلاً کوٹھا اور کوٹھی ، کوٹھا مذکر ہے اور کوٹھی مؤنث لیکن کوٹھی کوٹھے سے چھوٹی نہیں ہوتی ۔ پھر جن کو اس اعتبار سے مؤنث کہیں ان کے مقابل مذکر بڑے معنوں میں نہیں ملتے ۔ موتی مذکر ہے حالانکہ یائے معروف پر ختم ہوتا ہے اور موتا بڑے موتی کو نہیں کہتے ۔ کشتی بے شک مؤنث ہے لیکن کشتیا بڑی کشتی نہیں ۔ اسی پر ٹوپی ، ٹوپا ، چھتری ، چھترا پر قیاس کریں ۔

۲۔ اکثر اوقات وہ الفاظ جو اردو میں پراکرتوں سے آئے ، خواہ ان کی اصل دیسی ہو یا سنسکرت سے تدبھو[2] ۔ جن کے آخر میں الف یا ہ ہو یا فارسی کے الفاظ جن کے آخر میں ہ الف کی آواز دیتا ہو عام طور پر مذکر ہوتے ہیں ۔ مثلاً جوتا ، ڈبا ، رسا ، گھڑا ، مٹکا ، پیالہ ، نوالہ ، حقہ ، پیشہ ہفتہ ، چولھا وغیرہ لیکن ۔ اس میں بعض مستثنیات ہیں ۔

۱۔ وہ تمام دیسی اسمائے تصغیر جن کے آخر میں یا برائے تصغیر ہو مثلاً چڑیا ، لٹیا ، ڈبیا ، چوہیا ، ، ڈلیا ، ٹھلیا ، پلیا ، پڑیا ۔

---

۱ ۔ پگڑی کی یہ توجیہ کہ پگڑی سے پگڑ بنا محل نظر ہے ۔ اصلاً پگ ہے پگڑ اور اس سے پگڑی بنا ۔

۲ ۔ سنسکرت سے آنے والے افظ دو طرح کے ہیں : تت سم ایسے الفاظ جو اصل سنسکرت کے مطابق ہیں مثلاً نشچنت ، تدبھو وہ جن میں تبدیلی ہوئی ہو مثلاً نچنت دونوں لفظ سنسکرت سے ماخوذ ہیں ۔ ہندی میں تت سم شکل نشچنت اور اردو میں تدبھو شکل نچنت مستعمل ہے ۔

۲- وہ اکثر دیسی اسما جن میں علامت تانیث یا الف تذکیر کا بدل ہو مثلاً گڑیا[۱] -

۳- تت اسم الفاظ جو ہندی الاصل پراکرتی ہیں ، اور اپنی اصل سنسکرت صورت سے قریب تر ہوں ، ان میں الف علامت تانیث ہے - مثلاً پوجا ، بیچا[۲] ، پروا ، پچھوا ، بھاکا ، انگیا ، مالا ، سبھا ، جٹا ، گنگا ، جمنا وغیرہ -

۴ - عربی کے اکثر وہ سہ حرفی لفظ جن کے آخر میں الف ہو مثلاً رضا ، خطا ، جلا یہ بھی سب مونث ہوں گے - چنانچہ ادا ، بقا ، فنا ، بلا ، ولا ، دغا ، وفا ، صدا ، قضا ، دوا ، دعا ، عبا ، قبا ، سزا ، جزا یہ سب مؤنث ہیں لیکن اس میں بھی استثنا سہا (نام ایک ستارہ کا) عنا (رنج) غنا ، زنا ابا ، درا ، ابا ، عصا ، طلا ، عطا (آسمان) سب مذکر ہیں[۳] -

۵- عربی کے بعض اسما جو فعلیٰ کے وزن پر ہوں مونث ہوتے ہیں - مثلاً عقبیٰ -

٦- جن ہندی الاصل الفاظ کے آخر میں یائے معروف ہوتی ہے ، وہ اکثر مؤنث ہوتے ہیں مثلاً بولی ، بوٹی ، بالی (زیور کان کا) ، بوٹی (کپڑے کا پھول) ، بگھی ، بولی (بول چال) ، پالکی ، نالی ، تھالی، ٹوپی، جالی ، چھتری، چابی ، چکی ، چائی ، دری (فرش) ، ڈولی ، ڈیوڑھی ، روٹی ، روئی (کپاس) سبزی (ساگ پات) ، مولی (نام ایک سبزی) ، سولی ، مچھلی ، ہڈی ، گلی ، نالی ، موری سب مؤنث ہیں - لیکن ان الفاظ میں بھی مستثنیات ہیں - پانی ، موتی ، دہی ،گھی ، جی (جان) ، ہاتھی مذکر بولے جاتے ہیں -

---

۱ - ظاہر ہے گڑیا ، گڈا کی تصغیر نہیں ہے -

۲ - مولوی صاحب نے ماتا کو بھی اس فہرست میں رکھا ہے - ماتا بہ معنی ماں ظاہر ہے بے جان کی جنس نہیں - حقیقی ماتا اگر چیچک کے معنوں میں ہے تو بھی یہ معنی مجازی ہیں کہ سیتلا کی دیوی کو ماتا کہا ہے - اگر کتابت کی غلطی ہے تو پھر یہ لفظ غالباً مایا ہو گا -

۳ - مولوی عبدالحق صاحب کا یہ قول (قواعد اردو ص ۵۸) درست نہیں کہ تمام عربی کے سہ حرفی الفاظ جن کے آخر میں الف ہوتا ہے مذکر ہونے سے مستثنیٰ کی مثال ہیں -

مذکورہ بالا تین صورتیں ایسی ہیں جن میں کسی صوتی علامت کی بنا پر جنس غیر حقیقی کا کسی قدر تعین ہو سکتا ہے، لیکن بے جان اشیا میں بے شمار ایسی ہیں کہ جن میں کوئی ایسی علامت تذکیر یا تانیث کی نہیں ہوتی۔ ان میں سے بعض کو قبیل یا قسم Category کے اعتبار سے مذکر اور مؤنث بولتے ہیں مثلاً۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے جس قدر اسما ہیں وہ سب مذکر ہی آتے ہیں۔ اللہ خدا، الہ وغیرہ۔

۲۔ کتب سماوی کے اکثر و بیشتر اسما مؤنث ہیں۔ زبور، توریت، انجیل، وید کو مذکر اور مؤنث دونوں طرح بولتے ہیں۔ قرآن مذکر بیشتر اور مؤنث کمتر بولا جاتا ہے۔

۳۔ شراب خود مؤنث۱ ہے۔ شراب کے سارے نام مؤنث ہیں سوائے فارسی بادہ اور ہندی ٹھرا کہ دونوں مذکر ہیں۔ تاڑی، بھنگ نبیذ یہ بھی اردو میں سب مؤنث ہیں بلکہ نشہ آور اور چیزیں مثلاً چرس، کوکین افیون بھی مؤنث ہیں۔ ولائتی شرابوں کے نام بھی اسی قبیل میں ہیں۔ بیر، وسکی، شمپین سب مؤنث ہیں۔ نشہ البتہ مذکر ہے۔ تمبا کو عام طور پر مؤنث مستعمل ہے۔ شاذ مذکر۔ سگریٹ، بیڑی دونوں مؤنث ہیں۔ سگار مذکر ہے۔

۴۔ ستاروں کے نام اکثر مذکر ہیں۔ چاند، سورج وغیرہ۔ ستارہ خود مذکر ہے۔ البتہ زہرہ، ناہید، برجیس اور مشتری یہ چاروں مؤنث استعمال ہوتے ہیں۲۔

---

۱ - دکھنی شعرا اور مصنفوں کے یہاں شاذ مذکر بھی ملتا ہے۔ ریاض فرماتے ہیں:

اچھی پی لی خراب پی لی جیسی پائی شراب پی لی

۲ - مولوی عبدالحق صاحب (قواعد اردو ص ۶۹ میں) فرماتے ہیں، ستاروں کے اور نام بھی مذکر ہیں۔ یہ درست نہیں، بعض مذکر ہیں اور بعض مؤنث مرزا غالب فرماتے ہیں:

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
ان کے جی میں شب کو کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

۵- رنگوں کے نام اگرچہ ان کے آخر میں یائے معروف ہے ، مذکر یا مؤنث چیزوں کے ساتھ مذکر یا مؤنث آتے ہیں - مثلاً آسمانی ، دھانی ، چنپئی سنہری۱ -

٦- زبانوں کے نام مؤنث استعمال ہوتے ہیں خود زبان ، بولی ، روزمرہ لسان سب مؤنث ہیں - بعض نام ان میں ملکوں کی نسبت سے ہیں - مثلاً عربی ، یونانی ، رومی ، ترکی ، فارسی وغیرہ - ان میں یائے معروف تانیث کی علامت نہیں بلکہ نسبتی ہے - لیکن بہت سی زبانیں اس یائے نسبتی کے بغیر بولی جاتی ہیں - ریختہ ، اردو ، برج بھاشا ، سنسکرت ، پشتو وغیرہ - محاورہ البتہ مذکر ہے کہ زبان کا نام نہیں بلکہ کسی زبان کے بولنے والے فصحا کی گفتگو میں خصوصی کلمات اور مرکبات ہوتے ہیں ، وہ اس کی تعریف میں شامل ہیں۲ -

لفظ اردو کے بارے میں جلال کی رائے ہے کہ یہ مذکر ہے - لیکن انھوں نے اسے صرف اپنا عندیہ بتایا ہے ، سند کوئی نہیں - اردو اپنے اصلی معنوں میں بمعنی لشکر ، دربار وغیرہ مذکر ہے ، لیکن زبان کے معنوں میں لکھنو اور دلی دونوں میں بہ اتفاق مؤنث ہی استعمال ہوتا ہے - اردو کے ناموں کے سلسلے میں جس قدر حوالے اس بحث میں نقل ہو چکے ہیں ان میں بھی یہ مؤنث ہی استعمال ہوا ہے -

۷- حروف تہجی کے نام بعض مذکر ہیں بعض مؤنث اور بعض اختلافی- بہ اتفاق مذکر حسب ذیل ہیں :

الف سین شین صاد ضاد ع غ ق ک کھ گ گھ ل لھ ن نھ - حسب ذیل بہ اتفاق مؤنث ہیں -

---

۱ - بعض لوگ سنہرا مذکر اور سنہری مؤنث کے ساتھ بولتے ہیں -

۲ - مولوی عبدالحق (قواعد اردو ص ٦۹ میں) لکھتے ہیں - زبانوں کے نام عموماً مؤنث ہوتے ہیں مثلاً انگریزی ، فارسی ، اردو ، سنسکرت - یہ محل نظر ہے کیونکہ مذکر نام کسی زبان کا اردو میں استعمال نہیں ہوتا - ضامن علی جلال لکھنوی بھی (مفید الشعرا ص ٦) لکھتے ہیں زبان کے جتنے نام ہیں مانند عربی ، یونانی وغیرہ کے سب مؤنث بولے جاتے ہیں سوائے اردو کے ، یہ مؤلف ہیچمدان کے عندیہ میں مذکر ہے -

بے بھے پے پھے تے تھے ٹے ٹھے ثے جے جھے چے چھے حے خے دال دھ ڈال ڈھ ذ رے رھ ڑھ ڑے زے ژے طوئے ظوئے فے ہے واو یائے ۔

جیم اور میم اختلافی ہیں لیکن جلال ان دونوں کو بھی مذکر لکھتے ہیں اور میم کے لیے ناسخ کا یہ مصرع بطور سند پیش کرتے ہیں[۱] ۔

برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا

عبارت ، انشا ، تحریر سب مؤنث ہیں ۔ املا اختلافی ہے[۲] ۔ خط (بمعنی تحریر) مذکر ہے ۔

۸- کتاب مؤنث ہے ۔ قرآن مذکر ہے لیکن اسے ام الکتاب کہیں تو مؤنث معنوی ہے ۔ کتابوں کے نام اگر مفرد ہیں تو مؤنث ہوں گے بشرطیکہ آخر میں الف یا ہائے نہ ہو کہ علامت مذکر کی ہے جیسے صدرا ، کافیہ ، لیکن شفا جو شیخ الرئیس بو علی سینا کی تصنیف ہے مؤنث ہے ۔ لیکن مرکب ہونے کی صورت میں مضاف یا موصوف کی تذکیر و تانیث پر کتاب کی تذکیر و تانیث منحصر ہوتی ہے ۔ مثلاً بوستان ، گلستان ، پریم ساگر، رامائن مؤنث ہیں لیکن حکایت سوداگر مؤنث اور قصہ حلیمہ دائی مذکر ہے ۔ رسالہ چاہے یعنی کتاب ہو چاہے مجلہ دونوں صورتوں میں مذکر ہے ۔ رسالہ (بمعنی فوج) بھی مذکر ہے ۔

۹- ایسے اسما جو آوازوں کی نقل ہوں مؤنث بولے جاتے ہیں ، مثلاً گڑگڑاہٹ ، سنسناہٹ ، ٹپ ٹپ ، پٹ پٹ ، ٹک ٹک ، سائیں سائیں ، چٹ

---

۱ - جلال مفید الشعرا ص ۵۸ ۔ ان کے اختلافی ہونے کو جلال بھی تسلیم کرتے ہیں ۔ جیم اور میم جو حروف تہجی میں سے ہیں مختلف فیہ ہیں ۔ الا مؤلف کے نزدیک دونوں مذکر ہیں ۔ چنانچہ میم کو تو ناسخ مرحوم نے بھی مذکر فرمایا ہے ۔

ع برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا

۲ - جلال مفید الشعرا ص ۱۱ اور املا مختلف فیہ ہے ۔ یعنی مذکر و مؤنث دونوں طرح بولا جاتا ہے لیکن مذکر بیشتر اور مونث کمتر جیسا کہ اشک مغفور مؤنث فرماتے ہیں :

نامۂ جاناں ہے کیا لکھا مری تقدیر کا

خط کی انشا اور ہے لکھنے کی املا اور ہے

چٹ ، چھم چھم ، قل قل ، دھم دھم ، غٹ غٹ ، سب مؤنث بولے جاتے ہیں[۱] :

۱۰- فن شاعری اور عروض کے اصطلاحی اسما اکثر مؤنث بولے جاتے ہیں، وزن اور رکن مذکر ہیں لیکن بحر مؤنث ہے ۔ قافیہ مذکر ہے، تقطیع مؤنث ہے ۔ بحروں کے نام مثلاً طویل ، مؤید ، بسیط ، ہزج ، رجز ، رمل ، وافر ، کامل ، منسرح ، مجتث ، سریع ، خفیف ، مضارع ، قریب ، جدید ، مشاکل ، عمیق ، معلوب ، طویل ، مدارک ، متقارب وغیرہ سب مؤنث ہیں[۲] ۔

۱۱- سال ، برس اور سنہ مذکر ہیں ۔ مہینوں کے نام خواہ عربی کے ہوں خواہ فارسی کے ، انگریزی کے ہوں یا ہندی کے مذکر بولے جاتے ہیں ۔ البتہ بعض حضرات انگریزی میں جنوری ، فروری ، مئی ، جولائی کو آخر میں یائے معروف کے سبب مؤنث بھی بولتے ہیں ، لیکن مذکر اکثر اور مؤنث کمتر بولا جاتا ہے ۔

عربی مہینوں کے نام حسب ذیل ہیں :

محرم ، صفر ، ربیع الاول ، ربیع الآخر (یا ربیع الثانی) جمادی الاول ، جمادی الاخر (یا جمادی الثانی) رجب ، شعبان ، رمضان ، شوال ، ذیقعد ذوالحجہ ۔

فارسی میں مہینوں کے نام حسب ذیل ہیں :

آذر ، دے ، بہمن ، اسفندیار ، فروردی ، اردی بہشت ، خوردار ، تیر ، امرداد ، شہریور ، مہر ، آبان ۔

انگریزی مہینوں کے نام :

جنوری ، فروری ، مارچ ، اپریل ، مئی ، جون ، جولائی ، اگست ، ستمبر ، اکتوبر ، نومبر ، دسمبر

---

۱ - ایسے الفاظ اصطلاحاً Onamatopeac کہلاتے ہیں ، جو آوازوں کی نقل ہوتے ہیں اور صدائی تاثر سے معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

۲ - جلال (مفید الشعرا) کا یہ قول محل نظر ہے کہ بجواب عروض کے جملہ اسما مثل طویل وغیرہ کے مؤنث استعمال ہوتے ہیں ۔ چنانچہ قافیہ مذکر ہے رکن مذکر ہے ۔

ہندی :

کنوار ، کاتک ، اگھن ، ماہ ، پوس ، پھاگن ، چیت ، بیساکھ ، جیٹھ اساڑھ ، ساون ، بھادوں ۔

دنوں کے نام مذکر ہیں ۔ سوائے جمعرات کے کہ مؤنث بولتے ہیں ۔ کیونکہ رات مؤنث ہے اور دن مذکر ، ہفتہ مذکر ہے ۔ پل مذکر اور مؤنث دونوں طرح بولتے ہیں[1] ۔ ساعت مؤنث ہے ، گھنٹہ مذکر ہے ، گھڑیال اکثر مذکر اور کمتر مونث ہے لمحہ لحظہ دونوں مذکر ہیں۔ منٹ اور سیکنڈ دقیقہ سب مذکر ہیں ۔

۱۲- دھاتوں اور قیمتی پتھروں کے نام سوائے چاندی کے سب مذکر ہیں ، مثلاً لوہا ، تانبا ، کانسا ، سونا ، پیتل ، بھرت ، جست ، رانگ ، ٹین ، ہیرا ، لعل ، یاقوت ، زمرد ، پکھراج ، نیلم ، مرمر وغیرہ ، چاندی مؤنث ہے لیکن ہندی میں اسے روپا کہتے ہیں اور وہ مذکر ہے ۔

۱۳- پہاڑوں کے نام مذکر ہیں ۔ ہمالہ ، بندھیاچل ، سلیمان ، چلتن[2] ، مردار ۔

۱۴- دریاؤں کے نام مذکر اور مؤنث دونوں ہیں ۔ سندھ ، راوی ، ستلج بیاس ، چناب مذکر ہیں ۔ گنگا ، جمنا ، بوڑھی گنگا مؤنث ہیں ۔ ہندو اپنے عقیدے کے مطابق گنگا اور جمنا کو گنگا مائی اور جمنا مائی کہتے ہیں ۔

۱۵- کپڑا اور لباس دونوں مذکر ہیں ۔ لیکن مختلف ملبوسات اور کپڑوں سے بننے والی چیزوں کے نام کچھ مذکر ہیں اور کچھ مؤنث ۔
مثلاً مذکر : صافہ ، عمامہ ، طرہ ، شملہ ، ٹوپ ، ٹوپا ، پگڑ ، کرتا ، کوٹ ، پاجامہ ، پتلون ، موزہ ، جوتا ، غرارہ ، جانگیہ ، لنگوٹ ، انگرکھا ، چغہ ، فرغل ، غلاف ۔

حسب ذیل مؤنث ہیں :

ٹوپی ، پگڑی ، دستار ، کرتی ، انگیہ ، اچکن ، شروانی ، جوتی ،

---

۱ - جلال (مفیدالشعرا ص ۵۱) نے صرف مونث لکھا ہے ۔

۲ - دونوں پہاڑ بلوچستان میں ہیں کہ کوئٹہ کا شہر ان کے درمیان وادی میں واقع ہے ۔

لنگوٹی ، چادر ، صافی ، جھاڑن - بعض دونوں طرح بولتے ہیں یعنی مذکر اور مؤنث بھی مثلاً بنیان ، قمیص ، تولیہ -

۱٦- ہندی الاصل حاصل مصدر یعنی ایسے اسم جو مصدر سے بنائے گئے ہیں اور کسی حالت یا کیفیت کو بیان کریں اور ایسے اسما کیفیت جو اسی وزن پر بنے ہوں چاہے کیفیت بیان نہ کریں عام طور پر مونث ہی بولے جاتے ہیں ، مثلاً پھنکار ، پکار ، پھٹکار ، جھنکار ، پچھاڑ ، لتاڑ - اسی وزن پر مؤنث الفاظ حسب ذیل ہیں :

پرکار ، دستار ، مہار ، ازار ، عیار ، تلوار ، بوچھار ، بہار (پھلوار) کھنکار ، للکار- لیکن زنار اختلافی ہے، بعض مذکر بولتے ہیں اور بعض مؤنث ۱-

اسی طرح پھسلن ، دھڑکن ، کھرچن ، لگن ، اترن سب مؤنث بولے جاتے ہیں - اسی وزن پر سوزن ، سوسن ، گردن ، معدن ، چلمن ، الجھن ، اینٹھن ، پھڑکن ، اچکن ، چپکن ، پلٹن ، سوجن ، ناگن ، پوچھن ، سیون ، چتون ، چھیلن ، کترن ، اترن ، جامن ، پنشن ، گردن سب مؤنث ہیں - لیکن جوشن گلشن ، توسن ، دامن ، مامن ، آہن ، باون ، مسکن ، مخزن ، مدفن ، روزن ، گلخن ، روغن ، خرمن ، ایمن ، آسن ، باسن ، آنگن ، ساون ، چندن ، بندھن ، منجن ، لندن ، جوبن ، دھوون ، بینگن ، مکھن ، سالن ، برتن ، درشن سب مذکر بولے جاتے ہیں -

بناوٹ ، تراوٹ ، سجاوٹ ، ملاوٹ ، رکاوٹ ، گلاوٹ ، لگاوٹ ، بناوٹ مؤنث آتے ہیں ۲ -

---

۱ - مثلاً خود اہل لکھنو میں بھی اختلاف ہے - ناسخ کا شعر ہے :

رہتی ہے حسن پرستوں کے گلے میں زنجیر
کفر ان کا ہے نیا اور ہے زنار نئی

لیکن خواجہ وزیر فرماتے ہیں :

کافر ہوا ہوں پی کے مئے عشق اے وزیر
زنار مجھ کو چاہیے موج شراب کا

۲ - جلال اس قسم کے کلمات کے لیے بتاتے ہیں (مفیدالشعرا) رسالہ تذکیر و تانیث ص ۲۳ - بناوٹ ، رکاوٹ لگاوٹ وغیرہ جن کے آخر میں قبل تائے ثقیلہ واو مفتوح اور قبل واو الف ہے سب مؤنث آتے ہیں -

اسی طرح وہ حاصل مصدر جن کے آخر میں کاف مصدری آتا ہے جو علاوہ حاصل مصدر ہونے کے علامت تصغیر بھی ہوتا ہے، مونث بولے جاتے ہیں مثلاً ہلک ، بھٹک ، پلک ، تپک ، تڑپ ، جھلک ، جھپک ، چمک ، دبک ، ڈلک ، لچک ، لہک ، کھٹک ، لٹک ، مہک مؤنث ہیں ۔ ڈھولک کہ ڈھول سے تصغیر ہے ، مؤنث ہے ۔ گولک ، توشک (دوشک) بھی اسی قیاس پر مؤنث بولے جاتے ہیں ۔ لوٹ ، ٹوٹ مؤنث بولے جاتے ہیں ۔

اسی طرح وہ کلمات جن میں سین علامت کیفیت ہے اور جو فعل یا صفت سے بنے ہیں مثلاً میٹھا سے مٹھاس ، مؤنث ہوتے ہیں مثلاً مٹھاس کھٹاس ، پیاس ، ہگاس ، نکاس ، بھڑاس ۔

اس کے علاوہ اسی وزن پر اساس ، کپاس وغیرہ بھی مؤنث بولے جاتے ہیں ۔

آن پر ختم ہونے والے حاصل مصدر اور اسم کیفیت اکثر مؤنث آتے ہیں مثلاً تھکان ، پہچان ، ڈھلان ، اٹھان ۔ ان کے علاوہ اسی وزن کے بعض اور الفاظ بھی مؤنث بولے جاتے ہیں ، مثلاً چٹان لیکن وہ حاصل مصدر اور اسم کیفیت جو برتاؤ ، بچاؤ ، کے وزن پر ہوں عام طور پر مذکر ہوتے ہیں ، بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ ایسے تمام اسم جن کے آخر میں واو موقوف ہو سب مذکر ہوتے ہیں (باستثنا ناو اور باو کہ دونوں مؤنث ہیں) اور گاو بجائے گائے بھی مؤنث ہے اور واو حرف تہجی کی تذکیر و تانیث اختلافی ہے مثلاً پٹاؤ ، بچاؤ ، پڑاؤ ، اٹکاؤ ، الاؤ ، بناؤ ، بہاؤ ، بلاؤ ، بچاؤ ، بھلاؤ ، ناؤ ، جماؤ ، جھکاؤ ، چلاچلاؤ ، چھڑکاؤ ، گھاؤ ۔

وہ اسمائے کیفیت جو لاحقہ پن لگانے سے بنتے ہیں ، مذکر بولے جاتے ہیں مثلاً بچپن لڑکپن دیوانہ پن ۔

۱۷- ہندی کے مصادر (جن کے آخر میں علامت مصدر نا ہوتی ہے) مذکر استعمال ہوتے ہیں ۔ مرنا ، جینا ، پینا ، سینا ، لینا ، دینا ، لکھنا ، پڑھنا سننا ، چلنا ، پھرنا ، سونا ، جاگنا وغیرہ لیکن بعض اہل زبان ایسی صورت میں مصدر کو متعلقہ اسم کی نسبت سے مذکر یا مؤنث استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً بات مؤنث ہے ، اہل زبان بات کرنا اور بات کرنی دونوں طرح

بولتے ہیں۔ حضرات لکھنؤ عام طور پر دونوں صورتوں میں صرف مذکر استعمال کرتے ہیں۔ دلی والے مؤنث کے ساتھ مؤنث بولتے ہیں۔

۱۸- عربی کے وہ اسمائے کیفیت جن کے آخر میں ت ہوتی ہے، مؤنث بولے جاتے ہیں۔ مثلاً ندامت، عنایت، محبت، شفقت، شوکت، رفعت وغیرہ۔ بلکہ اکثر وہ تمام اسما جو ت پر ختم ہوتے ہیں اور ت سے پہلے فتحہ ہوتا ہے مؤنث ہی بولے جاتے ہیں۔ مثلاً آؤ بھگت، ثروت، الفت، آفت، برکت، بچت، پھرت، جراحت، جہت، جگت، جہالت، حرکت، چاہت، چلت، پھرت چپت، چھت، حرمت، حسرت، حیرت، حشمت، خدمت، دولت، راحت رفعت، رحمت، رقت، رعونت، رکاوٹ، رنگت، رغبت، سنگت، شوکت، شکایت، حکایت، شامت، صولت، طریقت، طبیعت، شرافت، شریعت، عفت، عصمت، عزت، عظمت، عنایت، غیرت، غفلت، فرصت، فصاحت فراست، قدرت، قسمت، قیمت، قیامت، کدورت، کرامت، کثافت، کلفت، کہاوت، کھنڈت، کھپت، لاگت، لعنت، لت، مت، محبت، منزلت، منقبت مصیبت، مہلت، ملامت، منت، مشقت، معیشت، ندامت، نفاست، نقاہت، وراثت، وکالت، وجاہت، ہزیمت۔ لیکن اس میں چند مستثنیات ہیں۔ خلعت، رایت (جھنڈا)، شربت، آلت، ست (جوہر) نکہت مذکر بولے جاتے ہیں۔ قامت مختلف فیہ ہے[۱]۔

۱۹- اکثر عربی الفاظ جو افعال کے وزن پر آتے ہیں وہ مذکر بولے جاتے ہیں، مثلاً ابرام، الزام، احسان، اکرام، انعام، ادغام، اسرار، اقرار، انکار وغیرہ۔ لیکن چند الفاظ مستثنیٰ ہیں، مثلاً انشا، افراط، امداد، اصلاح وغیرہ کہ مؤنث بولے جاتے ہیں۔

۱- شیخ امام ناسخ بخش فرماتے ہیں:

قامت موزوں نظر آئی مجھے جائے الف
تھا شروع عاشقی دن اپنی بسم اللہ کا

اور آتش کا شعر ہے:

قامت موزوں تصور میں قیامت ہو گیا
چشم کی گردش نے کار فتنۂ دوراں کیا

۲۰- اکثر عربی الفاظ جو افتعال کے وزن پر آتے ہیں ، مذکر بولے جاتے ہیں - مثلاً اختیار ، اعتبار ، اعتراض ، ابتذال ، اعتزاز ، اعتراف ، اعتکاف ، احتمال ، اعتماد ، اعتقاد ، اعتدال ، اضطراب ، اقتدار ، افتخار ، انتظار ، انتظام ، اشتہار - لیکن چند الفاظ مستثنیٰ ہیں کہ یہ مؤنث بولے جاتے ہیں ، مثلاً ابتدا ، انتہا ، التجا ، احتیاط ، احتیاج ، اطلاع ، اشتہا ، اصطلاح -

۲۱- اکثر عربی الفاظ جو استفعال کے وزن پر آتے ہیں ، مذکر بولے جاتے ہیں - مثلاً استعمال ، اضمحلال ، استعفا ، استثنا ، استقلال ، استغنا لیکن استعداد ، استدعا ، استبداد ، استغفار مستثنیٰ ہیں اور مونث بولے جاتے ہیں -

۲۲- اکثر عربی الفاظ جو انفعال کے وزن پر آتے ہیں ، مذکر بولے جاتے ہیں ، مثلاً انکسار ، انقلاب ، انحراف ، انسداد ، انفکاک ، انفصال وغیرہ[۱] -

۲۳- عربی الفاظ جو تفعل کے وزن پر آتے ہیں ، مذکر بولے جاتے ہیں ، مثلاً تبسم ، تقرر ، توکل ، ترحم ، تکلف ، تعصب ، تغیر ، تبدل ، تصرف ، تصوف ، تصنع ، تکلم ، تعلم لیکن توقع ، توجہ تمنا ، ترشح ، تہجد مؤنث بولے جاتے ہیں[۲] -

۲۴- تفاعل کے وزن پر آنے والے عربی الفاظ اکثر مذکر بولے جاتے ہیں - تغافل ، تنازع ، تلاطم ، تجاہل ، توارد ، تعاقب ، تقابل وغیرہ لیکن تواضع مستثنیٰ ہے کہ مؤنث بولا جاتا ہے -

---

۱ - فتح محمد خاں جالندھری (مصباح القواعد ص ۱۵۲ - بحوالہ مولوی حیدر علی) لکھتے ہیں : افعال ، انفعال اور افتعال کے وزن پر اگر باب ناقص سے ہوں تو مؤنث ہیں جیسے ایذا ، انجلا ، التجا ، ورنہ اکثر مذکر ہی ہیں جیسے الزام ، انفعال ، اعتقاد -

۲ - باب تفعل کے اکثر مصدر مذکر بولے جاتے ہیں لیکن جن الفاظ کے آخر میں یائے معروف یا الف مبدل بہ یا آتا ہے ، مؤنث بولے جاتے ہیں - مثلاً تمنا کہ دراصل تمنی تھا - یہی صورت تسلی کی ہے -

۲۵- جو عربی الفاظ مفاعلہ کے وزن پر آتے ہیں اکثر مذکر ہوتے ہیں مثلاً مشاعرہ ، معاملہ ، مراسلہ ، ملاحظہ ، معاینہ ، محاورہ ، مکالمہ ، مباحثہ مقابلہ ، محاکمہ وغیرہ[۱] ۔

۲۶- عربی الفاظ جو فاعلہ کے وزن پر آتے ہیں ، وہ بھی اکثر مذکر بولے جاتے ہیں ، مثلاً ناطقہ ، حافظہ ، ہاضمہ ، قاعدہ ، واقعہ ۔

۲۷- عربی اسمائے ظرف مذکر بولے جاتے ہیں ۔ مثلاً مکتب ، مسکن ، مقام ، مشرق ، مغرب وغیرہ ۔ لیکن مجلس ، محفل مسجد وغیرہ مؤنث بولے جاتے ہیں ۔

۲۸- عربی میں ہائے مختفی نہیں ہوتی ، البتہ چند قسم کی ت ہیں جو فارسی اور اردو میں ہ کا کام دیتی ہیں ، جیسے زبدہ ، ندوہ ، خلاصہ ، ایسے تمام الفاظ اردو میں مذکر ہیں لیکن جن میں ہائے تانیث ہو وہ ظاہر ہے مؤنث ہی ہوں گے ۔ مثلاً زوجہ ، ملکہ ، خادمہ وغیرہ ۔ اس قسم کی ہ کو بعض قواعد نگاروں نے ہ اضافی[۲] بھی کہا ہے اور جن الفاظ میں ہو ان کو مذکر بولتے ہیں، مثلاً نسخہ ، روضہ، دورہ ، طرہ ، شیشہ، آئینہ ، پیمانہ وغیرہ ، لیکن دفعہ اور توبہ مستثنیٰ ہیں اور مؤنث بولے جاتے ہیں ۔

۲۹- عربی اسمائے آلہ جو مفعال کے وزن پر ہوں اکثر مؤنث ہی بولے جاتے ہیں ۔ مثلاً مقراض ، میزان ، لیکن بعض مذکر آتے ہیں مثلاً معیار ، مقیاس اسی طرح بعض وہ اسم آلہ جو مفعل کے وزن پر ہوں وہ بھی مؤنث آتے ہیں مثلاً مشعل ، منقل ۔ لیکن بعض مذکر ہیں مثلاً مسطر، منبر ۔ جو اسم آلہ مفعلہ کے وزن پر ہوں وہ ہمیشہ مذکر آتے ہیں مثلاً منطقہ ، مصقلہ لیکن ایسے اسما اردو میں شاذ ہیں ۔

۳۰- اکثر عربی الفاظ جو تفعیل کے وزن پر ہوں مؤنث بولے جاتے ہیں ۔ تحریر ، تقدیر ، تقریر ، تفسیر ، تصویر ، تشہیر ، تدبیر ، تنسیخ ، تاخیر تعلیم ، تنبیہ ، تنوین ، تطہیر، تسخیر ، تشبیب ، تسوید ، تلمیح ، تضمین ،

---

۱ - دراصل باب مفاعلہ کے آخر کی آواز ہ کی ہو تو مذکر ہوتے ہیں ، ورنہ مؤنث مثلاً معاملت ، مراسلت مؤنث بولے جاتے ہیں ۔

۲ - عبدالحق قواعد اردو ص ۷۳ ۔

تقدیم ، تعجیل ، تعریف ، تصریف وغیرہ ، لیکن تعویذ مستثنیٰ ہے کہ مذکر استعمال ہوتا ہے ۔ لیکن جب تعمیل کے بعد ہائے ہوز آتی ہے تو الفاظ کو اکثر مذکر بولتے ہیں تخمینہ ، تعلیقہ وغیرہ ۔

۳۱- فارسی کے حاصل مصدر جن کے آخر میں ش ہو اکثر مؤنث بولے جاتے ہیں ، مثلاً آرائش ، آمیزش ، آویزش ، آزمائش ، بارش ، برش ، بینش ، تابش ، تپش ، خواہش ، خلش ، سفارش ، ستائش ، کاہش ، گزارش ، مالش ، نالش ۔

۳۲- ش پر ختم ہونے والے حاصل مصدر کے علاوہ اور حاصل مصدر بھی بہ کثرت مؤنث بولے جاتے ہیں ۔ مثلاً گفتگو ، جستجو ، رفتار ، گفتار ، کردار ۔ اسی طرح آمد و رفت ، خرید و فروخت ، نشست و برخاست ، گفت و شنید بھی مؤنث بولے جاتے ہیں ۔ آسودگی ، افسردگی ، آزردگی ، بود و ماند ، پژمردگی بھی مؤنث ہیں ۔ فروگزاشت ، برداشت بھی مؤنث بولے جاتے ہیں ۔

۳۳- جن الفاظ کے آخر میں آب ، تاب آتا ہے ۔ اکثر و بیشتر مذکر بولے جاتے ہیں ۔ تالاب ، پیشاب ، سیلاب ، گرداب ، حباب ، گلاب ، شباب کباب ، سیماب وغیرہ ۔

۳۴- جن کلمات کے آخر میں بان آتا ہے اکثر مذکر بولے جاتے ہیں ، مثلاً بادبان ، سائبان ، دیدبان ، مدن بان ۔ لیکن آن + بان اور نردبان مؤنث ہیں ۔

۳۵- جن کلمات کے آخر میں دان آتا ہے اکثر مذکر بولے جاتے ہیں مثلاً قلمدان ، نمکدان ، پاندان ، گلدان ، شمعدان ، عطردان ، سرمہ دان ، چراغ دان ، دیگدان ، نامدان وغیرہ ۔

۳۶- جن کلمات کے آخر میں لاحقہ بند آتا ہے ، اکثر مذکر بولے جاتے ہیں ، مثلاً کمر بند ، سینہ بند ، شکار بند ، دست بند ، ازار بند ، شلوار بند ، زیر بند ، حنا بند وغیرہ ۔

۳۷- جن کلمات کے آخر میں لاحقہ مان آتا ہے وہ اکثر مذکر بولے جاتے ہیں ۔ آسمان ، خانمان ، دودمان ۔ لیکن ریسمان (رسی) مؤنث ہے اور

مہمان مذکر کے ساتھ مذکر اور مؤنث کے ساتھ مؤنث استعمال ہوتا ہے ۔

۳۸- جن کلمات کے آخر میں وان ہوتا ہے اکثر مذکر بولے جاتے ہیں ۔ مثلاً کاروان ، پیچوان ۔ لیکن توان (طاقت) مؤنث ہے ۔ ہندی الفاظ مثل کنوان ، دھنوان ، پرچھانوں ، بھلاوان ، ساتواں ، آٹھواں ، نواں بھی مذکر ہی بولے جاتے ہیں ۔

۳۹- جن فارسی کلمات کے آخر میں لاحقہ ستان آتا ہے وہ اکثر مذکر بولے جاتے ہیں، مثلاً گلستان ، بوستان ، شبستان ، نیستان ، سنبلستان وغیرہ ۔ لیکن گلستان اور بوستان جو سعدی شیرازی کی مشہور تصانیف ہیں بطور کتاب مؤنث بولی جاتی ہیں ۔

۴۰- جن کلمات میں لاحقہ سار آتا ہے ۔ وہ اکثر مذکر استعمال ہوتے ہیں مثلاً کوہسار ، نمکسار ، غمگسار وغیرہ ۔

۴۱- جن کلمات میں لاحقہ بار آتا ہے وہ اکثر مذکر بولے جاتے ہیں مثلاً رودبار ، دربار ، انبار ، ادبار ، کاروبار ، گھربار ۔

۴۲- جن کلمات میں زار بطور لاحقہ آتا ہے وہ بھی اکثر مذکر بولے جاتے ہیں ۔ مثلاً بازار ، سبزہ زار ، گلزار ، لالہ زار ، مرغزار وغیرہ ۔

۴۳- جن کلمات کے آخر میں لاحقہ گاہ ہوتا ہے اکثر مؤنث بولے جاتے ہیں مثلاً بندر گاہ ، قیام گاہ ، تعلیم گاہ ، درسگاہ وغیرہ ۔

۴۴- مرکب الفاظ جو دو افعال یا ایک اسم اور ایک فعل سے مل کر بنتے ہیں اکثر مؤنث بولے جاتے ہیں مثلاً آمد و رفت ، زد و کوب ، نشست و برخاست ، خور و نوش ، بود و باش ، قطع و برید ، دار وگیر، شکست و ریخت داد و دہش لیکن اس میں بعض مستثنیات ہیں ۔ سوز وگداز ، بند و بست مذکر بولے ۔ جاتے ہیں ساز باز (بغیر واو عطفی) اختلافی ہے ۔ راقم کے نزدیک مؤنث ہے ۔ مولوی عبدالحق نے مذکر لکھا ہے[۱] ۔

اگر مرکب الفاظ میں ایک مؤنث اور دوسرا مذکر ہے (مع حرف عطف یا بلا حرف عطف) تو فعل کی تذکیر و تانیث آخری جزو کے لحاظ سے

۱- عبدالحق قواعد اردو ص ۷۳ ۔

ہو گی ، مثلاً آب و ہوا ، آب و غذا ، آب و گل ، کشت و خون ، تاخت و تاراج ، عنایت نامہ ، خلوت خانہ ، سردار منزل وغیرہ لیکن کہیں کہیں اس میں بھی استثنیٰ ہے مثلاً پیچ و تاب کہ اس اعتبار سے مؤنث فعل آنا چاہیے کہ کلمہ آخر تاب بولا جاتا ہے لیکن پیچ و تاب کے لیے فعل مذکر لاتے ہیں ۔ اگر مرکب میں دونوں جز مذکر ہوں تو مذکر اور دونوں جز مؤنث ہوں تو مؤنث ہوگا ۔ مثلاً آب و تاب دونوں مؤنث ہیں تو مرکب بھی مؤنث بولا جائے گا ۔ لیکن بعض مستثنیات ہیں مثلاً شیر برنج دونوں مذکر ہیں لیکن مرکب کو مؤنث بولتے ہیں اس کی توجیہ بعض قواعد نویسوں نے اس طرح ہے کہ فیرنی اور کھیر جو اس کے مترادف ہیں ، دونوں مؤنث ہیں ۔ اسی قیاس پر اس کو مؤنث بولتے ہیں ۔ اسی طرح نیشکر کہ نے اور شکر دونوں الگ الگ مؤنث ہیں لیکن ترکیب میں نیشکر مذکر بولتے ہیں کیونکہ گنا اور پونڈا جو اس کے مترادف ہیں دونوں مذکر بولے جاتے ہیں ۔

۴۵۔ پراکرتی حاصل مصدر یعنی وہ اسمائے کیفیت جو دیسی لفظوں سے بنائے گئے ہوں اور اکثر اسمائے کیفیت جو اسی وزن پر ہوں مؤنث بولے جاتے ہیں مثلاً پکار ، پھٹکار ، پھنکار ، جھنکار ، پچھاڑ وغیرہ ۔ لیکن ابھار ، اتار ، بگاڑ ، بچار مذکر بولے جاتے ہیں ۔ اسی طرح پھسلن ، دھڑکن ، کھرچن چبھن ، لگن ، اترن ، چھیلن وغیرہ سب مؤنث بولے جاتے ہیں ، لیکن چلن مذکر ہے ۔ بناوٹ ، تناوٹ ، ملاوٹ ، نیلاہٹ ، گھبراہٹ سب مؤنث ہیں ۔ چمک ، دمک ، لہک ، مہک ، کسک ، بھڑک بھی مؤنث ہیں ۔ اسی طرح لوٹ ، کھسوٹ ، چوٹ ، مؤنث ہیں ۔ مٹھاس ، کھٹاس ، پیاس بھی مؤنث ہیں ۔ تھکان ، تکان ، پہچان ، ڈھلان ، اتران بھی مؤنث آتے ہیں ۔

۴۶۔ جو حاصل مصدر برتاؤ ، بچاؤ کے وزن پر آتے ہیں اکثر مذکر بولے جاتے ہیں مثلاً بچاؤ ، دباؤ ، اٹکاؤ ، بہاؤ ، بھاؤ ، پھلاؤ ، تناؤ ، چڑھاؤ ۔

بعض اسمائے کیفیت اور دوسرے الفاظ جو اس وزن پر ہوں وہ بھی اکثر مذکر ہوتے ہیں مثلاً سبھاؤ ، الاؤ وغیرہ ۔

اسی طرح وہ اسمائے کیفیت جو لاحقہ پن کے لگانے سے بنتے ہیں اکثر مذکر بولے جاتے ہیں مثلاً بچپن ، دیوانہ پن ، لڑکپن ، بانکپن ۔

۴۷- ایسے پرا کرتی الاصل الفاظ جو اردو میں و (بہ واؤ مجہول) یا آون (بہ واؤ مجہول انفیائی) پرختم ہوتے ہیں ، اکثر مؤنث بولے جاتے ہیں مثلاً باؤ (بمعنی ہوا) لیکن اس میں مستثنیات بکثرت ہیں پاو (بمعنی $\frac{1}{4}$ سیر چوتھائی) بیاؤ (بمت) چاؤ (محبت) عام طور پر مذکر بولے جاتے ہیں - اسی طرح چھاؤ، بھون ، سرسوں مؤنث ہیں لیکن داون مذکر ہے -

۴۸- جس پرا کرتی الاصل کلمہ کے آخر میں اردو میں وان ہو اکثر مذکر بولا جاتا ہے مثلاً تاوان ، پیچوان -

۴۹- جن کلمات کے آخر میں ویں ہو اکثر مؤنث استعمال ہوتے ہیں مثلاً ساتویں ، آٹھویں ، نویں وغیرہ -

۵۰- جس لفظ پراکرتی کے آخر میں نی آئے اکثر مؤنث بولے جاتے ہیں - مثلاً تھوتھنی ، گوندنی ، نہرنی ، کھرنی ، فرنی -

۵۱- بعض الفاظ ایسے ہیں جو تلفظ اور املا میں ایک ہوتے ہیں لیکن دو مختلف معنوں میں بولے جاتے ہیں اور ان کے معنیٰ کا تعین کلام میں سیاق و سباق سے ممکن ہے - ان میں سے بعض الفاظ ایک معنی میں مذکر اور ایک معنی میں مؤنث بولے جاتے ہیں مثلاً :

آب — بہ معنی پانی مذکر اور بہ معنی چمک دمک مؤنث بولا جاتا ہے -

آہنگ — بہ معنی قصد مذکر اور بہ معنی آواز مؤنث ہے -

اردو — بہ معنی لشکر مذکر اور بہ معنی زبان اردو مؤنث ہے -

بیت — بہ معنی مکان مذکر اور بہ معنی شعر مؤنث استعمال ہوتا ہے -

بیل — بہ معنی ایک پھل معروف مذکر اور بہ معنی قسم از نباتات مؤنث -

منیز — نیز بہ معنی وہ نقدی جو کسی تقریب میں دی جائے وہ بھی مؤنث ہے اور بمعنی ایک رسم تقریب شادی میں وہ بھی مؤنث ہے -

تاک — بہ معنی بیل انگور مذکر اور بہ معنی حاصل مصدر 'تاکنا' مؤنث ہے۔

تال — بہ معنی تالاب مذکر اور بہ معنی اصطلاح موسیقی مؤنث ہے۔

ترک — بہ معنی دستبرداری مذکر اور بہ معنی لفظ اول آئندہ صفحہ کا جو کتابت میں دو صفحوں کو آسانی سے ملانے کی خاطر بطور نشانی لکھتے ہیں مؤنث ہے۔

تکرار — بہ معنی مکرر لانا بعضوں کے نزدیک مذکر اور بعض کے بقول مؤنث ہے۔ اور بہ معنی جھگڑا اور بحث مؤنث بولا جاتا ہے۔

دوپہر — دن کے خاص وقت (۱۲ بجے) کے معنوں میں مؤنث اور بہ معنی دو ساعت مذکر ہے۔

عرض — طول کے مقابلے میں مذکر ہے اور بہ معنی التماس و درخواست مؤنث ہے۔

کف — بہ معنی جھاگ مذکر اور بہ معنی ہتھیلی یا تلوار اختلافی ہے۔

لگن — بہ معنی ظرف، طاس شمع مذکر ہے اور بہ معنی لگاو مونث ہے۔

مد — بہ مقابل جزر مذکر ہے اور بمعنی خط جو حساب یا عرضی پر کھینچا جائے اختلافی ہے اور بہ معنی صیغہ حساب مؤنث ہے اور بہ معنی نشان الف ممدودہ مذکر ہے۔

مثل — بہ معنی مانند مذکر اور بہ معنی کاغذات یا فائل مؤنث۔

مغرب — بہ معنی سمت غروب مذکر اور بہ معنی وقت شام مؤنث ہے[1]۔

۱۔ لیکن جلال نے صرف مذکر لکھا ہے (مفید الشعرا ص ۱۵)۔

نال بہ معنی نالی بندوق مؤنث اور بہ معنی ناف مختلف فیہ ہے[۱]۔

۵۲ - عربی الفاظ کی جمع اردو میں کبھی عربی قواعد سے بناتے ہیں ۔ ایسی صورت میں تذکیر و تانیث میں اردو بولنے والے عام طور پر جمع کی بھی وہی جنس بولتے ہیں جو واحد کی ہوتی ہے ۔ مسجد کہ واحد مؤنث ہے اس کی جمع مساجد بھی مؤنث جمع بولی جائے گی ۔ بعض قواعد نویسوں نے یہ لکھا ہے کہ ہر عربی لفظ کی جمع مذکر ہی آتی ہے لیکن اردو میں فصحا نے اس کو لازم نہیں رکھا ہے بلکہ جب واحد کر مؤنث غیر حقیقی ہونے کے با وصف ایک جنس مذکر یا مؤنث سے پکارا تو جمع میں بھی اس کے لیے جنس کا اظہار کرتے ہیں ۔ یہ بحث الگ ہے کہ ایسے اسما کی جمع ہی عربی کی بجائے اردو کے قاعدے سے بنانا چاہیے یعنی بجائے مساجد مسجدوں یا مسجدیں بولنا چاہیے اس بحث کو ہم واحد جمع کے سلسلے میں تفصیل سے لکھیں گے لیکن اردو میں عام رجحان یہی ہے کہ اگر واحد مؤنث ہے تو جمع بھی مؤنث لانا چاہیے ۔

۵۳- جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں بار بار کہا گیا ہے کہ جنس غیر حقیقی کے استعمال میں خود اہل زبان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے ۔ یہ اختلاف صرف اس نوعیت کا نہیں کہ اسے دہلی یا لکھنو کے روایتی اختلاف پر مبنی قرار دیا جائے بلکہ خود زبان دانوں میں جو ایک ہی دبستان سے تعلق رکھتے ہیں ، آپس میں اختلاف ہوتا ہے ، بلکہ بعض اوقات تو ایک ہی مصنف یا شاعر ایک اسم کو کہیں مذکر اور کہیں مؤنث استعمال کرتا ہے ۔ اس قسم کے اختلاف کی بعض مثالیں حسب ذیل ہیں :

نشو و نما ناسخ نے مذکر استعمال کیا ہے ۔

خط کو روئے یار پر نشو و نما ہوتا نہیں
سبزہ بیگانہ گل سے آشنا ہوتا نہیں

لیکن خواجہ وزیر جو خود اسی لکھنؤی دبستان سے تعلق رکھتے ہیں جس کے مسلم استاد ناسخ ہیں اسے مؤنث استعمال کرتے ہیں ۔

۱- جلال مفید الشعرا ص ۵۰ - خود ناسخ نے مذکر اور مؤنث دونوں طرح لکھا (بہ معنی ناف) لیکن جلال مذکر لکھتے ہیں لیکن تحقیق مقام یہ ہے کہ فصحائے حال تو سب مذکر بولتے ہیں ۔

آنسو بہا تو رشتہ بپا مرغ دل ہوا
دانہ نے کی جو نشو و نما دام ہو گیا

جلال بھی اسی دبستان کے شاعر ہیں وہ بھی مؤنث باندھتے ہیں

طول عمل سے ہوتی ہے نشو و نما کسے
چڑھتی نہیں منڈھے جو کبھی یہ وہ بیل ہے

خلا

ناسخ اور برق دونوں لکھنوی شاعر ہیں ۔ دونوں نے خلا مذکر استعمال کیا ہے ۔

ناسخ ہے یوہیں ترک ہوا ہم کو اگر اے فلسفی
ثابت اپنے عالم دل میں خلا ہو جائے گا

برق سمائی دل تنگ کی دیکھیے
کہ عالم میں ثابت خلا ہو گیا

لیکن رشک جو شاگرد رشید ناسخ کے ہیں اور جن کے باب میں اردو کے مورخوں نے لکھا ہے کہ استاد نے اصلاح زبان کے جو بھی اصول مقرر کیے تھے ، یہ ان کی پابندی کرتے ہیں ۔ وہ اسے مونث استعمال کرتے ہیں ۔

خلا ٹھہری محال عقل اگر تو کیا سبب اس کا
دل جا نان ہوائے صحبت عاشق سے خالی ہے

آب بمعنی آب و تاب ، چمک دمک ، ناسخ نے اسے مونث باندھا ہے ۔

دانت تیرے دیکھتے ہی ہو گیا ناسخ شہید ۔
ہائے کیا ان موتیوں میں آب ہے شمشیر کی

لیکن اسی دبستان کے دوسرے ممتاز استاد آتش اسے مذکر استعمال کرتے ہیں ۔

نشہ ہی میں یا الٰہی میکشوں کو موت دے
کیا گھر کی قدر جب آب گھر جاتا رہا

نقاب — شعرائے متقدمین کے یہاں اکثر مذکر ہے اور شعرائے متاخرین کے یہاں اکثر مونث ۔ چنانچہ ناسخ اور ان کے تلامذہ مونث ہی استعمال کرتے ہیں ۔

قامت — ناسخ نے مونث باندھا ہے ۔

قامت موزوں نظر آئی مجھے جائے الف
تھا شروع عاشقی دن اپنی بسم اللہ کا

لیکن آتش نے مذکر استعمال کیا ہے :

قامت موزوں تصور میں قیامت ہو گیا
چشم کی گردش نے کار فتنۂ دوران کیا

اوٹ — جرأت نے مونث استعمال کیا ہے :

جرأت کروں میں کیا کہ جو مل بیٹھتے ہیں ہم
تو بھی حجاب عشق کی آپس میں اوٹ ہے

لیکن رشک مذکر باندھتے ہیں :

ہم اگر چاہیں تصور کر کے دیکھیں بے حجاب
پھر یہ کس سے شرم کا پردہ ، حیا کا اوٹ ہے

معراج — اگرچہ فصحائے متاخرین کے نزدیک بالاتفاق مونث ہے لیکن ناسخ نے مذکر باندھا ہے ۔

کسی دل تک رسائی ہو سکے تو عرش ہے یہ بھی
عزیزو گر نہیں معراج ممکن عرش اعظم کا

مد — رشک اور بحر نے مذکر اور برق نے مونث لکھا ہے ۔

ساعد — مصحفی نے مونث اور آتش نے مذکر باندھا ہے ۔ میر کے یہاں بھی مذکر ہے ۔

گزند — ناسخ نے مذکر اور صبا نے مؤنث استعمال کیا ہے ۔

گوسپند — اکثر فصحا نے مؤنث استعمال کیا ہے لیکن برق نے مذکر لکھا ہے۔

فکر — جلال نے مؤنث لکھا ہے، ظفر نے مذکر۔

زنار — ناسخ اور رشک نے مونث اور وزیر نے مذکر لکھا ہے۔

گریز — ناسخ نے مؤنث اور رشک نے مذکر استعمال کیا ہے۔

آغوش — ظفر نے مؤنث استعمال کیا ہے اور اکثر فصحا کا اسی پر اتفاق ہے لیکن آتش اور رند نے مذکر لکھا ہے۔

لفظ — ناسخ نے مذکر اور رشک نے مؤنث لکھا ہے۔ جلال بھی مذکر لکھتے ہیں۔

شعاع — اکثر فصحا نے مؤنث لکھا ہے لیکن ناسخ نے مذکر لکھا ہے۔

رجوع — ناسخ کے یہاں مذکر ہے اور برق نے مؤنث بتایا ہے۔

کف — ناسخ اور برق نے مؤنث نظم کیا ہے لیکن آتش نے مذکر لکھا ہے۔

تاک — بمعنی بیل انگور بالاتفاق مؤنث ہے لیکن آتش نے مذکر لکھا ہے۔

جھونک — بالاتفاق مؤنث ہے لیکن بحر نے مذکر لکھا ہے۔

ناف — ناسخ نے مذکر اور مونث دونوں طرح لکھا ہے۔ بحر اور جلال نے مذکر۔

مخمل — بالاتفاق مؤنث ہے لیکن رشک نے مذکر لکھا ہے۔

بلبل — ناسخ نے مذکر لکھا، رشک مؤنث باندھتے ہیں۔

محمل — ناسخ اور بحر نے مذکر لیکن رشک نے مؤنث لکھا ہے اور جلال بھی مؤنث لکھتے ہیں۔

سیل (طوفان) ناسخ نے مذکر اور رشک نے مذکر و مؤنث دونوں طرح لکھا ہے ۔

افشاں بالاتفاق مؤنث ہے لیکن آتش نے مذکر لکھا ہے ۔

افغان (فغاں) بالاتفاق مؤنث ہے لیکن آتش نے اسے بھی مذکر لکھا ہے ۔

اردو بالاتفاق زبان اردو کے معنوں میں مؤنث ہے لیکن جلال نے اسے اختلافی لکھا ہے اور خود بھی مذکر بتاتے ہیں ۔

جاہ میر نے مذکر لکھا ہے اور بعض لکھنوی شعرا نے مؤنث ۔

فاتحہ قبول نے مؤنث اور بحر نے مذکر لکھا ہے ۔

سبحہ ناسخ نے مؤنث اور اسیر نے مذکر لکھا ہے ۔

اسی طرح سانس ، قلم ، غور ، طرز ، مرقد ، کٹار ، درد ، کیف ، متاع ، قامت ، گیند ، مالا ، دہی مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں ۔

چونکہ جنس غیر حقیقی کے تعین کے لیے کوئی قاعدہ یا کلیہ مقرر نہیں اس لیے قواعد نویسوں نے اس مسئلے پر بھی بحث کی ہے کہ جو نئے لفظ اردو میں داخل ہوں ان کی جنس کا تعین کس بنا پر کیا جائے ۔ قیاس اور سماعت کی بنا پر جو لفظ زبان میں موجود ہیں ان کے قیاس پر جنس کا اعتبار کرنا چاہیے مثلاً :

۱۔ جن کلمات کے آخر میں الف ہو ان کو مذکر سمجھنا چاہیے ۔

۲۔ جن کے آخر میں یائے معروف ہو وہ مؤنث ہوں گے ۔

۳۔ جس قسم کے کلمات جس جنس سے تعلق رکھتے ہیں اسی جنس کے کلمات اسی جنس کے مطابق ہوں گے ۔ مثلاً سواری ، گاڑی مؤنث ہے ، موٹر اور ٹرین بھی مؤنث ہوگی ۔ ناو اور کشتی مؤنث ہیں اس لیے آبدوز بھی مؤنث ہوگی ۔ جہاز مذکر ہے تو ہوائی جہاز بھی مذکر ہوگا ۔ بڑی بوڑھیاں اسے چیل گاڑی کہتی ہیں ۔ یہ ظاہر ہے چیل اورگاڑی دونوں مؤنث ہیں تو مرکب بھی

مؤنث ہوگا ۔ چراغ ، دیا مذکر ہیں لیمپ اور بلب بھی مذکر ہوں گے ۔ مدرسہ مذکر ہے سکول اور کالج بھی مذکر ہی ہوں گے ۔ لیکن یونیورسٹی مؤنث ہوگی کہ اس میں یائے معروف ہے تکمہ مذکر ہے ۔ تو بٹن بھی مذکر ہوگا ۔ باجا مذکر ہے اس لیے ریڈیو اور ٹیلی ویژن بھی مذکر ہوں گے ۱ ۔

اسم کا صیغہ عدد

اسم خاص تو ظاہر ہے کہ صرف ایک ذات خاص کو ظاہر کرتا ہے لیکن اسم عام کا اطلاق ایک ہی جنس کے مختلف افراد ، اشیا وغیرہ پر ہوسکتا ہے ۔ اس اعتبار سے اسم عام دو طرح کے ہوسکتے ہیں ۔ ایسے اسما جو صرف ایک ذات کو ظاہر کریں یا وہ جو ایک سے زیادہ کی تعداد ظاہر کریں ۔ پہلی صورت میں واحد اور دوسری صورت میں اسم جمع کہلاتا ہے ۔ دنیا کی بعض زبانوں میں عدد کی صرف یہی سادہ تقسیم ہے یعنی واحد اور جمع ، مثلاً انگریزی ، ترکی ، ہنگاری اور جارجی میں عدد کے بھی دو صیغے واحد و جمع کے پائے جاتے ہیں ۔ لیکن بعض زبانیں ایسی ہیں جن میں واحد و جمع کے علاوہ ایک صیغہ عدد کا تثنیہ بھی ہے جس کا اطلاق دو پر ہوتا ہے ۔ عربی میں یہ صیغہ آج بھی موجود ہے ۔ عین (آنکھ) عینین (دو آنکھیں) اس طرح کے بعض عربی الفاظ اردو میں بھی مستعمل ہیں جن میں تثنیہ کا صیغہ موجود ہے مثلاً والدین ، فریقین ، نعلین ، مشرقین ، بحرین ، وغیرہ ۔ اس سے یہ

---

۱ - اردو میں اسم کی جنس کی تفصیل اور تمام اسما کی جنس کے بارے میں حسب ذیل تصانیف سے استفادہ کیا جا سکتا ہے :

۱- ضامن علی جلال مفید الشعرا ۔

۲- فرہنگ آصفیہ سید احمد دہلوی ۔

۳- نوراللغات نورالحسن ۔

۴- جلیل مانکپوری رسالہ تذکیر و تانیث ۔

عام بحث کے لیے دیکھیے ۔

۱- انشا اللہ خاں دریائے لطافت ۔

۲- فتح محمد جالندھری ، مصباح القواعد ۔

۳- مولوی عبدالحق قواعد اردو ۔

نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ صورت صرف عربی میں ہے یا سامی زبانوں کی خصوصیت ہے ۔ کلاسیکی یونانی اور سنسکرت میں تثنیہ کا صیغہ موجود تھا ۔ بعض زبانوں میں عدد کے صیغے چار ہیں : واحد ، تثنیہ ، ثلاثہ اور جمع ۔ بعض زبانوں میں دو صیغے اسم میں نہیں پائے جاتے لیکن اسم ضمیر میں ملتے ہیں ۔ اس قسم کی ایک زبان فجی کی زبان ہے[۱] ۔

اردو میں عام طور پر جن کلمات کے آخر میں الف یا اس کا کوئی ہم صورت مثل ہ یا ع ہو ، ان کے علاوہ باقی کلمات اگر مذکر ہیں تو ان کی واحد اور جمع ایک ہی ہوتی ہے ۔

انشاءاللہ خاں فرماتے ہیں :

و ہر چہ آخرآن الف و یائے معروف نبا شد و مونث نیز نہ بود جمع آن ہہان مفرد است ، مانند پانچ لڈو ، دس کدو ، دو پلاؤ ، چار سالن ، آٹھ تربوز ، پندرہ شلغم ، سات بینگن ، بیس کچالو ، بارہ رتالو ، لیکن بعض علاقوں میں بعض ایسے مذکر بھی جو کسی اور حرف پر ختم ہوں محاورۂ عوام میں اسی طرح بولے جاتے ہیں جو بقول انشا صحت نہیں رکھتے اور ' اہل بنگالہ و پورب ' کی زبان ہیں ۔ انشا نے یہ شعر لکھا ہے جو کسی نے مرزا رفیع سودا سے خطاب کرتے ہوئے اپنی مثنوی میں لکھا ہے :

تم اپنے بیل معنی کو نکالو مرے ہاتھوں سے دو ٹکر لڑا لو

اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

دو ٹکر صحت ندارد ، دو ٹکریں میباید ، اگر یک ٹکر میگفت خوب بود لیکن خودش دو ٹکر میخواہد[۲] ۔

لیکن یہ صورت اس وقت ہوتی ہے جب اسم بغیر حروف ربط یا حروف مغیرہ (نے ، سے ، کو ، کا ، کی وغیرہ) کلام میں واقع ہو ۔ حروف مغیرہ کی صورت میں مذکر اور مؤنث ، دونوں میں واحد جمع کی تمیز ہو گی ، مثلاً مولوی آیا ، مولوی آئے ، مولوی نے کہا ، مولویوں نے کہا ، مولوی کا گھر اور مولویوں کے گھروں میں وغیرہ ۔ اس لیے اسم عام کی واحد و جمع

---

۱ ۔ Charles F. Hauckett-A Course in Modern Linguistics p. 234

۲ ۔ انشاءاللہ خان ، دریائے لطافت ص ۱۳۳ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵

کی بحث کو دو شقوں میں الگ کیا جا سکتا ہے۔ اول ایسی صورت کہ بغیر حروف مغیرہ کے استعمال ہوں۔ دوسرے جب حروف مغیرہ کے ساتھ استعمال ہوں۔

بغیر حروف مغیرہ کے اسما کی واحد جمع یا مفرد مجموع ۱۔

۱۔ جن اسم واحد مذکر کے آخر میں الف، ہ، ع ہو تو اس کی جمع میں یہ حرف آخر یائے مجہول سے بدل جاتا ہے:

واحد	جمع
لڑکا	لڑکے
پردہ	پردے
برقعہ	برقعے

ایسے تمام الفاظ جو عربی فارسی ہیں اور ہ پر ختم ہوتے ہیں مثلاً بندہ درجہ، دانہ، تماشہ وغیرہ ان کی جمع بھی یائے مجہول سے آتی ہے مثلاً بندے، درجے، تماشے وغیرہ۲۔

لیکن اس قاعدے میں چند مستثنیات ہیں مثلاً:

ا۔ سنسکرت کے تت سم اور تدبھو، مذکر الفاظ جو الف پر ختم ہوتے ہیں، واحد جمع کی صورت میں ایک ہی طرح بولے جاتے ہیں۔

راجا آیا، راجا آئے ۳۔

۱۔ واحد جمع کی اصطلاحیں عام ہیں۔ بعض قواعد نویسوں نے مفرد اور مجموع بھی لکھا ہے۔

۲۔ بعض منشیان اردو غیر عربی فارسی الفاظ کو بھی ہ سے تحریر کرتے ہیں مثلاً گھنٹہ، یہ درست نہیں ہے۔ اس کا املا الف سے گھنٹا سے ہونا چاہیے۔ اسی روش کی بدولت بعض اسم خاص بھی ہ سے لکھے جانے لگے ہیں مثلاً آگرہ، کلکتہ وغیرہ، اس طرح کا املا فارسی کے غلبے کے دور کی یادگار ہے۔

۳۔ لیکن بعض لوگ بالخصوص مرکب صورت میں اس کی بھی جمع لاتے ہیں راجے، مہاراجے جمع ہوئے۔

ب۔ رشتہ داروں کے نام مثلاً ابا ، چچا، تایا ، دادا ، پھوپا ، نانا وغیرہ

ج۔ فارسی کے اسم فاعل مثلاً دانا ، بینا ، آشنا ، شناسا ۔

د۔ بعض غیر پراکرتی الفاظ مثلاً دریا ، صحرا وغیرہ ۔

۲۔ جس اسم واحد کے آخر میں علامت تذکیر نون غنہ اور اس سے پہلے الف ہو (یعنی مصوتہ کی انفیائی شکل) تو جمع کی صورت میں الف یائے مجہول سے بدل جائے گا اور انفیائی آواز باقی رہے گی ۔ مثلاً کنواں واحد ، کنویں جمع ، دھواں واحد دھویں جمع ۔

۳۔ اگر اسم واحد مذکر کے آخر میں مذکورہ بالا علامات نہ ہوں ۔ (یعنی الف ، ہ ، ع یا آں پر ختم نہ ہوں تو واحد و جمع یکساں ہو گی ۔ مرد آیا ، مرد آئے ، پتھر پڑا ، پتھر پڑے ، گوہر پیدا ہوا ، گوہر پیدا ہوئے ،گھر بنا ،گھر بنے ، لڈو کھایا ، لڈو کھائے ، ہاتھی آیا ، ہاتھی آئے ۔

اسم مؤنث کی جمع کے لیے عام طور پر حسب ذیل اصول بتائے جاتے ہیں :

۱۔ جن واحد مؤنث اسما کے آخر میں علامت تانیث یائے معروف ہو ان کی جمع ا ں کے اضافے سے بناتے ہیں ۔ لڑکی آئی ، لڑکیاں آئیں ، کرسی ٹوٹ گئی ، کرسیاں ٹوٹ گئیں ۔

۲۔ جن واحد مؤنث اسما کے آخر میں علامت تانیث الف ہو ان کی جمع میں ئیں یائے مجہول اور نون غنہ اور اس سے پہلے ایک ہمزہ کا اضافہ کرتے ہیں ۔ ماما آئی ، مامائیں ملنا دشوار ہیں ۔ گھٹا جھوم کر آئی ۔ گھٹائیں آئیں ۔ اسی طرح سبھائیں ، تمنائیں ، بلائیں ، صدائیں ۔

۳۔ اگر اسم مؤنث واحد کے آخر میں نون غنہ اور اس سے پہلے الف ہو تو اس کی جمع میں نون غنہ سے پہلے ہمزہ اور یائے مجہول کا اضافہ کریں گے ۔ مثلاً ، ماں ، مائیں ۔

۴۔ اگر اسم مؤنث واحد کے آخر میں نون غنہ اور اس سے پہلے واو معروف ہو تو بھی جمع میں نون غنہ سے پہلے ہمزہ اور یائے مجہول کا اضافہ کریں گے مثلاً جوں ، جوئیں ۔

۵- جن واحد مؤنث اسما کے آخر میں علامت تانیث یا ہو ان کی جمع میں ں کا اضافہ کرتے ہیں مثلاً گڑیا ، گڑیاں ، ڈبیا ، ڈبیاں - ان مثالوں سے ظاہر ہوا کہ یہ اسما اکثر اسم تصغیر ہیں اور ان میں یا علامت تصغیر ہے لیکن ان کے علاوہ بھی اسما اسی طرح ہیں جن کو اسم تصغیر نہیں کہا جا سکتا - مثلاً بڑھیا ، بڑھیاں ، چڑیا ، چڑیاں وغیرہ -

۶- اردو میں غیر زبانوں کے دخیل اور مستعار الفاظ جو یا پر ختم ہوں اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں - مثلاً ریا ، حیا وغیرہ - ان کے اسم واحد مؤنث کی جمع بنانے کے لیے ئیں کا اضافہ کرتے ہیں - مثلاً حیائیں ، ریائیں وغیرہ - اس کا سبب بعض قواعد نویسوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ان میں یا اصلی جزو کلمے کا ہے ، لاحقہ تصغیر یا صفت نہیں -

۷- جن واحد مؤنث اسما کے آخر میں واو ہو تو جمع میں یائے مجہول اور نون غنہ اور اس سے پہلے ایک ہمزہ کا بھی اضافہ کریں گے - مثلاً خوشبو ، خوشبوئیں - جورو ، جوروئیں[۱] -

۸- جن واحد مؤنث کلمات کے آخر میں مذکورہ بالا علامات نہ ہوں (یعنی جن حروف میں الف'، نون غنہ واؤ معروف نون غنہ یا واؤ) نہ ہوں تو ان کی جمع کے لیے آخر میں یں کا اضافہ کرتے ہیں - مثلاً مالن ، مالنیں ، کتاب ، کتابیں ، گاجر ، گاجریں ، تصویر ، تصویریں ، عید ، عیدیں ، نماز ، نمازیں ، تلوار ، تلواریں ، شمشیر ، شمشیریں ، سنان سنانیں -

۹- یہ اصول اسم ذات کے متعلق ہیں ، اسم صفت کی بحث صفت کے تحت اور اسم فاعل اور اسم مفعول کی بحث فعل کی بحث کے بعد کی جائے گی -

۱۰- اردو میں فارسی جمع کے قاعدے کا استعمال بھی اکثر ہوتا ہے مثلاً ہزارہا ، کروڑہا وغیرہ لیکن عام طور پر صرف عدد کے ساتھ ہوتا ہے - البتہ فارسی کی ترکیبیں جو اردو میں رائج ہیں ان میں اس کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں[۲] -

---

۱- بعض لوگ جوروئیں جروئیں بھی بولتے ہیں لیکن فصحا کے نزدیک جائز جوروئیں ہی ہے -

۲- مثالوں کے لیے دیکھیے مرزا غالب کا اردو کلام -

۱۱- اردو میں عربی الفاظ کی جمع عربی کے قاعدے کے مطابق بھی آتی ہے اور اردو کے مطابق بھی ، مثلاً امت کی جمع امتیں بھی آتی ہے اور امم بھی - عربی میں جمع کی دو قسمیں ہیں : ایک کو الجمع الصحیح ، الجمع المصح یا الجمع السالم یا جمع السلامہ کہتے ہیں - ایسی صورت میں حالت جمع میں واحد کے جملہ حروف علت اور صحیحہ جمع کی صورت میں بھی باقی رہتے ہیں - دوسری صورت الجمع المکسر ، جمع التکسر کی ہوتی ہے جس میں واحد کے حروف علت اور حروف صحیحہ میں اضافہ یا تخفیف ہوتی ہے یا حروف علت میں تبدیلی ہو جاتی ہے -

جمع سالم کی بعض مثالیں حسب ذیل ہیں :

واحد مذکر سارق (چور) جمع سارقون ، واحد مونث سارقہ جمع سارقات ، مریم واحد مؤنث جمع مریمات ، واحد مؤنث قریہ جمع قریات ، واحد مؤنث ظلمہ جمع ظلمات واحد مؤنث غرفہ جمع غرفات ، تصریف ، تصریفات ، اصطلاح اصطلاحات[۱] جمع مکسر کی بعض صورتیں حسب ذیل ہیں :

واحد تحفۃ جمع تحف ، واحد امۃ جمع امم ، واحد دولۃ ، جمع دول ، واحد احمر ، جمع حمرہ ، واحد عوان ، جمع عون ، واحد اداح ، جمع ادح ، واحد کتاب جمع کتب ، واحد سفینۃ جمع سفن واحد ، مدینہ جمع مدن -

واحد غیر جمع غیور واحد فلک ، جمع فلک ، واحد تاجر جمع تجر ، واحد صحیف ، جمع صحف ، واحد رسول ، جمع رسل واحد خیمہ جمع خیم ، واحد ریح ، جمع ریاح ، واحد روضۃ جمع ریاض ، واحد جبل جمع جبال ، واحد رجل جمع رجال ، واحد کبیر جمع کبار ، واحد ضعیف ، جمع ضعاف واحد تاجر جمع تجار - واحد جند جمع جنود - واجد جیش جمع جیوش ، واحد ملک ، جمع ملوک ، واحد حق ، جمع حقوق واحد شاھد ، جمع شہود ، واحد سامر جمع سمر ، واحد حاکم جمع حکام واحد نائب جمع نواب ، واحد کامل جمع کملۃ ، واحد ضعیف جمع ضعفہ ، واحد غلام جمع غلمۃ ، واحد نفس جمع انفس ، واحد لسان جمع السنہ واحد حکمہ ، جمع احکام ، واحد بر جمع ابرار ، واحد وقت ، جمع اوقات ،

---

۱ - بعض اسما مثلاً تصنیف اور تالیف کی جمع عربی میں تصنیفات اور تالیفات بھی آتی ہے اور ان کی جمع مکسر بھی تالیف اور توالیف آسکتی ہے -

واحد وہم جمع اوہام ، واحد شی جمع اشیا ، واحد ناصر جمع انصار ، واحد صاحب جمع اصحاب ، واحد شریف جمع اشراف ، واحد میت جمع اموات ، واحد زمان ، جمع ازمنہ ، واحد خاتم جمع خواتم ، واحد طابع ، جمع طوابع ، واحد باعث ، جمع بواعث ، واحد جانب جمع جوانب ، واحد ساحل ، جمع سواحل ، واحد تابع جمع توابع ، واحد حامل جمع حوامل ، واحد نادر جمع نوادر ، واحد رسالہ جمع رسائل ، واحد دلیل جمع دلائل ، واحد اخ جمع اخوان ، واحد غلام جمع غلمان ، واحد سقف جمع سقفان ، واحد صبی جمع صبیان ، واحد حکیم جمع حکما ، واحد نجیب جمع نجبا ، واحد عالم جمع علما ، واحد جاہل جمع جہلا ، واحد شاعر جمع شعرأ ، واحد عاقل جمع عقلاً ، واحد صالح جمع صلحأ ، واحد خلیفہ جمع خلفا۱ ، واحد قریب جمع اقربا ، واحد ولی جمع اولیا ، واحد تقی جمع اتقیا ، واحد نبی جمع انبیا ، واحد لیل جمع لیالی ، واحد صحرا جمع صحاری ، واحد یتیم جمع یتامیٰ ، واحد ہدیہ ، جمع ہدایا ، واحد بلیہ جمع بلایا ، واحد صاحب جمع صحابہ ، واحد خادم جمع خدم ، واحد درہم جمع دراہم ، واحد جوہر جمع جواہر ، واحد کوکب ، جمع کواکب ، واحد جدول جمع جداول ، واحد الاکبر جمع الاکابر ، واحد شیطان جمع شیاطین ، واحد سلطان جمع سلاطین ، واحد باسور جمع بواسیر ، واحد دینار جمع دنانیر ، واحد دیوان جمع دواوین ، واحد فرعون جمع فراعنہ ، واحد عنکبوت جمع عناکب ، واحد عندلیب جمع عنادل۲ ۔

عربی میں جمع مکسر کی یہ مختلف صورتیں واحد کے مختلف اوزان کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں ۔ ان کی انتیس صورتیں عام طور پر قواعد نویسوں نے تفصیل

۱- خلیفہ کی جمع خلائف بھی آتی ہے اور خلفا بھی ۔ جانشین نائب وغیرہ کے معنوں میں خلائف اور خلیفہ نبی کریمؐ کے معنی میں عام طور پر جمع خلفا ہی استعمال کی جاتی ہے ۔

۲- عربی میں دخیل اور مستعار الفاظ کی جمع بھی کبھی ان ہی قاعدوں کے مطابق بناتے ہیں ، مثلاً فارسی استاد واحد کی جمع اساتذہ یا واحد فیلسوف کی جمع فلاسفہ ۔

سے لکھی ہیں[۱] ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی واحد کی جمع کسر کی عربی میں کئی صورتیں ممکن ہیں مثلاً :

واحد بحر جمع بحار ، بحور ، ابحر ، واحد عبد جمع عباد ، عبود ، اعباد ، اعبدہ ، عبید اعبد عبدان ، عبد ، عبدّان عبدا ، عبدی ، عبدۃ ، عبوداۃ عربی میں جمع سالم اور جمع مکسر میں ایک نازک فرق یہ ہے کہ جمع سالم میں ایک ہی جنس کے کئی ذاتوں کا اظہار ہوتا ہے ۔ اور جمع مکسر میں ان ذاتوں کو بحیثیت مجموعی ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں انفرادیت یا ذات کی تخصیص بالکل شامل نہیں ہوتی ۔ مثلاً عبدوں سے مراد غلام ہیں ، جو سب غلام ہیں یعنی بہت سے غلام ۔ عبید سے بھی غلام مراد ہیں لیکن بہ حیثیت مجموعی ۔ اسی لیے بعض قواعد نویسوں کا خیال ہے کہ جمع مکسر اصل میں واحد ہے کہ اس میں جمع کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی لیے ایک قسم کے اسم صفت ہوتے ہیں ۔ اسی بنا پر یہ سب عربی میں جنس کے اعتبار سے مؤنث آتے ہیں اور بطور مذکر استعمال کرنے کے لیے ان میں مذکر کے مفہوم کا اضافہ کرنا پڑتا ہے ۔

عربی میں جمع کے قاعدوں کی تفصیلی بحث بہت طویل ہے ۔ اردو میں ان صورتوں میں سے صرف چند عام طور پر استعمال ہوتی ہیں اور جو مثالیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں موجود ہیں ۔ عربی جمع میں بعض اور خصوصیات ہیں مثلاً فعلۃ ، افعل ، افعال اور افعلۃ کے اوزان کی جمع کا اطلاق اشخاص اور اشیا کی جمع پر صرف دس کی تعداد تک ہوتا ہے یعنی تین سے دس تک کی تعداد اس جمع سے ظاہر ہوتی ہے اس لیے ایسی جمع کو مجموع قلۃ کہتے ہیں ۔ باقی جمع کی صورتیں مجموع کثرۃ کہتے ہیں لیکن یہ ایسی صورت میں ہوتا ہے جب ایسے اسما کے لیے ایک سے زیادہ جمع کی صورتیں ممکن ہوں ۔ اگر صرف ایک ہی صورت ہو تو ظاہر ہے کہ دو سے زیادہ ہر تعداد کے لیے ایک ہی جمع کو استعمال کرنا ہوگا ۔ اردو میں عربی کے اس قاعدے کا کہیں اطلاق نہیں ہوتا ۔ اردو میں استعمال ہونے پر عام عربی الفاظ جن کی جمع عربی کے قاعدے سے بنائی جاتی ہے اس فہرست میں شامل ہیں ۔

---

۱ - W. Wright - A Grammar of the Arabic Language - Vol. I., p. 199-226.

واحد	جمع
آخر	اواخر
آلہ	آلات
آیت	آیات
ابد	آباد
اثر	آثار
اجنبی	اجانب
احسان	احسانات
اخ	اخوان
اخبار	اخبارات
ادب	آداب
ادیب	ادبا
استاد	اساتذہ
اسلوب	اسالیب
اسم	اسما
اشتہار	اشتہارات
اصل	اصول
آفت	آفات
افغان	افاغنہ
افق	آفاق
اقلیم	اقالیم
اکبر	اکابر
الم	آلام
امام	ائمہ
امت	امم
امیر	امرا

واحد	جمع
امر (حکم)	اوامر
امر (کام)	امور
اول	اوائل
اہل	اہالی

ب

واحد	جمع
بحر	بحر ، ابحار
بخار	بخارات
برکت	برکات
بدن	ابدان
برہان	براہین
بستان	بساتین
بصر	ابصار
بیت (شعر)	ابیات
بیت (گھر)	بیوت

ت

واحد	جمع
تاجر	تجار
تاریخ	تواریخ
تجربہ	تجارب
تحفہ	تحائف
تحقیق	تحقیقات
ترجمہ	تراجم
ترکیب	تراکیب
تدبیر	تدابیر

---

۱ - بیگم اصلاً ترکی ہے لیکن اس کی جمع عربی کے مطابق بیگمات بناتے ہیں -

واحد	جمع
تشریح	تشریحات
تصنیف	تصانیف
	تصنیفات
تصور	تصورات
تصویر	تصویرات
تفکر	تفکرات
تفسیر	تفاسیر
تفصیل	تفصیلات
تکلیف	تکالیف
تلمیذ	تلامذہ
تمثیل	تماثیل
تقریر	تقاریر
ث	
ثابت	ثوابت
ثمر	اثمار
ثقة	ثقات
ج	
جاہل	جہلا
جبل	جبال
جد	اجداد
جرم	اجرام
جرم	جرائم
جانب	جوانب
جز	اجزا
جزیرہ	جزائر
جوہر	جواہر

واحد	جمع
جہت	جہات
جہاد	جہادات
جلد	اجلاد
جن	جنات
ح	
حاجت	حاجات
حادثہ	حوادث ، حادثات
حاشیہ	حواشی
حاضر	حضار ، حاضرین
حاکم	حکام
حال	احوال
حالت	حالات
حبیب	احباب
حر	احرار
حصہ	حصص
حس	حواس
حرم	احرام
حرکت	حرکات
حرف	حروف
حکایت	حکایات
حکم	احکام
حکمت	حکم
حکیم	حکما
حضرت	حضرات
حقیقت	حقائق
حق	حقوق
عالم ، علیم	علما

واحد	جمع
حیوان	حیوانات

خ

واحد	جمع
خاص	خواص
خان	خوانین
خاتون	خواتین
خادم	خدام
خاطر	خواطر
خبر	اخبار
خدمت	خدمات
خرچ	اخراجات
خصلت	خصائل
خط	خطوط
خطا	خطایات
خطرہ	خطرات
خطیب	خطباء
خزانہ	خزائن
خلیفہ	خلفا
خلق	اخلاق
خنزیر	خنازیر
خیال	خیالات
خیمہ	خیام

د

واحد	جمع
دائر	دوائر
درجہ	درجات
دعا	ادعیہ ، دعوات
دفتر	دفاتر
دفینہ	دفائن
دقیقہ	دقائق
دوا	ادویہ
دلیل	دلائل
دعوی	دعاوی
دیوان	دواوین
دولت	دول
دیہہ	دیہات
دہر	دہور

ذ

واحد	جمع
ذخیرہ	ذخائر
ذریعہ	ذرائع
ذکی	اذکیا
ذکر	اذکار
ذرہ	ذرات

ر

واحد	جمع
رائے	آرا
رایت	رایات
رب	ارباب
رذیل	ارذال
رسالہ	رسائل
رسم	رسوم
رسول	رسل
رعیت	رعایا
رکن	ارکان
رقعہ	رقعات

واحد	جمع
رقم	رقوم
روایت	روایات
روح	ارواح
رئیس	رؤسا
رفیق	رفقا
رمز	رموز
روضہ	ریاض
ریح	ریاح

ز

واحد	جمع
زائر	زائرین
زاہد	زہاد
زائد	زوائد
زمانہ	ازمنہ

س

واحد	جمع
سابق	سوابق
ساحل	سواحل
ساکن	سکان
سانحہ	سوانح
سبب	اسباب
سبق	اسباق
سجدہ	سجود
سر	اسرار
سطر	سطور
سفیر	سفراء
سلاح	اسلحہ
سلسلہ	سلاسل
سن	سنین

واحد	جمع
سنت	سنن
سلف	اسلاف
سمت	سمات
سفینہ	سفائن
سلطان	سلاطین
سیرت	سیر
سیف	سیوف
سید	سادات

ش

واحد	جمع
شاعر	شعرأ
شبہ	شبہات
شجر	اشجار
شخص	اشخاص
شراب	اشربہ
شرط	شرائط
شریعت	شرائع
شریف	شرفأ
شریر	اشرار
شعر	اشعار
شعاع	اشعہ
شغل	اشغال
شفقت	اشفاق
شک	شکوک
شکایت	شکایات
شکل	اشکال
شے	اشیأ
شیخ	شیوخ
شیطان	شیاطین

واحد	جمع
ص	
صاحب	اصحاب
صالح	صلحا
صانع	صنعا
صبح	صبوح ، اصباح
صف	صفوف
صفحہ	صفحات
صنعت	صنعات
صدمہ	صدمات
صلہ	صلات
صنم	اصنام
صورت	صور
صنف	اصناف
صوت	اصوات
صنعت	صنائع
صوم	صیام
ضابطہ	ضوابط
ض	
ضد	اضداد
ضرب	ضروب
ضرر	اضرار
ضمیر	ضمائر
ضلع	اضلاع
ط	
طالب	طلباء
طائر	طیور
طائفہ	طوائف
طبق	اطباق
طبقہ	طبقات
طبیب	اطبا
طرف	اطراف
طور	اطوار
طلسم	طلسمات
ظ	
ظرف	ظروف
ظاہر	ظواہر
ظلم	مظالم
ظن	ظنون
ظلمت	اظلام
ع	
عادت	عادات
عارضہ	عوارض
عاشق	عشاق
عاقل	عقلا
عازم	عوازم
عالم	علماء
عامل	عمال
عامہ	عوام
عابد	عباد
عبادت	عبادات
عجیب	عجائب
عدد	اعداد
عدو	اعداء
عرق	عروق

واحد	جمع	واحد	جمع
عزیز	اعزا	غنیمت	غنائم
عضو	اعضا	غیر	اغیار
عسکر	عساکر	غیب	غیوب
عطیہ	عطیات		
عقل	عقول	**ف**	
علاقہ	علائق		
علم	علوم	فاصلہ	فواصل
علم	اعلام	فاضل	فضلا
عمارت	عمارات	فائدہ	فوائد
عمر	اعمار	فتح	فتوح ، فتوحات
عمل	اعمال	فتنہ	فتن
عندلیب	عنادل	فتویٰ	فتاویٰ
عنکبوت	عنائب	فرد	افراد
عنصر	عناصر	فساد	فسادات
عہد	عہود	فصل	فصول
عیب	عیوب	فصیح	فصحا
عین	عیون	فضلہ	فضلات
		فضیلت	فضائل
غ		فعل	افعل ، افعال
		فقرہ	فقرات
غائب	غیاب	فقیر	فقرا
غذا	اغذیہ	فلک	افلاک
غزل	غزلیات	فن	فنون
غریب	غربا	فوج	افواج
غلط	اغلاط	فرمان	فرامین
غم	غموم	فہم	افہام
غنی	اغنیا	فیض	فیوض

واحد	جمع
ق	
قاضی	قضاة
قاعده	قواعد
قانون	قوانین
قبر	قبور
قبیلہ	قبائل
قدم	اقدام
قدیم	قدما
قسط	اقساط
قسم	اقسام
قصبہ	قصبات
قصہ	قصص
قصیده	قصائد
قلب	قلوب
قرینہ	قرائن
قطره	قطرات
قطعہ	اقطاع ، قطعات
قطر	اقطار
قندیل	قنادیل
قوت	قویٰ
قوم	اقوام
قید	قیود
ک	
کاغذ	کاغذات
کافر	کفار
کبیر	کبار ، کبرا

واحد	جمع
کبیره	کبائر
کتاب	کتب
کرم	اکرام
کریم	کرام
کسر	کسور
کوکب	کواکب
کمال	کمالات
کیفیت	کوائف ، کیفیات
ل	
لذت	لذات
لسان	السنہ
لطیفہ	لطائف
لغت	لغات
لفظ	الفاظ
لقب	القاب
لمحہ	لمحات
لوح	الواح
لولو	لاٰلی
لون	الوان
لازمہ	لوازم
م	
مال	اموال
مانع	موانع
مائع	مائعات
مثل	امثال
مثال	امثلہ

واحد	جمع	واحد	جمع
مجلس	مجالس	معبد	معابد
مجمع	مجامع	معجزه	معجزات
محفل	محافل	معنی	معانی
محلہ	محلات	مقام	مقامات
مخزن	مخازن	مقدار	مقادیر
مدرس	مدارس	مقصد	مقاصد
مدرسہ	مدارس	مکان	اماکن
مدینہ	مدائن	معدن	معادن
مذہب	مذاہب	ملت	ملل
مراسلہ	مراسلات	ملک	ممالک
مرتبہ	مراتب	ملک	ملائکہ
مرثیہ	مراثی	ملک	ملوک
مرحلہ	مراحل	منارہ	منائر
مرض	امراض	منزل	منازل
مسجد	مساجد	منصب	مناصب
مسکین	مساکین	منظر	مناظر
مسئلہ	مسائل	موت	اموات
مشرق	مشارق	موج	امواج
مشکل	مشکلات	موقع	مواقع
مصر	امصار	مخرج	مخارج
مصدر	مصادر	مقبرہ	مقابر
مصلحت	مصالح	منبر	منابر
مشہور	مشاہیر	موضع	مواضع
مضمون	مضامین		ن
مطلب	مطالب	ناصر	انصار
مطبع	مطابع	ناظر	ناظرین ، نظار
معاملہ	معاملات	نبی	انبیا

واحد	جمع	واحد	جمع
نتیجہ	نتائج	وجہ	وجوہ
نجم	نجوم ، انجم	ورق	اوراق
نسخہ	نسخ	وزن	اوزان
ندیم	ندما	ورد	اوراد
نسب	انساب	وزیر	وزرأ
نصف	انصاف	وسیلہ	وسائل
نظر	انظار	وصف	اوصاف
نصیحت	نصائح	وصیت	وصایا
نعمت	نعائم	وضع	اوضاع
نفیس	نفائس	وظیفہ	وظائف
نفس	نفوس ، انفاس	وعدہ	مواعید
نقش	نقوش	وقت	اوقات
نقطہ	نقاط	وکیل	وکلا
نقل	نقول	ولی	اولیا
نور	انوار	ولد	اولاد
نکتہ	نکات	وہم	اوہام
نوع	انواع		ہ
نہر	انہار	ہمت	ہمم
نیت	نیات	ہدیہ	ہدایا
	و		ی
وارث	ورثا	یتیم	یتامیٰ
وحشی	وحوش	یوم	ایام

حروف مغیرہ کے ساتھ اسما کی واحد جمع

حروف ربط یا حروف مغیرہ کے ساتھ اسم کی جمع میں بعض تبدیلیاں ہوتی ہیں جن سے جمع کی صورت اس سے مختلف ہو جاتی ہے ۔ مثلاً لڑکا آیا ، لڑکے نے کہا ، لڑکے کو بلایا ، لڑکے سے کہا ، لڑکے پر الزام آیا ، لڑکے میں سب خوبیاں ہیں ، لڑکے کا قلم ، لڑکے کی کتاب ۔ ان تمام کلمات میں لڑکا اور لڑکے اسم واحد مذکر ہے ۔ لیکن بغیر حروف مغیرہ کے لڑکا اور حروف مغیرہ کے ساتھ لڑکے آیا بغیر حروف مغیرہ لڑکے اسم جمع مذکر ہوتا لڑکا آیا ، لڑکے آئے ۔ اسی طرح حالت جمع میں لڑکے آئے ، لڑکوں نے کہا ، لڑکوں کو بلایا، لڑکوں نے کہا ، لڑکوں پر الزام آیا ، لڑکوں میں سب خوبیاں ہیں ۔ یہاں حروف مغیرہ میں اسم جمع بجائے لڑکے کے لڑکوں آیا ہے ۔

حروف ربط جن کے آنے سے عدد میں یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں ، حسب ذیل ہیں ، نے کا کی کے کو پر (پہ) سے میں تک[1] ، اندر ۔ یہ تبدیلیاں حسب ذیل ہیں :

الف واحد کی صورت میں :

جن واحد الفاظ کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے ، ان حروف کے ساتھ وہ یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں ۔ مثلاً لڑکا آیا ۔ لڑکے نے کہا ۔ پردہ گرا ، پردے میں سے بولا ، قلعے کے پاس ، جمعہ کے روز ، لڑکے کا قلم ۔

لیکن اس میں بعض مستثنیات ہیں ۔

۱ ۔ ایسے پراکرتی الفاظ جن میں اصل صورت میں بہت کم تبدیلی ہوئی ہے ، مثلاً بپتا ، بھاشا ، بھاگا ، بیسوا ، بچھوا ، پروا ، پوجا ، جاترا ، جنا ، چتا ، داتا ، راجا ، سبھا ، سیتلا ، گھٹا وغیرہ ۔

---

۱ ۔ اردوئے قدیم میں ' نے ' کا استعمال غیر متعین ہے ۔ سے کی جگہ ستے سیتے ستی اور میں کی بجائے منیں منے منہ ماں ، پر کی جگہ اوپر اور اپر تک کی جگہ تلک اور تئیں استعمال ہوتا تھا ۔ اس کی مثالیں اردوئے قدیم کی بحث میں آ چکی ہیں ۔

۲ وہ اسم جو رشتہ داروں کو ظاہر کرتا ہے ۔ مثلاً ابا ، آپا ، بابا ، چچا ، دادا ، نانا ، خالہ وغیرہ ۔ لیکن اس میں بعض اختلافات ہیں ، مثلاً بعض لوگ اس طرح بھی بولتے ہیں ۔ دادا آیا اور دادا نے پوچھا ، بیٹا آیا اور بیٹے سے پوچھا ۔ پنجاب میں چاچا اور حروف مغیرہ کے ساتھ چاچے ، ماما اور حروف مغیرہ کے ساتھ مامے بولتے ہیں ۔ فصحائے اردو کے نزدیک یہ جائز نہیں لیکن مقامی اثرات سے اب اس کا استعمال عوام میں بڑھ رہا ہے ۔ بیٹا کی مثال موجود ہے کہ فصحائے اردو بھی اسی طرح بولتے ہیں[1] ۔

۳ ۔ عربی سہ حرفی الفاظ ادا ، بلا ، ثنا ، جزا ، جفا ، حیا ، دوا ، رجا ، زنا ، سزا ، صفا ، عبا ، غذا ، قبا ، وفا وغیرہ ۔

۴ ۔ عربی الفاظ میں تین سے زیادہ حروف ہیں اور حروف آخر الف ہے مثلاً ابتدا ، انتہا ، التجا ، افترا ، اقتضا ، تمنا ، منشا ، ملجا ، ماوا وغیرہ ۔

لیکن اس میں بعض مستثنیات ہیں یعنی ایسے الفاظ جو اب اردو میں مستعار نہیں دخیل ہو چکے ہیں اور اردو کی طرح بولے جاتے ہیں ۔ مثلاً استعفیٰ دیا ۔ استعفے کی وجہ بیان کی ۔

۵ ۔ اسمائے خاص لقب اور عہدوں کے نام مثلاً خلیفہ ، راجا ، آقا ، آغا ، مرزا ، رانا وغیرہ لیکن ان میں سے بھی بعض مستثنیٰ ہیں ۔ مثلاً ملا[2] کہ مثل مشہور ہے دو ملاؤں (مُلّوں) میں مرغی حرام ۔

۶ ۔ جغرافیائی ناموں میں جن کے آخر میں الف یا ہ ہو تبدیلی ہوجاتی ہے کہ یہ دونوں آوازیں یائے مجہول سے بدل جاتی ہیں ۔ آگرے کی دال موٹھ اور کلکتے کے جوتے اور دجلے کا پانی ۔

---

۱ ۔ بعض قواعد نویسوں نے یہ صورت ایک کلیہ کے طور پر لکھی ہے اور مستثنیات کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ دیکھیے مولوی عبدالحق قواعد اردو صفحہ ۸۵ ۔

۲ ۔ مولوی عبدالحق (قواعد اردو صفحہ ۸۵) ملا کو ان مستثنیات میں شمار کرتے ہیں ۔ جن پر حروف مغیرہ کا اثر جمع بنانے میں نہیں ہوتا ، یہ درست نہیں ۔

لیکن وہ الفاظ جو پرا کرتی ہیں اور اپنی اصل میں سنسکرت سے قریب تر ہیں وہ اس تبدیلی سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً جمنا، گنگا، متھرا، گیا۔ غیر زبانوں کے نام بھی جو الف پر ختم ہوں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بخارا، برما وغیرہ۔

۷۔ جن الفاظ کے آخر میں الف یا ہ نہ ہو تو ان کی صورت واحد میں حروف مغیرہ کے آنے سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مثلاً گھر بنایا، گھر میں داخل ہوا، گھر کو ڈھا دیا گھر سے نکلا وغیرہ۔

۸۔ جن اسما میں آخر میں آن اور اس سے پہلے واو معروف انفیائی ہو وہاں اِن حروف مغیرہ کے ساتھ ء یاں سے بدل جاتا ہے مثلاً دھؤاں، رؤاں، کنؤاں وغیرہ دھنواں اٹھا، دھوئیں سے گھر کالا ہو گیا۔

۹۔ صفت عددی میں پانچواں، ساتواں، نواں، دسواں وغیرہ میں الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ پانچواں آدمی آیا۔ پانچویں آدمی کو بلایا۔

۱۰۔ جن عربی الفاظ کے آخر میں ع ہوتا ہے ان کے بعد حروف مغیرہ کے آنے کی صورت میں یائے مجہول کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ برقع اٹھایا، برقعے میں منہ چھپایا۔

(ب) صورت جمع میں حروف مغیرہ کے آنے سے حسب ذیل تبدیلیاں ہوتی ہیں:

۱۔ مذکر اسم میں جمع کے لیے آخر میں وں بڑھاتے ہیں۔ مثلاً شہروں میں، کتابوں میں وغیرہ، راجوں کے محل دھوبیوں کے گھر۔

۲۔ جن مذکر اسما کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے ان میں الف یا ہ کی جگہ وں لاتے ہیں لڑکوں نے پردوں میں۔

۳۔ جمع مؤنث کا الف نون یا وں سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً لڑکیوں نے۔

۴۔ جن کلمات کے آخر میں واو ہو خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث حروف مغیرہ کے آنے سے ان کی جمع ہر صورت میں ایک ہی ہوتی ہے۔ یعنی

ہمزہ واو نون کا اضافہ کرتے ہیں ۔ مثلاً جورووٗں نے گھر برباد کیا ۔ ہندوؤں نے شہر لوٹ لیا ۔

۵ ۔ بعض اسمائے واحد جو الف پر ختم ہوتے ہیں ، ان کی جمع مذکورہ بالا قاعدہ نمبر ۲ کی بجائے ہمزہ واو نون کے اضافے سے بناتے ہیں ۔ مثلاً آقاؤں نے غلاموں کو آزاد کیا (بجائے آقوں نے) ملاؤں نے کام تمام کیا ۔ راجاؤں کے محل (اگرچہ راجوں کے محل بھی بولتے ہیں) ۔ حالت ندائی میں علامت جمع واو ہے ۔ جو اسما الف پر ختم ہوتے ہیں ، ان میں الف حذف کر کے اس کی جگہ واو لگاتے ہیں لڑکو یہاں آؤ دیگر اسما میں آخر میں صورت واو کا اضافہ ہوتا ہے ۔ دوستو یہاں آؤ ۔

اسم جمع

بعض اسما ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر واحد معلوم ہوتے ہیں لیکن اصل میں بہت سے اسموں کا مجموعہ ہوتے ہیں ، مثلاً فوج ، گروہ ، جھنڈ ، بھیڑ ، سبھا ، مجلس ، انجمن ، قطار ، قافلہ ، خلقت ، طائفہ ، مجمع ، ریوڑ ، گلے وغیرہ ۔ ایسے اسما کو اسم جمع کہتے ہیں ۔

جمع اور اسم جمع میں امتیاز یہ ہے کہ ہر جمع کے مقابلے میں واحد موجود ہوتا ہے لیکن اسم جمع کے مقابلے میں اسم واحد نہیں ہوتا ۔ بعض عربی الفاظ اپنی ساخت کے اعتبار سے جمع معلوم ہوتے ہیں اور عربی میں بطور جمع ہی استعمال ہوتے ہیں لیکن اردو میں ان کو بطور واحد استعمال کرتے ہیں مثلاً اخبار ، افواہ ، اشراف ، املاک ، احوال ، اصول ، اخلاق ، اوقات ، اولاد ، تحقیقات ، حوالات ، کائنات ، موجودات ، کرامات ، وغیرہ ۔ بعض الفاظ جو اصلاً واحد ہیں بطور جمع بھی استعمال ہوتے ہیں مثلاً اوسان ، درشن ، دستخط ، کرتوت ، کرم ، لچھن ، لفظ ، نصیب ، وغیرہ ۔

جمع الجمع

بعض اوقات جمع کی بھی جمع بنائی جاتی ہے اور اس کو جمع الجمع کہتے ہیں مثلاً وجہ واحد وجوہ جمع ، وجوہات جمع الجمع وغیرہ اس طرح کی جمع الجمع عام طور پر عربی الفاظ کی بناتے ہیں اور پھر اس جمع کو اردو کے جمع بنانے والے قاعدوں کے مطابق جمع الجمع بناتے ہیں مثلاً ولی واحد

اولیا جمع اولیاؤں جمع الجمع وغیرہ ۔ لیکن فصحائے اردو کے نزدیک یہ درست نہیں ہے ۔

اسم کی حالتیں

حروف ربط یا حروف مغیرہ کے استعمال سے اسم کی صورت میں خواہ واحد ہو یا جمع مذکر ہو یا مؤنث کچھ تبدیلیاں ہوتی ہیں ۔ یہ تبلیاں دراصل اسم کی حالت کی بنا پر ہوتی ہیں ۔ کلام میں ایک ہی اسم مختلف حالتوں میں واقع ہو سکتا ہے مثلاً لڑکا اسم واحد مذکر :

لڑکا آیا

لڑکے نے کہا

لڑکے سے کہا

لڑکے کو مارا

لڑکے پر درخت گرا

لڑکے میں کوئی خرابی نہ تھی

لڑکے کا قلم ۔

اے لڑکے وغیرہ

یہی اسم جمع مذکر کی صورت میں لڑکے ہو گا اور اس کی مختلف حالتیں حسب ذیل ہوں گی :

لڑکے آئے — لڑکوں نے کہا

لڑکوں سے کہا — لڑکوں کو مارا

لڑکوں پر درخت گرا — لڑکوں میں خرابی نہ تھی

لڑکوں کے قلم — اے لڑکو

اسم کی یہ مختلف حالتیں حسب ذیل ہیں :

۱ ۔ حالت فاعلی

یہ اسم کی ایسی حالت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسم کسی کام کا کرنے والا (فاعل) یا کسی خاص حالت میں ہے ۔ مثلاً لڑکا آیا ، لڑکی نے کھانا کھایا ۔ وہ اچھا ہو گیا ۔ ایسی صورت میں کبھی نے بطور علامت فاعل استعمال ہوتا ہے اور کبھی نہیں عام طور پر نے کا استعمال فعل متعدی ماضی کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اس کی بحث تفصیل سے حروف کے سلسلے میں کی جائے گی ۔ ویسے عام طور پر حالت فاعلی کے لیے کوئی علامت مقرر نہیں ہے ۔

۲ - حالت اضافی

جب ایک اسم دوسرے سے نسبت یا تعلق یا ملکیت ظاہر کرے تو یہ حالت اسم کی حالت اضافی کہلاتی ہے - احمد کا بھائی ، مرغی کے انڈے ، فیض کی ٹوپی ، کا ، کی ، کے حروف اضافت کہلاتے ہیں - اردو کے دور قدیم میں کی کی جمع کیاں بھی آتی تھی - پنجابی میں اب بھی موجود ہے لیکن موجودہ اردو میں متروک ہے - اردو میں فارسی اضافت بھی استعمال ہوتی ہے - مثلاً رگ گل وغیرہ - لیکن ایسی فارسی اضافت فصحا کے نزدیک صرف ایسے دو اسما کے درمیان استعمال کرنا چاہیے جو دونوں فارسی کے ہوں ایک فارسی اور ایک پراکرتی لفظ میں اس کا استعمال فصحائے اردو کے نزدیک مناسب نہیں - اس طرح کی ترکیب مثلاً لب سڑک درست نہ ہوگی سر راہ صحیح ہوگا ہائے مختفی یا یائے پر ختم ہونے والے الفاظ میں علامت اضافت ہمزہ و کسرہ ہوتی ہے مثلاً بندۂ خدا ، ہوائے خوب ، عربی الفاظ میں علامت اضافت ال ہے جو دو اسمون کے درمیان لاتے ہیں طالب العلم -

۳ - حالت مفعولی

یہ اسم کی وہ حالت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسم پر کوئی کام ہوا ہے جیسے لڑکے نے سانپ مارا - یہاں لڑکے حالت فاعلی میں ہے - سانپ کے مارنے کا فعل اس سے سرزد ہوا ہے - سانپ حالت مفعولی میں ہے کہ مارنے کا فعل یا عمل اس پر واقع ہوا - حامد نے احمد کو کتاب دی اس جملے میں حامد کی حالت فاعلی ہے کہ کتاب دینے کا فعل اس سے سرزد ہوا احمد اور کتاب دونوں اسم ہیں اور مفعولی حالت میں ہیں - کئی حروف مغیرہ ہیں جو اسم کے ساتھ حالت مفعولی میں آتے ہیں مثلاً کو ، سے ، کے ، پاس وغیرہ جیسے حامد نے احمد کو بلایا ، میں نے حامد سے پوچھا ، صاحب کے پاس جاؤ لیکن کبھی ان میں سے کوئی حرف نہیں ہوتا -

۴ - حالت خبری

اسم کی وہ حالت ہے جس میں اسم بطور خبر کے آتا ہے جیسے وہ بیمار ہے ، حامد اس شہر کا حاکم ہے - ان جملوں میں بیمار اور حاکم دونوں

اسم ہیں اور حالت خبری میں ہیں ۔

۵ ۔ حالت طوری

اسم کی وہ حالت ہوتی ہے ۔ جس سے اسم کا طور ، طریقہ ، ذریعہ اسلوب وسیلہ ، سبب ، مقابلہ وغیرہ معلوم ہو ۔ مثلاً شوق سے پڑھتا ہے ، تلوار سے مارا ، مجھ سے بڑا ہے ، حالت طوری میں اکثر علامت سے استعمال ہوتی ہے ۔

۶ ۔ حالت ندائی

اسم کی وہ حالت ہوتی ہے جس میں اسم کو پکارا ، بلایا یا طلب کیا جاتا ہے ۔ مثلاً لڑکے یہاں آؤ ، لڑکو یہاں جمع ہو جاؤ ۔ اگر اسم واحد مذکر الف یا ہ پر ختم ہو تو حالت ندائی میں اس الف یا ہ کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں ۔ مثلاً لڑکا ، لڑکے یہاں آؤ ۔ جمع میں (لڑکوں) آخری نون ساقط ہو جاتا ہے لڑکو شور مت کرو[1] ۔

۷ ۔ حالت ظرفی

اسم کی وہ حالت ہے جس سے وقت یا جگہ میں اسم کا تعین ہوتا ہے جیسے وہ گھر میں ہے ۔ وہ صبح سے غائب ہے ۔ ان صورتوں میں گھر اور صبح حالت ظرفی میں ہیں ۔ اس حالت میں اسما کے ساتھ حروف میں سے تک ، پر ، اوپر ، نیچے ، تلے ، اندر اندر سے ، کو ، بعد کے وغیرہ لاتے ہیں ۔

اسما کی حالت کو ظاہر کرنے کے لیے جو حروف مغیرہ استعمال ہوتے ہیں ان میں حالت اضافی کے ساتھ آنے والے حروف کا ، کی ، کے اسما متعلقہ کے ساتھ جنس اور عدد کے صیغے کی نسبت سے آتے ہیں ۔ لڑکے کا قلم ، لڑکے کی ٹوپی ، لڑکے کے کپڑے ، لڑکے ، کی ٹوپیاں ، لڑکوں کا کھیل ، لڑکوں کے قلم ،

---

۱ ۔ مولوی عبدالحق (قواعد اردو ص ۸۸ میں فرماتے ہیں کہ بیٹے کا لفظ بعض اوقات ندائی حالت میں بھی بغیر تبدیلی کے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی دونوں طرح جائز ہے ۔ جیسے بیٹا یہ بات اچھی نہیں ۔ بیٹے ایسا نہیں کرتے ۔ یہ اور رشتہ داروں کے ناموں کے ساتھ بھی مثلاً چچا یہاں آؤ ، دادا آپ بھی آئیے ۔

لڑکیوں کی گڑیاں ، وغیرہ اس صورت میں اسم متعلقہ حرف اضافت کے فوراً بعد آتا ہے ۔ قواعد کی اصطلاح میں یہ مضاف کہلاتا ہے اور جس اسم کی نسبت ہوتی ہے یا تعلق ہوتا ہے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں اور پوری ترکیب ترکیب اضافی کہلاتی ہے ۔ مثلاً حامد کی کتاب ۔ اس میں کتاب مضاف اور حامد مضاف الیہ ہے ۔ کی حرف اضافت ہے جو کتاب کی نسبت سے واحد مؤنث ہے ۔ اردوئے قدیم میں جمع مؤنث کے لیے کیاں بھی آتا تھا لیکن اب واحد مذکر کے لیے کا مذکر جمع کے لیے کے اور واحد جمع مونث کے لیے کی آتا ہے ۔ باقی حروف مغیرہ کو ، سے ، میں ، پر ، تک ، وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی البتہ اردوئے قدیم میں سے کی بجائے سوں ، سیں ، سیتے ، سیتی ستے ، اور میں کی بجائے مانہ منیں منے مان کو کی جگہ کون کے تئیں پر کی جگہ اپر ، اندر کی بجائے بھیتر استعمال کرتے تھے کہ اب ان کا استعمال متروک ہے ۔

ہم نے اس بحث میں اسم کی سات مختلف حالتیں بیان کی ہیں ۔ عام طور پر جن قواعد نویسوں نے عربی قواعد کا اتباع کیا ہے ، انھوں نے اسم کی چار ہی حالتیں قرار دی ہیں ۔ فاعلی ، اضافی ، مفعولی اور ندائی بلکہ بعض نے ندائی کو بھی فاعلی حالت میں شمار کیا ہے اور اس طرح صرف تین حالتیں بیان کی ہیں ۔ البتہ مغربی قواعد نوایسوں نے چھے صورتیں لکھی ہیں مثلاً جان شیکسپیر اپنی قواعد ہندوستانی میں فرماتے ہیں[۱] ۔

Singular	Plural
Nominative دانہ a grain	دانے grains
Genitive دانے کا کی کے of a grain	دانوں کا کی کے of grains
Dative دانے کو to a grain	دانوں کو to grains
Accusative دانے کو a grain	دانوں کو grains
Vocative اے دانے o grain	اے دانو o grains
Ablative دانے سے from a grain	دانوں سے from grains

۱ - John Shakespear-Grammar of the Hindustani Language p 28

اسما کی تصغیر اور تکبیر

بعض اسما میں بڑے کا اور بعض میں چھوٹے کا تصور ہوتا ہے ، مثلاً بات ، معمولی بات کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ بتنگڑ ، بڑھائی ہوئی بات کو کہتے ہیں ۔ اسی سے محاورہ بات کا بتنگڑ بنا ہے ۔ ڈبا بڑا ہوتا ہے ، اس کے مقابلے میں ڈبی یا ڈبیہ چھوٹی ہوتی ہے ۔ پڑا بڑا ہوتا ہے اور پڑیا چھوٹی ہوتی ہے ۔ جس اسم میں بڑے کے معنی ہوں وہ اسم مکبر ہوتا ہے اور جس میں چھوٹے کا مفہوم ہو وہ اسم مصغر کہلاتا ہے ۔ دونوں صورتوں میں اسم کے معنوں میں اصلی حالت کی نسبت چھوٹے یا بڑے ہونے کی کیفیت پائی جاتی ہے ۔

تصغیر کے استعمال کے مختلف مقصد ہوتے ہیں مثلاً :

۱ - محبت کے لیے مثلاً بھائی سے بھیا ، بہن سے بہنا ، باجی سے بجیا ، آپا سے اپیا وغیرہ ۔

۲ - حقارت ، نفرت یا تذلیل و تضحیک لیے مرد سے مردوا ، جورو سے جروا ۔

۳ - محض تصغیر کے لیے مثلاً لوٹا سے لٹیا ، دھوتی سے دھتیا، کرتا سے کرتی ۔ اردو میں تصغیر کے لیے کوئی ایک قاعدہ مقرر نہیں ہے ۔ عام طور پر حسب ذیل طریقوں میں سے کوئی ایک اختیار کیا جاتا ہے ۔

۱- اسم کے آخر میں یائے معروف کا اضافہ کرنے سے اسم تصغیر بن جاتا ہے ۔ مثلاً پہاڑ سے پہاڑی ۔

۲- اگر اسم کے آخر میں الف یا ہ ہو تو آخر حرف کو گرا کر یائے معروف کا اضافہ کرتے ہیں ، مثلاً رسہ (یا رسا) سے رسی ، ٹوکرا سے ٹوکری ، پیالہ سے پیالی ۔

۳- بعض اسما کے آخر میں الف کا اضافہ کر کے تصغیر بناتے ہیں اور اسم میں واقع ہونے والے حرف علت میں بھی تبدیلی کرتے ہیں ، مثلاً جورو سے جروا، بعض اوقات حرف علت کی تبدیلی کے بغیر صرف الف کے اضافے سے

اسم تصغیر حاصل ہوتا ہے مثلاً لونڈی سے لونڈیا ۔

۴۔ بعض اوقات اسم کے آخر میں یا کا اضافہ کرتے ہیں اور اسم میں بھی واقع ہونے والے حروف علت میں تغیر کرتے ہیں ۔ عام طور پر تغیر میں آخری حرف علت گراتے ہیں اور دو رکنی الفاظ میں پہلے رکن میں طویل حروف علت کی بجائے خفیف حروف علت (مثلاً پیش بجائے و) لاتے ہیں مثلاً لوٹا سے لٹ + یا = لٹیا ، دھوتی سے دھت + یا = دھتیا ، چوٹی سے چٹ + یا چٹیا وغیرہ ۔ کبھی صرف آخری حرف علت گرا کر یا کا اضافہ کرتے ہیں مثلاً پڑا سے پڑیا ، پوربی سے پوربیا ، پنکھا سے پنکھیا وغیرہ ۔

۵۔ بعض اسما میں ڑی بطور لاحقہ تصغیر لاتے ہیں اور ایسی صورت میں بھی اسم میں کبھی تغیر ہوتا ہے اور وہ بھی مذکورہ بالا مثالوں کی طرح عام طور پر دو رکنی الفاظ میں ۔ پہلے رکن میں حرف علت کی تبدیلی سے ہوتا ہے مثلاً انکھ سے آنکھ + ڑی ٹانگ سے ٹنگ + ڑی۔ یہ ان اسما میں ہوتا ہے جو مؤنث ہوں ، مذکر میں ڑا کا اضافہ ہوتا ہے مثلاً مکھ سے مکھڑا ۔[1]

۶۔ بعض اوقات اسما کے آخر میں ک بطور لاحقہ تصغیر کے لیے آتا ہے مثلاً ڈھول سے ڈھولک ۔

۷۔ بعض اوقات چہ بطور لاحقہ کے استعمال کرتے ہیں ، مثلاً دیگ سے دیگچہ (مؤنث ہو تو چی مثلاً دیگچی) کو سے کوچہ کبھی چہ سے پہلے یائے معروف کا اضافہ بھی کرتے ہیں مثلاً باغ سے باغیچہ ۔[2]

۸۔ فارسی اسم تصغیر بھی اردو میں استعمال ہوتے ہیں ان میں لاحقہ چہ ، یچہ ، یزہ اور ک بطور علامت تصغیر ہوتے ہیں مثلاً صندوق سے صندوقچہ در سے دریچہ ، مشک سے مشکیزہ ، مرد سے مردک وغیرہ ۔

جس طرح اسم تصغیر چھوٹائی کے معنوں کے لیے استعمال کرتے ہیں ،

---

۱ ۔ بعض اسما میں اسم تصغیر کے مقابلے میں مکبر نہیں ہوتا ۔ مثلاً بچھڑا (مذکر) اور بچھیا (مونث) کے ان کے مقابلے میں بیل گائے الگ الگ کلمات ہیں ۔

۲ ۔ باغ سے اسم تصغیر باغیچہ بھی آتا ہے اور بغیا بھی ۔ یہ مذکورہ بالا قاعدہ نمبر ۴ کے مطابق بنایا گیا ہے ۔

اسم مکبر بڑائی کے معنوں کے لیے استعمال کرتے ہیں ، مثلاً چھتری سے چھتر ، پگڑی سے پگڑ ، بات سے بتنگڑ ۔

کبھی اسم مکبر بنانے کے لیے اسم کے کسی جزو کو مشدد (یا مکرر) کر دیتے ہیں ، مثلاً پگ + ڑی سے پگ + گ ڑ ۔ اکثر ہندی کے اسما میں اسم مکبر لگانے کے لیے سابقہ مہا بڑھاتے ہیں ، مثلاً راجا سے مہا راجا ، کاج سے مہا کاج ۔

اردو میں فارسی کے اسم مکبر بھی مستعمل ہیں ، ان میں عام طور پر شہ بطور سابقہ ہوتا ہے ۔ مثلاً پر شہپر ، سوار شہسوار ، توت شہتوت ، راہ شاہراہ ، کار، شاہکار ، پارہ ، شہ پارہ ، باز شہباز اس کے علاوہ خر بھی بطور سابقہ فارسی کے اسمائے مکبر میں آتا ہے ۔ مثلاً خر مہرہ ، خراس خرچنگ ، خرمگس وغیرہ ۔ لیکن ایسے الفاظ اردو میں نادر الاستعمال ہیں ۔

اسمائے مشتق

اردو کے قواعد نویسوں نے اسم مشتق کے تحت حسب ذیل اسما سے بحث کی ہے :

۱۔ اسم فاعل ۔ ۲۔ اسم مفعول ۔ ۳۔ اسم حالیہ ۔ ۴۔ اسم حاصل مصدر ۔ ۵۔ اسم ظرف ۔ ۶۔ اسم آلہ اور ۷۔ اسم معاوضہ ۔

اسم فاعل

اسم فاعل وہ اسم مُشتق ہے جو فعل سے بنتا ہے [۱] اور اس کے معنی کام کرنے والے کے ہوتے ہیں یعنی ایسا اسم اس ذات پر دلالت کرتا ہے ، جس سے کوئی کام سرزد ہوتا ہے ۔ مثلاً کھانا فعل سے کھانے والا ایسا شخص ہے کہ اس سے کھانے کا فعل سرزد ہوتا ہے ۔ کھانے والا اسم فاعل ہوگا ۔

۱۔ عام طور پر اسم فاعل بنانے کے لیے علامت مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدل کر واحد مذکر کے لیے والا ، جمع مذکر کے لیے والے ، واحد مؤنث کے لیے والی اور جمع مؤنث کے لیے والیاں بڑھاتے ہیں ۔ مثلاً کھانا مصدر سے کھانے والا، کھانے والے، کھانے والی ، کھانے والیاں ۔

۲۔ بعض اوقات مصدر کے آخر سے الف گرا کر ہار یا ہارا (مؤنث کے لیے ہاری) بطور لاحقہ لگاتے ہیں ۔ مثلاً ہونا سے ہونہار ۔ بعض اوقات

---

۱ ۔ اسی لیے بعض قواعد نویسوں نے اس کی بحث فعل کے ساتھ کی ہے ۔ مثلاً مولوی عبدالحق قواعد اردو ، صفحہ ۲۵۴ ۔

مصدر میں بھی کچھ تصرف کرتے ہیں اور پھر ہار یا ہارا لگاتے ہیں ۔ مثلاً پیسنا سے پسنہارا (مؤنث پسنہاری) ۔

۳- بعض اوقات مصدر میں تصرف کر کے والا لگانے سے اسم فاعل بناتے ہیں ۔ مثلاً رکھنا سے رکھوالا ۔

۴- بعض اوقات مصدر میں تصرف کر کے واہا لگانے سے اسم فاعل بنتا ہے ، مثلاً چرانا سے چرواہا ۔

۵- کبھی مصدر سے علامت دور کر کے الف کا اضافہ کر کے اسم فاعل بناتے ہیں ، مثلاً جوتنا سے جوتا (جوتنے والا) ۔

۶- کبھی مصدر سے علامت مصدر دور کر کے اور باقی حصے میں تصرف کر کے ویّا لگا کر اسم فاعل بناتے ہیں پالنا سے پل + ویّا ۔

۷- کبھی صرف الف لگاتے ہیں اور مصدر کے آخری حرف ماقبل الف کو مشدد کر دیتے ہیں ۔ اچکنا سے اچکّا ، کبھی بغیر تشدید کے بھی الف لگا کر اسم فاعل بناتے ہیں ۔ مثلاً کترنا سے کترا یہ صورت مرکب اسما میں عام طور پر استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً جیب کترا ۔

۸- بعض اوقات علامت مصدر دور کر کے اور باقی جزو میں تصرف کر کے یا کا اضافہ کرتے ہیں ۔ مثلاً چلنا سے چالیا ۔

۹- کبھی علامت مصدر دور کر کے آؤ یا تاؤ لگاتے ہیں ۔ مثلاً چلاؤ چلتاؤ -۱

۱۰- آک بطور لاحقہ بھی اسم فاعل بنانے میں کام آتا ہے ، مثلاً پیراک یا تیراک بمعنی پیرنے یا تیرنے والا ۔ چالاک بھی اسی طرح بنا ہے اگرچہ معنی میں اضافہ ہوا ہے ۔

۱۱- ایرا بطور لاحقہ بھی اسم فاعل بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً لٹیرا (لوٹنا سے) کمیرا (کمانا سے) ۔

۱۲- آری لگانے سے بھی اسم فاعل بناتے ہیں ، مثلاً پوجنا سے پجاری ۔

---

۱ - اسم کی یہ صورت اسم فاعل کے علاوہ بعض دوسرے موقعوں پر بھی استعمال ہوتی ہے ۔

یہ مثالیں اسم فاعل کی ہیں جو فعل سے مشتق ہوتے ہیں ، اسم فاعل اسم سے بھی مشتق ہوتے ہیں ۔ مثلاً

۱ ۔ آری لاحقہ لگا کر بھیک سے بھکاری ۔

۲ ۔ وان لاحقہ لگا کر مثلاً کوچوان ۔

۳ ۔ یت لاحقہ لگا کر مثلاً لٹھ سے لٹھیت (لٹھ چلانے والا) ۔

۴ ۔ یارا لاحقہ لگا کر مثلاً گھاس سے گھسیارا ، بھٹی سے بھٹیارا (مؤنث کے لیے یاری ، گھسیاری ، بھٹیاری) ۔

۱۳۔ یت لاحقہ لگا کر بھی اسم فاعل بنتا ہے ، مثلاً پھینکنا سے پھینکیت ۔

کبھی اسم فاعل ایک فعل اور ایک اسم کی ترکیب سے بنتا ہے ۔ مثلاً دودھ پیتا بمعنی دودھ پینے والا ۔

اردو میں بہت سے اسم فاعل فارسی کے بھی عام طور پر استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً

۱ ۔ لاحقہ گر سے بننے والے اسم فاعل ، کاریگر، بازیگر، زرگر ۔
۲ ۔ لاحقہ گیر سے بننے والے اسم فاعل، ماہی گیر، راہ گیر ۔
۳ ۔ لاحقہ گار سے بننے والے اسم فاعل ، خدمت گار ، کامگار ۔
۴ ۔ لاحقہ مند سے بننے والے مثلاً ہنرمند ، برومند ۔
۵ ۔ لاحقہ گین سے بننے والے مثلاً غمگین اندوہگین ۔
۶ ۔ لاحقہ چین سے بننے والے مثلاً گلچین ۔
۷ ۔ لاحقہ بان سے بننے والے مثلاً مہربان ۔
۸ ۔ فارسی کے اسم فاعل مثلاً چرندہ ، پرندہ ، درندہ ، وغیرہ ۔
۹ ۔ مرکب فارسی اسم فاعل مثلاً بدگو ، عیب گو ، خوشگو ، بدکار، نیکوکار ، کارساز ، بندہ نواز ، راہبر ، راہزن ، راہ رو[۱] ۔

ترکی لاحقہ چی سے بننے والے اسم فاعل بھی اردو میں استعمال ہوتے ہیں ۔ ترکی زبان کے یوں تو بہت سے الفاظ اردو میں شامل ہیں لیکن لاحقہ

---

۱ ۔ فارسی کے اسم فاعل ترکیبی کی بحث آگے آئی ہے ۔

صرف چی ہے ۔ مثلاً توپچی (توپ چلانے والا) مشعل چی (مشعل جلانے والا) ۔

عربی کے اسم فاعل بھی اردو میں بکثرت استعمال ہوتے ہیں ۔ عام طور پر استعمال ہونے والے عربی کے اوزان کے اسم فاعل حسب ذیل ہیں :

۱ - بر وزن فَاعِل مثلاً کاتب ، ضامن ، خالق ، صابر، ظالم ، طالب ، عالم ، حاکم ، قادر ، غالب ، قاتل ، عاشق وغیرہ ۔

۲ - بر وزن مُفعِل مثلاً منصف ، مشفق ۔

۳ - بر وزن مُفتَعِل مثلاً محترم ، مستعد ۔

۴ - بر وزن مُفَاعِل مثلاً مخالف ۔

۵ - بر وزن فُعِیْل مثلاً مفید ، مشیر ، مرید ، مطیع وغیرہ ۔

عربی کے حسب ذیل اسم فاعل اردو میں عام طور پر مستعمل ہیں :
حاضر ، ناظر ، قادر ، نادر ، حاکم ، سالم ، ناظم ، ظالم ، عابد ، زاہد ، شاہد ، غائب ، غالب ، واقف ، عارف ، لائق ، شائق ، فائق ، ناصر ، بالغ ، عالم ، عامل ، شامل ، کامل ، خائن ، ضامن ، خالق ، رازق ، حافظ ، وارث ، والد ، قاہر ، صابر ، شاکر ، حاصل ، باطل ، ثابت ، خادم ، جائز ، جابر ، طالب ، وارد ، کافر ، قاتل ، حامل ، ناطق ، واقع ، دافع ، قائم ، دائم ، کافی ، حامی ۔

محسن ، منعم ، مشفق ، مومن ، مسلم ، مشرک ، مرشد ، موجد ، منصف ، متکبر ، متحمل ، متوجہ ، متصرف ، مشتہر ، معترض ، محترز ، محتسب ، ملتجی ، ملتمس ، مستقیم وغیرہ ۔

عربی کے قواعد نویسوں نے لکھا ہے کہ اسم فاعل میں فاعل کا فعل ایک وصف عارضی ہوتا ہے اور یہی اسم فاعل کی پہچان ہے ۔ اس کے برعکس اگر وصف ذاتی اور دائمی ہوتو اسے صفت مشبہ کہتے ہیں مثلاً عربی میں عالم اور علیم دونوں کے معنی جاننے والا لیکن عالم ایسا جاننے والا کہ کسی خاص وقت اور خاص علم کے تعلق سے عالم کہلاتا ہے اور علیم وہ کہ

جاننے کے ساتھ یہ علم جاننے والے کی ذات کے ساتھ مستقل اور دائمی ہو ۔ ظاہر ہے کہ یہ صفات دائمی صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ اسی لیے عربی میں صفات الٰہی ہمیشہ صفت مشبہ کے وزن پر آتی ہیں ، مثلاً علیم ، قدیم ، حکیم سمیع ، بصیر ، جمیل وغیرہ لیکن یہ ضروری نہیں کہ صفت مشبہ کے لیے موصوف بھی قدیم اور دوامی ہو مثلاً انسان کو بھی حسین اور جمیل کہہ سکتے ہیں صورت یہ نہیں کہ کسی خاص وقت اور کسی خاص بات کے موقع پر وہ حسین ہو بلکہ حسن اس کا دوامی اس کی ذات کے ساتھ ہے۱ ۔

اردو میں بعض اسم ایسے بھی استعمال ہوتے ہیں کہ بظاہر اسم مفعول معلوم ہوتے ہیں لیکن اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً پڑھا لکھا آدمی ۔

بعض قواعد نویسوں نے اسم فاعل سماعی کے تحت ان تمام اسما کو شامل کر لیا ہے جو اسم فاعل کے وزن پر نہیں ہیں غالباً یہ عربی قواعد کی تقلید میں ہے کہ عربی میں اسم فاعل کے چند اوزان مقرر و معین ہیں ۔ اس کا اطلاق اردو پر ہماری رائے میں درست نہیں کیونکہ اردو میں اس کا کوئی وزن یا اوزان مقرر نہیں کہ اس کے خلاف جو ہو اسے قیاسی یا سماعی سمجھیں مثلاً چرانا سے چرانے والا اسم فاعل ہے لیکن چور بھی چرانے والا یعنی اسم فاعل ہے ۔ قواعد نویسوں نے ۲ ۔ چور ، لٹیرا ، چرواہا ، جوتا ، لیوا ، وغیرہ اسما کو اسم فاعل سماعی لکھا ہے ۔

ہم نے اس سے پہلے ایسے اسما کا ذکر کیا ہے جو مرکب ہوتے ہیں یعنی دو لفظ مل کر فاعلی معنی دیتے ہیں ۔ ان میں اکثر ایک اسم اور ایک فعل ہوتا ہے ۔ مثلاً راہ چلتا بہ معنی راہ چلنے والا ، دودھ پیتا بہ معنی دودھ پینے والا شیر خوار اس قسم کے اسما کو بعض قواعد نویسوں نے اسم فاعلی ترکیبی بتایا ہے ۔ عام طور پر ایسے اسما حالت یا کیفیت کو بھی ظاہر کرتے ہیں اور اسی لیے بعض اوقات یہ تمیز مشکل ہوتی ہے کہ اسم فاعل ہے یا

---

۱ ۔ صفت مشبہ کی بحث اسم صفت کے بعد تفصیل سے دیکھیے ۔

۲ ۔ فتح محمد جالندھری مصباح القواعد ص ۸۹

اسم حالیہ۱ -

اسم مفعول

اسم مفعول جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے وہ اسم مشتق ہے جو اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل واقع ہو مثلاً کھایا ہوا ، پڑھا ہوا وغیرہ ، فاعل اور اسم فاعل کی طرح مفعول اور اسم مفعول میں بھی امتیاز یہ ہے کہ اسم مفعول میں نسبت فعل کی طرف ہوتی ہے مثلاً میں نے کھانا کھایا - کھانا مفعول ہے - یہ میرا پڑھا ہوا ہے - اس میں پڑھا ہوا اسم مفعول ہے -

اردو میں عام طور پر اسم مفعول بنانے کے لیے ماضی مطلق پر ہوا لگاتے ہیں، مثلاً لکھا ہوا ، لکھے ہوئے، لکھی ہوئی ، لکھی ہوئیں بالترتیب واحد مذکر ، جمع مذکر ، واحد ، مؤنث اور جمع مؤنث کے صیغے ہیں - بعض اوقات بجائے ہوا ، گیا بھی استعمال کیا جاتا ہے ، مثلاً لایا گیا :

ع میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

اس میں بھی ہوا کی طرح الف واحد مذکر یائے مجہول جمع مذکر یائے معروف واحد مؤنث اور — یائے مجہول مع نون غنہ جمع مؤنث کے لیے لاتے ہیں -

کبھی ہوا ، یا گیا کو حذف بھی کر دیتے ہیں مثلاً :

منھ سے نکلی ہوئی پرائی بات

اس میں نکلی بجائے نکلی ہوئی - عام طور پر یہ صورت مرکبات میں آتی ہے - سنی سنائی ، دیکھی دیکھائی ، پڑھی پڑھائی ، سلی سلائی ملی ملائی وغیرہ سب مثالوں میں ہوئی محذوف ہے بعض اسم مشق اس قسم کی علامتوں کے بغیر کسی اسم یا فعل سے مشتق ہوتے ہیں مثلاً بیاہتا بمعنی بیاہی

---

۱ - فتح محمد جالندھری نے بے قرار اور بے جوڑ کو بھی اسم فاعل ترکیبی بتایا ہے - یہ بحث طلب ہے - بے جوڑ کے معنی نہ جوڑنے والا نہیں بلکہ نہ جڑا ہوا ہوتے ہیں ، اس لیے اسم مفعول ہو گا ، البتہ نہ جڑنے والا معنی لیں تو اسم فاعل کہہ سکتے ہیں -

ہوئی (عورت) ۱ -

فارسی کے اسم مفعول بھی اردو میں بکثرت مستعمل ہیں مثلاً :
آزردہ ، آمیزہ ، آویزہ ، آزمودہ ، آفریدہ ، بستہ ، پروردہ ، رنجیدہ ، فریفتہ ، کشتہ ، اسی طرح فارسی کے اسم مفعول ترکیبی بھی اردو میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں مثلاً خدا ساز ، خانہ ساز ، خانہ زاد ، ناز پروردہ ، درد آمیز ، زخم خوردہ ، جہاں دیدہ ، شاہزاد ، وغیرہ -

عربی کے اسم مفعول بھی اردو میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً (الف) بر وزن ، مفعول : مقتول ، مظلوم ، مجروح ، مصلوب ، مشکوک ، مشکور ۲ ، مکتوب ، مصروف ، مشہور ، مرحوم ، موصوف ، مقبول ، منظور ، معبود مشہود ، مدقوق ، منشور ، معقول ، موعود ، محلول ، محصول ، مخصوص ، (ب) - بروزن مفعل مثلاً : مکرم ، معظم ، موخر ، مقدّم ، مُقسّم ، مطہر ، معطر وغیرہ -

(ج) اگر ماقبل آخر حرف علت ہو تو وہ ساکن اور اس سے پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے مثلاً محتاج وغیرہ -

بعض قواعد نویسوں نے اسم مفعول کی بحث اردو قواعد کی کتابوں میں شامل نہیں کی ہے - غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ اردو میں عربی کی طرح اسم مفعول کے اوزان مقرر نہیں ہیں البتہ بعض مشتق الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو اسم مفعول کے معنی دیتے ہیں مثلاً بیاہتا جس کی مثال اوپر آ چکی ہے - بعض اوقات اسم مفعول اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی بھی دیتے ہیں -

---

۱ - بعض حضرات نکٹا کو بھی اسی قسم کا اسم مفعول سمجھتے ہیں - ہماری رائے میں یہ درست نہیں ہے - یہ ایک مرکب ہے ناک × کٹا کہ ترکیب میں ایک کاف غائب ہو گیا اس مرکب صورت میں یہ ایک قسم کا اسم مفعول ترکیبی ہو گیا کہ اس میں سے ہوا محذوف ہے -

۲ - اردو میں عوام مشکور بجائے متشکر بولتے ہیں - اگرچہ بعض حضرات اب اسے غلط العام سمجھ کر قابل قبول گردانتے ہیں لیکن ہماری رائے میں یہ اب بھی غلط العوام ہے -

مثلاً پڑھا لکھا آدمی (بہ معنی تعلیم یافتہ) - ۱

اسم حالیہ

ایسا اسم جو فاعل یا مفعول کی حالت کو ظاہر کرے مثلاً زاہد روتا جاتا تھا - یہاں روتا اسم حالیہ ہے کہ فاعل زاہد کی حالت کو ظاہر کرتا ہے - میں نے زاہد کو گاتے دیکھا - یہاں گاتے مفعول کی حالت کو ظاہر کرتا ہے -

اسم حالیہ بنانے کا قاعدہ اردو میں عام طور پر یہ ہے کہ علامت مصدر نا دور کر کے واحد مذکر کے لیے تا واحد مؤنث کے لیے تی ، جمع مذکر کے لیے تے اور جمع مؤنث کے لیے تی (امدادی فعل میں مونث کی جمع ں کے ساتھ) لاتے ہیں مثلاً لڑکا روتا آیا - لڑکی روتی آئی - لڑکے روتے آئے ، لڑکیاں روتی آئیں ، کبھی تا ، تی ، تے کے بعد ہوا ، ہوئی ، ہوئی بھی لگاتے ہیں مثلاً لڑکا مسکراتا ہوا آیا۔ لڑکی مسکراتی ہوئی آئی، لڑکے مسکراتے ہوئے آئے - لڑکیاں مسکراتی ہوئی آئیں - اکثر فعل لازم کے ماضی مطلق پر ہوا ہوئی ، ہوئے ، ہو (ئیں) اضافہ کر کے اسم حالیہ بناتے ہیں مثلاً پڑھا ہوا ، لکھا ہوا - یہی قاعدہ اصل میں اسم مفعول بنانے کا بھی ہے ، چنانچہ اس طرح کے کلمات جب اسم کی جگہ استعمال ہوتے ہیں تو مفعول ہوتے ہیں اور جب اسم کے ساتھ آتے ہیں - تو اسم حالیہ ہوتے ہیں اکثر اسم حالیہ میں تکرار ہوتی ہے ، مثلاً لڑکا چلتے چلتے گر پڑا ، لڑکا ہنستا ہنستا سوگیا ، میں ٹہلتا ٹہلتا بازار تک گیا - جب اسم حالیہ فعل لازم کے فاعل واحد کے ساتھ آئے تو ہوا استعمال نہیں کرتے ہیں مثلاً لڑکا ہنستا جاتا تھا - اسی طرح مکرر

---

۱ - جن اسما کو عربی قاعدہ نویسوں نے اسما الفاعل اور اسما المفعول یعنی
(Nomina pationtis or Nomina agentis)
کہا ہے ایک طرح کی فعلی صفات ہیں اور لاطینی یا انگریزی قواعد کی صرفی اصطلاح میں ایسے اسما کو Participles کہا جاتا ہے - اس اعتبار سے اسم مفعول Past particple ہوگا اور ماضی معطوف علیہ Pluperfect participle یا Past conjunctive اور اسم حالیہ Present participle ہوگا -

ہو تو بھی ہوا استعمال نہیں کرتے۔ اگر اسم حالیہ فعل متعدی کے فاعل کی حالت کو بیان کرتا ہو تو مکرر آتا ہے اور آخر کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً

ع - ہنستے ہنستے تو کیا قتل گنہگاروں کو

لیکن اگر ہوا کا لفظ ساتھ ہو تو مکرر نہیں استعمال ہوتا مثلاً

ع - دور ساغر نہ ترے عہد میں چلتے دیکھا

فارسی کے اسم حالیہ بھی اردو میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں، مثلاً خیزاں، گریاں، خنداں، رواں، دوراں وغیرہ۔

اسم ظرف

عربی میں بعض اسما ایسے ہوتے ہیں جن میں جگہ یا وقت کے معنی پائے جاتے ہیں گویا جگہ اور وقت یعنی مکان و زمان ایک طرح کے ظروف ہیں جن میں کوئی فعل یا حالت واقع ہوتی ہے، عربی میں اس کے بعض اوزان مقرر ہیں، مثلاً۔

۱ - مفعل کے وزن پر مشرب (پینے کی جگہ، ذخیرۂ آب)

۲ - منہل (اونٹ کو پانی پلانے کی جگہ، نہل، پلانا) مکتب (جگہ جہاں لکھنا سکھایا جائے) مخرج (نکلنے کی جگہ) مدخل (داخل ہونے کسی کی جگہ)۔

اس وزن میں اسم ظرف مکان (جگہ) کی مثالیں اوپر مذکورہ ہوئیں، اسی وزن میں اسم زمان بھی ہوتا ہے مثلاً مصرع (وہ جگہ یا وقت جہاں کو گرایا یا مارا جائے)

دوسرا وزن مفعل ہے مثلاً مسجد (سجدہ کرنے کی جگہ مجلس (وہ جگہ یا وقت جہاں کئی آدمی بیٹھیں، کمرہ مجمع، مسکن رہنے کی جگہ) مشرق، مغرب اسم ظرف کی یہ شکل بعض دوسری سامی زبانوں مثلاً عبرانی میں بھی موجود ہے۔

ایک اور وزن اسم ظرف کا عربی میں مفعال ہے مثلاً میلاد (پیدا ہونے

کا وقت) میعاد (مقررہ وقت) میقات (مقررہ جگہ یا وقت کسی خاص کام کرنے کا ، ایک اور وزن مفعلہ ہے مثلاً مدرسہ ، مقبرہ وغیرہ ۔

جہاں تک عربی کے اسمائے ظرف کا تعلق ہے ان میں سے بعض اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً مدرسہ مجہلہ[۱] ۔ مقبرہ ، منزل ، مجلس ، مسجد ، محفل ، مقتل ، مطبع ، منبع ، مخرج ، مصدر مکتب وغیرہ ۔ ان کو اسم ظرف کہنا درست ہے اور مناسب ہے کہ ان کے بنانے کے اصول اور قاعدے مقرر ہیں لیکن اردو میں اسم ظرف کا کوئی خاص وزن یا خاص صورت یا خاص قاعدہ نہیں ۔ خاص کر اسم ظروف زمان مثلاً صبح ، شام ، دن ، رات ، آج ، کل وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک کے معنی میں وقت کا تصور تو ہے لیکن کوئی مخصوص علامت یا پہچان نہیں ۔ اسم ظرف مکان کی پہچان البتہ بعض سابقوں سے ہوتی ہے ۔ عام طور پر جگہ کے معنی متعین کرنے کے لیے ذیل میں سے بعض لاحقے استعمال ہوتے ہیں :

۱ ۔ آل مثلاً سسرال ۲ ۔ آلہ مثلاً شوالہ (مندر جس میں شیو کی پوجا ہو ، مجازاً ہر مندر) ۳ ۔ آنہ مثلاً سعدبیانہ ۴ ۔ باڑہ مثلاً امام باڑہ ۵ ۔ پت مثلاً پانی پت ، سونی پت ۶ ۔ پور مثلاً رامپور ، خیر پور ، کانپور خانپور ، جونپور ۔ پورہ مثلاً دھرم پورہ ، مغلپورہ ، پوری مثلاً مین پوری ۔ ۷ ۔ دوار مثلاً ہر دوار ، دوارہ مثلاً گرودوارہ ۸ ۔ سالہ مثلاً گئو سالہ ، دھرم سالہ ۹ ستھان مثلاً راجستھان ۱۰ ۔ سال مثلاً ٹکسال یا سار مثلاً کھنڈ سار ۱۱ ۔ شالہ مثلاً پاٹ شالہ ۱۲ ۔ کا مثلاً میکا ۱۳ ۔ گڑھ مثلاً علی گڑھ ، راج گڑھ ، مظفر گڑھ ۱۴ ۔ گڑھی مثلاً رام گڑھی ، ۱۵ گھاٹ مثلاً راج گھاٹ ، دھوبی گھاٹ ، ۱۶ ۔ گھٹ مثلاً مرگھٹ ، پنگھٹ ۱۷ ۔ گھر مثلاً ٹکٹ گھر ، نیلام گھر ۔ ۱۸ منڈی مثلاً سبز منڈی ۔ ۱۹ ۔ نگر مثلاً رام نگر کرشن نگر ۲۰ ۔ وال مثلاً خانیوال ۔ ۲۱ ۔ والہ مثلاً گجرانوالہ[۲] ۔

---

۱ ۔ سرسید نے جب علی گڑھ میں مدرسہ کھولا تو ان کے مخالفین اسے مجہلہ ہی کہتے تھے ۔

۲ ۔ اصلاً یہ لاحقہ پنجابی کے اکثر قصبوں اور شہروں کے نام کے ساتھ ملتا ہے لیکن یہ سب نام اردو میں آتے ہیں اور پاکستان کے مغربی علاقوں میں بہت عام ہے ۔

۲۲ - والی مثلاً میانوالی -

علاوہ ان لاحقوں کے جو ہندی الاصل ہیں فارسی کے بعض لاحقوں سے بھی اسم مکان کے معنی پیدا ہوتے ہیں :

۱ - آباد مثلاً اسلام آباد ، خیر آباد ، مراد آباد ، حیدر آباد ، ۲ - بار مثلاً جوئبار ، رود بار ۳ - خانہ کتب خانہ ، قصائی خانہ ، مرغی خانہ ، کبوتر خانہ ، دوا خانہ ۴ - دان مثلاً قلم دان ، پاندان خاصدان ، گادان - ۵ - زار مثلاً سبزہ زار ، گلزار - ٦ - سار مثلاً کوہسار - ۷ - ستان مثلاً گلستان ، بوستان ، چمنستان ، خمستان ، بہارستان ، خارستان ، خیالستان - ۸ - سرائے مثلاً کارواں سرائے ۹- شن مثلاً گلشن ۱۰ - کدہ مثلاً گلکدہ ، مئے کدہ ۱۱ - گاہ مثلاً شکارگاہ ، سیرگاہ ، گزر گاہ، پایگاہ ۱۲ لاخ مثلاً سنگلاخ -

اس طرح ہندی الاصل اور فارسی لاحقوں کی مدد سے اسم ظرف مکان کی کم سے کم ۳۷ شکلیں تو اوپر ہی کی مثالوں میں موجود ہیں - ان کے علاوہ بھی اکثر شہروں کے نام میں لاحقے ملتے جلتے ہیں -

۱ - میواڑ ، کاٹھیاواڑ ۲ - اجمیر ، جیسلمیر وغیرہ ۳ - لاہور ، پشاور جسے اکثر پٹھان پشور ہی کہتے ہیں) ۴ - پنڈی ، راولپنڈی -

اگر ہندوستان و پاکستان کے شہروں اور قصبوں کے ہی سارے نام جمع کیے جائیں تو اس فہرست میں اور اضافہ ہو سکتا ہے - یہ فہرست صرف ان اسما پر مشتمل ہے جو بہت عام اور مشہور ہیں اور اردو کی کتابوں میں بار بار ملتے ہیں - ایسی صورت میں ظاہر ہے اردو میں اسم ظرف مکان کا کوئی خاص وزن یا نمونہ نہیں - بہت سے نام بالکل الگ نظر آتے ہیں مثلاً :
۱ - کراچی ۲ - ملتان ۳ - ٹھٹھہ - ۴ - گجرات[۱] - ۵ - بالہ ٦ - ڈھاکا - ۷ - کلکتہ - ۸ - دہلی - ۹ - بمبئی ۱۰ - پونا وغیرہ -

ان کے علاوہ ایسے اسما جو شہروں کے نام نہیں لیکن سمت ظاہر کرتے ہیں مثلاً پورب ، پچھم ، اتر ، دکن وغیرہ - ان سب مثالوں سے معلوم ہوگا کہ اسم ظرف اپنی کسی خاص حالت یا صورت یا چند حالتوں یا صورتوں میں اردو میں موجود نہیں ہے اس لیے اردو کے بعض قواعد نویسوں نے اسے قواعد

---

۱ - آت لاحقے والے اسمائے مکان شاید اور بھی ہوں - مثلاً میوات -

اردو کی بحث سے خارج بھی کر دیا ہے - جن قواعد نویسوں نے باقی رکھا ہے ان پر عربی قواعد کے تتبع کا اثر ہے - ویسے شہروں قصبوں کے ناموں میں ایسے لاحقے جو مکان یا محل کے تصور کو ظاہر کرتے ہیں اور آریائی زبانوں میں بھی موجود ہیں مثلاً فارسی میں آباد ، مہر آباد ، پور نیشا پور وغیرہ یا انگریزی میں Shire مثلاً Lanka Shire یا york مثلاً New york وغیرہ اسی قسم کے لا حقے ہیں -

اسم آلہ

جو کیفیت اسم ظرف کی ہے کم و بیش وہی صورت اسم آلہ کی بھی ہے - عربی میں ایسے اسما جو ان آلات یا ذرائع کو ظاہر کریں جن سے کسی فعل سے ظاہر ہونے والا عمل کیا جاتا ہے اسما آلالہ کہلاتے ہیں (Nomina instrumenti) ان کے تین اوزان آتے ہیں ، مفعل ، مفعال اور مفعلتہ مثلاً مشعل ، مضراب مخیط (سوئی سوزن) بہت کم اوزان مفعل پر آتے ہیں مثلاً مجمر -

اردو میں عربی کے اسم آلہ بکثرت استعمال ہوتے ہیں - مثلاً مفعل کے وزن پر مشعل ، مسطر منبر، مفعال کے وزن پر مسواک ، مضراب ، مقراض ، میزان ، مقیاس (الحرارت) وغیرہ -

فارسی میں اسم آلہ بعض لاحقوں سے بنتا ہے - ان میں سے بعض اردو میں بھی مستعمل ہیں - مثلاً ، آنہ ــــــ انگشتانہ ، پناہ ــــــ دست پناہ (دسپنا ، چمٹا) -

تراش : قلم تراش ، سوز : فتیلہ سوز ، کش : مثلاً بادکش ، دود کش ، کدو کش ، گیر: مثلاً گلگیر ، نمگیر - مال : مثلاً رومال ، دستمال ، ہ مثلاً دستہ ، چشمہ -

اردو میں بعض اسم جو معنوی اعتبار سے اسم آلہ کہے جا سکتے ہیں مصدر میں تصرف کر کے یا بغیر تصرف آخر میں لاحقے کے اضافے سے بنائے جاتے ہیں ، مثلاً

۱ - بیلنا سے بیلن (بیل + ن) لٹکنا سے لٹکن (لٹک + ن) جھاڑنا سے جھاڑن -

۲ - پھونکنا سے پھونکنی (پھونک + نی سے پھکنی) چھاننا سے چھلنی (چھان + نی سے چھلنی) دھونکنا سے دھونکنی (دھوک + نی) -
۳ - جھولنا سے جھولا ــــ اس میں کوئی لاحقہ نہیں -
۴ - پالنا سے پالنا ــــ کوئی تبدیلی نہیں نہ کوئی لاحقہ آیا -
۵ - ناک سے نکیل (ناک سے نک + یل) -
۶ - ہاتھ سے ہتھوڑا (ہاتھ سے ہتھ + وڑا) -
۷ - جھاڑنا سے جھاڑو -

لیکن بہت سے اسم جن میں آلہ کے معنی شامل ہیں ، اس قسم کی کوئی علامت یا تبدیلی ظاہر نہیں کرتے - مثلاً پھاوڑا ، کدال ، کھرپا ، بسولی ، کرنی ، آرا ، آری ، چاقو ، چھری ، چمچہ ، پنسل ، قلم ، دیا ، لمپ[۱] ، کنجی ، چابی[۲] ، قینچی ، توپ ، تلوار ، بندوق وغیرہ - اسی لیے یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اردو میں وزن اور صیغے کے لحاظ سے اسم آلہ موجود نہیں ، ہاں عربی اور فارسی کے اسم آلہ اردو میں آتے ہیں اور اپنی اصل کی پابندی کرتے ہیں - اردو میں بعض پہچانیں اسم آلہ کی اوپر مذکور ہوئیں لیکن ان کو کسی قاعدے یا کلیے کے تحت نہیں لایا جا سکتا -

اسم معاوضہ

اسم معاوضہ ایسے اسم مشتق کو کہتے ہیں جو کسی خدمت ، کام ، محنت ، صلہ ، معاوضہ ، تنخواہ یا مزدوری کے مفہوم کو ادا کرے مثلاً رنگائی ، سلائی ، دھلائی ، بھرائی وغیرہ -

اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مصادر میں سے جو متعدی المتعدی ہوں[۳] - علامت مصدر دور کر کے ئی لگاتے ہیں - مثلاً رنگنا سے

---

۱ - کہ عربی مصباح یعنی آلہ صبح کردن ہے -
۲ - عربی میں مفتاح آلہ فتح کردن (کشادن) ہے -
۳ - یعنی ایسے افعال کے مصدر جن کے لیے ایک سے زیادہ معنوں کی ضرورت ہو مثلاً میں نے رنگریز کو کپڑوں کی رنگائی دی - متعدی کی بحث اپنی جگہ دیکھیے -

رنگائی ، رنگوانا متعدی المتعدی ہے اس سے اسم معاوضہ رنگائی یا رنگوائی ، اسی طرح سلائی ، پسائی ، پکائی (یا سلوائی ، پسوائی اور پکوائی) بنے گا ۔

متعدی باالواسطہ سے اسم معاوضہ بہت کم آتا ہے ۔ لازم اور متعدی الاصل سے کبھی نہیں آتا ۔[1]

اسم استفہام

ایسے اسم جو کسی بات کے دریافت کرنے یا کوئی معلومات حاصل کرنے کے لیے بولے جاتے ہیں اسمائے استفہام کہلاتے ہیں ۔ مثلاً کون ، کس ، کتنا ، کتنی ، کے ، کیا ، کونسا ، کونسی ، کیسا ، کیسے ، کیسی ، کب کب کب ، کہاں کہاں کہاں ، کدھر ، کیا ، کن ، کس ۔

وہ کون ہے؟ کس نے میری گھڑی اٹھائی ؟ یہ مینار کتنا بلند ہے ؟ آپ کے پاس کتنے روپے ہیں ؟ یہ عمارت کتنی اونچی ہے ؟

اسمائے استفہام جب تکرار کے ساتھ آئیں تو ان کا اطلاق اشخاص و افراد یا اشیا پر فرداً فرداً ہوتا ہے ۔ مثلاً

ع— کس کس کو یاد کیجیے کس کس کو روئیے

کیا معنی کیسا اور کیسی بھی استعمال ہوتا ہے ۔

ع— خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں ۔(۲)

کیا کبھی اس طرح بھی استعمال ہوتا ہے کہ بجائے اس میں استفہام کے نفی کے معنی پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً تم کیا پوچھوگے ، ایسی صورت میں لہجہ قدرے بدلتا ہے اور شدت تم پر ہوتی ہے ۔ استفہامیہ میں شدت کیا پر ہوتی ہے ۔

---

۱ - اردوئے قدیم میں کنھوں بجائے کسی استعمال ہوتا تھا ۔ کنھوں نے نہ جانا کسی نے نہ جانا اسی سے کنھن بجائے کس نے ۔

۲ - بعض قواعد نویسوں نے ضمیر اشارہ کی بحث بھی اسم استفہام کے ساتھ کی ہے ۔ اسے ضمیر کی بحث میں شامل کرنا زیادہ مناسب ہے ۔ اس لیے اس کی بحث ضمیر کے ساتھ کی گئی ہے ۔

تم ↑ کیا پوچھو گے (یعنی نہیں پوچھو گے) ۔
تم ↑ کیا پوچھو گے ؟
یہی ↑ صورت کون کی ہے ؟
یہاں ↑ کون آئے گا (یعنی کوئی نہیں آئے گا) ۔
یہاں کون ↑ آئے گا ؟
یہی صورت کیا کی ہے ۔
یہاں ↑ کیا رکھا ہے (یعنی کچھ نہیں رکھا ہے) ۔
یہاں کیا ↑ رکھا ہے ؟

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ استفہام صرف اسمائے استفہام کے لانے سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ استفہامی لہجہ بھی ان معنوں کے تعین میں اثر انداز ہوتا ہے ۔ لہجے کی اہمیت اور بحث کو ہمارے عام قواعد نویسوں نے نظر انداز کیا ہے ، البتہ جدید ماہرین لسانیات صوتیوں (Phonemes) کی جو دو قسمیں کرتے ہیں ، ان میں ایک کسری صوتیے (Segmental Phonemes) ہوتے ہیں ، جنھیں ہم مصوتے (Vowels) اور مصمتے (Consonants) کہتے ہیں اور جو تحریر میں حروف و حرکات علت اور حروف صحیحہ کے نام سے موسوم ہیں ۔ دوسری قسم بالا کسری (Supra Segmental) صوتیوں کی ہے جن میں تال اور سر یعنی آواز کے اتار چڑھاؤ زور و شدت کو شامل کیا جاتا ہے ۔ اس کی بعض مثالیں اسمائے ضمیر کے بیان میں ملیں گی ۔

حاصل مصدر

اردو کے قواعد نویسوں نے حاصل مصدر کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ ایسا اسم ہوتا ہے جو کسی حالت یا کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جو کسی چیز یا فعل کا اثر یا نتیجہ ہو ۔ مثلاً ہنسنا ایک فعل ہے اور ہنسی ایک حالت یا کیفیت ہے کہ اس فعل کے اثر کو ظاہر کرتی ہے ۔ انشا نے اسے اسم مصدر و حاصل مصدر بھی کہا ہے اور وہ اسے اسم مشتق نہیں مانتے بلکہ اسم جامد میں شمار کرتے ہیں ۔(۱) لیکن اردو کے مصادر پر نظر

---

۱ ۔ انشا اللہ خان دریائے لطافت ، صفحہ ۱۴۷ ۔

کریں تو انشا کا یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا ۔ مثلاً لکھا سے لکھائی یا ہنسنا سے ہنسائی یا ہنسی مشتق نہیں تو کیا ہیں ہنسنا مصدر ہے اسی سے ہنسائی ہنسی ہنسوڑ سب مشتق ہیں ۔ عربی قواعد نویسوں نے ان کو الاسما الفعل بنایا ہے اور ان کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ (Abstract substantive) ہوتے ہیں جو ایسے عمل کی حالت یا کیفیت یا جذبے کو ظاہر کرتے ہیں جو اس کے متعلق فعل سے ظاہر ہوتا ہے اس میں فاعل و مفعول یا زمانے کی کوئی قید نہیں ، یہ درست ہے کہ بعض عربی قواعد نویسوں نے اسی کو مصدر کہا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فعل کا مرکب تصور کہ جس میں فعل کے بنیادی تصور کے علاوہ مثلاً زمانہ بھی پایا جاتا ہے ، جنس اور عدد بھی شامل ہوتا ہے اس کی اصل یہی صورت مصدری ہے ۔ عربی میں سہ حرفی مادوں سے بکثرت شکلیں اسما الفصل کی بنتی ہیں ، قواعد نویسوں نے کم و بیش ۴۴ چوالیس صورتیں لکھی ہیں ۔(۱) ان میں سے بعض صورتیں جو اردو میں بھی مستعمل ہیں حسب ذیل ہیں :

۱ - فَعْلٌ کے وزن پر ضرب

۲ - فَعَلٌ کے وزن پر طلب ، نظر ، کرم ، عمل

۳ - فَعِلٌ کے وزن پر حَلِف

۴ - فِعْلٌ کے وزن پر حفظ علم ذکر فسق

۵ - فُعْلٌ کے وزن پر شُغُلٌ ، زہد ، شکر

۶ - فَعْلَةٌ کے وزن پر رحمت ، کثرت ، غیرت

۷ - فِعْلَہ کے وزن پر عِصمَت ، عفت

۸ - فَعِلَّةٌ کے وزن پر جِبِلَّت

۹ - فَعْلیٰ کے وزن پر دعوی ، تقوی

۱۰ - فَعَلَانٌ کے وزن پر خَفْقان ، ہیجان

---

۱۰ W. Wright—A grammar of the Arabic Language. Page 110

۱۱ - فُعلَان کے وزن پر حرمان ، نیسان ، رضوان

۱۲ - فُعَلان کے وزن پر رجحان ، شکران ، غفران ، کفران

۱۳ - فَعْلوت کے وزن پر جَبْروت

۱۴ - فَعْلوتی کے وزن پر جبروتی ، ملکوتی

۱۵ - فَعَال کے وزن پر صلاح ، فساد

۱۶ - فِعَال کے وزن پر حِجاب ، نِکاح ، قِیام ، ابا

۱۷ - فُعَال کے وزن پر سوال ، زکام

۱۸ - فَعَالہ کے وزن پر ظرافت ، فصاحت ، ضخامت

۱۹ - فِعَالہ کے وزن پر کتابت ، سفارت ، عبادت

۲۰ - فَعَالیہ کے وزن پر علانیہ

۲۱ - فُعُول کے وزن پر خروج ، دخول ، ورود ، لزوم ، قدوم

۲۲ - فُعولہ کے وزن پر سہولت ، صعوبت

۲۳ - فُعُولیَة کے وزن پر خُصوصیت

۲۴ - فَعِیل کے وزن پر رَحیل

عام طور پر ان میں سے پانچ اوزان ہی زیادہ رائج ہیں ۔

۱ - فَعْل مثلاً قتل ، فہم

۲ - فُعول مثلاً جلوس

۳ - فَعَل مثلاً مرض

۴ - فَعَالہ مثلاً ظرافت ، فصاحت

۵ - فُعُولَۃ مثلاً سہولت

عربی زبان اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس کے ان اوزان میں معنوی تخصیص ہے - مثلاً جو اسما الفعل اقرار یا انکار ظاہر کرتے ہیں ، وہ اکثر فَعال کے وزن پر ہوتے ہیں - مثلاً قرار — جو کسی حالت بیماری یا علت کو ظاہر کرتے ہیں ، وہ فُعال کے وزن پر آتے ہیں - مثلاً سُعال (کھانسی) جو مسلسل یا شدید حرکت کو ظاہر کرتے ہیں فعلان کے وزن پر آتے ہیں - مثلاً طیران ، جریان ، ہیجان ، طوفان ، خفقان وغیرہ - جن اسما میں تبدیل مکانی کا تصور ہوتا ہے وہ فعیل کے وزن پر آتے ہیں - مثلاً رحیل ، یہی وزن آواز کو ظاہر کرنے والے اسما کا ہے - مثلاً صہیل ، صفیر کسی پیشہ ، عہدہ ، منصب یا خلافت کو ظاہر کرنے والے اسما میں فعالۃ کا وزن ہوتا ہے - مثلاً رسالت ، خلافت ، نیابت ، امارت ، تجارت وغیرہ -

اردو کے حاصل مصدر میں عربی کی طرح معنوں کی ایسی تخصیص نہیں نہ اس کے بنانے کے مختلف قاعدوں کو کلیہ یا اصول قرار دے سکتے ہیں ، نہ ہی ہر مصدر سے حاصل مصدر بن سکتا ہے - کبھی مصدر کچھ ہوتا ہے اور حاصل مصدر کوئی دوسرا کلمہ ہوتا ہے ، کبھی صفت سے اس قسم کا اسم بنتا ہے - کبھی اسم سے کبھی فعل کی صورت امر کی تکرار سے اور کبھی دو امر استعمال کر کے ایسا اسم بناتے ہیں - مثلاً

۱ - علامت مصدر نا دور کرنے سے باقی کلمہ حاصل مصدر رہ جاتا ہے - مثلاً مارنا سے مار ، پکڑنا سے پکڑ ، چمکنا سے چمک ، دوڑنا سے دوڑ ، کھیلنا سے کھیل ، ٹوٹنا سے ٹوٹ ، پھوٹنا سے پھوٹ ، ہارنا سے ہار ، تڑپنا سے تڑپ ، چمکنا سے چمک ، جھلکنا سے جھلک ، مہکنا سے مہک -

۲ - مصدر کے آخر الف کو گرانے کے بعد باقی کلمہ حاصل مصدر بن جاتا ہے - مثلاً چلنا سے چلن ، مرنا سے مرن ، تھکنا سے تھکن ، لگنا سے لگن ، کٹنا سے کٹن ، سیلنا سے سیلن ، پھسلنا سے پھسلن ، جلنا سے جلن -

۳ - علامت مصدر نا دور کر کے الف پڑھانے سے حاصل مصدر بناتے ہیں - مثلاً جھگڑنا سے جھگڑا ، پوجنا سے پوجا

۴ - علامت مصدر نا دور کر کے لاحقہ ان لگانے سے حاصل مصدر بنتا ہے - مثلاً اڑنا سے اڑان ، اٹھنا سے اٹھان

۵ - علامت مصدر نا دور کر کے آپ بطور لاحقہ لگانے سے حاصل مصدر بناتے ہیں - مثلاً ملنا سے ملاپ

۶ - علامت مصدر نا دور کر کے نت لاحقہ لگانے سے حاصل مصدر بناتے ہیں - مثلاً لڑنا سے لڑنت

۷ - علامت مصدر نا دور کر کے ہٹ لاحقہ لگانے سے حاصل مصدر بنتا ہے - مثلاً گھبرانا سے گھبراہٹ

۸ - علامت مصدر دور کر کے آوٹ لگانے سے حاصل مصدر بناتے ہیں - مثلاً لگنا سے لگاوٹ ، سجنا سے سجاوٹ ، ملنا سے ملاوٹ

۹ - علامت مصدر دور کر کے وا لگانے سے حاصل مصدر بنتا ہے - مثلاً بلانا سے بلاوا ، بہلانا سے بہلاوا

۱۰ - علامت مصدر دور کر کے آوت لگنے سے حاصل مصدر بنتا ہے - مثلاً کہنا سے کہاوت

۱۱ - علامت مصدر دور کر کے آؤ یا ؤ لگانے سے مثلاً لگانا سے لگاؤ یا لگنا سے لگاؤ

۱۲ - علامت مصدر دور کر کے ائی لگانے سے مصدر بناتے ہیں - پڑھنا سے پڑھائی ، لکھنا سے لکھائی ، چڑھنا سے چڑھائی ، اترنا سے اترائی ، سہانا سے سہائی ، لڑنا سے لڑائی -

۱۳ - علامت مصدر دور کر کے واس لگانے سے - مثلاً بکنا سے بکواس

۱۴ - علامت مصدر دور کر کے آپا لگانے سے - مثلاً جلنا سے جلاپا

۱۵ - علامت مصدر دور کر کے تی لگانے سے - مثلاً پھبنا سے پھبتی

۱۶ - علامت مصدر دور کر کے ک لگانے سے - مثلاً بیٹھنا سے بیٹھک

۱۷ - علامت مصدر دور کر کے ت لگانے سے - مثلاً بچنا ، بچت

۱۸ - کبھی مصدر سے ماضی مطلق بناتے ہیں تو وہی حاصل مصدر کا بھی کام دیتا ہے - مثلاً جھگڑنا سے جھگڑا ، اس سے جھگڑا مت کرو - کہنا سے کہا ، ہمارا کہا مان لو

۱۹ - جو صورت شق نمبر ۱ میں بیان ہوئی کہ مصدر سے علامت مصدر نا دور کر کے باقی کلمہ جو رہ جاتا ہے ، حاصل مصدر ہوتا ہے - حاصل مصدر کی یہ صورت فعل امر کی ہوتی ہے ، اسی لیے بعض قواعد نویسوں نے لکھا ہے کہ کبھی امر کا کام لیا جاتا ہے - مثلاً تڑپنا سے تڑپ ، چمکنا سے چمک ، بولنا سے بول ، مارنا سے مار ، پہچاننا سے پہچان ، پہنچنا سے پہنچ ، بگاڑنا سے بگاڑ ، سنوارنا سے سنوار ، اونگھنا سے اونگھ ، دوڑنا سے دوڑ ، بھاگنا سے بھاگ

۲۰ - اگر مصدر کی علامت دور کر کے جو کلمہ باقی رہ جائے (جسے آپ چاہیں تو فعل کی صورت امر بطور شق مذکورہ بالا قرار دیں) اس کی تکرار سے حاصل مصدر بنتا ہے - مثلاً بکنا سے بک بک

۲۱ - کبھی دو مصادر سے علامت دور کر کے دونوں کلمات مل کر بطور حاصل مصدر استعمال کرتے ہیں - مثلاً جان پہچان ، دیکھ بھال

۲۲ - کبھی علامت مصدر دور کر کے ر لگاتے ہوں - مثلاً جگانا سے جگار

اس تفصیل سے یہ اندازہ ہوگا کہ اس قسم کے حاصل مصدر بنانے کا کوئی خاص اصول یا قاعدہ نہیں (جیسا کہ عربی میں ہے) اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ تمام حاصل مصدر سماعی ہیں ، یعنی ان کی صحت کا دار و مدار اور معیار صرف یہ ہے کہ اہل اردو اسی طرح بولتے ہیں - قیاسی

نہیں کہ ایک قسم پر قیاس کر کے دوسرا حاصل مصدر اسی اصول پر بنایا جا سکے ، پھر بعض صورتیں حاصل مصدر کی اور بھی ہیں ۔

۱۔ مصدر کچھ ہوتا ہے اور حاصل مصدر کوئی الگ ہی کلمہ ہوتا ہے ۔ مثلاً سونا ، نیند اس کے علاوہ صفت سے بھی حاصل مصدر بنتا ہے ۔ مثلاً

۱ - صفت کے بعد ن لگا کر لمبا سے لمبان ، چوڑا سے چوڑان
۲ - صفت کے بعد ی لگا کر بڑا سے بڑائی ، اچھا سے اچھائی ، برا سے برائی ، بھلا سے بھلائی
۳ - صفت کے بعد آئی لگا کر ۔ مثلاً گول سے گولائی (یہ صورت ہے کہ صفت حروف علت یر بالخصوص الف پر ختم ہو تو الف کا اضافہ ہوتا ہے) اسی طرح اسم سے بھی حاصل مصدر بناتے ہیں ۔ مثلاً

۱ - اسم کے بعد پن لگا کر ۔ مثلاً احمق پن ، پاگل پن ، دیوانہ پن
۲ - اسم میں کچھ تصرف کر کے پن لگا کر ۔ مثلاً لڑکا سے لڑکپن ، بچہ سے بچپن
۳ - اسم کے بعد پنا لگا کر ۔ مثلاً بچپنا (اسم میں تصرف بھی ہوا ہے)
۴ - اسم کے بعد ک لگا کر ۔ مثلاً ٹھنڈ سے ٹھنڈک
۵ - اسم کے بعد ی لگا کر چور سے چوری ، ٹھگ سے ٹھگی ، دشمن سے دشمنی ، دوست سے دوستی
۶ - اسم کے بعد اس لگا کر ۔ مثلاً میٹھا سے میٹھاس
۷ - اسم کے بعد پت لگا کر ۔ مثلاً کنوارپت

اس قسم کے حاصل مصدر بھی سب سماعی ہیں قیاسی نہیں ۔

اردو کے ان حاصل مصادر اور عربی کے ان حاصل مصادر یا اسما الفعل کے علاوہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ، اردو میں فارسی کے اسمائے مصادر بھی بکثرت استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً

۱ - دانائی ، بینائی ، توانائی
۲ - آزمائش ، آمیزش ، آویزش ، بخشش ، سازش ، گزارش ، فرمائش ، نوازش

۳ - زندگی ، دیوانگی ، فرزانگی ، بیگانگی ، یگانگی

۴ - گفتگو

۵ - رفتار ، گفتار ، کردار

۶ - آمد و رفت ، خرید و فروخت ، رفت و گزشت

۷ - داشت ، کاشت

اسم صوت

بعض اسم ایسے ہیں جو کسی جاندار کی بولی یا کسی بے جان سے پیدا ہونے والی آواز کو ظاہر کرتے ہیں - ان کے معنی اصلاً صرف ان کے صوتی تاثر سے پیدا ہوتے ہیں ، اس طرح کے عمل کو جس میں صوتی تاثر سے کوئی مفہوم واضح ہو ، حرکت صوت (Onamatopoea) کہتے ہیں - مثلاً قل قل ، صراحی میں سے پانی کے نکلتے وقت پیدا ہونے والی آواز کو کہتے ہیں - کوّے کی کائیں کائیں ، کتے کی بھونکنے کی آواز بھوں بھوں ، بلی کی میاؤں ، مکھی کی بھن بھن ، مینھ برسنے کی جھم جھم ، بجلی کی گڑگڑاہٹ ، ہوا کی سنسناہٹ سب اسی قبیل کی آوازیں ہیں - ایسی آوازوں کو ظاہر کرنے والے اسم ، اسم صوت کہلاتے ہیں - اسی طرح بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے کسی چیز سے پیدا ہونے والی آواز مراد نہیں ہوتی ، بلکہ جانوروں کو ہانکنے وغیرہ یا اظہار تاسف و ہمدردی کے موقع پر بولتے ہیں - مثلاً بیل ہانکنے والے دھت دھت کرتے ہیں ، کسی چیز پر افسوس ظاہر کرنے کے لیے چہ چہ کرتے ہیں - ان میں بعض آوازیں بالکل مختلف اور عجیب بھی ہیں کہ اردو کے عام صوتی نظام سے مختلف ہیں - مثلاً یہی آخرالذکر آواز اصلاً دروں داخل سانس کی ذریعے سے ادا ہوتی ہے ، جب کہ اردو کی باقی اصوات پر بروں خارج سانس کے ذریعے سے ادا ہوتی ہیں - اس دروں داخل آواز کے ادا ہونے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ نوک زبان تالو کے اگلے حصے پر لگتی ہے اور جب یہ اس مقام سے واپس آتی ہے اور مسدود راستہ کھلتا ہے تو باہر سے سانس زور سے اندر کی طرف جاتی ہے - ایسی تمام اصوات کو بھی حرکت صوت کہنا چاہیے اور یہ بھی ایک قسم کے اسم ہوں گے -

اسم کنایہ[۱]

جب گفتگو میں کسی ضرورت یا مصلحت سے یا محض لطف کلام کے لیے کسی نام کو صراحتاً نہ لینا ہو یا کسی چیز کی تعداد یا مقدار کو واضح کر کے بیان نہ کرنا ہو یا کسی بات کو مختصر کر کے بیان کرنا ہو تو مبہم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ایرا غیرا ، امکا ڈھمکا ، فلانا ، ہمہ شما ، ایسا ، ایسے ، تیسا ، تیسے ۔ مثلاً ذوق کی ایک رباعی ہے:

جب تک تھے احمقوں کی گرہ میں پیسے
سب کہتے تھے ان کو آپ ہیں ایسے ایسے
مفلس جو ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوق
پوچھا نہ کہ تھے کون وہ ایسے تیسے

بعض اوقات اسم اشارہ بھی اسم کنایہ کا کام دیتے ہیں ۔ مثلاً بیویوں کے لیے شوہروں کا نام لینا معیوب سمجھا جاتا ہے ، اس لیے عورتیں شوہروں کا ذکر کرتے ہوئے وہ ، ان کا ، ان سے ، انھوں نے وغیرہ بطور کنایہ استعمال کرتی ہیں[۲] ۔

اسم موصول

اسم موصول کی تعریف بعض قواعد نویسوں[۳] نے یہ کی ہے وہ اسم ناتمام ہے کہ جب تک اس کے ساتھ ایک جمع مذکر نہ ہو کسی جملے کا جز بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ، یعنی اکیلا نہ فاعل ہو سکتا ہے ، نہ

---

۱ - فتح محمد جالندھری قواعد اردو ، صفحہ ۱۳۶ ۔

۲ - زبان میں تابو (Taboo) کی یہ ایک صورت ہے ۔ بعض صورتیں اور ہیں جو نہایت دلچسپ ہیں ۔ اردو میں جو عورتوں کی زبان بولی اور محاورے میں مردوں کی زبان سے اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کا سبب اکثر مقامات پر یہی Taboo یعنی معاشرتی موانع ہیں ۔ اس کی تفصیل ایک الگ عنوان سے کی گئی ہے ۔

۳ - بعض قواعد نویسوں نے اسم موصول کو ضمیر موصولہ بتایا ہے اور اس کی بحث اسم ضمیر کے ساتھ کی ہے ۔ (عبدالحق ، قواعد اردو ، صفحہ ۱۱۰) یہ زیادہ مناسب ہے ۔

مفعول ، نہ مبتدا ، نہ خبر۔ اس اسم کے بعد جو جملہ آتا ہے اس کو صلہ کہتے ہیں اور موصول اور صلہ دونوں مل کر جزو جملہ ہوتے ہیں ۔ مثلاً جو اسم موصول ہے ۔ جو دوسروں کے لیے کنواں کھودتے ہیں خود گرتے ہیں ، اس میں جو اسم صلہ اور دوسروں کے لیے کنواں کھودتے ہیں اس کا موصول ہوا ۔ ہمارے خیال میں اسم موصول کو اسم کی بجائے ضمیر کی بحث میں لانا چاہیے ۔ وہیں اس کی مزید تفصیل بیان ہو گی ۔ ویسے بھی یہ بحث نحو کی ہے ۔

اسم ضمیر

وہ کلمات جو اسم کے بجائے استعمال کیے جائیں ضمیر کہلاتے ہیں [۱] ۔ مثلاً وہ آیا ، میں گیا ، تم نے کہا ، اس کی ٹوپی وغیرہ میں وہ ، میں ، تم ، اسم ضمیر ہیں ۔

کلام میں ان کا استعمال اسم کی بار بار تکرار سے بچاتا ہے اور اس طرح تکرار سے جو بدنمائی یا سماعی گرانی پیدا ہوتی ہے ، متکلم اور سامع دونوں اس سے بچ جاتے ہیں ۔

اسم ضمیر شخصی

اسم ضمیر شخصی ایسا اسم ضمیر کہلاتا ہے جو کسی شخص یا اشخاص کے لیے استعمال کیا جائے ، اردو میں اس کی تین صورتیں ہیں ۔

۱ - ضمیر متکلم ، جو کلام کرنے والے کے لیے استعمال ہو ۔ مثلاً میں ، ہم ، میرا ، ہمارا وغیرہ [۱] ۔

---

۱ - جسے انگریزی میں (Pronoun) کہتے ہیں اور اس کے لفظی معنی بھی یہی ہوئے اردوئے قدیم میں ہمنا بھی بجائے ہم نے حالت فاعلی جمع میں آتا تھا ۔ سعدی کا کوروی فرماتے ہیں :

ہمنا تمن کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا

ہم یہ کیا تم وہ کیا اچھی بھلی یہ پیت ہے

سب رس میں ہمنا بھی بجائے ہم کو حالت مفعولی میں استعمال ہوا ہے ۔

دانا ہمنا (بنی ہم کو) رہنما کر جائے گا

۲ - ضمیر مخاطب یا حاضر، جو اس شخص یا اشخاص کے لیے استعمال ہو جس سے کلام کیا جائے، مثلاً تو، تم، تیرا، تمہارا وغیرہ۔

۳ - ضمیر غائب، اس شخص کے لیے جو نہ متکلم ہو، نہ مخاطب بلکہ تیسرا شخص یا اشخاص جن کا ذکر کیا جا رہا ہو۔ مثلاً وہ۔ ان میں سے ہر ضمیر کی حالتیں وہی ہوتی ہیں جو اسم کی ہوتی ہیں، البتہ حالت خبری نہیں ہوتی۔

ضمیر شخصی کی اردو میں حسب ذیل صورتیں ہیں ان میں تذکیر و تانیث کا فرق نہیں ہوتا:

متکلم

	واحد	جمع
فاعلی حالت	میں	ہم
مفعولی حالت	مجھے، مجھ کو	ہمیں، ہم کو
اضافی حالت	میرا	ہمارا
ظرفی حالت	مجھ میں	ہم میں
طوری حالت	مجھ سے	ہم سے

ضمیر مخاطب

	واحد	جمع
حالت فاعلی	تو، تم، آپ	تم، آپ
حالت مفعولی	تجھے، تجھ (کو)	تمہیں، تم (کو)
حالت اضافی	تیرا، تمہارا	تمہارا
حالت ظرفی	تجھ میں	تم میں
حالت طوری	تجھ سے	تم سے

ضمیر غائب

حالت فاعلی	وہ	وہ[1]

---

۱ - اردوئے قدیم میں وے بجائے وہ جمع ضمیر غائب حالت فاعلی میں اور انہوں کا بجائے ان کا استعمال ہوتا تھا۔ مثالیں اس کی اردوئے قدیم کی بحث میں آ چکی ہیں۔ اسی طرح ضمیر مخاطب اور غائب حالت فاعلی میں وو بھی بجائے وہ عام تھا اور تیں بجائے تو۔

حالت مفعولی	اسے اس (کو)	انھیں ، ان (کو)
حالت اضافی	اس (کا)	ان (کا)
حالت ظرفی	اس (میں)	ان (میں)
حالت طوری	اس (سے)	ان (سے)[1]

تو کا اسم کئی طرح استعمال ہوتا ہے ۔ عام گفتگو میں تو کا استعمال تحقیر کے پہلو کے ساتھ ہوتا ہے اور اس لیے عام طور پر بات چیت میں اس کا استعمال کم ہوتا ہے ۔ اس کی جگہ تم کہ صیغہ جمع ہے ، عام استعمال ہوتا ہے ، لیکن تو کا استعمال کبھی بے تکلفی اور محبت کے لیے بھی ہوتا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس کا استعمال عام مجلسی گفتگو میں نہیں ہوتا ، البتہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو کا استعمال ہی عام ہے ۔ شاید انتہائے قرب کی خواہش کے اظہار سے یہ صورت پیدا ہوئی ہے ، اسی طرح اکثر نظم میں بالخصوص قصیدوں میں شعرا بھی قرب و موانست ظاہر کرنے کے لیے تو کا صیغہ ممدوح کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ تم تو کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ تکریمی ہے کہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال کرتے ہیں ، اس سے زیادہ تعظیمی آپ ہے کہ واحد و جمع دونوں کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔

آپ کا استعمال تعظیماً واحد غائب کے لیے بھی ہوتا ہے مثلاً سیرت نبوی میں رسول اکرم کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا جہاں ذکر ہوتا ہے وہاں آپ کا صیغہ استعمال کرتے ہیں اور عام طور پر واحد کے مقابلے میں جمع کو زیادہ تعظیمی یا تکریمی سمجھا جاتا ہے ۔ چنانچہ ضمیر متکلم واحد میں کی جگہ ہم بھی تکریمی ہے کہ بڑے مرتبے والے اپنے لیے استعمال کرتے ہیں ، نظم میں ہم بجائے میں بلا اس تکریم و تعظیم کی تخصیص کے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے

---

۱ - جب وہ کے بعد حروف مغیرہ آئے تو واحد میں اس اور جمع میں ان ہو گا ۔ لیکن نے کے ساتھ جمع میں انھوں نے ہوگا اردوئے قدیم میں ان نے بجائے اس نے بھی عام تھا ۔

اسی طرح میں کی بجائے ہم اکثر متکلم عمومیت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً کوئی شخص کہے کہ ہم تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ مراد اپنے فعل سے ہے لیکن اس میں عمومیت پیدا کرنے کے لیے دوسروں کو بھی شریک کر لیا گیا ہے۔ کبھی انکسار کے لیے کہ میں کے استعمال سے انانیت کی بو آتی ہے۔ اس کے بجائے ہم استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر اخبار نویس مصنفین اور مولفین معاشرے کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے افکار و خیالات کو جماعت کے افکار و خیالات کی طرح پیش کرتے ہیں تو بجائے میں کے ہم ہی استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں بجائے مجھے بھی اس موقع پر استعمال کرتے ہیں کہ انانیت کے اظہار سے پرہیز کرنا ہو۔

بعض قواعد نویسوں[1] نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی واحد اور جمع متکلم میں بجائے میں اور ہم، یار اور یاروں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یار اور یاروں کا یہ استعمال ضمیری استعمال ضرور ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ صرف مجازاً کہتے ہیں کہ اس سے انتہائی بے تکلفی کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن یہ عامیانہ انداز ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ اس کا استعمال صرف مذکر کے لیے اور مذکر کی زبان سے ہو سکتا ہے۔ عورتوں کی زبان سے اس کا ادا ہونا ممکن نہیں۔ چونکہ اردو میں ضمیر میں مذکر اور مؤنث میں فرق نہیں ہوتا اس لیے بھی اسے ضمیر ماننے میں تامل ہوتا ہے۔

آپ کا استعمال

آپ عام طور پر صیغہ واحد جمع حاضر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ استعمال تکریمی یا تعظیمی ہے اور ایسی صورت میں فعل جمع لاتے ہیں چاہے فاعل واحد ہو یا جمع۔ آپ آئے سے مراد آپ ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور متعدد اشخاص یا افراد بھی۔ کبھی تعظیمی بجائے تعظیم یا تکریم کے طنزاً بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً آپ بھی ہمارے مہربان ہیں۔ یعنی کہ دشمن یا بدخواہ ہیں۔ آپ کی بھجا دیکھیے یعنی کیسے کمزور بد صورت ہیں۔ آپ کا بھی جواب نہیں یعنی عجیب و غریب آدمی ہیں انشاءاللہ خان نے اس سلسلے میں۔ دہلی والوں کے بہت سے محاورے نقل کیے ہیں[2] مثلاً:

۱۔ عبدالحق قواعد اردو ص ۱۰۸

۲۔ دریائے لطافت ص ۳۷

قدم آپ کے چوما چاہیے .... آپ بھی بہت بزرگ ہیں ......
.... آپ کی کیا بات ہے............آپ بھی ارسطو سے کچھ کم نہیں
آپ کے بھی صدقے ہو جائیے یعنی بسیار احمق ہستند ۔

آپ سے بہت بہت امید ہے ... خدا آپ کو بہت سا سلامت رکھے ......
یعنی بڑے بد ذات ہو ۔ ......

.... . آپ تخفگی کیا رکھتے ہیں ...... آپ ہیں کون ... یعنی خوب
آدمی ہو ......

علاوہ ان صورتوں کے آپ کا استعمال اور کئی موقعوں پر ہوتا ہے ۔
مثلاً جب کسی جملے میں کوئی اسم یا ضمیر فاعلی حالت میں ہو اور وہی
مفعول بھی ہو تو بجائے ضمیر مفعولی کے آپ کو یا اپنے تئیں یا اپنے آپ
کو بولتے ہیں ۔ اپنے تئیں اب تقریباً متروک ہے مثلاً احمد آپ کو بڑا آدمی
سمجھتا ہے ۔ یا احمد اپنے کو یا اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتا ہے ۔
میں آپ کو اپنے تیئں یا اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں
سمجھتا ۔ یہی صورت اضافی حالت کے ساتھ ہوتی ہے ۔ مثلاً احمد اپنی کتاب
لایا ، تم اپنا کام کرو ، میں اپنی حالت جانتا ہوں ۔ یہ صورت اس وقت ہوتی
ہے جب فاعل ایک ہو ، اگر الگ الگ ہیں تو اپنے کی ضمیر استعمال نہیں
ہوگی بلکہ جس ضمیر کا موقع ہوگا اسی کی اضافی حالت لکھی جائے گی ۔ مثلاً
وہ تو چلے گیے مگر ان کا کام مجھ پر آن پڑا ، تم تو چلے گئے مگر تمھارا کام
مجھ پر آن پڑا ۔

اپنا واحد مذکر کے لیے اپنی واحد اور جمع مؤنث کے لیے اور اپنے جمع
مذکر کے لیے آتا ہے ۔ اگر حروف ربط میں سے کوئی حرف مضاف کے بعد
آتا ہے تو اپنا بدل کر اپنے ہو جاتا ہے ، مثلاً وہ اپنے کام میں ہوشیار ہے ۔
وہ اپنے نام کا ایک ہے ۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں ، وہ اپنے گھر سے نکلا
وغیرہ ۔ یہی بات یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ اگر اس صورت میں ضمیر کا
کوئی مضاف ہو اور مضاف اور مضاف الیہ مل کر فعل کا مفعول ہو تو
مضاف کی وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث اپنا اپنی یا اپنے لاتے ہیں ۔
اگر مضاف کے ساتھ کو علامت مفعول ہو تو اپنا کی جگہ اپنے بولتے ہیں ۔

قواعد نویسوں نے لکھا ہے[۱] کہ ایسے موقعوں پر اپنا اپنی اپنے وغیرہ اصلاً اس کا ، اس کی ، ان کے ، تیرا ، تیرے ، تیری ، تمھارا ، تمھارے ، تمھاری ، میرا ، میرے ، میری ، ہمارا ، ہمارے ، ہماری تھا یہی بدل کر موجودہ صورت رائج ہو گئی -

جس چیز کی طرف ضمیر پھرتی ہے یا اس کا اشارہ و علاقہ ہوتا ہے اسے ضمیر کا مرجع کہتے ہیں - عام گفتگو میں مرجع ، ضمیر سے پہلے آتا ہے لیکن نظم میں کبھی کبھی ضمیر کو مرجع سے پہلے بھی لے آتے ہیں مثلاً ناسخ کا شعر ہے :

کون سی طرز سخن ہے جو اسے آتی نہیں
کیوں نہ ہو شاگرد ہے ناسخ ہر اک استاد کا

یہاں اس کا مرجع ناسخ ہے جو بعد میں دوسرے مصرعے میں آیا ہے - ایسی ضمیر کو ضمیر قبل الذکر کہتے ہیں - ضمیر شخصی کی جو مثالیں اوپر بیان کی گئی ہیں وہ سب پراکرت سے ماخوذ ہیں اور ان کا سلسلہ سنسکرت تک پہنچتا ہے - اردو میں فارسی کا لفظ خود بھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں آپ یا اپنا استعمال کرتے ہیں مثلاً میں خود یہاں آیا ، وہ خود اس کام کو کر سکتا ہے تم خود کیوں نہیں آتے - بعض اوقات خود کے استعمال میں احتیاط نہ کرنے سے ابہام پیدا ہو جاتا ہے - مثلاً میں نے خود اسے دیا کے دو معنی پیدا ہو سکتے ہیں -

۱ - خود میں نے اسے دیا یعنی کسی اور نے نہیں دلوایا ، میں نے آپ سے دیا -

۲ - میں نے خود اسے دیا ، میں نے اسی کو دیا ، کسی اور کے ذریعے سے نہیں بلکہ براہ راست -

اس لیے احتیاط کا تقاضا ہے کہ خود کا استعمال اس اسم یا ضمیر سے پہلے کرنا چاہیے جس سے اس کا تعلق ہو -

---

۱ - فتح محمد جالندھری مصباح القواعد ص ۱۲۳ و مولوی عبدالحق قواعد اردو ص ۱۰۹ -

ضمیر موصولہ

ضمیر کی ایک قسم ضمیر موصولہ ہے - یہ بھی ضمیر شخصی کی طرح کسی اسم کے بجائے آتی ہے ، مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اس اسم کا بیان یا توضیح ہوتی ہے - مثلاً وہ کتاب جو کل میں نے خریدی تھی میرے پاس ہے - اس جملے میں جو ضمیر ہے ، اردو میں صرف یہی ایک ضمیر موصولہ ہے - اس کی مختلف حالتیں یہ ہیں :

	واحد	جمع
حالت فاعلی	جو ، جس نے (جن نے)	جو ، جنھوں نے (جنھوں)
حالت مفعولی	جس کو یا جسے	جن کو یا جنھیں
حالت اضافی	جس (کا ، کی)	جن (کا ، کی)
حالت ظرفی	جس میں	جن میں
حالت طوری	جس سے	جن سے

جن کو ، جنھیں ، جنھوں نے وغیرہ کہ صیغے جمع کے ہیں ، اکثر تعظیم و تکریم کے لیے بھی آتے ہیں اور ایسی صورت میں واحد کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں ، اکثر جو اور جس کے بعد کوئی اور لفظ تعظیمی بڑھا کر بھی یہ مطلب حاصل ہوتا ہے - مثلاً جو صاحب ابھی یہاں سے گئے وہ کل پھر آئیں گے ، جن صاحب کو ضرورت ہو وہ مجھ سے کتاب لے لیں وغیرہ - ضمیر موصولہ جس اسم کے لیے آتی ہے اسے مرجع کہتے ہیں - کبھی جو کے جواب میں جو دوسرا فقرہ آتا ہے اس میں وہ آتا ہے اور کبھی سو مثلاً :

جو کرے گا وہ بھرے گا
جو دے گا سو لے گا

ان صورتوں کے علاوہ ضمیر موصول کی کچھ اور صورتیں بھی ہیں - مثلاً جو جو (تکرار) ، جو کہ ، وہ جو ، وہ کہ ، جو کوئی ، جون سا ، جون سی ، جو کچھ ، جو کچھ بھی ، جہاں ، جہاں ، جب ، جب

جب ، جس وقت ، جس دم وغیرہ[1] -

ضمیر استفہام یا اسم استفہام

اسم یا ضمیر استفہام وہ کلمات ہیں جو پوچھنے ، سوال کرنے یا استفہام کے لیے بولے جاتے ہیں - کیا ، کون ، کون کون ، کس کتنا ، کتنی ، کے ، کون سا ، کون سے ، کون سی ، کیسا ، کیسے ، کیسی ، کس کس ، کیوں ، کیوں کر ، کب ، کب کب ، کہاں ، کہاں کہاں ، کدھر اس قسم کے کلمات ہیں - اصلاً ان میں صوت ک استفہامی ہے - باقی اجزائے کلمہ خاص سوالوں کے لیے ہیں - مثلاً :

ک + ب استفہام وقت کے لیے ہے - مثلاً

ک + ب = کب یعنی کس وقت
ا + ب = اب یعنی اس وقت
ج + ب = جب یعنی اس وقت
ت + ب = تب یعنی اس کے بعد (کے وقت)

اس تجزیے سے ب کی صوت وقت کے معنوں کا تعین اور تحدید کرتی ہے - اسی طرح ہاں سمت کا تعین اور تحدید کرنے کے لیے آتا ہے - مثلاً

ک + ہاں = کہاں یعنی کس طرف یا کس سمت میں
ی + ہاں = یہاں یعنی اس طرف ، سمت قریب
و + ہاں = وہاں یعنی اس طرف سمت بعید
ج + ہاں = جہاں یعنی جس جگہ (سمت معین)

اسی طرح دھر بھی ہاں کی طرح سمت اور مقام کے تعین اور تحدید کا جزو کلمہ ہے -

---

۱ - بعض قواعد نویسوں نے صلہ موصول کی بحث اسم کے ساتھ کی ہے اور اسے اسم موصول لکھا ہے (فتح محمد جالندھری مصباح القواعد) اور بعض نے ضمیر موصول (مولوی عبدالحق قواعد اردو) ہمارے خیال میں یہ بحث ضمیر کے تحت زیادہ مناسب ہے کہ بہر حال یہ ضمیر کی طرح ایک حد تک اسم کا قائم مقام ہوتا ہے -

ک + دھر = کس طرف یا کس سمت میں
اِ + دھر = یعنی اس طرف یا اس سمت میں
اُ + دھر = اس طرف یا اس سمت میں
ج + دھر = یعنی اس طرف یا سمت متعین میں

اسی طرح یسا حالت کے لیے

ک + یسا = کیسا کس حالت میں
ا + یسا = ایسا اس حالت میں
و + یسا = ویسا اس حالت میں
ج + یسا = جیسا جس حالت میں

اسی طرح مقدار کے لیے تنا

ک + تنا = کتنا یعنی کس قدر
اِ + تنا = اتنا یعنی اس قدر
اُ + تنا = اتنا یعنی اس قدر
ج + تنا = جتنا یعنی جس قدر

کون انسان کے لیے آتا ہے کیا حیوان کے لیے اور بے جان اشیا کے لیے ۔ کبھی کبھی کیا بھی انسان کے لیے آتا ہے لیکن حالت یا ہیئت ظاہر کرنے کے لیے یعنی کیسا کے معنوں میں ۔ مثلاً :

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

کون سا عام ہے کہ انسانوں ، حیوانوں اور بے جان اشیا سب کے لیے آتا ہے ۔

استفہام کبھی تجاہل عارفانہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ یعنی جان کر انجان بن کر پوچھتے ہیں ۔ اس انداز گفتگو میں ایک شاعرانہ لطف پیدا ہو جاتا ہے ۔ مثلاً :

حیران آئینہ وار ہیں ہم
کس سے یا رب دوچار ہیں ہم

اس بحث میں کیا ، کیوں ، کیوں کر، کیسے، کس طرح ، کس واسطے، کس لیے ، کاہے کو ، آیا وغیرہ - دراصل حروف ہیں کہ استفہام کے لیے بولے جاتے ہیں - ان کے علاوہ این بھی مقام تعجب میں استفہام کے لیے استعمال ہوتا ہے - کبھی تحقیر کے لیے خاک بھی استفہام کے لیے استعمال کرتے ہیں -

ضمیر استفہامیہ کی مختلف حالتیں حسب ذیل ہیں :

	واحد	جمع
فاعلی	کون	کون
	کس نے	کس نے
مفعولی	کس کو (کن کو)	کن کو
	کیسے	کنھیں
اضافی	کس کا (کی)	کن کا (کی)
ظرفی	کس میں (کن میں)	کس میں
طوری	کس سے (کن سے)	کن سے

کون اور کون سا[1] میں فرق یہ ہے کہ کون صرف استفہام کے موقع پر بولتے ہیں ، مثلاً کون آیا ، یہ کتاب کون لے گیا ، لیکن کون سا میں علاوہ استفہام کے ایک مفہوم انتخاب کا بھی شامل ہوتا ہے - مثلاً کون سی کتاب چاہیے (یعنی اتنی کتابوں میں سے کون سی خاص کتاب درکار ہے) کون سا کام کروں (یعنی اتنے کاموں میں سے کس کام کا انتخاب کرنا ہے) -

---

۱ - کون سا کی جگہ مؤنث کونسی ہے ، لیکن بعض علاقوں میں کوتھی بھی بولتے ہیں ، لیکن اسے مقامی محاورہ سمجھنا چاہیے - بعض لکھنوی کوتھی بولتے ہیں اور بقول فتح محمد جالندھری (مصباح القواعد ، صفحہ ۱۳۷) بیگمات رامپور بھی عموماً کوتھی بولتی ہیں -

ضمیر استفہام مقدار کے لیے کتنا ، کتنے ، کتنی ، کتنا واحد مذکر ، کتنے جمع مذکر اور کتنی واحد و جمع مؤنث کے لیے ، عام طور پر استفہام عدد اور مقدار دونوں کے لیے یہ الفاظ لاتے ہیں کتنے کے ساتھ کا اور کی لگا کر استفہام قیمت کے لیے بولتے ہیں ۔ یہ قلم کتنے کا ہے ، یہ کتاب کتنے کی ہے ، اس موقع پر 'کے' بھی استعمال کرتے ہیں ، لیکن اس کے ساتھ سکہ کا نام بھی لانا ہوتا ہے ، یہ قلم کے روپے کا ہے ۔ یہ کتاب کے روپے کی ہے ۔[1]

ضمیر اشارہ

وہ کلمات جو بطور اشارہ استعمال ہوں ضمیر اشارہ کہلاتے ہیں ۔ وہ اشارہ بعید کا اور یہ اشارہ قریب کا ہے ۔ اسی سے وہاں اور یہاں بعید اور قریب کے لیے بولتے ہیں ۔ ضمیر شخصی غائب اور ضمیر اشارہ بظاہر ایک ہی ہیں ، لیکن جب ضمیر شخصی کو بطور اشارہ استعمال کریں تو بعض قواعد نویسوں نے ان کو ضمیر اشارہ بتایا ہے ۔ ہمارے خیال میں یہ محض تکلف ہے ۔

حرف ربط کے آنے سے وہ کی جگہ اُس اور یہ کی جگہ اِس ہو جاتا ہے ۔ جمع میں اُن اور اِن آتا ہے ۔

ضمیر تنکیر

وہ کلمات جو غیر معین اشخاص یا اشیا کے لیے استعمال ہوتے ہیں ، اردو میں یہ دو کلمے ہیں : کوئی اشخاص و افراد کے لیے اور کچھ اشیا کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ کوئی آیا تھا ، کچھ مال مل گیا ہے ۔ حرف ربط آئے تو کوئی کی جگہ کسی بولتے ہیں ۔ عام طور پر کلمات کی تکرار سے معنی میں شدت کا اضافہ ہوتا ہے ، لیکن ضمیر تنکیر کوئی اور کچھ کی تکرار سے معنی میں قلت کا تصور شامل ہو جاتا ہے ۔ ان میں کوئی کوئی آدمی پڑھا لکھا تھا ، کچھ کچھ مال دستیاب ہوگیا ہے ۔ کلمہ نفی نہ

---

۱ ۔ بعض قواعد نویسوں نے کتنا کو اتنا اتنا جتنا کے ساتھ صفات مقداری میں شامل کیا ہے ۔ ظاہر ہے یہ استفہام ہے ، ہمارے خیال میں کتنا اور کیسا دونوں کو ضمیر قرار دینا چاہیے ۔

کے ساتھ بھی مکرر آتا ہے اور ایسی صورت میں تاکید کے معنی پیدا کرتا ہے -

ع— ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

یعنی کچھ ضرور ہوگا ، کوئی نہ کوئی آئے گا (یعنی کوئی ضرور آئے گا) -

عربی کے کلمات بعض اور بعضے بھی اردو میں ضمیر تنکیر کے لیے استعمال ہوتے ہیں - بعض لوگوں کا خیال ہے ، بعض نے اتفاق کیا ، بعضے لوگ اس کو پسند کرتے - ان معنوں میں بھی تخصیص اور انتخاب کے معنی شامل ہوتے ہیں ، ان کو بہ تکرار بعض بعض اور بعضے بعضے بھی بولتے ہیں - فلاں فلاں بھی ضمیر تنکیر ہے ، علاوہ مفرد صورت میں استعمال ہونے کے ضمائر تنکیری دوسرے ضمائر کے ساتھ مل کر مرکب صورت میں بھی استعمال ہوتے ہیں - مثلاً جو کوئی ، جس کسی ، ہر کوئی -

صفات ضمیری

یہ وہ کلمات ہیں جو بغیر اسم کے استعمال ہوتے ہیں - اگرچہ یہی کلمات اسم کے ساتھ ہوں تو بجائے ضمیر کے صفت ہوتے ہیں ، ان کی دو قسمیں ہیں - صفات مقداری اور صفات ذاتی -

صفات مقداری		صفات ذاتی	
مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
اِتنا	اتنی	ایسا	ایسی
اُتنا	اتنی	ویسا	ویسی
جتنا	جتنی	جیسا	جیسی

ان کے علاوہ اردو میں بطور صفات ضمیری استعمال ہونے والے کلمات حسب ذیل ہیں :

ایک ، ایک ایک ، ایک دوسرا ، ایک دوسرے ، دوسرے دوسرے ، دوسری ، دوسری دوسری ، دونوں اور بہت ، بعض ، بعضے - نیز سب ، ہر ، فلاں ، فلاں فلاں ، فلانی ، کئی ، کئے ، چند ، کل

ایک صفت عددی ہے - ضمیر کی پہچان یہ ہے کہ اس کے جواب میں

یا اس کے ساتھ دوسرا آتا ہے ۔ مثلاً ایک یہ کہتا ہے ، دوسرا یہ کہتا ہے ، ایک یہ کرتا ہے ، دوسرا وہ کرتا ہے ، کبھی ایسی صورت میں دونوں جگہ ایک ہی استعمال کرتے ہیں ۔ ایک نے کچھ کہا ، ایک نے کچھ ، کبھی ایک دوسرے مل کر بھی آتے ہیں ، ایک دوسرے کی مدد کرو ۔

اسم صفت

اسم صفت ایسا اسم ہے ، جس سے کسی شخص یا شے کی خصوصیت ، حالت ، کیفیت یا کمیت ظاہر کی جائے ۔ اچھائی ، برائی ، خوبی ، عیب ، حالت ، نوعیت ، عدد وغیرہ سب اسم صفت ہیں[1] ۔ قواعد نویسوں نے اس کی چار قسمیں بتائی ہیں ۔ صفت مشبہ ، صفت نسبتی ، اسم عدد اور صفت عددی[2] ۔

تفصیل ان کی حسب ذیل ہے ۔

صفت مشبہ

صفت مشبہ اس اسم کو کہتے ہیں جس میں کوئی وصف ذاتی ۔ کسی شخص یا شے کا ایسا ظاہر ہو جو اس ذات سے دائمی طور پر واقع ہو ۔ اسم فاعل اور صفت مشبہ میں یہی فرق ہے کہ اسم فاعل میں یہ صفت یا وصف عارضی ہوتا ہے اور صفت مشبہ میں دائمی ۔ مثلاً عالم ایک وصف یا صفت ہے جو شخص علم حاصل کرے اسے عالم کہیں گے ۔ یہ وصف اس میں وصفی اور دائمی نہیں کہ علم حاصل کرنے سے پہلے اس میں

---

۱ - اسم صفت عددی کے باب میں بعض قواعد نویسوں کا قول ہے کہ صفت عددی حقیقت میں ایک اسم عددی ہے اور اسم صفت نہیں ، لیکن بعض اور قواعد نویسوں کا خیال ہے کہ جس طرح ہر صفت کا کوئی موصوف ہوتا ہے ، اسی طرح ہر عدد کا بھی کوئی معدود ہوتا ہے ۔ اسی لیے اس کو صفت شمار کرنا چاہیے ، ہماری رائے میں یہی خیال درست ہے ۔

۲ - بعض حضرات اسم تفضیل اور اسم مبالغہ کو بھی اسم صفت میں شمار کرتے ہیں ۔ ہم ان کی بحث الگ کریں گے ۔

نہ تھا ، لیکن علیم ایسا عالم یا جاننے والا ہے کہ یہ وصف اس میں دائمی ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے ، عربی میں اس طرح کے الفاظ بکثرت ہیں ۔ مثلاً سامع (سننے والا) اسم فاعل اور سمیع (سننے والا) صفت مشبہ ہے ، قادر (قدرت رکھنے والا) اور قدیر وغیرہ اسی قسم کی مثالیں ہیں ۔ چونکہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق صفات ذاتی بطور دوام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں پائی جاتی ہیں ، اس لیے صفات مشبہ صرف اسمائے الٰہی کے طور پر استعمال ہوتی ہیں ۔ مثلاً سمیع ، قدیر ، بصیر ، علیم ، نصیر وغیرہ ، لیکن یہ وزن ان صفات سے متعلق ہے جو عربی ہیں اور عربی صفت مشبہ کے وزن پر آتی ہیں ۔ اردو میں پرا کرتی الاصل صفات پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا ، اس لیے ایک حد تک یہ کہنا درست ہوگا کہ اصلاً صفت مشبہ کا کوئی خاص وزن اردو میں نہیں ہے ۔

ایک اور نکتہ اس سلسلے میں قابل غور یہ بھی ہے کہ اگرچہ صفت مشبہ اسمائے الٰہی کے طور پر استعمال کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ صفات جس موصوف کے لیے استعمال ہوتی ہیں ۔ وہ قدیم ہے ، لیکن بعض اوقات بعض صفات اس وزن میں ایسی بھی ہیں ، جن کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً جمیل اس کا تعلق ذات سے دائمی تو ہے ، لیکن ذات قدیم نہیں ۔ اس اعتبار سے اسم فاعل اور صفت مشبہ میں ایک اور فرق ظاہر ہوتا ہے ، یعنی اسم فاعل میں فعل ایک اختیاری امر ہوتا ہے ، صفت مشبہ کی صورت میں لازم ۔ مثلاً راقم لکھنے والا اسی وقت راقم کہلائے گا ، جب وہ لکھے ، لیکن سخی اور بخیل کو ہر وقت سخی اور بخیل کہیں گے چاہے کسی خاص وقت پر وہ سخاوت یا بخل کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو ۔

اردو میں مشتق صفات مشبہ کی مثالیں کم ہیں کہ فعل سے صفت مشبہ مشتق ہو ۔ مثلاً اڑنا سے اڑیل ، لڑنا سے لڑاکا ، ہنسنا سے ہنسوڑ جس طرح اردو میں صفت مشبہ کا کوئی وزن مخصوص نہیں ، اسی طرح اس کی کوئی خاص علامت نہیں خاص خاص صورتیں حسب ذیل ہیں :

۱ ۔ صفت مشبہ میں مذکر کی علامت الف اور مؤنث کی علامت یائے معروف ہوتی ہے ۔ مثلاً بھلا ، بھلی ، برا ، بری ، میٹھا ،

میٹھی ، کڑوا ، کڑوی علامت تذکیر و تانیث کا دار و مدار در اصل موصوف کی تذکیر و تانیث پر ہوتا ہے ، اس لیے اس تذکیر و تانیث کو صرف قواعدی تذکیر و تانیث سمجھنا چاہیے ۔

۲ ۔ بعض الفاظ جن کے آخر میں علامت الف ہو ، مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے بولے جاتے ہیں ۔ مثلاً دکھیا ، لڑاکا جس اسم صفت کے آخر میں الف یا ہائے مختفی صیغہ مذکر میں ہو اس کی تانیث یائے معروف سے ہوتی ہے ۔ مثلاً اچھا ، اچھی ، دیوانہ ، دیوانی ، بندہ ، بندی اور جس اسم کے آخر میں یائے معروف مذکر میں ہو تو اسے نون سے بدل کر تانیث بناتے ہیں ۔ مثلاً سڑی سے سڑن اور جن اسمائے صفت میں ان میں سے کوئی علامت نہ ہو وہ مذکر مؤنث دونوں حالتوں میں ایک رہتے ہیں ۔ مثلاً لال ، سرخ ، سبز ، نیک ، بد ، پھوہڑ ، سگھڑ ، وغیرہ ۔

۳ ۔ بعض اوقات اسم کے آخر میں الف کے اضافہ سے صفت مشبہ بنا لیتے ہیں ۔ جھوٹ سے جھوٹا ، سچ سے سچا آخرالذکر صورت میں الف اضافہ کرنے سے پہلے اسم کے حرف آخر کو مشدد بھی کرتے ہیں ۔

۴ ۔ کبھی اسم یا حاصل مصدر پر حرف نفی لگا کر صفت مشبہ بناتے ہیں ۔ مثلاً بے ڈر ، نڈر ، بے وارثا ، بے غم ، بے دم ۔

۵ ۔ کبھی مصدر سے علامت مصدر دور کر کے پہلے حرف نفی لگا کر بھی صفت مشبہ بناتے ہیں ۔ مثلاً ٹلنا سے اٹل ، چلنا سے اچل ۔[۱]

٦ ۔ کبھی عربی الفاظ کے پہلے حرف نفی اور آخر میں الف لگا کر صفت

---

۱ ۔ مرزا رفیع سودا نے اپنے قصیدہ تضحیک روزگار میں اچل استعمال کیا ہے ۔

مشبہ بناتے ہیں ۔ مثلاً بے فکرا ، نا شکرا ، بے صبرا ۔(۱)

۷ ۔ مذکورہ بالا صورت کبھی پرا کرتی الاصل الفاظ سے صفت مشبہ بنانے میں بھی استعمال ہوتی ہے ۔ مثلاً بے ڈھنگا (بے ڈھنگ ا) ، بے رنگا (بے رنگ ا) ، بے سرا (بے سر ا) ۔

۸ ۔ دو اسموں کی ترکیب سے بھی صفت مشبہ بنایا جاتا ہے ۔ مثلاً منہ زور ، شہ زور ۔

۹ ۔ کبھی اسم جامد اور فعل یا اسم مشتق کی ترکیب سے بناتے ہیں ۔ مثلاً منہ پھٹ ، ناک کٹا (نکٹا) ، کان کٹا ، دل جلا ، من چلا ۔

۱۰ ۔ کبھی صفت اور اسم کی ترکیب اور تصرف سے بھی صفت مشبہ بناتے ہیں ۔ اور آخر میں الف لگاتے ہیں ۔ مثلاً لمٰ ٹنگا (لم یعنی لمبی ٹانگ والا) ۔

۱۱ ۔ کبھی اسم اور فعل امر فارسی کی ترکیب سے بھی بناتے ہیں ۔ مثلاً سمجھ دار ، لوچ دار ، رنگ دار ۔

۱۲ ۔ کبھی مصدر کے الف کو یائے معروف سے بدل کر صفت مشبہ بناتے ہیں ۔ مثلاً ڈرانا سے ڈرانی ۔

۱۳ ۔ کبھی مذکورہ بالا صورت میں نی سے پہلے واؤ کا اضافہ کرتے ہیں ۔ ڈراؤنی بھی بولتے ہیں اور یہ درست ہے ۔

۱۴ ۔ کبھی اسم مفعول بھی صفت مشبہ کے معنی دیتا ہے ۔ مثلاً پڑھا ہوا ۔

۱۵ ۔ کبھی دو اسم مفعول ملا کر اور علامت اسم مفعول حذف کر کے بھی صفت مشبہ بناتے ہیں ۔ مثلاً پڑھا لکھا بجائے پڑھا (ہوا) ، لکھا (ہوا) ۔

---

۱ ۔ بعض قواعد نویسوں نے لکھا ہے کہ کبھی یہ الف لگائے بغیر بھی صفت مشبہ بنتا ہے (مصباح القواعد ، صفحہ ۱۴) ۔ مثلاً بے فکر اور ناشکر ، بے فکر کی مثال درست ہے ۔ ناشکر محل نظر ہے ۔

صفتِ نسبتی

صفت نسبتی بھی ایک طرح کا اسم ہے ، یہ اسم کسی شخص یا چیز کے کسی اسم سے تعلق کی بناء پر بولتے ہیں - مثلاً پاکستانی مسلمان ، یعنی وہ مسلمان جو پاکستان کا رہنے والا ہے - اس کے بنانے کے مختلف قاعدے ہیں -

۱ - جن اسمائے معرفہ کے آخر میں ہائے ہوز ماقبل مفتوح ہو ان میں ہائے ہوز کو حذف کر کے یائے معروف لگا دیتے ہیں - مثلاً بنگالہ سے بنگالی ، مکہ سے مکی -

۲ - بعض اسمائے معرفہ میں ہائے ہوز ماقبل مفتوح کو واؤ سے بدل دیتے ہیں - مثلاً آرہ سے آروی ، بٹالہ سے بٹالوی وغیرہ -

۳ - اگر اسمائے معرفہ میں آخری حرف ہائے ہوز ہو اور تیسرا یائے معروف تو یہ دونوں حرف گرا کر صرف یائے معروف لگا دیتے ہیں - مثلاً مدینہ سے مدنی -

۴ - اسمائے نکرہ میں ہائے مختفی کو ہمزہ سے بدل دیتے ہیں - مثلاً سرمہ سے سرمئی ، پستہ سے پستئی ، بنفشہ سے بنفشئی -

۵ - جن اسمائے معرفہ کے آخر میں یائے معروف ہو تو اسے حذف کر کے وی لگاتے ہیں - مثلاً علی سے علوی ، نبی سے نبوی ، غزنی سے غزنوی ، دہلی سے دہلوی -

۶ - بعض اوقات یائے معروف نہ بھی ہو تو بھی وی کا اضافہ کرتے ہیں - مثلاً دسوی -

۷ - اگر آخر میں الف ہو تو یائے نسبتی سے پہلے ہمزہ مکسور بڑھاتے ہیں - مثلاً طلا سے طلائی ، سودا سے سودائی -

۸ - بعض اوقات اسم کے آخر الف کو وی سے بدلتے ہیں - مثلاً مولا سے مولوی ، دنیا سے دنیوی -

۹ - اگر آخر میں ایسا الف ہو جو ے کی طرح لکھا جاتا ہو تو صفت نسبتی دو طرح سے بناتے ہیں - مثلاً مصطفیٰ سے مصطفائی

اور مصطفوی عربی قاعدے کے مطابق تو مصطفیٰ سے صرف مصطفی آنا چاہیے ۔ مصطفائی اور مصطفوی اہل فارسی اور اہل اردو کا تصرف ہے ۔

۱۰ ۔ جن اسما کے آخر میں الف نون ہو تو اسے حذف کر کے یائے معروف نسبتی لگا دیتے ہیں ۔ مثلاً بدخشاں سے بدخشی ۔

۱۱ ۔ بعض اسما میں حرف آخر کو مشدد کر کے ان اور یائے نسبتی کا اضافہ کرتے ہیں ۔ مثلاً رب سے ربانی ، حق سے حقانی ۔

۱۲ ۔ بعض اوقات بغیر حرف آخر کو مشدد کیے ان اور یائے نسبتی کا اضافہ کرتے ہیں ۔ مثلاً روح سے روحانی ، جسم سے جسمانی ، برہان سے برہانی ۔

۱۳ ۔ جن اسما کے آخر میں ستان ہوتا ہے اسے حذف کر کے یائے نسبتی لگاتے ہیں ۔ مثلاً افغانستان سے افغانی ۔

۱۴ ۔ بعض الفاظ میں مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی کی پابندی نہیں ہوتی بلکہ خلاف قیاس تصرف ہوتا ہے ۔ مثلاً طے سے طائی ، مرو سے مروزی ۔

اوپر جن اسما سے بحث ہوئی ان میں سے اکثر عربی و فارسی ہیں اور ان میں ان قواعد کا اتباع کیا جاتا ہے جو عربی و فارسی میں مروج ہیں ان ہی کے قیاس پر ان الفاظ میں بھی تغیر و تبدل کرتے ہیں جو اصلاً نسلاً عربی فارسی نہ ہوں ۔ علاوہ ان کے بعض پرکرتی علامتیں بھی اردو میں اسم کے آخر میں لگا کر صفت نسبتی بناتے ہیں ، ان میں سے خاص خاص حسب ذیل ہیں :

۱ ۔ سونا سے سنہرا ، روپا سے روپہلا یعنی الف حذف کر کے ہرا یا ہلا لگاتے ہیں ۔

۲ ۔ اسم میں تخفیف کر کے یرا لگاتے ہیں ۔ چچا سے چچیرا ، ماموں سے ممیرا ۔

۳ ۔ واں کا اضافہ کر کے ۔ مثلاً گیہوں سے گیہواں ۔

۴ - آر کا اضافہ اسم میں تخفیف اور تصرف گاؤں سے گنوار ، چام سے چمار -

۵ - ی لا لگا کر - مثلاً رنگ سے رنگیلا -

۶ - لا لگا کر - مثلاً منجھ سے منجھلا -

۷ - والا - مثلاً کلکتے والا ، بمبئی والا ، بندوق والا -(۱)

اسم عدد

اسم عدد ایسا اسم ہوتا ہے جو انسانوں یا چیزوں کی تعداد یا مقدار(۲) کو ظاہر کرتا ہے - ایک مرد ، دو عورتیں ، تین بیل ، چار گھوڑے ، ساڑھے تین روپے ، سات من چاول ، چھ گز کپڑا ، چند عورتیں ، بعض مرد ، تھوڑے چاول -

جس اسم کی تعداد بیان ہو اسے معدود کہتے ہیں - اوپر کی مثالوں میں مرد ، عورتیں ، بیل ، گھوڑے ، روپے ، چاول اور کپڑا معدود ہیں - اسم عدد دو طرح استعمال ہوتے ہیں -

۱ - تعداد معین کے لیے مذکورہ بالا مثالوں میں ایک مرد ، دو عورتیں ، تین بیل وغیرہ میں تعداد معین اور ٹھیک ٹھیک مراد ہے - یعنی ایک دو اور تین سے تعداد معین معلوم ہوتی ہے -

---

۱ - مولوی عبدالحق صاحب (قواعد اردو ، صفحہ ۹۶) نے سا کے ساتھ چاند سا کو بھی صفت نسبتی میں شمار کیا ہے - ہمارے خیال میں سا ایک مستقل حرف تشبیہ الگ ہے اور کسی بھی اسم کے ساتھ وجہ شبہ کی بناء پر استعمال ہو سکتا ہے -

۲ - بعض قواعد نویسوں نے اسم مقدار کو الگ بیان کیا ہے اور اسے صفت مقداری کا نام دیا ہے ، لیکن اعداد جس طرح گنتی کے بطور صفت استعمال ہوتے ہیں - اسی طرح وہ مقدار یعنی وزن اور ناپ کے لیے آتے ہیں ، اس لیے ان کو الگ کرنا چند ان ضروری نہیں -

۲ - تعداد غیر معین کے لیے - مثلاً چند عورتیں ، بعض مرد کہ ان مثالوں میں تعداد صحیح اور ٹھیک معلوم نہیں ہوتی -

تعداد میں ایک سے لے کر کروڑ ، ارب ، کھرب تک کی گنتی اردو میں استعمال ہوتی ہے ، تفصیل اس کی حسب ذیل ہے :

ایک	چوبیس	سینتالیس	ستر
دو	پچّیس	اڑتالیس	اکہتّر
تین	چھبّیس	انچاس	بہتّر
چار	ستّائیس	پچاس	تہتّر
پانچ	اٹّھائیس	اکیّاون	چوہتر
چھ	انتیس	باون	پچھتر
سات	تیس	ترپن	چھیتّر
آٹھ	اکتّیس	چوّن	ستتر
نو	بتّیس	پچپن	اٹھہتّر
دس	تینتیس	چھپّن	اناسی
گیارہ	چونتیس	ستّاون	اسّی
بارہ	پینتیس	اٹھّاون	اکیّاسی
تیرہ	چھتّیس	آنسٹھ	بیاسی
چودھا	سینتیس	ساٹھ	تراسی
پندرہ	اڑتیس	اِکسٹھ	چوراسی
سولہہ	انتالیس	باسٹھ	پچّاسی
سترہ	چالیس	تریسٹھ	چھیاسی
اٹھارہ	اکتالیس	چونسٹھ	ستاسی
انیس	بیالیس	پینسٹھ	اٹھاسی
بیس	تتالیس	چھیاسٹھ	نواسی
اکیس	چوالیس	سڑسٹھ	نوّے
بائیس	پینتالیس	اڑسٹھ	اِکیّانوے
تیئیس	چھیالیس	آنہتر	بانوے

ترانوے	سو	آٹھ سو	لاکھ
چورانوے	دو سو	نو سو	|
پچّانوے	تین سو	ہزار	کروڑ
چھیانوے	چار سو	دو ہزار	|
ستّانوے	پانچ سو		ارب
اٹھّانوے	چھ سو		|
ننّیانوے	سات سو		↓
			کھرب
			↓
			پدم

ان عددوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض تو کسی ایک انداز (Pattern) کے پابند ہیں اور بعض خلاف قیاس ہیں - یہ دراصل ہند آریائی زبانوں میں عدد کے ارتقا کی مختلف صورتوں کو ظاہر کرتے ہیں ، چنانچہ انشااللہ خاں نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ دہلی میں اردو بولنے والے پنجابی منجملہ اور الفاظ کے اپنی گنتی سے بھی پہچانے جاتے ہیں - آج تک یہ حضرات بیالیس کو بیتالیس ، انسٹھ کو اناٹھ ، نناوے کو انانوے بولتے ہیں - اردو میں یہ درست عدد نہیں ہیں ، لیکن ان سے پنجابی اور اردو میں ہند آریائی کی ارتقائی منزلوں کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے -

ایک کے سوا یہ تمام اسمائے عدد معین عموماً جمع بولے جاتے ہیں - کلام میں اس کے ساتھ ترکیب پانے میں ہمیشہ اسم عدد مقدم اور معدود مؤخر ہوتا ہے - یہ صورت صفت کی ہے ، اسی لیے بعض حضرات نے اسم عدد کو بھی صفت شمار کیا ہے ، لیکن اسم عدد اور صفت عددی میں ایک فرق ہے جسے آگے بیان کیا گیا ہے - نظم میں کبھی ضرورت شعری سے تصوف کر کے اس کے برعکس بھی استعمال کر لیتے ہیں - میر حسن کا مشہور شعر ہے

برس پندرہ کا یا کہ سولہہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

اگر شمار میں سب کی سب چیزیں مراد ہوں تو عدد میں دو کے بعد نون اور واؤ مجہول کا اور اکائیوں میں تین سے لے کر تمام اعداد کے آخر میں واؤ مجہول اور نون غنہ زیادہ کرتے ہیں ، تینوں ، چاروں ، پانچوں وغیرہ ۔

محاورے میں بعض اوقات اسم عدد کو مکرر بھی لاتے ہیں ۔ مثلاً کئی قسم کی چیزیں ہوں اور ان کی قیمت دریافت کرنا ہو تو جواب ملتا ہے ۔ ایک ایک روپئے ، چار چار آنے ۔ اس صورت میں ایک کا عدد تکرار کی وجہ سے جمع بولا جائے گا ۔ بجائے ایک ایک آنہ کے ایک ایک آنے بولنا درست ہو گا ۔ اگر تکرار میں دو عدد شامل ہوں ، جن میں ایک زیادہ اور ایک کم ہو تو تکرار کرتے وقت تکرار صرف کم عدد کی ہو گی ۔ مثلاً ایک سو بیس بیس ، لیکن اگر سیکڑوں ، ہزاروں یا لاکھوں کی تعداد اس طرح بیان کرنا ہو کہ وہ ایک ہے یا دو یا تین وغیرہ تو ایک سو ، دو دو سو ، دو دو ہزار ، تین تین لاکھ وغیرہ کہتے ہیں ۔

اسم عدد میں بعض موقعوں پر حروف حذف بھی ہوتے ہیں ۔ مثلاً پانچ کے ساتھ چھ اور سات اور سو کے لفظ آئیں تو چ کو حذف کر دیتے ہیں ۔ پان چھ ، پانسو ، پان سات بولتے ہیں ، اسی طرح نظم میں کبھی ایک کو اک یا یک بھی استعمال کرتے ہیں ۔ اسم عدد معین کبھی صرف تعداد کی کثرت کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور ان موقعوں پر مراد اصل تعداد جو اسم سے ظاہر ہو نہیں ہوتی ۔ مثلاً ہزار اس کے غلام تھے اور لاکھ اس کے دعوے دار پیدا ہوئے ۔

۲۔ تعداد غیر معین

تعداد غیر معین میں اسم عدد کسی خاص معین اور قطعی تعداد کو ظاہر نہیں کرتا ، بلکہ مجموعی طور پر کم یا زیادہ ، جزو یا کل اندازہ بتاتا ہے ۔ مثلاً کئی ، بعض ، چند ، سب ، کل ، بہت ، تھوڑا ، تھوڑے ، کم ، کچھ اسم عدد غیر معین ہیں ۔

یہ کبھی الگ استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً کئی روز ، چند لوگ ، سب آدمی ، کل برتن ، بہت دن ، تھوڑے دام ، کم قیمت ، کچھ لوگ وغیرہ

اور کبھی ان کی تکرار ہوتی ہے۔ مثلاً بعض بعض مقامات، سب کے سب، کل کے کل وغیرہ۔ اس موقع پر تکرار کا مقصد زیادہ تاکید ہوتا ہے۔

کبھی تعداد معین کو بلا تعداد غیر معین کا اظہار کمی و بیشی کے لیے کرتے ہیں۔ مثلاً وہاں صرف دو چار آدمی تھے، پان سات روپے کا کپڑا خرید لیا۔ کبھی ترتیب اعداد بدل کر بھی یہ مراد لیتے ہیں۔ مثلاً کمی کے موقع پر بولتے ہیں دو ایک مرتبہ میں وہاں گیا۔ کثرت کے لیے دس، بیس، پچاس، سیکڑہ، ہزار، لاکھ وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور جمع کی حالت میں بدلتے ہیں، لیکن یہ نہیں کہتے کہ کتنے سو یا کتنے ہزار یا کتنے لاکھ۔ فارسی کے اس قسم کے جمع اعداد جو لاحقہ 'ہا' لگا کر بناتے ہیں، وہ بھی اردو میں رائج ہیں۔ مثلاً صدہا، ہزار ہا، لکھوکھا، کروڑہا وغیرہ۔

بعض اوقات تعداد معین کے ساتھ ایک کا لفظ بڑھا دیتے ہیں تو تعداد غیر معین ہو جاتی ہے۔ مثلاً پچاس ایک آدمی ہوں گے، یعنی تعداد معین نہیں، کم و بیش اتنے آدمی ہوں گے۔ کبھی ایک کی بجائے کوئی کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی پچاس آدمی ہوں گے۔ ان دو مثالوں سے ایک اور کوئی کے استعمال کا طریقہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

تعداد معین کی ایک قسم ایسی ہے کہ اس میں عدد کو ایک یا ایک سے زائد بار دہرایا جائے۔ مثلاً

۱ - گنا اضافہ کر کے دگنا(۱)، تگنا، چوگنا، پچ گنا، چھے گنا وغیرہ۔

۲ - چند اضافہ کر کے دو چند، سہ چند، دہ چند وغیرہ۔

۳ - ہرا اضافہ کر کے دوہرا، تہرا، چوہرا۔

---

۱ - اردو میں انگریزی کی اس قسم کی تعداد معین میں سے صرف ڈبل کا لفظ مستعمل ہے، معنی مختلف ہیں۔ سکوں میں ڈبل دو پیسے کا سکہ تھا۔ دگنا اور دہرا اور دو چند کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ ڈبل سکے کے معنوں میں اب رائج نہیں رہا، حالانکہ اب نئے پاکستانی اعشاریہ سکوں میں دو پیسے کا سکہ موجود ہے۔

عدد کسری

آدھا ، تہائی ، چوتھائی ، پاؤ ، پون ، سوا ، ڈیڑھ ، ڈھائی ، ساڑھے عدد کسری ہیں ۔ میں ، سے ، کو ، نے ، کے ساتھ آنے میں آدھا ، پانچواں ، چھٹا وغیرہ کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے ۔ آدھے میں ، آدھے کا ، آدھے کو وغیرہ ۔ چوتھائی یا پاؤ ایک کے ساتھ مل کر سوا ہوتا ہے ۔ آدھا ایک کے ساتھ مل کر ڈیڑھ اور دو کے ساتھ مل کر ڈھائی ہوتا ہے[1] ۔ آدھا باقی تمام اعداد کے ساتھ مل کر ساڑھے ہوتا ہے ۔ مثلاً ساڑھے تین ، ساڑھے سات ۔ اعداد کسری تعداد اور مقدار دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔ پون تنہا پون کی جگہ بولتے ہیں ۔ پاؤ تنہا عام طور پر مقدار وزن کے لیے ہے ، دوسرے موقعوں پر چوتھائی بولتے ہیں بعض لوگ ایک تہائی اور ایک چوتھائی بھی بولتے ہیں ۔ اس کے بعد کسری حصوں کو حصہ کہہ کر بیان کرتے ہیں ، پانچواں حصہ ، چھٹا حصہ وغیرہ ۔ پون یعنی ایک میں سے پاؤ یا چوتھائی کم مقدار اور پیمائش دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ سوا کا لفظ ایک اور ایک پاؤ یا ایک اور ایک چوتھائی کے لیے مقدار اور پیمائش دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ ساڑھے کا عدد بھی تنہا استعمال نہیں ہوتا ، بلکہ کسی عدد معین کے ساتھ آ کر اس پر نصف کا اضافہ کرتا ہے (یہ سلسلہ تین کے عدد سے شروع ہوتا ہے ۔ ایک کے بعد ڈیڑھ اور دو کے بعد ڈھائی ہوگا) ۔ مثلاً ساڑھے تین وغیرہ ۔ اور یہ تعداد ، مقدار اور پیمائش تینوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ ساڑھے تین روپے ، ساڑھے تین سیر چاول ، ساڑھے تین گز کپڑا وغیرہ ۔

بعض محاورے بھی غیر کسری اعداد سے بنائے گئے ہیں ۔ مثلاً پانچ سات نہ ہونا یعنی چالاکی نہ ہونا ، تین تیرہ ہونا یعنی برباد ہونا ، تین پانچ کرنا یعنی بحث میں الجھنا ، جھگڑا کرنا ، بارہ باٹ ہونا یعنی ویران اور برباد ہونا ۔

---

۱ ۔ بعض لوگ اسے ڈھائی کی جگہ اڑھائی بولتے ہیں ، ہمارے نزدیک دونوں طرح درست ہے ۔

اسم عدد اور صفت عددی

بعض قواعد نویسوں نے اسم عدد اور صفت عددی کو ایک ہی سمجھ کر یکجا ان سے بحث کی ہے ، لیکن اسم عدد اور صفت عددی میں فرق یہ ہے کہ اسم عدد میں مطلق تعداد ہوتی ہے ۔ مثلاً دو ، تین ، چار وغیرہ اور صفت عددی میں کسی شے کا شمار درجے یا رتبے میں ہوتا ہے ۔ یعنی صفت عددی میں ترتیب کا لحاظ ہوتا ہے ۔ دوسرا ، تیسرا ، چوتھا صفات عددی ہیں کہ ان سے ترتیب درجے یا رتبہ کی معلوم ہوتی ہے ۔ ایک اسم عدد ہے اس کی صفت عددی پہلا ہے ، دو سے دوسرا ، تین سے تیسرا اور چار سے چوتھا ہے ، پانچ سے پانچواں ، چھ سے چھٹا ، پھر سات سے شروع کر کے آگے تک عدد کے بعد واں لگاتے ہیں ۔ مثلاً ساتواں ، آٹھواں وغیرہ ۔ حروف میں سے نے کو کے ساتھ پہلا ، دوسرا ، تیسرا ، چوتھا اور چھٹا کا الف اور باقی صفات عددی میں واں کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے ۔ مثلاً پہلے آدمی نے کہا ، دوسرے آدمی میں یہ خرابی تھی ، تیسرے آدمی سے کہا ، چوتھے آدمی کو بلایا ، پانچویں نے جواب دیا وغیرہ ۔

تانیث کی حالت میں واں کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے ۔ مثلاً بائیسویں تاریخ[1] ۔

اسم تفضیل اور اسم مبالغہ

عربی میں ایک اسم صفت ایسا ہے جو اپنے موصوف میں دوسروں کی نسبت مختلف درجوں کی ترجیح ، برتری یا فوقیت ظاہر کرتا ہے ۔ اسے اسم تفضیل کا نام دیا گیا ہے اور عربی میں اس کا وزن افعل ہے ۔ مثلاً افضل ،

---

۱ ۔ بعض قواعد نویسوں نے صفت عددی کو اسم عدد معین کی ایک قسم بتایا ہے اور اسے تعداد ترکیبی لکھا ہے (عبدالحق قواعد اردو ، صفحہ ۹۸) ۔ لیکن دونوں کا جو بنیادی فرق ہے ، ہم نے بیان کیا ہے ، اس کے پیش نظر صفت عددی کو الگ لکھنا زیادہ مناسب ہے ۔

اکبر ، اصغر وغیرہ ۔ لیکن اس وزن کے جن صیغوں میں عیب یا رنگ کے معنی پائے جاتے ہیں ، وہ اسم تفضیل نہیں ہوتے ۔ مثلاً احمر کہ بہ معنی مطلق سرخ کے ہیں اور اسود کے محض سیاہ کو کہتے ہیں ۔ فارسی اور اردو دونوں میں نفس صیغہ اور ہیئت یعنی وزن خاص کے اعتبار سے اسم تفضیل موجود نہیں ہے ۔ فارسی میں تر اور ترین اگا کر ترجیح کے مدارج بیان کرتے ہیں ۔ مثلاً کم ، کمتر ، کم ترین ؛ خوب ، خوب تر ، خوب ترین وغیرہ ۔ اردو میں سے لگا کر اور سب سے لگا کر یہی مطالب ادا کرتے ہیں ۔ اس سے اچھا ، سب سے اچھا وغیرہ ۔ اس اعتبار سے اصلاً اردو میں اسم تفضیل کا وجود نہیں اور اس کا ذکر الگ عنوان سے کرنے کی ضرورت نہیں ۔ اردو میں جو تین درجے تفضیل یا ترجیح کے ہیں ، ان کے نام بھی عربی قواعد سے لیے گئے ہیں ۔ ایک درجۂ عام جسے تفضیل نفسی کہتے ہیں ۔ دوسرا تفضیل بعض کہ جس میں ایک موصوف کو دوسرے یا چند دوسروں پر ترجیح ہو ، تیسرا تفضیل کل جس میں موصوف کو سب کے مقابلے میں ترجیح حاصل ہوتی ہے ۔

اردو میں عربی فارسی کے بعض اسم تفضیل استعمال ہوتے ہیں ۔ افضل ، اجمل ، احقر ، اکبر ، اصغر ، اصلح ، اسعد وغیرہ (عربی) اور بہتر ، بدتر ، بہترین ، کمتر ، کمترین وغیرہ فارسی کے ۔

یہی حال اسم مبالغہ کا ہے ۔ عربی قواعد نویسوں کے نزدیک اسم مبالغہ ایسا اسم صفت ہے جو اپنے موصوف کے وصف میں زیادتی ظاہر کرتا ہے ۔ اسم تفضیل اور اسم مبالغہ میں فرق یہ ہے کہ اسم تفضیل میں دوسرے کے مقابلے میں وصف میں ترجیح ہوتی ہے ۔ اسم مبالغہ میں دوسرے سے مقابلے کا لحاظ نہیں ہوتا ، بلکہ مطلق زیادتی یا کمی کا بیان ہوتا ہے ۔ عربی میں اس کی ہیئت فعال ہے ۔ مثلاً علام ، خلاق ، ستار ، رزاق ، غفار ، یا فعیل مثلاً رحیم ۔ ظاہر ہے اردو میں یہ ہیئت نہیں ہے بلکہ اردو میں بڑا ، بہت ، خوب ، نہایت ، انتہائی ، بہت ہی ، نہایت ہی ، عجب ، سخت وغیرہ الفاظ شامل کرنے سے مبالغے کے معنی پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً بڑا عالم ہے ، خوب آدمی تھا ، عجب آزاد مرد تھا ، نہایت ذلیل آدمی تھا ، انتہائی چالاک تھا ، بہت ہی خود غرض تھا ، نہایت ہی احمق آدمی

تھا ، سخت کافر تھا وغیرہ ۔

اردو میں بعض اسمائے صفات میں پاک کا لفظ استعمال کر کے طنزاً مبالغے کے معنی پیدا کرتے ہیں ۔ مثلاً پاک شہدا ، پاک بے حیا وغیرہ ۔

اردو قواعد میں اس کے ذکر کا جواز صرف اتنا ہے کہ عربی کے بعض اسمائے مبالغہ اردو میں استعمال ہوتے ہیں ۔ مثلاً علام (علامہ ، خلاق ، رزاق وغیرہ) ۔

باب ہشتم

فعل

انشاء اللہ خاں انشا نے دریائے لطافت میں فعل کی تعریف یوں کی ہے[1]:

"پس بول بہ زمانہ از سہ زمانہ کہ ماضی و حال و استقبال باشد شامل بود و آن را فعل نامند ۔ مانند آیا ہے و آتا ہے اور آوے گا۔"

فعل کی یہ تعریف ایک حد تک صحیح اور درست ہے ۔ صرف یہ کہنا کہ "فعل وہ ہے کہ جس سے کسی شے کا ہونا یا کرنا ظاہر ہوتا ہے[2] ۔" درست نہ ہو گا ، اسی لیے مصدر جس میں کسی کام کا ہونا یا کرنا پایا جاتا ہے ، فعل نہیں ہوتا ۔ کھانا ، پینا ایسے بول ہیں جن میں کھانے اور پینے کے افعال کا تصور موجود ہے ، لیکن جب تک ان کے ساتھ کسی زمانے کا تعین نہ ہو یہ افعال نہیں کہلائیں گے ۔ کھایا تھا ، کھا رہا ہے ۔ کھائے گا افعال ہیں کہ ان میں زمانہ ماضی ، حال اور استقبال پایا جاتا ہے ۔ اسی طرح کسی کلمے میں محض کسی زمانے کا ہونا اس کو فعل نہیں بناتا ۔ مثلاً صبح ، شام ، رات ، دن ، کل ، آج ، پرسوں وغیرہ میں زمانہ پایا جاتا ہے ، لیکن یہ افعال نہیں ہیں ، اسم ہیں ۔ اس لیے فعل کے لیے دو شرطیں لازم ہوئیں ۔ اول یہ کہ کوئی زمانہ پایا جائے اور دوم اس میں کسی کام کا ہونا یا کرنا یعنی فعل کا صدور بھی پایا جائے ۔ صدور سے مطلب نہیں کہ کام کا ہونا یا کرنا ہی فعل ہے ، کام نہ ہونا یا نہ کرنا بھی بہ شرط زمانہ فعل ہو گا ، اس نے کھانا کھایا ، اس نے کھانا نہ کھایا دونوں فعل ہوں گے ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فعل ایک ایسا کلمہ ہے جو اکیلا اپنے

---

۱ ۔ دریائے لطافت ، صفحہ ۱۳۲ ۔

۲ ۔ قواعد اردو عبدالحق ، صفحہ ۱۱۹ ۔

معنی دیتا ہے - اس میں کسی کام یا شے کا کرنا یا ہونا یا نہ کرنا یا نہ ہونا اور ازمنۂ ثلاثہ یعنی ماضی ، حال اور استقبال میں سے ایک زمانہ پایا جاتا ہے - مصدر اور فعل میں فرق یہی ہے کہ مصدر میں کسی کام یا حرکت کا بیان ہوتا ہے ، لیکن زمانہ نہیں پایا جاتا - مثلاً آنا ایک کام یا حرکت ہے ، یہ مصدر ہے - لیکن آتا ہے ایک فعل ہے کہ اس میں کام یا حرکت کے علاوہ ایک زمانہ یعنی حال بھی پایا جاتا ہے - اردو میں افعال میں مصدری معنی اور زمانہ کے علاوہ بعض اور عناصر بھی شامل ہوتے ہیں - مثلاً جن سے عدد اور جنس کا پتا چلتا ہے - آیا ، آئی ، آئے ، آئیں - آیا مذکر واحد ، آئی مؤنث واحد ، آئے مذکر جمع ، آئیں مؤنث جمع کو ظاہر کرنے والے افعال ہیں -

اقسام فعل

معنی کے لحاظ سے فعل کی دو قسمیں ہیں - ایسے افعال جن کے کرنے یا واقع ہونے یا نہ کرنے اور نہ واقع ہونے کے لیے صرف کرنے والے ایک شخص یا ذات کی ضرورت ہوتی ہے - اس کے علاوہ اس کام یا حرکت کے وقوع میں آنے کے لیے کسی دوسرے شخص یا ذات کی ضرورت نہ ہو ، ایسے فعل کو فعل لازم کہتے ہیں ، اور جن مصادر سے ایسا فعل مشتق ہو ، ان کو مصادر لازم کہتے ہیں - مثلاً آنا ، چلنا ، اٹھنا ، بیٹھنا مصادر لازم ہیں اور ان سے مشتق افعال آیا ، چلا ، اٹھا ، بیٹھا افعال لازمی ہیں - دوسرے قسم کے افعال ایسے ہیں ، جن کے کرنے یا نہ کرنے کے لیے کرنے والے کے علاوہ ایک اور شخص یا چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے - ایسے فعل کو فعل متعدی کہتے ہیں اور جس مصدر سے ایسا فعل مشتق ہو ، اس کو مصدر متعدی - مثلاً بلانا ایسا فعل ہے جس کے لیے ایک بلانے والا چاہیے اور ایک ایسا شخص یا ذات جس کو بلایا جائے - اس لیے بلانا مصدر متعدی ہے اور اس سے مشتق بلایا فعل متعدی کہلائے گا -

جو شخص کام یا عمل کرنے والا یا نہ کرنے والا ہوتا ہے ، اسے فاعل کہتے ہیں اور جو دوسری ذات اس کام کی تکمیل کے لیے ضروری ہو مفعول

کہلاتی ہے ، اس لیے مختصر طور پر فعل لازم اور فعل متعدی کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جس فعل کے لیے صرف فاعل کی ضرورت ہو ، فعل لازم ہے اور جس کے لیے فاعل اور مفعول دونوں درکار ہوں وہ متعدی ہے -

فعل متعدی کی ایک شناخت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ کلام میں فعل ماضی مطلق کے فاعل کے بعد نے آتا ہے - حامد نے احمد کو بلایا - حامد فاعل کے بعد نے سے ظاہر ہے کہ آگے آنے والا فعل متعدی ہے ، لیکن اس میں بعض مستثنیات بھی ہیں - مثلاً لانا ، احمد کتاب لایا ، درست ہوگا - احمد نے کتاب لایا درست نہیں - اسی طرح بعض افعال ایسے ہیں کہ ان کے فاعل کے ساتھ نے آتا بھی ہے اور کبھی نہیں بھی آتا - مثلاً پکارنا ، سیکھنا اور پڑھنا - فعل لازم کے فاعل کے ساتھ نے کبھی نہیں آتا -

بعض مصادر لازم بھی ہیں اور متعدی بھی - مثلاً شرمانا ، ان سے مشتق فعل بھی اسی مناسبت سے لازم اور متعدی دونوں ہوں گے -

فعل ناقص بھی فعل کی ایک قسم ہے جو لازم اور متعدی سے مختلف ہے - فعل لازم میں تو کسی کام یا فعل کا کرنا نہ کرنا ، ہونا نہ ہونا پایا جاتا ہے اور اس کا اثر صرف کام کرنے والے یعنی فاعل تک محدود رہتا ہے - مثلاً زید آیا - آیا فعل لازم ہے ، اس کا فاعل زید ہے اور آنے کا فعل صرف زید کی ذات تک محدود ہے ، لیکن فعل متعدی میں فعل کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول کی ذات تک پہنچتا ہے ، مثلاً زید نے خط لکھا - لکھنے کا فعل زید سے عمل میں آیا ، لیکن لکھنے کا فعل خط پر ہوا ، خط مفعول ہے اور لکھا فعل متعدی - فعل ناقص ایسا فعل ہوتا ہے جو کسی پر اثر نہیں ڈالتا ، بلکہ کسی اثر کو ثابت کرتا ہے - مثلاً زید بیمار ہے ، اس جملے میں زید کچھ کرتا نہیں ، وہ فاعل نہیں بلکہ فعل کا سہنے والا ہے اور بیمار اس کی حالت ہے یا خبر بتاتا ہے - افعال ناقص ہونا ، لینا ، نکلنا ، رہنا ، پڑنا ، لگنا ، نظر آنا ، دکھائی دینا ، واقع ہونا ، لڑنا ، مقرر ہونا اور بننا اور ہے کے تینوں صیغے ہے ، ہوں ، ہیں اور تھا کے چاروں صیغے تھا ، تھی ، تھے ، تھیں سب افعال ناقص ہیں - بعض قواعد نویسوں نے ان کو فعل ناقص کی بجائے امدادی افعال کہا ہے - یہ صورت دراصل زیادہ صحیح ہے - اردو کے قواعد نویسوں نے عربی کے

اتباع سے یہ تقسیم فعل ناقص کی قبول کی تھی ۔ اس باب میں انشاء اللہ خاں اب سے بہت پہلے لکھ چکے ہیں ۔ افعال ناقص گنا کر اور ان کی مثالیں دینے کے بعد فرماتے ہیں[1] ۔

"و سوائے ایں نیز افعال ناقصہ درست میتوانند شد ۔ بمراعات ایجاز ہمیں قدر برائے مثال کافی است ۔ از اصطلاح نحویان عرب مجبورام و الا نزد راقم آثم ہیچمدان فعل متعدی و آنچہ بہ حال محتاج باشد نیز ناقص است ازیں سبب کہ جملہ افعال متعدی بغیر ذکر مفعول بہ و جملہ محتاج بذکر حال نے ذکر حال بہ تمامی نمیرسد و تام آں بود کہ جملہ آں محتاج ہیچ چیز نبا شد مانند آیا زید کہ در فعل لازم است بدیہی است کہ مارا زید نے ناقص است تاوقتیکہ عمرو کو نگویم اور اٹھا زید روتا ہوا یا دیکھا میں نے زید کو ہنستا ہوا ، اول بغیر ذکر روتا ہوا وثانی بغیر ہنستا ہوا کہ حال است جملہ ناتمام است ۔"

جن افعال کو ناقصہ کہا گیا ہے ، ان میں سے ہونا اور اس کے جملہ صیغے ہمیشہ فعل ناقص کے طور پر استعمال ہوتے ہیں ۔ بقیہ افعال کبھی لازم ہوتے ہیں اور کبھی ناقص ۔ مثلاً نکلنا ، وہ بے وقوف نکلا میں فعل ناقص ہے ، میں دروازے سے نکلا میں نکلنا فعل لازم ہے ۔

بعض افعال ایسے ہیں جو بہ صورت تو لازم ہیں ، لیکن معنوں میں ان کا میلان مجہول کی طرف ہوتا ہے ۔ مثلاً پٹنا ، کھلنا ، بجنا ، بکنا ، گھٹنا ، کٹنا ، ہٹنا وغیرہ ۔ ایسے افعال لازم نہیں ہوتے[2] ۔ مثلاً احمد کل

---

۱ - دریائے لطافت ، صفحہ ۱۹۷ ۔

۲ - مولوی عبدالحق صاحب (قواعد اردو ، صفحہ ۱۲۰) فرماتے ہیں : "یہ افعال درحقیقت نہ تو متعدی ہیں اور نہ لازم کیونکہ فعل کا فاعل ثابت نہیں ۔" فاعل ثابت نہیں تو فعل لازم نہ ہوا ، اس لیے مجہول کہنا درست ہے ، لیکن مفعول کا پتا چلتا ہے ، اس لیے متعددی تو ہوا کہ اوپر کی مثال میں پٹنا کا مفعول احمد ہے ، اسی لیے یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ مجہول فعل متعدی سے آتا ہے ۔ فعل لازم کا مجہول نہیں ہوتا ۔

پڑا اس میں احمد کو پیٹنے والا کون تھا اس کا پتہ نہیں چلتا -

جن افعال کو ناقص کہا گیا ہے، ان میں ہونا ، ہو جانا ، بن جانا ، معلوم ہونا بھی افعال ناقص کی صورت رکھتے ہیں - بقیہ افعال ایسے ہیں جو کبھی ناقص ہوتے ہیں اور کبھی لازم - مثلاً رہنا ، بننا ، لگنا وغیرہ اس کی بعض مثالیں حسب ذیل ہیں :

ناقص	لازم
وہ بے خبر ہی رہا	وہ گاؤں میں رہتا ہے
وہ پاگل بن گیا	میں عالم بنوں گا
وہ بھلا لگتا ہے	اس کے اینٹ لگی

ایسے افعال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو ناقص کہا جاتا ہے ، وہ ان صورتوں میں اپنے اصلی معنوں میں استعمال نہیں ہوئے ہیں ، بلکہ محاورہ کے جزو کے طور پر - مثلاً رہنا اس مثال میں مقیم ہونا ، ساکن ہونا وغیرہ معنوں میں استعمال نہیں ہوا ، بلکہ محض ایک حالت کے بیان کے لیے ؛ بننا اور لگنا کا بھی یہی حال ہے -

فعل معروف و فعل مجہول

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے معنی کے اعتبار سے فعل کی دو قسمیں ہوں گی : ایک لازم اور ایک متعدی - اسے دوسرے زاویے سے دیکھیں تو فعل اپنے فاعل کے اعتبار سے دو طرح کا ہوتا ہے - معروف اور مجہول - جس فعل کا فاعل معلوم ہو اسے فعل معروف کہتے ہیں - میں نے کتاب پڑھی ، اس میں پڑھی معروف ہے کہ اس کا پڑھنے والا میں ہوں - کتاب پڑھی گئی میں پڑھی فعل مجہول ہے کہ یہ نہیں معلوم کہ کتاب کا پڑھنے والا کون تھا - فعل مجہول ہمیشہ متعدی ہوتا ہے اور اس میں مفعول فاعل کا قائم مقام ہوتا ہے - ہمارے قدیم قواعد نویسوں نے عربی صرف کے اتباع میں [1] اس کو مفعول مَاَلَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ کہا ہے - ہمارے خیال میں ایسے مفعول کو فاعل یا قائم مقام فاعل کہنا صحیح نہیں ہے - فاعل کا تصور ایسی ذات سے وابستہ ہے جس سے کام یا فعل صادر ہو ، تو پھر کوئی

---

۱ - مصباح القواعد حصہ اول ، صفحہ ۲۱ -

مفعول قائم مقام فاعل کیسے ہو سکتا ہے[۱] -

فعل مثبت و فعل منفی امر و نہی

جیسا کہ ہم فعل کی تعریف میں بیان کر چکے ہیں کہ فعل میں کسی فعل یا عمل کا صدور پایا جانا ایک لازمی شرط ہے اور صدور سے مراد صرف کام کا کرنا یا ہونا ہی نہیں نہ کرنا اور نہ ہونا بھی ہے - مثلاً اس نے کھانا کھایا ، اس نے کھانا نہیں کھایا - اس میں کھایا اور نہیں کھایا ، دونوں افعال ہیں - پہلا فعل مثبت اور دوسرا منفی ہے -

منفی اور نہی کے فرق کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے - فعل کی دو صورتیں امر و نہی ہیں - امر میں کسی کام یا بات کے کرنے کا حکم یا التجا ہوتی ہے - مثلاً کھانا کھا اور نفی میں نہ کرنے کا حکم یا التجا ، کھانا مت کھا -

افعال کی صورت

مولوی عبدالحق صاحب لوازم فعل کی بحث میں[۲] لکھتے ہیں : ''کہ ہر فعل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے ، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فعل (کام) کس ڈھنگ سے ہوا ہے -'' ہمارے خیال میں اسے فعل کی صورت یا ڈھنگ کہنا مشکل ہے ، بلکہ اسے فعل کی حالت سمجھنا چاہیے - یہ حالتیں : ۱- خبری - ۲- شرطی - ۳- احتمالی - ۴ - امری - ۵ - مصدری ہیں -

خبری صورت میں فعل کسی عمل یا واقعے کی خبر دیتا ہے یا کسی امر کے متعلق استفسار ہوتا ہے - جیسے خالد آیا اور آپ کیا کھائیں گے ؟

شرطی صورت میں فعل میں کوئی شرط یا تمنا پائی جاتی ہے یا کسی خواہش یا تمنا کا اظہار ہوتا ہے - مثلاً اگر وہ آتا تو میں جاتا ، کاش وہ

---

۱ - بعض قواعد نویسوں (عبدالحق قواعد اردو ، صفحہ ۱۲۱) نے اسے فعل کا طور قرار دیا ہے - غالباً لاطینی اور اس کے اثر سے انگریزی قواعد نویسوں نے فعل کے طور کی جو تشریح کی ہے اسی کو سامنے رکھ کر یہ اصطلاح اختیار کی گئی ہے -

۲ - ایضاً ، صفحہ ۱۲۱ -

آتا ، خدا کرے وہ آئے ۔ بعض قواعد نویسوں نے شرطی اور تمنائی کو الگ الگ شمار کیا ہے ، ہمارے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ۔

احتمالی صورت میں فعل میں احتمال یا شک پایا جاتا ہے ۔ مثلاً ممکن ہے وہ آیا ہو ، شاید وہ مر گیا ، ممکن ہے وہ چلا جائے ۔

امری صورت میں فعل میں کوئی حکم یا التجا ہوتی ہے ۔ کسی کام کے کرنے کا حکم ہو تو امر ہوتا ہے ، نہ کرنے کا حکم ہو تو نہی ، دونوں صورتیں امر کی ہیں ۔

مصدری صورت میں فعل یا کام کا ہونا بلا تعین وقت و زمانہ ہوتا ہے ، یعنی تینوں زمانے ماضی ، حال اور مستقبل میں سے کوئی زمانہ خاص اس میں نہیں پایا جاتا ۔ مثلاً آنا جانا ۔ اردو میں مصدر کے آخر میں ہمیشہ علامت نا ہوتی ہے(۱) ۔ زمانہ کے علاوہ اس میں جنس یا عدد کا صیغہ بھی نہیں ہوتا جو دیگر افعال میں پایا جاتا ہے ۔

فعل کا زمانہ

جیسا کہ مذکور ہوا فعل کے لیے زمانۂ ثلاثہ میں سے کسی زمانے کا پایا جانا لازمی ہے ۔ زمانے کی تین صورتیں ہیں : ماضی ، حال ، مستقبل ۔ ماضی وہ زمانہ ہے جو گزر گیا ، لیکن اگر یہ پتا نہ چلے کہ فعل کو واقع ہوئے بہت عرصہ گزر گیا ہے یا ابھی ابھی گزرا ہے تو ایسا زمانہ ماضی مطلق کہلاتا ہے ۔ مثلاً رکھنا مصدر سے رکھا ماضی مطلق ، لیکن رکھنے کے فعل کو مدت گزر چکی ہو تو زمانہ ماضی بعید ہوگا رکھا تھا ۔ اور اگر یہ فعل بہت قریب زمانے میں تکمیل کو پہنچا ہو تو ماضی قریب ہوگا ، رکھا ہے ۔

ماضی کی ان تین صورتوں کے علاوہ چند صورتیں اور ہیں ۔ ان میں ایک ماضی استمراری یا ماضی ناتمام ہے اور اس فعل میں زمانہ گزشتہ میں

---

۱ ۔ مولوی عبدالحق صاحب (قواعد اردو ، صفحہ ۱۲۲) نے لکھا ہے کہ ”مصدر حقیقت میں ایک قسم کا فعلی اسم ہے جو تجریدی طور پر فعل کے کام یا حالت کو بتاتا ہے اور زمانہ اور تعداد سے بری ہوتا ہے ۔“

فعل کی یا تو تکرار پائی جاتی ہے یا کام کا پورا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً رکھتا تھا ، اگرچہ بعض قواعد نویسوں نے ماضی استمراری یا ماضی ناتمام کو ایک ہی شمار میں رکھا ہے[۱] ، لیکن بعض نے ان دونوں کو معنی کے لحاظ سے دو الگ الگ قسموں میں شمار کیا ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ ماضی استمراری میں فعل کی تکرار ہوتی ہے۔ رکھتا تھا کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ یا بار بار رکھنے کا فعل فاعل سے سرزد ہوتا تھا۔ رکھ رہا تھا سے معلوم ہوتا ہے کہ رکھنے کا فعل تمام نہیں ہوا۔ ایسے فعل کو ماضی ناتمام ہی کہنا چاہیے[۲]۔

ایک اور صورت زمانہ ماضی میں ہی احتمال اور شک کی ہے۔ اگر فعل کے واقع ہونے یا نہ ہونے کا شک و احتمال ہو ، تو فعل احتمالی یا شکی ہوگا۔ مثلاً آیا ہوگا ، رکھا ہوگا کہ ان صورتوں میں آنے اور رکھنے کے فعل کے بارے میں یقین اور وثوق نہیں۔

ماضی شرطی یا تمنائی بھی ماضی کی ایک اور صورت ہے۔ جیسا کہ اصطلاح سے ظاہر ہے ، اس میں فعل کی شرط ، تمنا یا آرزو پائی جاتی ہے ، اور قدرتی طور پر فعل کے ساتھ حرف شرط و تمنا مثلاً گر ، اگر ، کاش وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اگر وہ رکھتا ، کاش وہ رکھتا۔

فعل حال۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ، زمانۂ حال میں فعل کا صدور بتاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حال دراصل بالفعل گزرتا ہوا زمانہ ہے کہ جب تک کلمہ آپ کے منہ سے نکلا ، پچھلا لمحہ ماضی ہو چکا مثلاً رکھتا ہے ، آتا ہے وغیرہ۔ اس میں بھی ایک صورت استمرار کی ہو سکتی ہے کہ کام کا سلسلہ جاری ہے۔ مثلاً رکھ رہا ہے ، آ رہا ہے۔

فعل مستقبل سے صرف زمانہ آئندہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً رکھے گا ، آئے گا وغیرہ۔

بعض قواعد نویسوں نے فعل مضارع کو ایک الگ فعل شمار کیا ہے اور تعریف اس کی یہ کی ہے کہ یہ ایک ایسا فعل ہے جو حال اور استقبال

---

۱ - عبدالحق قواعد ، صفحہ ۱۲۵ -

۲ - مصباح القواعد حصہ اول ، صفحہ ۳۸ -

دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے ۔ مثلاً آپ اجازت دیں تو میں حاضر ہوں[1] ۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے افعال کو مستقبل میں شمار کرنا چاہیے کیوں کہ حاضر ہونا ، چاہے ایک لمحہ بعد ہو یا مدت طویل کے بعد ، بہر حال حال نہیں مستقبل میں ہو گا ۔

فعل کی جنس

منطقی طور پر فعل کی جنس کی کوئی حقیقت نہیں ۔ مثلاً کھانا ایک فعل یا عمل ہے ، مرد سے سرزد ہو یا عورت سے فعل ایک ہی ہے ، لیکن اردو میں فاعل یا مفعول کی نسبت سے جنس کا صیغہ فعل پر بھی عائد ہو جاتا ہے ۔ لڑکا آیا اور لڑکی آئی ۔ ان دونوں میں فاعل کی نسبت سے فعل بھی مذکر یا مؤنث صورت میں آتا ہے ۔ لڑکا پیٹا گیا ، لڑکی پیٹی گئی میں فاعل معلوم نہیں کہ مذکر ہے یا مؤنث ، لیکن مفعول کی نسبت سے فعل مذکر یا مؤنث استعمال ہوا ۔ یہ صورت دراصل ہند آریائی زبان کی خصوصیات کے ورثہ کا ایک حصہ ہے جو اردو کو ملا ہے ۔ سنسکرت میں فعل کی صورت ایسی پیچیدہ اور مرکب تھی کہ اس میں حالت ، طور ، زمانہ ، جنس ، عدد کے سارے ہی صیغے جمع ہوتے تھے ۔ آہستہ آہستہ جب زبان زیادہ تجریدی ہوتی گئی تو یہ عناصر آہستہ آہستہ الگ ہوتے گئے ۔ مثلاً فارسی میں اب فعل میں جنس کا صیغہ باقی نہیں پسر آمد بیٹا آیا ، دختر آمد بیٹی آئی ۔ دونوں میں فعل کی صورت ایک ہے ۔ انگریزی میں بھی یہی صورت ہے ۔ عدد کے صیغے کا بھی یہی حال ہے کہ مختلف آریائی زبانوں میں اس کا ارتقا مختلف منازل اور مدارج میں ہے ۔ انگریزی میں The boy came لڑکا آیا ، The boys came لڑکے آئے ، دونوں میں فعل کی صورت ایک ہے ، جس کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے ، لیکن کہیں کہیں واحد غائب اور جمع غائب میں عدد کے صیغے کا فرق موجود ہے ۔ مثلاً The boy comes لڑکا آتا ہے ، The boys come لڑکے آتے ہیں ۔

چونکہ اردو میں جنس حقیقی اور جنس غیر حقیقی دونوں موجود ہیں ، اس لیے ہر صورت میں اردو افعال میں جنس کے دو صیغوں یعنی مذکر اور

---

۱ ۔ مصباح القواعد حصہ اول ، صفحہ ۳۹ ۔

مؤنث میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے ۔

فعل کا صیغہ عدد

جیسا کہ اسم کے باب میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے ، اردو میں عدد کے صیغے صرف دو ہیں ، واحد اور جمع ، صیغہ تثنیہ جو دو کے لیے آتا ہے ، سنسکرت میں موجود تھا ، لیکن اردو ، فارسی ، انگریزی وغیرہ آریائی نسل کی زبانوں میں ختم ہوگیا اور اب صرف دو صیغے واحد اور جمع کے باقی رہ گئے ۔ ظاہر ہے کہ فعل چاہے ایک فرد سے صادر ہو یا بہت سے افراد سے ایک ہی فعل ہے ۔ لڑکا کھاتا ہے یا لڑکے کھاتے ہیں ۔ دونوں صورتوں میں فعل ایک ہے ۔ فاعل البتہ پہلی صورت میں واحد اور دوسری صورت میں جمع ہے ، اس لیے مطابقت فاعل سے ہی فعل کے عدد کا تعین ہوتا ہے ۔

فعل کی گردان

اس بحث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی فعل میں حسب ذیل عناصر موجود ہوتے ہیں :

۱۔ مادہ فعل

۲۔ زمانہ

۳۔ جنس

۴۔ عدد

۵۔ طور اور صورت

کسی ایک مادہ فعل سے بننے والے تمام افعال جو ان عناصر پر مشتمل ہوں فعل کی گردان کہلاتے ہیں ۔ گردانوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہے ، لیکن اس سے پہلے اردو میں مادہ فعل کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے ۔ اردو میں مصدر کی علامت نا گرا دینے سے فعل کا مادہ باقی رہ جاتا ہے ۔ اردوئے قدیم میں اس علامت کی مختلف شکلیں تھیں ۔ آنا جو صورت موجودہ ہے ، آنان ، آؤنا اور آؤنان تینوں صورتوں میں ملتا ہے اور تینوں شکلیں قدیم ہیں ۔ آؤنان غالباً قدیم ترین ہے

اور آؤنا وسطی یا درمیانی شکل ہے ۔ علامت مصدر دور کرنے کے بعد جو مادہ باقی رہ جاتا ہے ، اس سے لاحقوں کی مدد سے اردو کے اکثر باقاعدہ افعال بنتے ہیں ۔ مادہ اپنی خالص صورت میں امر مخاطب کی طرح ہوتا ہے ، اسی فعل کے مادہ سے حالیہ تمام و ناتمام بھی بنائے ہیں ۔
مثلاً

مصدر	مادہ	حالیہ تمام	حالیہ ناتمام
ملنا	مل	ملا (م ل ا)	ملتا
چلنا	چل	چلا (چل ا)	چلتا
ڈرنا	ڈر	ڈرا (ڈ ر ا)	ڈرتا

یہ مثالیں ایسے مادوں کی تھیں ، جن کو ہمارے قواعد نویسوں نے دو حرفی مادہ کہا ہے ۔ مادہ میں پہلا متحرک اور دوسرا ساکن ہوتا ہے ۔ حقیقت میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس قسم کے مادوں میں نمونہ ، مصمتہ ، مصوتہ ، مصمتہ ہوتا ہے ۔ یعنی حرف صحیحہ + حرف یا علامت علت + حرف صحیحہ حالیہ تمام بنانے میں آخر میں مصوتہ ا کا اضافہ ہو کر حالیہ تمام کا نمونہ مصمتہ + مصوتہ + مصمتہ + مصوتہ ہو جاتا ہے اور یہ دو رکنی بن جاتا ہے ۔ بعض مادے سہ حرفی ہوتے ہیں مثلاً نکلنا ، مصدر سے نکل (ن + کل) اس کی صورت حالیہ تمام میں بھی دو رکنی رہتی ہے (نک لا) ۔

لیکن چھے مصادر میں حالیہ مادہ فعل کے خلاف آتا ہے اور ان کو مستثنیات میں شمار کرنا چاہیے ، ہونا سے ہوا ۔ مرنا سے موا ، کرنا سے کیا ، دینا سے دیا ، لینا سے لیا ، جانا سے گیا ۔

ان میں سے موا اب متروک ہے ، صرف عورتوں کی زبان میں بطور دشنام کہیں کہیں باقی رہ گیا ہے ، ورنہ اس سے بھی حالیہ تمام مرا ہی بناتے ہیں ۔ کرنا سے کیا اور کرا دونوں طرح سے حالیہ بناتے ہیں ۔ اگر مادہ کے آخر میں الف ، ی یا واؤ ہو تو بجائے الف کے یا بطور لاحقہ بڑھانا پڑتا ہے ۔ مثلاً آنا سے آیا ، کھانا سے کھایا ، پینا سے پیا ، جینا

سے جیا ، سونا سے سویا ، رونا سے رویا حالیہ ناتمام اور تمام دونوں میں جنس اور عدد کے صیغے بھی شامل ہوتے ہیں ۔ مثلاً

	مذکر واحد	مذکر جمع	مؤنث واحد	مؤنث جمع
حالیہ ناتمام	لاتا	لاتے	لاتی	لاتیں
حالیہ تمام	کھلا	کھلے	کھلی	کھلیں

فعل کا اشتقاق یا افعال کے مختلف صیغوں کے بنانے کے قاعدے ۔

افعال کے مختلف صیغے تین طرح سے بنتے ہیں ۔ اول مادہ فعل سے ، دوم حالیہ تمام اور امدادی افعال سے ، سوم حالیہ ناتمام اور امدادی افعال کی مدد سے ۔ بنیاد اصلاً مادہ فعل ہی ہے ، اس لیے اصولاً یہ سمجھنا چاہیے کہ جملہ صیغے مادہ فعل سے ہی بنتے ہیں ، چونکہ ماضی اور حال کے اکثر صیغے مادہ فعل اور فعل ہونا کی مدد سے بنتے ہیں ، اس لیے پہلے اسی فعل کی گردان لکھنا ضروری ہے ۔

ماضی (ہونا ــ تھا)

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ تھا	وہ تھے
مؤنث	غائب	وہ تھی	وہ تھیں
مذکر	حاضر	تو تھا	تم تھے
مؤنث	حاضر	تو تھی	تم تھیں
مذکر	متکلم	میں تھا	ہم تھے
مؤنث	متکلم	میں تھی	ہم تھیں ۔ تھے

حال (ہونا ــ ہے)

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ ہے	وہ ہیں
مؤنث	غائب	وہ ہے	وہ ہیں

		واحد	جمع
مذکر	حاضر	تو ہے	تم ہو
مؤنث		تو ہے	تم ہو
مذکر	متکلم	میں ہوں	ہم ہیں
مؤنث		میں ہوں	ہم ہیں

مستقبل (ہونا — ہوگا)

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ ہوگا	وہ ہوں گے
مؤنث		وہ ہوگی	وہ ہوں گی
مذکر	حاضر	تو ہوگا	تم ہو گے
مؤنث		تو ہوگی	تم ہوگی
مذکر	متکلم	میں ہوں گا	ہم ہوں گے
مؤنث		میں ہوں گی	ہم ہوں گے

امر (ہونا — ہو)

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ ہو	وہ ہوں
مؤنث		وہ ہو	وہ ہوں
مذکر	حاضر	تو ہو	تم ہو - ہوں
مؤنث		تو ہو	ہو جیے - ہو جیے گا

ظاہر ہے کہ صیغۂ امر میں حکم پایا جاتا ہے - اس میں صیغہ متکلم نہیں ہوگا کیونکہ خود اپنے آپ کو حکم نہیں دیا جاتا -

حالیہ ناتمام (ہونا — ہوتا)

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ ہوتا	وہ ہوتے
مؤنث		وہ ہوتی	وہ ہوتیں
مذکر	حاضر	تو ہوتا	تم ہوتے
مؤنث		تو ہوتی	تم ہوتیں
مذکر	متکلم	میں ہوتا	ہم ہوتے
مؤنث		میں ہوتی	ہم ہوتے

حالیہ تمام (ہونا — ہوا)

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ ہوا	وہ ہوئے
مؤنث		وہ ہوئی	وہ ہوئیں
مذکر	حاضر	تو ہوا	تم ہوئے
مؤنث		تو ہوئی	تم ہوئیں
مذکر	متکلم	میں ہوا	ہم ہوئے
مؤنث		میں ہوئی	ہم ہوئے (ہوئیں)

جب فعل حالیہ کے ساتھ ہوا آتا ہے تو اکثر صفت کے معنی دیتا ہے ۔ مثلاً کھویا ہوا ، سویا ہوا اور بعض اوقات بغیر ہوا کے بھی حالیہ سے صفت کے معنی ظاہر ہوتے ہیں ۔ کھلا مکان ، روتی صورت وغیرہ[1] ۔

---

۱ - مولوی عبدالحق صاحب (قواعد اردو ، صفحہ ۱۲۵) کا یہ قول درست ہے کہ ہونا کا تعلق دراصل فعل کے صیغہ زمانہ سے نہیں ہے کیونکہ سنسکرت میں یہ فعل بھو ہے ، جس سے اردو میں ہونا آیا ہے ۔ حال اور ماضی کے صیغے سنسکرت میں اس اور ستھا سے نکلے ہیں ، لیکن اردو اور ہندی کے قواعد نویسوں نے ان تمام صیغوں کو ہونا ہی کے تحت لکھا ہے ۔

ماضی

جیسا کہ مذکور ہوا ماضی کے اقسام حسب ذیل ہیں :

۱- ماضی مطلق - ۲- ماضی ناتمام یا استمراری - ۳- ماضی تمام یا بعید - ۴- ماضی شرطیہ ، ماضی تمنائی اور ماضی احتمالی -

ماضی مطلق

ماضی مطلق ایسا فعل ہے ، جس سے محض کسی کام یا فعل کے گزشتہ زمانے میں واقع ہونے کی خبر ملتی ہے ، یعنی ماضی میں زمانۂ قریب و بعید کا کوئی لحاظ نہ ہو اور مطلق گزرنا سمجھا جائے - مثلاً آیا ، ملا وغیرہ - صیغہ ماضی مطلق مادہ فعل سے بنتا ہے جو مصدر سے علامت مصدر نا دور کرنے سے حاصل ہوتا ہے - اگر مادہ فعل میں آخر میں الف یا واؤ مجہول رہے تو اس میں یا بطور لاحقہ لگا کر ماضی مطلق واحد مذکر بنتا ہے - مثلاً آ (آنا) سے آیا ، کھا (کھانا) کھایا ، سو (سونا) سے سویا ، بقیہ صیغے اسی صیغے میں تصرف کر کے بناتے ہیں - اگر مادہ فعل میں آخر میں الف یا واؤ مجہول نہ ہو تو ماضی مطلق واحد مذکر کا صیغہ بناتے ہیں - مثلاً چل (چلنا) سے چلا ، لکھ (لکھنا) سے لکھا ، اگر مادہ فعل میں آخر میں واؤ معروف رہے تو صرف الف کا اضافہ کرتے ہیں ، لیکن بول چال میں واؤ کو ہمزہ سے بھی بدل دیتے ہیں - مثلاً چھونا سے چھوا - لے اور دے میں الف کا اضافہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ل اور د پر زیر لاتے ہیں - لے لیا ، دے دیا -

اگرچہ ماضی مطلق بنانے کے یہ قاعدے عام ہیں ، لیکن بعض افعال خلاف قاعدہ ہیں - جا (نا) سے گیا ، کر (نا) سے کیا ، ہو (نا) سے ہوا[1] -

---

۱ - مرنا سے موا بھی بے قاعدہ تھا ، لیکن اب متروک ہے - اس کی جگہ مرنا بولتے ہیں اور اسی طرح بجائے کیا اور کی ، کرا اور کری بھی بولتے ہیں - متقدمین میں اس کا استعمال عام تھا ، اب کم ہوگیا ہے تاہم باقی ہے - بعض قواعد نویسوں نے کیا کو صحیح اور کرا کو غلط بتایا ہے ، یہ درست نہیں ہے -

مادہ لا اور مادہ سو

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ لایا (سویا)	وہ لائے (سوئے)
مؤنث		وہ لائی (سوئی)	وہ لائیں (سوئیں)

یہ صورت ماضی مطلق واحد مذکر کے لیے ہے ، باقی صورتیں اس میں تصرف کر کے حاصل ہوتی ہیں ۔

اگر مادہ فعل الف یا واؤ پر ختم ہو تو ماضی مطلق مثبت معروف کی گردان اس طرح ہوگی :

		واحد	جمع
مذکر	حاضر	تو لایا (سویا)	تم لائے (سوئے)
مؤنث		تو لائی (سوئی)	تم لائیں (سوئیں)
مذکر	متکلم	میں لایا (سویا)	ہم لائے (سوئے)
مؤنث		میں لائی (سوئی)	ہم لائے (سوئے)

اگر مادہ فعل الف یا واؤ پر ختم نہ ہو ۔

مذکر	غائب	وہ بیٹھا	وہ بیٹھے
مؤنث		وہ بیٹھی	وہ بیٹھیں
مذکر	حاضر	تو بیٹھا	تم بیٹھے
مؤنث		تو بیٹھی	تم بیٹھیں
مذکر	متکلم	میں بیٹھا	ہم بیٹھے
مؤنث		میں بیٹھی	ہم بیٹھے

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فعل خواہ فاعل کے اعتبار سے مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع ہو ، خواہ مفعول کے لحاظ سے دونوں

صورتوں میں ماضی مطلق بنانے کا ایک ہی قاعدہ ہوگا۔ لیکن اگر ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آئے تو کسی صیغے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور گردان اس طرح ہوتی ہے:

مذکر	غائب	اس نے کہا	انھوں نے کہا
مؤنث		اس نے کہا	انھوں نے کہا
مذکر	حاضر	تو نے کہا	تم نے کہا
مؤنث		تو نے کہا	تم نے کہا
مذکر	متکلم	میں نے کہا	ہم نے کہا
مؤنث		میں نے کہا	ہم نے کہا

چونکہ صورت متعدی میں بھی جہاں مفعول موجود ہوتا ہے اور فاعل کے ساتھ نے آتا ہے تو یہی صورت پیش آتی ہے۔ مثلاً

مذکر	غائب	اس نے کھانا کھایا	انھوں نے کھانا کھایا
مؤنث		اس نے کھانا کھایا	انھوں نے کھانا کھایا
مذکر	حاضر	تو نے کھانا کھایا	تم نے کھانا کھایا
مؤنث		تو نے کھانا کھایا	تم نے کھانا کھایا
مذکر	متکلم	میں نے کھانا کھایا	ہم نے کھانا کھایا
مؤنث		میں نے کھانا کھایا	ہم نے کھانا کھایا

لیکن اس صورت میں مفعول کے صیغۂ عدد کا اثر پڑتا ہے اور

مذکر	غائب	اس نے کھانا کھایا	اس نے کھانے کھائے
مؤنث		اس نے کھانا کھایا	انھوں نے کھانے کھائے
مذکر	حاضر	تو نے کھانا کھایا	تم نے کھانے کھائے
مؤنث		تو نے کھانا کھایا	تم نے کھانے کھائے

مذکر	متکلم	میں نے کھانا کھایا	ہم نے کھانے کھائے
مؤنث		میں نے کھانا کھایا	ہم نے کھانے کھائے

لیکن یہ تبدیلی بہ لحاظ مفعول ہے ، بہ لحاظ فاعل یہ تبدیلی نہیں ہوگی -

مذکر	غائب	اس نے کھانے کھائے	انھوں نے کھانے کھائے
مؤنث		اس نے کھانے کھائے	انھوں نے کھانے کھائے
مذکر	حاضر	تو نے کھانے کھائے	تم نے کھانے کھائے
مؤنث		تو نے کھانے کھائے	تم نے کھانے کھائے
مذکر	متکلم	میں نے کھانے کھائے	ہم نے کھانے کھائے
مؤنث		میں نے کھانے کھائے	ہم نے کھانے کھائے

متعدی المتعدی یا متعدی بالواسطہ سے ماضی مطلق بنانے کا قاعدہ

لازم اور متعدی کی بحث میں مصدر متعدی المتعدی اور متعدی بالواسطہ کی ساخت کو تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے - اس سے ماضی مطلق بنانے کے لیے علامت مصدر نا دور کر کے لاحقہ یا لگاتے ہیں - مثلاً کھانا سے مصدر متعدی المتعدی کی صورت کھلانا ، اس سے ماضی مطلق کھلایا - مصدر متعدی بالواسطہ کھلوانا ، اس سے ماضی مطلق کھلوایا بنایا جائے گا باقی صورت میں گردان یہ ہے :

مذکر	غائب	اس نے کھلایا / کھلوایا	انھوں نے کھلایا / کھلوایا
مؤنث		اس نے کھلایا / کھلوایا	انھوں نے کھلوایا / کھلایا
مذکر	حاضر	تو نے کھلایا / کھلوایا	تم نے کھلایا / کھلوایا
مؤنث		تو نے کھلایا / کھلوایا	تم نے کھلایا / کھلوایا
مذکر	متکلم	میں نے کھلایا / کھلوایا	ہم نے کھلایا / کھلوایا
مؤنث		میں نے کھلایا / کھلوایا	ہم نے کھلایا / کھلوایا

اس گردان میں فاعل کی تذکیر و تانیث اور واحد و جمع کا اثر ماضی مطلق پر ظاہر نہیں ہوا ، لیکن مفعول کی نسبت سے گردان یہ ہوگی :

اس نے کھلایا / کھلائے — انھوں نے کھلایا / کھلائے
اس نے کھلائی / کھلائیں — انھوں نے کھلائی / کھلائیں

یہ صورت صیغہ غائب کی ہوئی ، حاضر اور متکلم بھی اسی صورت پر ہے -

ماضی مطلق کے استعمال کی بعض خاص صورتیں

ماضی مطلق کی تعریف میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اس میں بہ لحاظ قرب و بعد مطلق زمانے کا گزرنا پایا جاتا ہے - بعض اوقات فعل بہ ظاہر ساخت کے اعتبار سے صیغہ ماضی مطلق کا معلوم ہوتا ہے ، لیکن معنی کچھ اور ہوتے ہیں -

۱- بعض اوقات ماضی مطلق سے فعل مستقبل مراد ہوتا ہے - مثلاً تم ذرا بیٹھو ، میں ابھیٰ آیا ، اس مثال میں آ (نا) مادہ فعل سے آیا ، ماضی مطلق ہے ، لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا -

۲- کبھی ماضی مطلق سے معنی مصدر کے لیے جاتے ہیں - مثلاً ناسخ کا شعر :

انتہاے لاغری سے جب نظر آیا نہ میں
ہنس کے وہ کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہیے

متقد میں کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں -

۳- کبھی ماضی مطلق اسم مفعول کے معنی دیتا ہے - دراصل اس صورت میں ہوا محذوف ہوتا ہے - مثلاً میرا کہا سنا معاف کرو - یعنی کہا ہوا اور سنا ہوا - کبھی ماضی مطلق کی تکرار سے بھی اسم مفعول کے معنی پیدا ہوتے ہیں ، وہ صبح کا چلا چلا شام کو پہنچا - دراصل اس میں فعل کا تسلسل ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے -

۴- بعض اوقات ماضی مطلق سے ماضی بعید بھی مراد ہوتی ہے - مثلاً[1] -

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

۵- کبھی ماضی مطلق حال کے محل استعمال پر لاتے ہیں :

خانۂ عاریتی میں جو درم بھرتے ہیں
عقل سے مجھ کو نظر آئے وہ انسان خالی

یہاں آئے بمعنی آتے ہیں -

۶- کبھی ماضی مطلق کو مکرر لا کر اور بیچ میں کا ، کی ، کے زیادہ کر کے اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی لیتے ہیں - مثلاً بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا ، سوتا کا سوتا رہ گیا ، یہ دونوں بیٹھا ہوا اور سوتا ہوا ، اسم مفعول کے معنوں میں ہیں -

بعض اور لسانی تبدیلیوں کی طرح جن کا کچھ ذکر اس کتاب کے آغاز میں ہوا ، اردو کے افعال میں بھی ارتقا ہوا ہے - مثلاً ماضی مطلق کے سلسلے میں حسب ذیل ارتقائی صورتیں خاص طور پر قابل غور ہیں :

۱ - مادہ فعل میں اگر الف پر ختم ہو تو ماضی مطلق میں ہمزہ اور یا کا لاحقہ لگاتے تھے - مثلاً آئیا ، لائیا -

۲ - مادہ فعل اگر الف پر ختم نہ ہو تو ماضی مطلق یا کا لاحقہ لگا کر بناتے تھے - مثلاً پڑھیا ، لکھیا ، چلیا ، دیکھیا -

۳ - جمع مؤنث کے لیے لاحقہ ئیان استعمال کرتے تھے[2] آئیان -

---

۱ - مصباح القواعد جلد ۱ ، صفحہ ۴۷ -

۲ - یہ صورت حال کسی حد تک انیسویں صدی کے آغاز تک باقی تھی ، چنانچہ انشاء اللہ خاں دریائے لطافت (صفحہ ۱۰۸) میں لکھتے ہیں : " آئی میں متکلم مفرد مؤنث آئیں ہم تثنیہ و جمع - بعضے بجائے آئیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۸ پر

۴ - جمع مؤنث میں ان جمع امدادی فعل کے علاوہ مادہ فعل میں لاتے تھے - مثلاً آتیاں تھیاں (بجاے آتی تھیں)
۵ - امدادی افعال میں بھی جمع مؤنث میں الف تھا جو بعد میں ترک کر دیا گیا ہوگا - مثلاً تھیاں (بجائے تھیں)
۶ - مذکر واحد میں یے بجائے یا بلائے (بجائے بلایا) کیے (بجاے کیا)
۷ - جن صورتوں میں نے استعمال ہوتا ہے، وہاں نے کا استعمال اور عدم استعمال غیر متعین تھا - جیوں رسول فرمائے بجائے جیوں رسول نے فرمایا -

ماضی ناتمام اور استمراری

ماضی ناتمام میں جس فعل کا بیان ہوتا ہے، وہ ہوتا تو ماضی میں ہے، لیکن ماضی میں یا تو کام جاری تھا یا بطور عادت عمل میں آیا تھا - مثلاً رو رہا تھا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رونے کا فعل جاری تھا (اسے استمراری بھی کہتے ہیں) یا روتا تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا تھا اور شخص متعلق کو رونے کی عادت تھی - علاوہ ان دو صورتوں کے اور صورتیں بھی ماضی ناتمام کو ظاہر کرتی ہیں - مثلاً رویا کرتا تھا اور کھایا کرتا تھا، ایک اور صورت روتا رہا بھی ماضی ناتمام کی ہے، اس میں فعل کے متواتر اور پے در پے ہونے کا اظہار ہوتا ہے - ایک صورت ماضی ناتمام کی ہے جو ایسی حالت فعل کو بتاتی ہے، جس میں دو کام برابر ساتھ ساتھ ہوتے رہیں - میں سمجھاتا رہا، لیکن وہ ضد کرتا

باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۷
آئیاں ہم میگویند -'' بعضے سے ظاہر ہے کہ آہستہ آہستہ یہ صورت متروک ہو رہی تھی - میر کا شعر ہے :

وہ دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں
سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دو آبا

میر حسن کا شعر ہے :

ادھر اور ادھر آتیاں جاتیاں پھریں اپنے جوبن پہ اتراتیاں

رہا ۔ ایک اور صورت رویا کیا بھی ماضی ناتمام کو ظاہر کرتی ہے ۔ مختصراً ماضی ناتمام کی صورتیں حسب ذیل ہوں گی :

مادہ فعل کہا (تا) اور پڑھ

کہا / رہا تھا / تا تھا / یا کرتا تھا / تا رہا / یا کیا / پڑھ / رہا تھا / تا تھا / ا کرتا تھا /تا رہا / ا کیا ۔

گردان اس کی اس طرح ہوگی :

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ کہا/تا تھا	وہ کہا/تے تھے
مؤنث		وہ کہا/تی تھی	وہ کہا/تی تھیں
مذکر	حاضر	تو کہا/تا تھا	تم کہا/تے تھے
مؤنث		تو کہا/تی تھی	تم کہا/تی تھیں
مذکر	متکلم	میں کہا/تا تھا	ہم کہا/تے تھے
مؤنث		میں کہا/تی تھی	ہم کہا/تے تھے

ہر صورت کی گردان اسی انداز پر قیاس کرنا چاہیے ۔

اس ماضی میں مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے صیغے میں تبدیلی نہیں ہوتی ۔ وہ کتاب پڑھتا تھا ، وہ کتابیں پڑھتا تھا ، وہ تصویر دیکھ رہا تھا ، وہ تصویریں دیکھ رہا تھا ۔ بالفاظ دیگر صیغہ میں جنس و عدد کا تعین فاعل کے جنس و عدد کے صیغہ سے ہوتا ہے ۔

اس صیغے میں بھی لسانی تغیر کے آثار ملتے ہیں ۔ متقدمین کے دور تک آتا تھا ، جاتا تھا کی جگہ آوے تھا اور جاوے تھا بھی بولتے تھے ۔ بعض علاقوں کی عام بول چال میں اب تک یہ صورت باقی ہے ، لیکن فصحا کے نزدیک متروک ہے ۔ البتہ آئے ہے ، جائے ہے ، صیغہ حال میں بعض شعرا متقدمین کے اتباع میں اب بھی کبھی کبھی استعمال کرتے ہیں ۔

ماضی مطلق کی طرح متقدمین میں اس ماضی ناتمام میں بھی جمع مؤنث

کو فعل اور امدادی فعل دونوں میں جمع لاتے تھے اور جمع بھی الف زائد سے بناتے تھے - مثلاً عورتاں جاتیاں تھیاں ، قدیم ترین صورت ہے جو دکھنی دور میں عام ملتی ہے - اگلے دور میں عورتاں جاتیاں تھیں اور انیسویں صدی کے آغاز عورتیں جاتی تھیں ، فصیح قرار پایا ۱ -

ماضی تمام

ماضی تمام کے معنی یہ ہیں کہ کام زمانہ ماضی میں پورا ہو چکا - بعض قواعد نویسوں نے تمام سے مراد ماضی بعید لی ہے اور صورت اس کی حالیہ تمام کے بعد تھا کے اضافے سے بتائی ہے - مثلاً آیا تھا ، پڑھا تھا - ہمارے خیال میں یہ صورت زیادہ بہتر ہے کہ ماضی تمام میں ماضی بعید اور ماضی قریب دونوں کو الگ الگ ظاہر کیا جائے - ماضی قریب کے معنی جیسا کہ ظاہر ہے یہ ہیں کہ فعل کو تمام ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا (گو کہ کام ختم ہو چکا ہے) - بعض نے اسے حال تمام (مثلاً ، آیا ہے اور پڑھا ہے) بتایا ہے - غالباً اسے حال کہنا درست نہیں کہ کام تو بہرحال ختم ہو چکا اور ماضی میں چلا گیا ، چاہے اس کو ایک نفس یا ایک لمحہ ہی گزرا ہو - فانی نے کیا خوب شعر کہا ہے :

ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

تو جو کام نفس مردہ میں انجام پا چکا ہو اسے حال کس طرح کہیں گے اور یہاں تو واضح طور پر کام پورا ہو چکا ہے - ماضی بعید کی گردان حسب ذیل ہے :

---

۱ - ماضی ناتمام کے صیغے میں ایک صورت ایسی ہوتی ہے جو ساخت کے اعتبار سے ناتمام معلوم نہیں ہوتی ، لیکن معنی کے اعتبار سے ناتمام ہی ہوتی ہے - اس صورت ماضی ناتمام میں آخری لاحقہ تھا - حذف ہوتا ہے اور ماضی صرف کھاتا ، آتا وغیرہ سے معنی کھاتا تھا اور آتا تھا ، مراد ہوتے ہیں میں آتا تو وہ جاتا یعنی جب میں آتا تھا تب وہ جاتا تھا - گردان اس کی اسی طرح ہوتی ہے ، جس طرح ماضی ناتمام اوپر مذکور ہوئی -

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ آیا / تھا اس نے پڑھا تھا	وہ آئے تھے / انھوں نے پڑھا تھا
	مؤنث	وہ آئی تھی / اس نے پڑھا تھا	وہ آئی، تھیں / انھوں نے پڑھا تھا
حاضر	مذکر	تو آیا تھا / تو نے پڑھا تھا	تم آئے تھے / تم نے پڑھا تھا
	مؤنث	تو آئی تھی / تو نے پڑھا تھا	تم آئیں تھیں / تم نے پڑھا تھا
متکلم	مذکر	میں آیا تھا / میں نے پڑھا تھا	ہم آئے تھے / ہم نے پڑھا تھا
	مؤنث	میں آئی تھی / میں نے پڑھا تھا	ہم آئے تھے / ہم نے پڑھا تھا

مفعول کے صیغہ جنس و عدد سے فعل کی صورت متاثر ہوتی ہے۔

	واحد	جمع
مؤنث	میں نے کتاب پڑھی تھی	میں نے کتابیں پڑھیں تھیں[1]
مذکر	میں نے قصہ پڑھا تھا	میں نے قصے پڑھے تھے

ماضی بعید کی ایک صورت مادہ فعل کے بعد لاحقہ چکا تھا لگانے سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً وہ آ چکا تھا، میں کتاب پڑھ چکا تھا۔ بعض قواعد نویسوں کا خیال ہے، اس میں زیادہ زور ہوتا ہے اور اکثر اس وقت یہ صورت استعمال کرتے ہیں جب اس سے پہلے یا بعد میں ایک اور کام ہو چکا ہو۔ مثلاً تمھارا خط ملنے سے پہلے وہ آ چکا تھا۔ اس میں مذکر

---

۱ - بعض حضرات پڑھی تھیں اور پڑھیں تھیں، دونوں طرح درست بتاتے ہیں۔ ہمارے خیال میں صرف اردو کے ارتقا کو پیش نظر رکھیں تو پڑھی تھیں زیادہ جدید صورت ہوگی۔

واحد کے لیے چکا تھا اور مؤنث واحد کے لیے چکی تھی - جمع مذکر چکے تھے اور جمع مؤنث چکی تھیں ، استعمال کرتے ہیں - چکنا کے معنی ہیں تصفیہ ہونا ، تمام ہونا ، اس لیے زور دراصل کام کی تکمیل پر ہوتا ہے کہ کام پورا ہو چکا تھا - جب نے استعمال ہو تو بجائے چکا کے لیا استعمال کرتے ہیں -

مثلاً میں نے کھانا کھا لیا تھا - ایسی صورت میں فعل کا صیغہ مفعول کے صیغہ جنس و عدد کے مطابق ہوتا ہے - میں نے کتاب پڑھ لی تھی ، میں نے پودا آٹھا لیا تھا - میں نے کتابیں پڑھ لی تھیں ، میں نے پودے اٹھا لیے تھے -

چکا تھا اور لیا تھا ، دونوں صورتیں ماضی بعید کی ہی ہیں - اگرچہ کبھی معنی میں خفیف اختلاف بھی ہوتا ہے ، لیکن ماضی کے ساتھ فعل کی تکمیل کی خبر کسی نہ کسی حد تک اس صیغے میں مضمر ہوتی ہے - ماضی قریب کا مطلب یہ ہے کہ فعل تو مکمل ہو چکا ہے ، لیکن اسے تھوڑی مدت یا زمانہ گزرا ہے - مثلاً وہ آیا ہے ، اس نے کہا ہے ، صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس میں ماضی مطلق کا صیغہ اور لاحقہ ہے - ہیں ، ہو ، ہوں لگا کر بناتے ہیں ، گردان حسب ذیل ہے :

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ آیا ہے / اس نے کہا ہے	وہ آئے ہیں / انھوں نے کہا ہے
مؤنث	غائب	وہ آئی ہے / اس نے کہا ہے	وہ آئی ہیں / انھوں نے کہا ہے
مذکر	حاضر	تو آیا ہے / تو نے کہا ہے	تم آئے ہو / تم نے کہا ہے
مؤنث	حاضر	تو آئی ہے / تو نے کہا ہے	تم آئی ہو / تم نے کہا ہے

		واحد	جمع
مذکر	متکلم	میں آیا ہوں / میں نے کہا ہے	ہم آئے ہیں / ہم نے کہا ہے
مؤنث		میں آئی ہوں / میں نے کہا ہے	ہم آئے ہیں / ہم نے کہا ہے

''نے'' کے استعمال کے ساتھ فعل مفعول کے صیغہ جنس و عدد سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

میں نے کتاب پڑھی ہے، میں نے کتابیں پڑھیں ہیں۔
میں نے رسالہ دیکھا ہے، میں نے رسالے دیکھے ہیں۔

بعض اوقات فعل میں زمانہ ماضی تو قریب ہی کا پایا جاتا ہے، لیکن صورت اس کی ماضی بعید کی سی ہوتی ہے۔ مثلاً میں ابھی آیا تھا۔ میں نے ابھی کھانا کھایا تھا۔ ظاہر ہے اس میں قریب کے معنی صیغہ سے پیدا نہیں ہوئے جو ماضی بعید کا صیغہ ہے، بلکہ ابھی کے استعمال سے پیدا ہوئے۔ اس لیے معنی کے اعتبار سے یہ فعل ماضی قریب ہوا اور ساخت کے اعتبار سے ماضی بعید۔ اگر فعل ماضی میں واقع ہو، لیکن اس میں شک یا احتمال ہو تو اسی صورت میں فعل کو فعل ماضی، شکی یا احتمالی کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے بنانے کے لیے ماضی مطلق کے صیغے پر ہوگا، ہوں گے، ہوں گی، ہوگی، ہوں گا لاحقہ کا اضافہ کرتے ہیں۔ گردان اس کی یوں ہوگی۔

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ آیا ہوگا / اس نے پڑھا ہوگا	وہ آئے ہوں گے / انھوں نے پڑھا ہوگا
مؤنث		وہ آئی ہوگی / اس نے پڑھا ہوگا	وہ آئی ہوں گی / انھوں نے پڑھا ہوگا
مذکر	حاضر	تو آیا ہوگا / تو نے پڑھا ہوگا	تم آئے ہو گے / تم نے پڑھا ہوگا
مؤنث		تو آئی ہوگی / تو نے پڑھا ہوگا	تم آئی ہوگی / تم نے پڑھا ہوگا

مذکر	متکلم	میں آیا ہوں گا / میں نے پڑھا ہوگا	ہم آئے ہوں گے / ہم نے پڑھا ہوگا
مؤنث		میں آئی ہوں گی ، میں نے پڑھا ہوگا	ہم آئے ہوں گے / ہم نے پڑھا ہوگا

اس صیغہ میں جنس اور عدد میں مفعول سے مطابقت ہوگی اس نے کتاب پڑھی ہوگی ، اس نے کتابیں پڑھی ہوں گی ، اس نے رسالہ پڑھا ہوگا ، انھوں نے رسالے پڑھے ہوں گے ۔ دراصل صیغے کی اس صورت میں صرف شک اور احتمال ہی نہیں یقین کی بھی صورت موجود ہے ، لیکن شک و یقین کا فرق دراصل تاکید[1] پر ہے ۔ اگر آیا میں تاکید آ کے بعد ہو تو احتمال اور شک کی صورت ہے اور یا کے بعد ہو تو یقین کی ۔ افسوس ہے کہ اردو کے قواعد نویسوں نے زبان میں تاکید کی اہمیت کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے ۔ اسی ایک صیغہ میں دو صورتیں تو مذکورہ بالا ہیں جو تاکید سے پیدا ہوتی ہیں ۔ ایک اور صورت استفہام کی ہے ۔ اگر تاکید کو ظاہر کرنے کے لیے ↑ کا نشان استعمال کیا جائے تو حسب ذیل صورتیں پیدا ہوتی ہیں :

وہ آ↑یا ہوگا ۔ یعنی شک اور احتمال ہے ۔ آیا ہو یا نہ آیا ہو

وہ آیا↑ ہوگا ۔ یقین ہے کہ وہ ضرور آیا ہوگا

وہ آیا↓ ہوگا ۔ سوال ہے کہ وہ آیا ہوگا یا نہیں

بعض اوقات ماضی احتمالی یا شکی بغیر گا کے بھی بناتے ہیں ، لیکن اس صورت میں 'شاید' 'ممکن ہے' وغیرہ حروف شک و احتمال کا استعمال ضروری ہوتا ہے ۔ اس صورت میں ماضی مطلق کے بعد صرف لاحقہ ہو لگا دیتے ہیں ۔ ممکن ہے وہ آیا ہو ، ممکن ہے اس نے پڑھا ہو ۔ کبھی ماضی شرطیہ سے بھی احتمال اور شک کے معنی پیدا ہوتے ہیں ، اسے خبر ہوتی تو وہ آ جاتا ۔ اگر فعل میں ماضی کا صیغہ کسی شرط یا تمنا کے ساتھ ہو تو اس صورت میں اسے ماضی شرطیہ یا تمنائی کہتے ہیں ۔ مثلاً اگر وہ آتا تو میں جاتا ، وہ خط لکھتا میں جواب دیتا ۔ اسی صورت میں کبھی حرف

---

۱ ۔ تاکید یہاں Stress کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔

شرط و تمنا استعمال کرتے ہیں اور کبھی حذف۔ اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ مادہ فعل کے بعد تا لاحقہ لگاتے ہیں یا حالیہ تمام کے بعد ہوتا ہے۔ مثلاً آتا یا آیا ہوتا۔ گردان اس کی حسب ذیل ہوگی:

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ آتا / آیا ہوتا / اس نے پڑھا ہوتا	وہ آتے / آئے ہوتے / انھوں نے پڑھا ہوتا
	مؤنث	وہ آئی ہوتی / اس نے پڑھا ہوتا	وہ آئی ہوتیں / انھوں نے پڑھا ہوتا
حاضر	مذکر	تو آتا / آیا ہوتا / تو نے پڑھا ہوتا	تم آتے / آئے ہوتے / تم نے پڑھا ہوتا
	مؤنث	تو آتی / آئی ہوتی / تو نے پڑھا ہوتا	تم آتیں / آئی ہوتیں ، تم نے پڑھا ہوتا
متکلم	مذکر	میں آتا / آیا ہوتا / میں نے پڑھا ہوتا	ہم آتے / آئے ہوتے / ہم نے پڑھا ہوتا
	مؤنث	میں آتی / آئی ہوتی / میں نے پڑھا ہوتا	ہم آتے / آئے ہوتے / ہم نے پڑھا ہوتا

کبھی صیغہ فعل شکل کے اعتبار سے تو ماضی شرطیہ یا تمنائی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں صرف کسی فعل کا وقوع ہوتا ہے؛ تمنا یا شرط نہیں پائی جاتی۔ مثلاً پہلے وہ یہاں آتا ، پھر یہاں سے وہاں جاتا۔

نے کے استعمال کی صورت میں مفعول کے صیغہ جنس و عدد کا اثر گردان میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس نے کتاب پڑھی ہوتی　　　اس نے کتابیں پڑھی ہوتیں

اس نے رسالہ پڑھا ہوتا　　　اس نے رسالے پڑھے ہوتے

ماضی کا یہ صیغہ کبھی ماضی شکی سے گا ، گے ، گی حذف کرنے سے بھی بنا لیتے ہیں۔ اس صورت میں گردان یوں ہوگی۔

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ آیا ہو / اس نے پڑھا ہو	وہ آئے ہوں / انھوں نے پڑھا ہو
	مؤنث	وہ آئی ہو / اس نے پڑھا ہو	وہ آئی ہوں / انھوں نے پڑھا ہو
حاضر	مذکر	تو آیا ہو / تو نے پڑھا ہو	تم آئے ہو / تم نے پڑھا ہو
	مؤنث	تو آئی ہو / تو نے پڑھا ہو	تم آئے ہو / تم نے پڑھا ہو
متکلم	مذکر	میں آیا ہوں / میں نے پڑھا ہو	ہم آئے ہوں / ہم نے پڑھا ہو
	مؤنث	میں آئی ہوں / میں نے پڑھا ہو	ہم آئے ہوں / ہم نے پڑھا ہو

اس صورت میں بھی نے کے استعمال کے ساتھ گردان میں مفعول کے صیغہ جنس و عدد کی مطابقت ہوتی ہے -

اس نے کتاب پڑھی ہو	اس نے کتابیں پڑھی ہوں
اس نے رسالہ پڑھا ہو	انھوں نے رسالے پڑھے ہوں

ماضی شرطیہ یا تمنائی کبھی کبھی بہ صورت تمنائی یا شرطی ہوتی ہے ، لیکن اس میں ماضی استمراری کے معنی جھلکتے ہیں اور کبھی مستقبل کے -

فعل حال

قواعد نویسوں نے جس فعل کو حال کہا ہے ، وہ صرف ایک اصطلاحی حال ہے ، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک لمحہ پہلے جو ہو رہا تھا ، وہ اب ماضی میں جا چکا ہے جو اب اس لمحے ہو رہا ہے - جب اس کا

ذکر ہوگا ، اس وقت تک وہ بھی ماضی میں جا چکا ہوگا ، اس لیے حال حقیقی کا ادراک اور احساس جب تک ہو حال ماضی بن چکا ہوتا ہے ۔ بہرحال اس فلسفیانہ بحث سے قطع نظر قواعد نویسوں نے حال کی بھی مختلف قسمیں بتائی ہیں ۔

حال مطلق

کہا جاتا ہے کہ حال مطلق سب سے اول سادہ صورت ہے ، جس سے اب تک فعل کی اصل ظاہر ہے ، لیکن جو قواعد نویس یہ کہتے ہیں وہ بھی تسلیم کرتے ہیں[1] کہ موجودہ حالت میں وہ صاف صاف زمانہ حال کو ظاہر نہیں کرتا ، بلکہ زمانہ حال کے ساتھ اس میں کئی قسم کے معانی کی جھلک پائی جاتی ہے ۔ اردو قواعد نویسوں نے مضارع کے نام سے اسے ایک الگ فعل قرار دیا ہے ، جو ماضی ، حال اور مستقبل تینوں میں سے کسی ایک زمانے کے اندر ہو ۔ بعض انگریز قواعد نویسوں نے اسے مستقبل کے تحت لکھا ہے ۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے ۔ درحقیقت یہ حال ہے اور اب اس میں حال کے معنی پائے جاتے ہیں ، لیکن اس دلیل کے بعد بھی قواعد نویس اسے مضارع کہنے پر ہی مصر ہیں ، تو پھر اسے حال سے الگ ایک فعل کیوں نہ قرار دیا جائے ۔

بعض قواعد نویسوں نے [2] صرف حال مطلق کو حال کہا ہے اور بعض نے اس حال مطلق کو مضارع کے ساتھ شامل کر لیا ہے ۔ ہمارے خیال میں حال مطلق سے مراد ایسا فعل ہے ، جس کا وقوع زمانۂ حال میں یعنی زمانہ بالفعل میں پایا جائے ۔ مثلاً آتا ہے ، پڑھتا ہے ، اس کے بنانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مادہ فعل میں تا ، تے ، تی بطور لاحقہ لگا کر فاعل کی مطابقت میں ہے یا ہیں بڑھاتے ہیں ۔ گردان اس کی یہ ہوگی :

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ آتا ہے	وہ آتے ہیں
مؤنث	غائب	وہ آتی ہے	وہ آتی ہیں

---

۱ ۔ عبدالحق قواعد اردو ، صفحہ ۱۲۸ ۔

۲ ۔ فتح محمد خان جالندھری مصباح القواعد حصہ اول ، صفحہ ۶۴ ۔

مذکر	حاضر	تو آتا ہے	تم آتے ہو
مؤنث		تو آتی ہے	تم آتی ہو
مذکر	متکلم	میں آتا ہوں	ہم آتے ہیں
مؤنث		میں آتی ہوں	ہم آتے ہیں

اس صیغے میں بھی مختلف ادوار میں لسانی تغیر ہوا ہے۔ تدریجی منازل یہ ہیں : قدیم دور متقدمین میں آوتا ، جاوتا ہے۔ دور متوسطین آوے ہے ، جاوے ہے۔ دور متاخرین میں آئے ہے ، جائے ہے۔ عصر حاضر آتا ہے ، جاتا ہے۔ آے ہے ، جائے ہے اب معیاری اردو میں فصیح نہیں سمجھا جاتا ، البتہ شاعری میں اس کا استعمال اب بھی جائز سمجھا جاتا ہے۔ اس صیغہ میں بھی متقدمین کے دور تک جمع کے افعال کو الف نون کے ساتھ جمع لاتے تھے۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

بعض قواعد نویس آوے ہے اور جاوے ہے کو مضارع کی صورت بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہی قدیم حال مطلق تھا[1]۔ چنانچہ انشاء اللہ خاں لکھتے ہیں[2] :

"بعضے صاحبان در صیغہ حال آن واو ماقبل یاء مجہول زیادہ کنند مانند آوے ہے و کہوے ہے و ہووے ہے و رہوے ہے بجائے آئے ہے و کہے ہے و لے ہے و رہے ہے۔ ایں زیادتی واو اگرچہ کہ زبان شاہ جہان آبادیان اردو دان است ، لیکن بغیر واو قباحتے نہ دارد و رہے و کہے ہم دور از فصاحت است مگر با حرف شرط استعمال آں روزمرہ فصیحان باشد"۔

---

۱ - عبدالحق ، قواعد اردو ، صفحہ ۱۲۸ - فتح محمد جالندھری مصباح القواعد حصہ اول ، صفحہ ۶۵ -

۲ - انشاء اللہ خاں ، دریائے لطافت ، صفحہ ۱۰۹ -

اس سے معلوم ہوا کہ انیسویں صدی کے نصف اول تک کم از کم دہلی میں آوے ہے ، جاوے ہے کو فصیح اور درست مانا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ موجودہ تک دلی کے عوام کی زبان میں کہیں کہیں اس کی جھلک ملتی ہے ۔

ایک اور صورت اس حال مطلق یا مضارع کی متقدمین کے یہاں یائے مجہول کے اضافے کے ساتھ ملتی ہے ، آئیا ہے ، جائیا ہے ، اڑائیا ہے ۔ انشاء کے دور تک غالباً کتابی اور فصیح روزمرہ کی حیثیت سے یہ صورت ترک ہو چکی تھی ، لیکن بعض علاقوں میں اس وقت بھی کہیں کہیں اس طرح بولتے تھے اور بولنے والے کو قدیم اور اس کے کلام کو بزل سمجھتے تھے ۔ علاقائی صورتیں اور بھی تھیں جو بعض علاقوں میں اب بھی موجود ہیں ۔ مثلاً آوت ہے اور آت ہے بجائے آتا ہے ۔ آخرالذکر صورت منجملہ اور شہادتوں کے کبیر کے کلام میں ملتی ہے ۔

حال کی ایک صورت اور ہے جسے حال ناتمام کہنا زیادہ مناسب ہے مثلاً آرہا ہے ، پڑھ رہا ہے ۔ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ کام ابھی جاری ہے اور ختم نہیں ہوا ، اس کی گردان حسب ذیل ہے :

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ آ رہا ہے	وہ آرہے ہیں
مؤنث		وہ آ رہی ہے	وہ آ رہی ہیں
مذکر	حاضر	تو آ رہا ہے	تم آ رہے ہو
مؤنث		تو آ رہی ہے	تم آ رہی ہو
مذکر	متکلم	میں آ رہا ہوں	ہم آ رہے ہیں
مؤنث		میں آ رہی ہوں	ہم آ رہے ہیں

اگر فعل کا زمانۂ حال میں متواتر ، پے در پے یا شدت سے ہونا ظاہر کرنا مقصود ہو تو مادہ فعل کے بعد ہمزہ اور یائے مجہول کا اضافہ کر لیتے ہیں ۔

گردان اسی طرح ہوگی جیسے اوپر مذکور ہوئی ۔

ایک اور صورت حال ناتمام کی لکھے جاتا ہے ، پڑھے جاتا ہے ، ہے ۔ اس میں بھی فعل کا تسلسل اور شدت سے ہونا ظاہر ہوتا ہے اور اس کی گردان بھی اسی طرح ہوتی ہے ۔ تسلسل فعل حال کو ظاہر کرنے کی صورت لکھتا چلا جا رہا ہے ، کھاتا چلا جا رہا ہے ، بولتا چلا جا رہا ہے اور لکھتا جا رہا ہے ، کھاتا جا رہا ہے ، بولتا جا رہا ہے ، بھی ہے ۔ ان صورتوں میں دراصل جا رہا ہے اور چلا جا رہا ہے سے فعل کے تسلسل کے معنی پیدا ہوتے ہیں[1] ۔

حال کی ہی ایک صورت وہ ہے جسے قواعد نویسوں نے حال ناتمام لکھا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اس صیغے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فعل ابھی تمام ہوا ۔ اگر فعل تمام ہوا تو پھر ظاہر ہے یہ ماضی کی بات ہوگی ، لیکن ماضی اتنا قریب ہے کہ اس میں اور حال میں فاصلے کا احساس نہیں ہوتا ۔ صرف یہی جواز اس قسم کے افعال کو حال کہنے کا ہو سکتا ہے ۔ اس طرح کے افعال صیغہ حالیہ تمام کے ہے ، ہیں ، ہوں کے لاحقہ کے اضافے سے بناتے ہیں ۔ مثلاً آیا ہے ، لایا ہے وغیرہ ۔ گردان اس کی یوں ہوگی :

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ آیا ہے	وہ آئے ہیں
مؤنث	غائب	وہ آئی ہے	وہ آئی ہیں
مذکر	حاضر	تو آیا ہے	تم آئے ہو
مؤنث	حاضر	تو آئی ہے	تم آئی ہو

۱ ۔ یہ معنوی صورت حال صیغہ حال کے علاوہ ماضی میں بھی صرف امدادی فعل ہے ، ہیں ، ہوں کو تھا ، تھی ، تھے ، تھیں سے بدل کر پیدا ہوتی ہے ۔

مذکر	متکلم	میں آیا ہوں	ہم آئے ہیں
مؤنث		میں آئی ہوں	ہم آئے ہیں

افعال متعدی کے ساتھ تو اس صیغے کی صورت ماضی قریب کی سی ہو جاتی ہے ۔ مثلاً اس نے پڑھا ہے ، تم نے پڑھا ہے ، میں نے پڑھا ہے اور ایسی صورت میں فعل کے صیغہ جنس و عدد کی مطابقت مفعول کے صیغے سے ہوتی ہے ۔

میں نے کتاب پڑھی ہے ۔ میں نے کتابیں پڑھی ہیں
میں نے رسالہ پڑھا ہے ۔ میں نے رسالے پڑھے ہیں

بعض قواعد نویسوں کے بقول[1] اس صیغے کی ایک اور صورت مادہ فعل کے بعد چکا ہے ، ہیں ، ہوں کے اضافے سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں بھی فعل کی تکمیل کے معنی پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً میں پڑھ چکا ہوں ، میں کہا چکا ہوں ۔ ہمارے خیال میں اس صورت کو ماضی قریب میں شمار کرنا مناسب ہے ، ایسی صورت میں پڑھ چکا تھا وغیرہ صیغہ ماضی بعید اور پڑھ چکا ہے وغیرہ ماضی قریب کے صیغے قرار پاتے ہیں جو واقعہ ہے ۔

یہی حال اس صیغے کا ہے جسے قواعد نویسوں نے حال احتمالی یا شکی کا نام دیا ہے اور اس کی تعریف یہ کی ہے کہ اس سے زمانہ حال کے کسی فعل میں احتمال پایا جائے ۔ مثلاً وہ آتا ہو ، وہ آ رہا ہو آتا ہو سے ظاہر ہے کہ کام قریب زمانے میں واقع ہوگا اور آ رہا ہو سے یہ ظاہر ہے کہ آنے کا فعل جاری ہے ، یعنی ظن غالب ہے کہ وہ چل دیا ہے ۔ اس حال احتمالی کی یہ تشریح درست تسلیم کر لی جائے تو وہ جو کام قریب زمانے میں واقع ہوگا اس کا تعلق حال سے کیسے ہوا ، وہ تو مستقبل کی بات ہوئی ۔ اور وہ چل دیا ہے ، تو چلنے کا کام ماضی میں شروع ہوا اور جاری ہے اور یہ صیغہ نہ ماضی ہوا اور نہ حال بلکہ اسے ایک الگ صیغہ

---

۱ ۔ عبدالحق ، قواعد اردو ، صفحہ ۱۳۲ ۔

شمار کرنا چاہیے ، جس میں کام ایک زمانے سے دوسرے زمانے تک جاری رہتا ہے ۔ یہ صورت ماضی سے حال تک اور حال سے استقبال تک دونوں صورتوں میں کام جاری رہنے کی حالت کے صیغے کے لیے اختیار کی جا سکتی ہے ، لیکن ہمارے کسی قواعد نویس نے اس مسئلے کو نہیں چھیڑا ہے ۔

علاوہ آتا ہو اور آ رہا ہو کے کبھی کبھی ان کے بعد گا کے اضافے سے ماضی احتمالی کے معنی بھی ظاہر ہوتے ہیں ۔ مثلاً آیا ہوگا ، لایا ہوگا یا عادت کے معنی ، مثلاً کرتا ہوگا ۔

فعل حال بعض اوقات بہ صورت تو حال ہوتا ہے ، لیکن اس میں مستقبل کے معنی ہوتے ہیں ۔ مثلاً تم چلو ہم آتے ہیں ، یعنی ہم بھی تمھارے ساتھ یا تمھارے بعد آئیں گے ۔ کبھی کبھی یہی حال ماضی کے معنی بھی دیتا ہے ۔ مثلاً عقلمندوں نے کہا ہے ، سائنسدانوں نے ثابت کیا ہے ۔ آخرالذکر صورت کے معنی ہیں کہ عقلمندوں کا قول اور سائنسدانوں کا ثبوت زمانہ ماضی سے تعلق رکھتا ہے[1] ۔

---

۱ ۔ اسے بعض قواعد نویسوں نے حال حکائی لکھا ہے (عبدالحق قواعد اردو ، صفحہ ۲۶۱) ۔ اسی بحث میں مولوی عبدالحق صاحب نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ اصل میں تو فعل حال حالات موجودہ کو ظاہر کرتا ہے ، لیکن ضمناً زمانۂ حال کے متعلق دوسرے معانی بھی پیدا ہوتے ہیں مثلاً عادت یا تکرار ۔ فعل عام امور صداقت جو کبھی باطل نہ ہوں گے ۔ مستقبل قریب بلکہ اقرب ایسے افعال جو گزشتہ زمانے میں شروع ہوئے اور حال میں جاری ہوں ، ایسے افعال میں جہاں فعل تمام نہیں ہوا محاورہ میں حال تمام ہی لکھتے ہیں اور ایسے موقع پر جہاں از روے قیاس ماضی ہونا چاہیے اور کبھی ماضی مطلق اور ماضی بعید کے معنی بھی پیدا ہوتے ہیں ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے عبدالحق قواعد اردو ، حصہ نحو ، صفحہ ۲۶۲ ۔

امر اور نہی

امر کے معنی حکم یا فرمان کے ہیں ، لیکن قواعد کی اصطلاح میں افعال کی وہ جملہ صورتیں جن میں حکم ، فرمان ، التجا ، درخواست ، طلب کے معنی ہوں ، امر میں شامل ہیں ۔ منفی صورت اسی کی نہی ہے جس میں کسی کام کے نہ کرنے کا حکم ، فرمان ، التجا یا درخواست ہو ۔ اردو کے قدیم قواعد نویسوں نے اس کا بیان ازمنہ ثلاثہ یعنی ماضی ، حال یا مستقبل میں کسی کے تحت کرنے کی بجائے الگ کیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ امر کا تعلق یا نہی کا تعلق جہاں تک حکم یا امتناع کے تحت صدور یا عدم صدور فعل کا ہے ، مستقبل یا آنے والے زمانے سے ہی ہو گا ، خواہ آپ اسے اقرب مستقبل میں شامل کریں اس لیے اگر فعل کی اس صورت کو کسی نہ کسی زمانے کے تحت ہی شمار کرنا ہو تو منطقی طور پر اس بحث کی جگہ استقبال ہونا چاہیے ، لیکن بعض قواعد نویسوں نے اسے حال میں شمار کیا ہے ۔ مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں[1] ۔

”امر یہ دوسری سادہ صورت حال کی ہے ۔ امر کے معنی حکم کے ہیں ، یہ حکم اور التجا کے لیے آتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔“

یہ صورت حال صرف اس حد تک درست ہے کہ صیغہ امر کی بعض شکلیں ساخت کے اعتبار سے سادہ حال یا مضارع سے ملتی ہیں ۔ مثلاً آئے ، پڑھے وغیرہ واحد اور آئیں پڑھیں وغیرہ جمع کی صورت میں ، لیکن بہت سی صورتیں امر کی اس سے مختلف ہیں اور معنوی اعتبار سے بہر حال فعل کا صدور یا عدم صدور زمانۂ آئندہ سے تعلق رکھتا ہے ۔ البتہ حکم یا امر جو اس وقت دیا جاتا ہے ، وہ زمانہ حال کا ہے ۔ اس اعتبار سے اسے حال میں شامل سمجھ سکتے ہیں ۔

---

۱ ۔ عبدالحق قواعد اردو ص ۱۲۹ ۔

ساخت کے اعتبار سے امر کی سب سے سادہ صورت وہی ہے جو سادہ فعل ہے ، یعنی فعل جس میں سے علامت مصدر دور کر دی جائے ، مثلاً آنا سے آ اور پڑھنا سے پڑھ ، چلنا سے چل وغیرہ ۔ یہ صورت امر کی صیغہ حاضر واحد (مذکر اور مؤنث) دونوں کی ہے ۔ اس کی صورت جمع میں واؤ کا اضافہ کر کے اور اگر مادہ فعل کے آخر میں الف ہے تو ہمزہ بڑھا کر آؤ ، پڑھو ، چلو وغیرہ بنائیں گے ۔ صیغہ غائب میں واحد کے لیے مادہ فعل کے لیے بعد ے یا ئے کا اضافہ کریں گے ، (وہ) آئے ، (وہ) پڑھے ، (وہ) چلے ۔ اور اس کے صیغہ جمع کے لیے ں کا مزید اضافہ کریں گے ، (وہ) آئیں ، (وہ) پڑھیں ، (وہ) چلیں وغیرہ ۔

امر کے صیغہ میں بعض باتیں بدلتی ہیں اور صیغوں میں غائب ، حاضر اور متکلم کے تین صیغے اور ہر صیغے میں مذکر اور مؤنث اور واحد جمع کے صیغے مل کر ۱۲ صیغے ہوتے ہیں ۔ امر میں متکلم کا صیغہ نہیں ہوتا ، گویا اس کی گردان میں بجائے ۱۲ کے صرف آٹھ صیغے ہوتے ہیں ۔ گردان یہ ہوتی ہے :

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ آئے / وہ پڑھے	وہ آئیں / وہ پڑھیں
مؤنث		وہ آئے / وہ پڑھے	وہ آئیں / وہ پڑھیں
مذکر	حاضر	تو آ / تو پڑھ	تم آؤ / تم پڑھو
مؤنث		تو آ / تو پڑھ	تم آؤ / تم پڑھو

اس سادہ صورت میں مادہ فعل ۔ واحد مذکر کا صیغہ بن جائے گا اور واو مجہول بڑھانے سے جمع لیکن اگر مادہ فعل میں آخر حرف الف یا واو مجہول ہو تو جمع میں واو مجہول سے پہلے ایک ہمزہ بھی بڑھا دیتے ہیں آ ــ آؤ ۔

بعض قواعد نویسوں نے[1] لکھا ہے کہ اصلاً اردو میں امر کے صیغوں کی یہ تفصیل بھی محض عربی قواعد کی تقلید میں ہے - ان کے بقول : ''امر کا صحیح مفہوم تو یہی ہے کہ مخاطب کو حکم کیا جائے اور اسی لیے اردو میں امر کے چار سے زیادہ صیغے نہیں ہونے چاہییں[2]-'' عربی میں تو امر حاضر اور امر غائب کے ملا کر چودہ صیغے ہو جاتے ہیں کیونکہ وہاں جمع کے علاوہ تثنیہ کا صیغہ بھی ہے - اردو میں صیغہ غائب کے صیغوں پر یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ : ''جو افعال امر غائب کے صیغے قرار دیے جاتے ہیں ، وہ پورا جملہ بننے کے سوا کبھی کام نہیں دے سکتے -''

علاوہ صورت مذکورہ بالا کے امر کی بہت سی صورتیں ہیں - مثلاً امر حاضر میں کبھی صورت مصدر ہی امر کے معنی رکھتی ہے ، مثلاً یہاں آنا ، یہ قلم اٹھانا ، میری بات سننا وغیرہ - ایسی صورت میں فاعل محذوف ہوتا ہے - امر حاضر کی ہی ایک اور صورت یہ ہوتی ہے کہ مادہ فعل کے بعد یو لگاتے ہیں ، مثلاً دوڑیو ، رکھیو اور اگر مادہ فعل کے آخر میں الف یا واؤ مجہول ہو تو یائے مضموم سے پہلے ہمزہ مکسور بھی لگاتے ہیں : مثلاً کھانا سے کھائیو - مرزا غالب کا شعر ہے :

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اگر مادہ فعل کے آخر میں یائے معروف یا مجہول ہو تو اس میں یو سے پہلے جیم کا اضافہ کرتے ہیں اور یائے مجہول کو معروف سے بدل دیتے ہیں ، مثلاً لینا سے لیجیو ، پینا سے پیجیو[3] - لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے ، مثلاً لینا سے لو ، دینا سے دو میں مادہ فعل کی یائے غائب ہوجاتی ہے - کبھی بغیر جیم کے اضافہ کے بھی استعمال کرتے ہیں - مثلاً پیو ،

---

۱ - فتح محمد جالندھری مصباح القواعد ، حصہ اول ، صفحہ ۶۸ -

۲ - چنانچہ انشاء اللہ خاں نے بھی (دریائے لطافت ، صفحہ ۱۲۱) صرف امر حاضر کے چار صیغے لکھے ہیں - مارا جا ، ماری جا ، مارے جاؤ ، ماری جاؤ -

۳ - یہ صورت نفی کی بھی ہے ، لیکن اس میں اور امر میں فرق حرف نفی کے استعمال کا ہے ، صیغے کی صورت ایک ہی ہے -

جیو ، سیو (جن کے مادہ فعل پی ، جی ، سی ہیں) ان جملہ صورتوں میں محذوف یا ظاہر فعل تم ہے ، جو حاضر جمع کا صیغہ ہے ، لیکن تعظیماً واحد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں ۔ صیغہ واحد تو یا واحد تعظیمی آپ یا صیغہ غائب کے ساتھ یہ صورت استعمال نہیں ہوتی ۔ تعظیمی صورتیں مختلف ہیں ۔ مثلاً غائب واحد جمع دونوں کے لیے وہ آئیں ، وہ پڑھیں ، وہ لیں ، وہ سیئیں (مادہ فعل آ ، پڑھ ، لے ، سی) حاضر واحد جمع کے لیے آپ آئیں ۔ آپ پڑھیں ، آپ لیں ، آپ سیئین ، کبھی تعظیم کے لیے ، آپ آئیے ، آپ پڑھیے ، آپ لیجیے آپ سیجیے کبھی مزید تعظیم و تکریم کے لیے اس قسم کیے تعظیمی امر کے ساتھ گا بھی بڑھا دیتے ہیں ۔ آپ آئیے گا ، آپ پڑھیے گا ، آپ لیجیے گا ، آپ سیجیے گا ۔ لیکن حقیقت میں یہ صورت درخواست یا حکم کی کم استفسار کی زیادہ ہوتی ہے ۔ لیکن استفسار اور درخواست میں فرق اس میں تاکید سے پیدا ہوتا ہے آپ لیجیے گا ↑ امر اور آپ لیجیے گا ↑ ۔ استفسار کی صورت ہوتی ہے ۔

ایک اور صورت امر حاضر جمع کی دعائیہ ہے ، جس میں آخر واؤ سے پہلے ایک یائے معروف بڑھاتے ہیں ۔ مثلاً دیجیو ، پیجیو (بجائے دو ، دیجو ، پیجیو) لیکن یہ صرف تو اور تم کے ساتھ آتی ہے ، تعظیمی آپ کے ساتھ نہیں ، بعض علاقوں میں آئیو اور جائیو دعائیہ کی بجائے سادہ امر کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں ۔ یہ کہنا زیادہ صحیح نہیں ہے کہ یہ صرف معمولی درجے کے لوگوں اور خدمت گاروں وغیرہ سے گفتگو کرنے میں استعمال ہوتی ہے متقدمین میں اس کا استعمال بہت عام تھا ، کہیو بجائے کہنا ۔ مرزا غالب کے دور تک عام اور فصیح سمجھا جاتا تھا ۔

ع — میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

امر سے بعض اوقات تنبیہہ کے معنی بھی پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً دیکھ ، دیکھو ۔ سن سنو وغیرہ ۔

۱ـ کیجیو کرنا سے نہیں بلکہ پراکرتی کینو (کی نو) سے علامت فعلی مصدری دور کر کے اسی نمونے پر بنایا گیا ہے ۔ کرنا سے کریو درست ہے ، لیکن محاورے کے خلاف اور فصاحت سے ساقط سمجھا جاتا ہے ۔

بعض اوقات ساخت کے اعتبار سے صیغہ امر کا معلوم ہوتا ہے ، لیکن ہوتا دراصل مضارع کا ہے ۔ نظم میں اکثر ایسی صورت پیش آتی ہے ۔ مرزا غالب کا مصرعہ ہے :

ع — رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

امر کی ایک اور صورت امر مدامی کی ہے ۔ اس میں حالیہ ناتمام کے بعد رہ ، رہو یا رہیے بڑھاتے ہیں ۔ مثلاً جیتا رہ ، کھاتے رہو ، پڑھتے رہیے ، ایسی صورت فعل کے مدام اور مسلسل جاری رکھنے کا حکم درخواست یا التجا ہوتی ہے ۔

یوں تو نہ حرف نفی ہے ، لیکن کبھی امر کے بعد آتا ہے تو نفی کے معنی نہیں پیدا ہوتے ، بلکہ اثبات اور تاکید کے معنی نکلتے ہیں ، مثلاً آؤ نہ ، چلو نہ وغیرہ ۔ نفی میں حروف نفی امر سے پہلے آتے ہیں ۔

نہی

جس طرح صیغہ امر میں کسی کام کے کرنے کا حکم ہوتا ہے ، صیغہ نہی میں نہ کرنے کا حکم تاکید ، التجا یا درخواست ہوتی ہے ۔ نفی بنانے کے لیے مصدر سے پہلے نہ یا مت لگاتے ہیں اور امر کی طرح اس کی گردان میں بھی آٹھ صیغے ہوتے ہیں ۔

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ نہ آئے	وہ نہ آئیں
	مؤنث	وہ نہ آئیں	وہ نہ آئیں
حاضر	مذکر	تو نہ آ	تم نہ آؤ
	مؤنث	تو نہ آ	تم نہ آؤ

صیغہ تعظیمی میں حاضر واحد اور جمع دونوں کے لیے آپ نہ آئیں استعمال کرتے ہیں ۔ تم کے ساتھ آ کی جگہ نہ آؤ استعمال ہوگا ۔ گفتگو میں اکثر نفی کے لیے امر کے صیغہ سے قبل صرف نون مفتوح لگانے سے بھی نفی

بناتے ہیں ۔ نکر وغیرہ مت کے بارے میں انشاء اللہ خاں لکھتے ہیں[۱] ۔
''و بر زبان ملاہائے مکتبی شاہ جہان آباد و بعضے ہنود مت حرف نہی باشد مانند مت جا و بعضے متی برنون مفتوح کہ حرف نفی است بیفزایند مانند تو متی جا و ایں لفظ زبان دلال بچکاں مزید پارچہ است کہ پدر و مادر شان پنجابی و خود در دہلی متولد شدہ اند و بعضے از ساکنان مغلپورہ نیز بہ ہمیں طریق حرف زنند ۔''

تو متی جا غالباً انشاء کے زمانے میں بھی صرف ایک علاقے تک محدود تھا ، البتہ متی بجائے مت بعد تک بول چال میں پایا جاتا ہے ، بلکہ روہیلکھنڈ وغیرہ کے بعض علاقوں میں اب تک بولا جاتا ہے ۔ ان ہی علاقوں میں بول چال میں نا بجائے نہ استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی ایک حد تک موجودہ زمانے میں علاقائی صورت ہے ، لیکن متقدمین کے یہاں دکھنی دور تک عام صورت یہی تھی ۔

حرف نہی عام طور پر امر سے پہلے لگاتے ہیں ، لیکن کبھی تاکید کے لیے امر کے بعد بھی استعمال کرتے ہیں ، مثلاً جانا مت ۔

مستقبل

فعل کا صیغہ مستقبل یہ ظاہر کرتا ہے کہ فعل کا صدور آنے والے زمانے میں ہوگا ۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں :

۱۔ سادہ جسے مستقبل مطلق بھی کہہ سکتے ہیں ۔ اس میں قریب و بعید کا امتیاز نہیں ہوتا ، اس کے بنانے کا عام قاعدہ یہ ہے کہ مضارع کے بعد گا ، گی ، گے بڑھاتے ہیں ۔ آئے گا پڑھے گا وغیرہ ۔ لیکن مصدر ہونا سے مستقبل مطلق ہوگا خلاف قیاس بنا ہے ۔ ویسے متقدمین کے یہاں ہو وے گا ، ہوئیے گا مستعمل تھے[۲] ۔

---

۱ ۔ انشاء اللہ خاں دریائے لطافت ، صفحہ ۱۱۴ ۔

۲ ۔ ہے گا کو مستقبل مطلق میں شمار نہیں کرنا چاہیے ۔ یہ دراصل صیغہ حال ہے لیکن غیر فصیح ۔ ہوگا بھی کبھی ان معنوں میں آتا ہے ۔ ''ہم سا کوئی بدنصیب نہ ہوگا'' یعنی نہیں ہے ۔ ہوگا ماضی کے ساتھ احتمال اور شک کے معنی دیتا ہے ۔ پڑھا ہوگا ، آیا ہوگا ۔

اس کی گردان حسب ذیل ہے :

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ آئے گا / پڑھے گا	وہ آئیں گے / پڑھیں گے
مؤنث		وہ آئے گی / پڑھے گی	وہ آئیں گی / پڑھیں گی
مذکر	حاضر	تو آئے گا / پڑھے گا	تم آؤ گے / پڑھو گے
مؤنث		تو آئے گی / پڑھے گی	تم آؤ گی / پڑھو گی
مذکر	متکلم	میں آؤں گا/پڑھوں گا	ہم آئیں گے / پڑھیں گے
مؤنث		میں آؤں گی/پڑھوں گی	ہم آئیں گے / پڑھیں گے

۲- مستقبل کی دوسری صورت مدامی ہے - یعنی فعل مستقبل میں برابر مسلسل جاری رہے گا - اس میں حالیہ ناتمام کے بعد رہے گا / گی / گے بطور لاحقہ لگاتے ہیں اور گردان یہ ہوگی :

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ آتا رہے گا / پڑھتا رہے گا	وہ آتے رہیں گے / پڑھتے رہیں گے
مؤنث		وہ آتی رہے گی/پڑھتی رہے گی	وہ آتی رہیں گی / پڑھتی رہیں گی
مذکر	حاضر	تو آتا رہے گا / پڑھتا رہے گا	تم آتے رہو گے / پڑھتے رہو گے
مؤنث		تو آتی رہے گی/پڑھتی رہے گی	تم آتی رہوگی / پڑھتی رہو گی
مذکر	متکلم	میں آتا رہوں گا / پڑھتا رہوں گا	ہم آتے رہیں گے / پڑھتے رہیں گے
مؤنث		میں آتی رہوں گی / پڑھتی رہوں گی	ہم آتے رہیں گے / پڑھتے رہیں گے

مستقبل قریب کے لیے تا ہوگا کی صورت مستعمل ہے ۔ وہ آتا ہوگا اور قریب مزید کے لیے ہوگا سے پہلے ہی تاکیدی وہ آتا ہی ہوگا ۔ اسی کی ایک اور صورت ماضی کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے ۔ گھبراؤ مت میں ابھی آیا یعنی آؤں گا ۔ اگر اس نے خط لکھا تو میں جواب دوں گا ۔ آپ آئے اور میں رخصت ہوا یعنی جیسے ہی آپ آئیں گے میں رخصت ہو جاؤں گا ۔

مستقبل احتمالی کے لیے آئے ، آئیں ، بغیر گی ، گا ، گے کے استعمال کرتے ہیں ، عام طور پر اس کے ساتھ حروف احتمال شاید ، ممکن ہے ، غالباً وغیرہ استعمال کرتے ہیں ۔ شاید وہ کل آئے ، شاید ہم سب جائیں ۔ یہ بھی ایک طرح ماضی ہی کی ایک صورت ہے ۔ تاکید کے لیے مستقبل مطلق ہی استعمال کرتے ہیں ، لیکن اس کا اظہار گفتگو میں فعل پر تاکید سے اور تحریر میں سیاق و سباق سے ہوتا ہے ۔

وہ آئے ↑ گا ↑ یعنی ضرور آئے گا ۔

استفہام یا سوال کے لیے یہ تاکید لاحقہ مستقبل گا کے بعد استعمال کرتے ہیں ، وہ آئے گا ↑ اور نفی کے لیے تاکید کو فاعل پر لاتے ہیں ، وہ ↑ آئے گا ، یعنی وہ نہیں آئے گا ۔

مستقبل قریب کی ایک صورت مصدر کے بعد والا لاحقہ استعمال کرنے سے بھی پیدا ہوتی ہے اور اس کے ساتھ مصدر ہونا کا حال ہے ، استعمال کرتے ہیں : وہ آنے والا ہے ، وہ رونے والا ہے ۔

اکثر فعل کے صیغے کی صورت ساخت کے اعتبار سے تو مستقبل معلوم ہوتی ہے ، لیکن اس میں معنی مستقبل کے نہیں ہوتے ۔ مثلاً کبھی اس سے حال کے معنی پیدا ہوتے ہیں ، آپ سا سخی کون ہوگا ۔ (یعنی ہے) اسی طرح ہوگا ماضی کے ساتھ ماضی کے معنی بھی دیتا ہے ، آپ نے سنا ہوگا (یعنی ماضی میں آپ سن چکے ہیں) اسی طرح ہے گا صیغہ مستقبل کا نہیں حال مضارع ہے ۔ وہ آتا ہے گا ، لیکن یہ صورت اب متروک ہے ، البتہ مصدر کے بعد کا ، کی کے لانے سے مستقبل مطلق کے معنی پیدا ہوتے ہیں ، لیکن ہمیشہ نفی اور تاکیدی آپ کچھ کہیں ، وہ نہیں آئے گا ۔ بعض

اوقات علامت مستقبل گا ، گی ، گے گر جاتی ہے ، مثلاً ہم نے نہ کھایا نہ کھائیں - یہ صورت مستقبل احتمالی میں بھی ہوتی ہے ، جس کی مثال اوپر بیان ہوئی -

لاحقہ مستقبل کے ارتقا کی داستان اردو میں نہایت دلچسپ ہے - دکھنی دور میں مستقبل کا لاحقہ قدیم سی تھا ، ہو سی ہوگا ، نا ہو سی نہ ہوگا ، نہ دیکھ سی نہیں دیکھے گا (یا دیکھ سکے گا) - سی بعض پراکرتوں اور جدید ہند و پاکستانی بولیوں میں بھی ہے اور کہیں مستقبل اور کہیں ماضی کا لاحقہ ہے - (مثلاً پنجابی میں آج بھی ماضی کا لاحقہ ہے ، آیا سی یعنی آیا تھا) لیکن آہستہ آہستہ اسی دور میں سی کی جگہ گا کا استعمال بھی ملنے لگتا ہے اور ولی کے دور تک سی ترک ہو جاتا ہے - اسے صرف دکھنی کی خصوصیت شمار نہیں کرنا چاہیے[1] - یہ البتہ درست ہے کہ شمالی ہند میں اس دور قدیم میں جہاں اور علاقائی اثرات ہیں ، وہاں اپ بھرنش دور کے آخر میں گا کا استعمال ان معنوں میں ملنے لگتا ہے ، اگرچہ اس دور میں بھی مستقبل کو مضارع کے ذریعے سے ظاہر کرنے کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں - یہ سی دراصل سنسکرت میں بھی ماضی مطلق کا لاحقہ ہے[2] - اور اس کی دو صورتیں ہیں ، سیا اور ایسیا کہ ان دونوں لاحقوں کو مادہ پر لگا دیتے ہیں - دراصل ویدک دور تک مستقبل کے الگ صیغے کی صورتیں کم ملتی ہیں - مثلاً رگ وید میں صرف سولہ مادوں کے ساتھ اور اتھر وید میں صرف بتیس مادوں کے ساتھ - بہ حیثیت مجموعی ویدی اور برہمنی میں ملا کر تقریباً سو مثالیں سیا اور تقریباً اسی مثالیں ایسیا کے ساتھ ملتی ہیں -

---

۱ - سی اور گا دونوں کے ساتھ ساتھ استعمال کی شہادت سب رس مصنفہ ملا وجہی (سنہ ۱۰۶۸ھ) سے ملتی ہے ''وہ پچھانے گا ، وہ اس بات کی قدر جانے گا - ہمنا یاد کرے گا ، اپنا دل شاد کرے گا -''
نظر سوں خدا کوں دیکھیں گے تو خدا نظر میں نا آ سی، سب رس - مطبوعہ انجمن ترقی اردو طبع دوم سنہ ۱۹۵۲ء ، صفحہ ۲۷۶ -

2 - A Vedic grammar for Students A.A. Macdonell Oxford 1916 p. 176.

اسی طرح ہوگا کی بجائے ہووے گا اور ہوئے گا بھی متقدمین کے یہاں عام بلکہ آخرالذکر صورت تو حکیم مومن خاں مومن کے یہاں بھی موجود ہے[1]۔

روشن ہے جو ہے آل عبا کا پایہ
ہاں مرتبہ تسلیم و رضا کا پایہ
قندیل ہے عرش کی جو ہر جان شہید
کیا ہوئے گا شاد شہدا کا پایہ

اب دونوں صورتیں تقریباً متروک اور صرف ہوگا رائج اور فصیح سمجھا جاتا ہے۔ واؤ کے اضافہ کی صورتیں ہوگا کے علاوہ مصادر سے بنے ہوئے مستقبل میں تھی متقدمین میں عام تھی، آوے گا، جاوے گا۔ اور یہ واؤ زاید الف واؤ اور یائے معروف پر ختم ہونے والے مصادر میں آتا تھا۔ دور جدید میں واؤ کی جگہ ہمزہ نے لے لی ہے آئے گا، جائے گا، پیے گا۔ انشاء اللہ خاں نے اپنے دور میں اس کی گردان یوں لکھی ہے[2]۔

آوے گا	آویں گے	آوے گی	آویں گی	صیغہ غائب
آوے گا	آؤ گے	آوے گی	آؤ گی	صیغہ حاضر
آؤں گا	آویں گے	آؤں گی	آویں گی	صیغہ متکلم

بعضے مصادر کی اس وقت بھی یہ صورت تھی کہ جن مصادر میں حذف علامت مصدر کے بعد حرف آخر الف نہ ہوتا ''تو بعد حرف آخر کے واؤ ساکن ما قبل مضموم بانون غنہ مقدم برگاف و الف'' لاتے تھے، مثلاً رہوں گا، کہوں گا، اٹھوں گا[3]۔

۱۔ بہ حوالہ مصباح القواعد حصہ اول، ص ۶۷۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ کلام مومن کا ہے۔

۲۔ انشاء اللہ خاں دریائے لطافت، ص ۱۰۸ — ۱۰۹۔

۳۔ ہند آریائی میں مستقبل نیز افعال کے مختلف اطوار کے متعلق بحث کے لیے دیکھیے۔ The character of Indo-European Moods— J. GONDA-OTTO Harrassowitz Wiesbaden 1656.
اس مصنف نے تفصیل سے انسان کے ذہنی ارتقا سے بحث کی ہے (فصل سوم، صفحہ ۲۳ اور آگے)۔

مستقبل کی نفی

مستقبل کی منفی فعل کی صورت میں فعل سے پہلے نہ یا نہیں کا اضافہ کرتے ہیں - نہیں میں نہ سے زیادہ تاکید کی صورت پیدا ہوتی ہے - باقی گردان مثبت فعل کی گردان کی طرح ہے - صیغہ مستقبل کے باب میں قواعد نویسوں نے بڑی بحث[۱] کی ہے - ان میں سے بعض کا خیال ہے[۲] کہ ہند آریائی میں طور فاعلی حاضر اور احتمالی دونوں دراصل مستقبل کے صیغے تھے - ان میں سے اول الذکر مستقبل قریب اور آخرالذکر مستقبل بعید کو ظاہر کرتے تھے (اردو میں اس کی موجودہ صورت وہ آتا ہوگا اور وہ آئے گا ہے ، لیکن آخرالذکر اردو میں مستقبل مطلق کے معنی رکھتا ہے ، جس میں قریب اور بعید کا امتیاز یا وضاحت نہیں) - بعض کا خیال[۳] ہے کہ اس طرح کے صیغوں کو دراصل مرکب افعال میں شمار کرنا چاہیے اور یہ مرکب افعال ہند آریائی زبانوں کے ارتقا میں مختلف زبانوں اور بولیوں میں مختلف منازل میں پیدا ہوئے - قدیم سنسکرت میں مستقل کا تصور بہت مبہم ہے - مثلاً تترا بہ معنی ادھر تترا ، تدرا ، تدھر ، ادھر) جب زمانہ ظاہر کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے تو اس سے ماضی اور مستقبل دونوں مراد ہوتے تھے (تد ، تب اردو میں اسی معنی میں ہیں : "اردو کا لفظ کل آج

---

۱ - اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین حسب ذیل ماخذ سے استفادہ کر سکتے ہیں :

۲ - E. Adelaide Hahn-Subjunctive and optative. Their Origin as Futures.

A. Jesperson : A Modern English Grammar on Historical Principles—London 1932.

—The Philosophy of Grammar—London 1924.

L. Renou—La grammaire de Panini-Paris1948—1954.

J. S. Speyer-Sanskrit Syntax—Lyden 1886.

W. D. Whitney : A Sanskrit Grammar—Leipzig 1924.

اس مقالے کے باب اول و دوم میں اس موضوع پر مختلف ماہرین کے نظریات سے بحث کی گئی ہے -

۳ - Gonda—The Character of the Indo-European moods p. 9

بھی دونوں معنوں میں آتا ہے اور سیاق و سباق میں فعل کے دیگر لاحقوں سے ہی پتا چلتا ہے کہ اس سے مراد گزرا ہوا دن ہے یا آنے والا دن ۔ وہ کل آئے گا ، وہ کل آیا تھا ۔ اس تصور میں دراصل زمانے صرف دو ہیں حال اور جو حال نہیں ہے چاہے وہ ماضی ہو یا مستقبل ہمارے یہاں مضارع کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہے کہ اس میں حال اور مستقبل دونوں شامل ہیں ، بلکہ بعض افعال کی صورت ساخت کے اعتبار سے علاوہ حال و مستقبل کے ماضی کی کیفیت سے بھی مطابق نظر آتی ہے ۔

اصل میں اکثر صیغوں کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں زمانہ کا پتا امدادی فعل (ہمارے قواعد نویسوں کی اصطلاح میں افعال ناقصہ) سے پتا چلتا ہے ۔ مثلاً :

واحد مذکر

آتا + ہے　　حال (قریب)
آتا + تھا　　ماضی (بعید) یا (استمراری)
آتا + ہوگا　　مستقبل (قریب)

ہوگا بھی تنہا مستقبل کے معنی نہیں رکھتا

آیا + ہوگا　　ماضی احتمالی یا شکی
آتا + ہوگا　　مستقبل قریب

صرف گا بھی تنہا اور قطعاً مستقبل کی علامت نہیں

آئے گا　　مستقبل
آتا ہے گا　　حال (متروک)

آتا ہے گا اب متروک سہی ، لیکن اب بھی بول چال کی زبان میں موجود ہے اور اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس کے معنی میں پہلے زیادہ وسعت تھی ، آہستہ آہستہ معنی محدود ہوتے گئے ۔ گا کے بارے میں قیاس ہے کہ یہ بھی سنسکرت کے مصدر گم (بہ معنی جانا) سے مشتق ہے ، جس سے حالیہ ناتمام مجہول گتھ اور پراکرتی گیئو ساخوذ ہے ۔ گیا جانا کا ماضی مطلق اردو اور ہندی دونوں میں موجود ہے اور غالباً گا اسی کی تخفیف

ہے - اگر یہ قیاس درست ہے تو اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ پہلے اس کے معنی میں ماضی ہی تھے ، بعد میں مستقبل کے معنی شامل ہوئے - مستقبل احتمالی میں بھی گا نہیں آتا ، وہ آتا ہو وغیرہ -

بعض قواعد نویسوں نے مضارع اور مستقبل کا فرق[1] بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مستقبل مطلق میں زمانہ آئندہ کا علم تحقیقی ہوتا ہے - وہ آئے گا کے معنی ہیں کہ متکلم کو اس کے آنے کا یقین ہے - دور جدید کا ایک قواعد نویس[2] لکھتا ہے کہ زمانہ مستقبل کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس میں تاکید کا عنصر نمایاں اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے - ایسی صورت میں امر سے الگ ایک صورت مستقبل کی مستقبل تاکیدی کی ہوگی ، جیسے مصدری صورت میں ہوگا / ہوگی / ہوں گے / ہوں گی کے اضافہ سے بنانا ہوگا -

		واحد	جمع
مذکر	غائب	اسے آنا ہوگا	ان کو آنا ہوگا
مؤنث		اسے آنا ہوگا	ان کو آنا ہوگا
مذکر	حاضر	تجھے آنا ہوگا	تمھیں آنا ہوگا
مؤنث		تجھے آنا ہوگا	تمھیں آنا ہوگا
مذکر	متکلم	مجھے آنا ہوگا	ہمیں آنا ہوگا
مؤنث		مجھے آنا ہوگا	ہمیں آنا ہوگا

ایسی صورت میں ہوگا کا جنس و عدد کا تطابق مفعول سے ہوگا -

تجھے کتاب پڑھنی ہوگی / تجھے کتابیں پڑھنی ہوں گی -

تجھے رسالہ پڑھنا ہوگا / تجھے رسالے پڑھنے ہوں گے -

ایسی تمام شکلوں کو ہمارے خیال میں افعال مرکب کے ساتھ شمار کرنا چاہیے - بنیادی صورت صرف یہ یاد رکھنے کی ہے کہ اصل ہند آریائی

---

۱ - عبدالحق قواعد اردو ، ص ۲۶۰ -

۲ - J. Gonda—The Indo European Moods. P. 76-77

میں صیغوں کی تنظیم کسی قدر مبہم تھی اور بنیادی طور پر سادہ فعل میں ہی لاحقوں کے استعمال سے مختلف حالتیں ، طور ، جنس ، عدد ، زمانہ وغیرہ کے جملہ صیغے بن جاتے تھے - آہستہ آہستہ یہ لاحقے الگ ہوتے گئے اور زبان تجزیاتی ہوتی چلی گئی ، لاحقے بعض ایسے ہیں جو پہلے خود مکمل اور بامعنی تھے، اب ان میں کی معنویت مبنی ہو گئی، یعنی جب بطور لاحقہ آئیں تب ہی خاص معنی پیدا ہوں - بعض ان میں سے اب بھی مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور اصطلاحاً افعال ناقصہ کہلاتے ہیں - ان کے اپنے معنی بھی ہوتے ہیں ، لیکن اور سادہ ہائے افعال کے ساتھ مل کر معنی کی تفصیل تشریح اضافہ تحدید وغیرہ کرتے ہیں - یہ صورت ان مرکب افعال سے الگ ہے ، جن میں ایک سے زیادہ (بالعموم دو) اجزا ہوتے ہیں اور دونوں کے اپنے اپنے مستقل معنی بھی ہوتے ہیں اور ترکیب سے معنی میں اضافہ یا تبدیلی ہوتی ہے - ان کی بحث آگے آتی ہے -

فعل منفی کی گردان

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ، فعل محض کام کے کرنے کو ظاہر نہیں کرتا ، کام کا نہ کرنا یا نہ ہونا بھی اصطلاحاً فعل ہی ہے - پہلی قسم کے افعال مثبت اور دوسری قسم کے منفی کہلاتے ہیں - مثبت افعال کی گردانیں اس سے پہلی فصلوں میں دی جا چکی ہیں - منفی فعل بنانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ فعل مثبت سے پہلے نہ یا نہیں یا مت لگاتے ہیں - (متقدمین ناں ، نا ، نئیں ، نائیں استعمال کرتے تھے - دکھنی دور میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں - ان میں سے بعض صورتیں اب بھی بعض علاقوں میں علاقائی بولی کے محاورے میں موجود ہیں - نہ ، نہیں اور مت کے استعمال کے بعض محل ہیں -

۱- مضارع اور ماضی شرطی یا تمنائی کے ساتھ نہیں کی بجائے نہ لگاتے ہیں -

۲- مضارع کے ساتھ بعض محاوروں اور نظم میں نہ کی جگہ نہیں استعمال کرتے ہیں ، لیکن فعل سے پہلے نہیں بلکہ فعل کے بعد -

۳- حال امریہ کی نفی نہ اور مت دونوں کے ساتھ آتی ہے - نہ کرو ، مت جاؤ -

۴- ماضی مطلق میں اکثر نہیں استعمال کرتے ہیں ، یہی صورت ناتمام تمام اور احتمالی میں ہوتی ہے ، لیکن اگر ماضی احتمالی کی علامت تھا ، تھی وغیرہ محذوف ہو تو ہمیشہ نہ استعمال کرتے ہیں -

۵- مت کا استعمال امر کی نفی کے ساتھ ہی آتا ہے -

۶- فعل مستقبل کی نفی بھی اور افعال کی طرح بناتے ہیں - جیسا کہ مستقبل کی بحث میں کہا جا چکا ہے کہ اکثر مصدر کے بعد گا ، گی ، گے کے لگا دینے سے مستقبل نفی کے معنی پیدا ہوتے ہیں ، جسے مستقبل یقینی کی ایک صورت کہہ سکتے ہیں - مثلاً وہ نہیں آئے گا ایسی صورت میں حرف نفی نہیں استعمال کرتے ہیں -

۷- حال مطلق کی نفی میں آخری امدادی فعل ہے ، ہیں ہوں ، حذف ہو جاتا ہے - وہ نہیں آتا ، میں نہیں آتی ، ہم نہیں جاتے ، کہ ان مثالوں میں ہے - ہوں ، ہیں ، محذوف ہیں -

۸- اگر بول چال میں کسی جملے میں دو حصے ہوں اور دونوں میں فعل حال مطلق کی نفی ہو تو امدادی فعل ہے ، ہوں ، ہیں ، قائم رہتے ہیں نہ (خود) کھاتا ہے ، نہ کھانے دیتا ہے - ایسی صورت میں نہیں استعمال نہیں ہوتا -

۹- حال تمام کے ساتھ نہیں استعمال ہوتا ہے اور حال مطلق کی نفی کی طرح حال تمام کی نفی کی صورت میں فعل امدادی حذف ہو جاتا ہے -

۱۰- ایسے افعال میں جو کسی اسم یا صفت سے مرکب ہوں ، ان کی نفی میں دو صورتیں ہوتی ہیں - یا تو حرف نفی اسم یا صفت سے پہلے آتا ہے -

طور مجہول کی گردان

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ، فعل مجہول ایسے فعل کو کہتے ہیں ، جس کا فاعل معلوم نہ ہو - بعض قواعد نویسوں نے جو یہ لکھا ہے

کہ ایسی صورت میں قائم مقام فاعل آتا ہے ، یہ درست نہیں - منطقی طور پر مفعول فاعل کا قائم مقام نہیں ہو سکتا - چونکہ ایسے فعل میں مفعول کا ہونا ضروری ہوتا ہے ، اس لیے یہ صورت عموماً اور اکثر افعال متعدی سے پیدا ہوتی ہے - افعال لازم میں فاعل موجود ہوتا ہے ، اس لیے عموماً اور اکثر اس سے مجہول کی صورت پیدا نہیں ہوتی -

فعل مجہول بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل معروف کو مجہول بنانا ہو ، اس کے صیغۂ ماضی مطلق کے ساتھ مصدر جانا کا وہ صیغہ بڑھاتے ہیں جو بنانا ہوتا ہے - مثلاً لانا سے کہ فعل معروف ہے ، واحد مذکر غائب ماضی مطلق ، مجہول بنانا ہو تو لانا سے ماضی مطلق لایا اور جانا کا صیغہ متعلق گیا سے وہ لایا گیا بنایا جائے گا - اس سلسلے میں حسب ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :

۱- معروف کی ماضی مطلق اور جانا مصدر کے مشتقات میں عدد اور جنس کی مطابقت قائم رہتی ہے ، یعنی اگر معروف کی ماضی مطلق واحد ہو تو جانا کی ماضی مطلق بھی واحد ہوگی - اگر معروف کی ماضی مطلق مذکر ہے تو جانا کی ماضی مطلق بھی مذکر ہوگی ، لیکن جمع مؤنث ، متکلم اور جمع مذکر متکلم ایک ہی ہوتے ہیں -

۲- صیغہ ماضی کے مؤنث متعدی کے معروف کو جمع نہیں لاتے - علامت جمع صرف مصدر جانا کے مشتقات میں لگاتے ہیں ، مثلاً مارا گیا ، مارے گئے ، ماری گئی ، ماری گئیں -

۳- صیغہ مضارع ، حال اور مستقبل امر اور نہی میں متعدی کے معروف میں ماضی ہوتی ہے اور جانا مصدر کے مشتقات مضارع ، حال ، مستقبل وغیرہ اس لیے جمع مذکر کے ان صیغوں میں بھی علامت جمع لگاتے ہیں ، مثلاً مارے جائیں ، مارے جاتے ہیں ، مارے جائیں گے وغیرہ -

۴- مصدر مجہول بنانے کے فعل کے ماضی مطلق پر جانا بطور لاحقہ لگاتے ہیں ، مارا جانا ، پڑھا جانا وغیرہ -

بعض قواعد نویسوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اردو میں مجہول

کا صیغہ باعتبار ساخت دو طرح کا ملتا ہے - ایک ایسا صیغہ جس میں علامت مجہول یعنی مصدر جانا کے مشتقات موجود ہوں - مثلاً پیٹا جانا، پوجا جانا وغیرہ اور ان کے مختلف صیغے کہ سب میں جانا کے متعلقہ صیغے موجود ہوں - ایسے مجہول کو ان قواعد نویسوں نے مجہول لفظی کہا ہے - لیکن بعض صورتیں مجہول ایسی ہوتی ہیں، جن میں یہ علامت مجہول نہیں ہوتی، مثلاً پٹنا، پجنا ایسے مجہول کو مجہول معنوی کہا گیا ہے[1]-

دونوں قسم کے مجہول مثبت کی گردان کی مثالیں حسب ذیل ہیں :

مصدر لانا ماده فعل لا ماضی مطلق لایا

ماضی مطلق

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ لایا گیا	وہ لائے گئے
	مؤنث	وہ لائی گئی	وہ لائی گئیں
حاضر	مذکر	تو لایا گیا	تم لائے گئے
	مؤنث	تو لائی گئی	تم لائی گئیں
متکلم	مذکر	میں لایا گیا	ہم لائے گئے
	مؤنث	میں لائی گئی	ہم لائے گئے

ماضی قریب

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ لایا گیا ہے	وہ لائے گئے ہیں
	مونث	وہ لائی گئی ہے	وہ لائی گئی ہیں

۱- یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ بعض قواعد نویس اس کا فاعل بھی بتاتے ہیں، تو پھر مجہول کیسے ہوا در اصل وہی عربی قواعد کی اصطلاح کہ ایسے فاعل کو مفعول مالم یسمیٰ فاعلہ' کہیں پیش نظر ہوتی ہے -

		واحد	جمع
مذکر	حاضر	تو لایا گیا ہے	تم لائے گئے ہو
مؤنث		تو لائی گئی ہے	تم لائی گئی ہو
مذکر	متکلم	میں لایا گیا ہوں	ہم لائے گئے ہیں
مؤنث		میں لائی گئی ہوں	ہم لائی گئی ہیں

ماضی بعید

مذکر	غائب	وہ لایا گیا تھا	وہ لائے گئے تھے
مؤنث		وہ لائی گئی تھی	وہ لائی گئی تھیں
مذکر	حاضر	تو لایا گیا تھا	تم لائے گئے تھے
مؤنت		تو لائی گئی تھی	تم لائی گئی تھیں
مذکر	متکلم	میں لایا گیا تھا	ہم لائے گئے تھے
مؤنث		میں لائی گئی تھی	ہم لائے گئے تھے

ماضی استمراری یا ناتمام

مذکر	غائب	وہ لایا جاتا تھا	وہ لائے جاتے تھے
مؤنث		وہ لائی جاتی تھی	وہ لائی جاتی تھیں
مذکر	حاضر	تو لایا جاتا تھا	تم لائے جاتے تھے
مؤنث		تو لائی جاتی تھی	تم لائی جاتی تھیں
مذکر	متکلم	میں لایا جاتا تھا	ہم لائے جاتے تھے
مؤنث		میں لائی جاتی تھی	ہم لائے جاتے تھے

ماضی شکی یا احتمالی

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ لایا جاتا ہوگا	وہ لائے جاتے ہوں گے
	مؤنث	وہ لائی جاتی ہوگی	وہ لائی جاتی ہوں گی ۔
حاضر	مذکر	تو لایا جاتا ہوگا	تم لائے جاتے ہو گے
	مؤنث	توئی لائی جاتی ہوگی	تم لائی جاتی ہوگی
متکلم	مذکر	میں لایا جاتا ہوں گا	ہم لائے جاتے ہوں گے
	مؤنث	میں لائی جاتی ہوں گی	ہم لائے جاتے ہوں گے

ماضی تمنائی یا شرط

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ لایا جاتا/لایا گیا ہوتا لایا گیا ہو	وہ لائے جاتے لائے گئے ہوئے ، لائے گئے ہوں
	مؤنث	وہ لائی جاتی / لائی گئی ہوتی / لائی گئی ہو	وہ لائی جاتیں / لائی گئی ہوتیں / لائی گئی ہو
حاضر	مذکر	تو لایا جاتا / لایا گیا ہوتا/لایا گیا ہو	تم لائے جاتے / لائے گئے ہوتے / لائے گئے ہو
	مؤنث	تو لائی جاتی / لائی گئی ہوتی/لائی گئی ہو	تم لائی جاتیں / لائی گئی ہوتیں/لائی گئی ہو
متکلم	مذکر	میں لایا جاتا / لایا گیا ہوتا/لایا گیا ہو	ہم لائے گئے ہوتے / ہم لائے جاتے / لائے گئے ہو
	مؤنث	میں لائی جاتی / لائی گئی ہوتی/لائی گئی ہو	ہم لائے جاتے / لائے گئے ہوتے / لائے گئے ہوں

مضارع

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ لایا جائے	وہ لائے جائیں
مؤنث		وہ لائی جائے	وہ لائی جائیں
مذکر	حاضر	تو لایا جائے	تم لائے جاؤ
مؤنث		تو لائی جائے	تم لائی جاؤ
مذکر	متکلم	میں لایا جاؤں	ہم لائے جائیں
مؤنث		میں لائی جاؤں	ہم لائے جائیں

حال مطلق

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ لایا جاتا ہے	وہ لائے جاتے ہیں
مؤنث		وہ لائی جاتی ہے	وہ لائی جاتی ہیں
مذکر	حاضر	تو لایا جاتا ہے	تم لائے جاتے ہو
مؤنث		تو لائی جاتی ہے	تم لائی جاتی ہو
مذکر	متکلم	میں لایا جاتا ہوں	ہم لائے جاتے ہیں
مؤنث		میں لائی جاتی ہوں	ہم لائے جاتے ہیں

حال نا تمام

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ لایا جا رہا ہے	وہ لائے جا رہے ہیں
مؤنث		وہ لائی جا رہی ہے	وہ لائی جا رہی ہیں

حاضر	مذکر	تو لایا جا رہا ہے	تم لائے جا رہے ہو
	مؤنث	تو لائی جا رہی ہے	تم لائی جا رہی ہو
متکلم	مذکر	میں لایا جا رہا ہوں	ہم لائے جا رہے ہیں
	مؤنث	میں لائی جا رہی ہوں	ہم لائے جا رہے ہیں

حال تمام

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ لایا گیا ہے	وہ لائے گئے ہیں
	مؤنث	وہ لائی گئی ہے	وہ لائی گئی ہیں
حاضر	مذکر	تو لایا گیا ہے	تم لائے گئے ہو
	مؤنث	تو لائی گئی ہے	تم لائی گئی ہو
متکلم	مذکر	میں لایا گیا ہوں	ہم لائے گئے ہیں
	مؤنث	میں لائی گئی ہوں	ہم لائے گئے ہیں

حال تکمیلی

		واحد	جمع
غائب	مذکر	وہ لایا جا چکا ہے	وہ لائے جا چکے ہیں
	مؤنث	وہ لائی جا چکی ہے	وہ لائی جا چکی ہیں
حاضر	مذکر	تو لایا جا چکا ہے	تم لائے جا چکے ہو
	مؤنث	تو لائی جا چکی ہے	تم لائی جا چکی ہو
متکلم	مذکر	میں لایا جا چکا ہوں	ہم لائے جا چکے ہیں
	مؤنث	میں لائی جا چکی ہوں	ہم لائے جا چکے ہیں

حال احتمالی یا شکی

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ لایا جا رہا ہو / ہوگا	وہ لائے جا رہے ہوں / ہوں گے
مؤنث	غائب	وہ لائی جا رہی ہو / ہوگی	وہ لائی جا رہی ہوں/ہونگی
مذکر	حاضر	تو لایا جا رہا ہو / ہوگا	تم لائے جا رہے ہو/ہوگے
مؤنث	حاضر	تو لائی جا رہی ہو/ہوگی	تم لائی جا رہی ہو / ہوگی
مذکر	متکلم	میں لایا جا رہا ہوں/ہونگا	ہم لائے جا رہے ہوں / ہوں گے
مؤنث	متکلم	میں لائی جا رہی ہوں/ ہوں گی	ہم لائے جا رہے ہوں / ہوں گے

امر

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ لایا جائے	وہ لائے جائیں
مؤنث	غائب	وہ لائی جائے	وہ لائی جائیں
مذکر	حاضر	تو لایا جائے	تم لائے جاؤ
مؤنث	حاضر	تو لائی جائے	تم لائی جاؤ

نہی

		واحد	جمع
مذکر	غائب	وہ نہ لایا جائے	وہ نہ لائے جائیں
مؤنث	غائب	وہ نہ لائی جائے	وہ نہ لائی جائیں

		واحد	جمع
مذکر	حاضر	تو نہ لایا جائے	تم نہ لائے جاؤ
مؤنث		تو نہ لائی جائے	تم نہ لائی جاؤ

متعدی بنانے کے طریقے

جیسا کہ فعل لازم و متعدی کی تعریف میں بیان کیا جا چکا ہے اردو میں اکثر و بیشتر افعال لازم سے افعال متعدی بنائے جا سکتے ہیں اور متعدی سے متعدی المتعدی اور متعدی بہ دو واسطہ، اردو میں متعدی بنانے کا کوئی ایک قاعدہ مقرر یا مخصوص نہیں اس لیے یہاں کسی قدر تفصیل سے متعدی بنانے کے قاعدے لکھے جاتے ہیں ۔

فعل لازم سے متعدی بنانے کا قاعدہ

۱۔ فعل لازم سے فعل متعدی بنانے کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ مادہ فعل اور علامت مصدر کے درمیان الف بڑھا دیتے ہیں اور اس سے مصدر متعدی بن جاتا ہے ۔ مثلاً پڑھنا سے پڑھانا ، ملنا سے ملانا ۔

لیکن یہ صورت اس وقت ہوتی ہے ، جب مادہ فعل الف واؤ اور یائے معروف پر ختم نہ ہوں ۔ مثلاً پیا سے پیانا[1] اور سینا سے سیانا نہیں بنے گا ۔ نیز ایسے الفاظ یک رکنی ہوتے ہیں ، یعنی مادۂ فعل کا دوسرا حرف ساکن ہوتا ہے ۔

۲۔ اگر مادہ فعل دو رکنی ہو اور مادہ فعل کا دوسرا حرف صحیحہ متحرک ہو تو متعدی بنانے میں یہ ساکن ہو جاتا ہے ، مثلاً لٹکنا سے لٹکانا ۔

۳۔ مادہ فعل لازم کے آخری حرف سے پہلے الف بڑھانے سے بھی متعدی بناتے ہیں ۔ نکلنا سے نکالنا ، سنبھلنا سے سنبھالنا ، اچھلنا سے اچھالنا ۔

---

۱ ۔ پنجابی میں اس قسم کے متعدی کی مثالیں ملتی ہیں ، جو غالباً پراکرتی اثرات کا ورثہ ہیں ۔ اردوئے قدیم میں بھی ایک آدھ مثال اس کی مل جاتی ہے ۔

۴- یک رکنی مادہ فعل میں اعراب زبر ، زیر اور پیش کو الف یائے معروف اور واؤ سے بدل کر لازم سے متعدی بناتے ہیں - مثلاً مرنا ، مارنا ، کٹنا ، کاٹنا ، پلنا ، پالنا ، چرنا ، چیرنا ، پسنا ، پیسنا ، کھلنا ، کھولنا ، گھلنا ، گھولنا -

لیکن اس میں مستثنیات بہت ہیں - مثلاً

چرنا سے چرانا نہ کہ چارنا ، ملنا سے ملانا نہ کہ میلنا ، گھسنا سے گھسانا نہ کہ گھوسنا - بعض اوقات زیر کو یائے مجہول سے بدلتے ہیں ، مثلاً گھرنا سے گھیرنا ، اس طرح کے مصادر میں اکثر ٹ کو ڑ سے بھی بدل دیتے ہیں - مثلاً ٹوٹنا ، توڑنا[1] ، پھوٹنا ، پھوڑنا ، چھوٹنا ، چھوڑنا -

۵- مذکورہ بالا قاعدے کے برعکس حرف علت کو قصر کر کے اعراب میں بدلتے ہیں ، الف کو زبر سے ، واؤ کو پیش سے اور یائے معروف و مجہول کو زیر سے اور اس کے بعد علامت مصدر کے پہلے لا کا اضافہ کرتے ہیں - مثلاً رونا سے رلانا ، سونا سے سلانا ، پینا سے پلانا ، جینا سے جلانا ، دینا سے دلانا - لیکن اس میں بھی مستثنیات ہیں - مثلاً کھانا سے کھلانا نہیں بلکہ کھلانا متعدی بنتا ہے - ڈوبنا سے ڈبانا اب غیر فصیح سمجھا جاتا ہے ، بھیگنا سے بھگانا اگرچہ بعض لوگوں کی زبان پر ہے ، لیکن فصیح بھگونا ہے -

۶- حرف علت کو قصر کر کے مذکورہ بالا طریقے سے اعراب لاتے ہیں اور علامت مصدر سے پہلے الف کا اضافہ کرتے ہیں - توڑنا سے تڑانا ، جاگنا سے جگانا ، بولنا سے بلانا ، بھاگنا سے بھگانا -

۷- بعض اوقات ایک ہی مصدر سے دو طرح کے متعدی بناتے ہیں اور دونوں صحیح اور ایک معنی رکھتے ہیں ، مثلاً دبنا سے دابنا اور دبانا -

۸- بعض اوقات ایک مصدر سے دو طرح کے متعدی بناتے ہیں اور

---

۱ - اس میں یہ تبدیلی بھی قابل غور ہے کہ پہلا ٹ بھی ت سے بدل گیا نیز ٹوٹنا کی قدیمی شکل ٹٹنا (ٹ کے پیش کے ساتھ) تھی - پنجابی میں اب بھی موجود ہے -

دونوں میں معنوی فرق ہوتا ہے ۔ مثلاً گھلنا سے گھولنا (ملانا) اور گھلانا (تحلیل کرنا) ٹوٹنا سے توڑنا اور تڑانا دونوں متعدی ہیں ، لیکن استعمال میں دونوں کے معنی میں فرق ہے ۔ توڑنا مطلق کسی چیز کے شکست کرنے کے لیے بولتے ہیں ، لیکن تڑانا دو الگ الگ معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ ایک گرفت سے نکل جانے کے موقع پر رسی تڑانا اور دوسرے بڑے سکے کو چھوٹے سکوں میں خوردہ کرنا جسے بھنانا بھی کہتے ہیں ۔

۹۔ بعض اوقات امدادی فعل کے لگانے سے بھی فعل متعدی بن جاتا ہے ۔ مثلاً وہ اسے لے ڈوبا ، لے بھاگنا ، لے چلنا ، لے جانا ، لے اڑنا ۔

۱۰۔ بعض مصادر میں علامت مصدر سے پہلے واؤ مجہول کے اضافے سے متعدی بناتے ہیں ۔ چبھنا ، چبھونا بعض لوگ چبھانا بھی بولتے ہیں ۔

۱۱۔ بعض مصادر سے متعدی دو طرح بناتے ہیں ۔ مثلاً دیکھنا سے دکھانا اور دکھلانا ، بیٹھنا ، بٹھانا ، بٹھلانا ، سیکھنا ، سکھانا ، سکھلانا ان میں سے آخرالذکر نظم میں زیادہ استعمال ہوتے ہیں ۔

یہ مثالیں ایسے افعال متعدی کی تھیں جو لازم سے متعدی بنائے گئے ہیں ۔ ایسے متعدی افعال متعدی بلا واسطہ بھی کہلاتے ہیں اور جو ان مصادر سے مختلف ہوتے ہیں ، جو اصلاً متعدی معنوں کے لیے ہی وضع کیے گئے ہوں ، مثلاً کھانا ، پینا ، لکھنا ، پڑھنا اور جن کو متعدی بنفسہ کہتے ہیں ۔ ایک اور قسم متعدی کی وہ ہے ، جو متعدی سے ہی بنایا گیا ہے ۔ اس کی دو ذیلی قسمیں ہیں ۔ متعدی سے متعدی بنانے میں ایک سے دوسرا مفعول بھی ضروری ہو جائے تو اسے متعدی المتعدی کہتے ہیں ۔ جیسے کھانا سے کھلانا ، پینا سے پلانا ۔ مثلاً میں نے احمد کو کھانا کھلایا ، احمد اور کھانا دونوں مفعول ہیں کہ بغیر ان کے مفہوم پورا نہیں ہوتا ۔ دوسری ذیلی قسم ایسے متعدی کی ہے کہ اس میں متعدی المتعدی بننے کی حالت میں وقوع فعل کے لیے کسی اور ذریعے یا وسیلے کا درمیان میں ہونا ضروری ہے ۔ مثلاً کرنا سے کروانا ، لکھنا سے لکھوانا ، پڑھنا سے پڑھوانا ۔ میں نے احمد سے محمود کو خط لکھوایا ، اس قسم کے مصدر متعدی کو متعدی بالواسطہ کہا گیا ہے ۔ اردو میں مصدر بالواسطہ کی دو صورتیں ہیں :

۱- علامت مصدر سے پہلے یعنی مادہ فعل کے بعد صرف الف کا اضافہ کیا جائے۔ مثلاً کرنا ، کرانا ۔

۲- دوسرے یہ کہ اس الف سے پہلے واؤ کا بھی اضافہ ہوا ، جیسے کروانا ، بھجوانا ، کھلوانا ، چھپوانا ، رکوانا وغیرہ ۔ لیکن اس میں بعض مستثنیات ہیں ۔ مثلاً بیچنا سے بچوانا نہیں بکوانا متعدی بالواسطہ ہے ۔ اردو میں متعدی بالواسطہ کی پہچان ہی بالعموم مادہ کے بعد واؤ قبل علامت مصدر ہے ۔

۱۲- ہر مصدر لازم سے متعدی اور ہر متعدی سے متعدی المتعدی یا متعدی بالواسطہ نہیں آتا ، آنا ، جانا ، گھبرانا ، لڑکھڑانا ، بلبلانا ، تلملانا، پانا ، لینا وغیرہ مصادر اس کی مثال ہیں ۔

امدادی افعال

افعال کی گردان کے سلسلے میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امدادی فعل ہونا ایک ایسا فعل ہے ، جس کی گردان اور صیغوں سے دوسرے افعال سے مختلف صیغے بنانے میں مدد لی جاتی ہے ۔ یہ امدادی فعل ہے ، جس سے فعل کے معنی کی تشریح یا تفصیل ہوتی ہے ، اس کے زمانے کا پتا چلتا ہے ۔ یا فعل کا طور یا حالت معلوم ہوتی ہے ۔ یہ امدادی فعل ہونا منجملہ ان مختلف افعال کے صرف ایک امدادی فعل ہے ، جو اردو میں عام طور پر مستعمل ہیں ۔ امدادی افعال کی تاریخ یہ ہے کہ اردو اصلاً آریائی زبان ہے اور جیسا کہ تفصیل سے اس قواعد کے ابتدائی حصے میں بیان کیا جا چکا ہے ، یہ اس قسم کی زبانوں میں ہے ، جن میں مادوں میں تغیر و تصرف سے مختلف معانی پیدا ہوتے ہیں ۔ یہاں تک کہ مادہ کی اصلی صورت خاصی بدل جاتی ہے ۔ اکثر یہ تغیر مختلف المعانی لاحقوں کے لگانے سے پیدا ہوتا ہے اور کئی کئی لاحقوں سے ایک مادہ میں بہت سے مفاہیم جمع ہو جاتے ہیں ۔ سنسکرت بالخصوص ویدک دور تک اس زبان کا مزاج بڑا ترکیبی رہا یعنی مادوں میں تغیر و تصرف بہت ہوتا رہا ۔ آہستہ آہستہ زبان نے تجزیاتی میلان اختیار کیا اور مادہ سے معانی کے ٹکڑے الگ الگ ہوتے گئے اور پھر یہ مفاہیم مرکبات کے ذریعے سے ظاہر کیے جانے لگے ۔

سنسکرت میں فعل کی پیچیدگی اور اس کے مختلف صیغوں کا اندازہ لگانا آسان ہے ۔ جس طرح آج فعل معروف اور فعل مجہول فعل کے دو طور ہیں ، ویدک دور کی سنسکرت میں بھی یہ دو طور ملتے ہیں ، پھر فعل میں عدد کا صیغہ ہوتا ہے ۔ یہ صیغے اب اردو میں تو صرف دو رہ گئے ہیں ، یعنی واحد اور جمع ۔ ویدک سنسکرت میں تین ہیں ۔ واحد ، تثنیہ ، اور جمع پھر ہر ایک کے تین تین صیغے غائب ، حاضر اور متکلم کے ہوتے ہیں ۔ سوائے امر کے کہ اس میں متکلم کا صیغہ نہیں ہوتا ۔ ویدک دور میں ماضی ، حال ، مستقبل کی کم از کم پانچ شکلیں موجود ہیں ۔ حاضر ، نا تمام ، تمام ، مضارع اور مستقبل ، حالانکہ مستقبل واضح نہیں ہے اور اس کی مثالیں رگ وید میں بہت کم ملتی ہیں ۔ پھر ہر زمانے میں چار حالتیں : حالت مطلق ، استمراری ، احتمالی ، امر کی ہوتی ہیں ۔ پھر ان مختلف حالتوں اور کیفیتوں کو ظاہر کرنے کے لیے مادہ فعل کی نوعیت کے اعتبار سے تغیرات صرفی اور لاحقے الگ الگ ہیں ۔ غرض یہ ایسا طومار ہے کہ جس کے سامنے عربی افعال کی گردانیں بہت سہل اور با ضابطہ نظر آتی ہیں ۔ یہ بات بالکل قدرتی تھی کہ عام بول چال کی زبان سلاست اور سادگی کی طرف مائل ہو ۔ چنانچہ پراکرتی دور میں افعال کے صیغے کم ہونا شروع ہوتے ہیں اور اردو تک ایک سلسلہ جاری رہتا ہے ۔

اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے امدادی افعال حسب ذیل ہیں :

۱- ہونا ۔ ۲ ۔ دینا ۔ ۳ ۔ لینا ۔ ۴ ۔ آنا ۔ ۵- جانا ۔ ۶ ۔ ڈالنا ۔ ۷- پڑنا ۔ ۸- رہنا ۔ ۹- بیٹھنا ۔ ۱۰- چکنا ۔ ۱۱- سکنا ۔ ۱۲- پانا ۔ ۱۳- کرنا ۔ ۱۴- اٹھنا ۔ ۱۵- چاہنا ۔ ۱۶- دینا ۔ ۱۷- رکھنا ۔ ۱۸- بننا ۔ ۱۹- لگنا ۔ ۲۰- نکلنا ۔ ۲۱- ٹھہرنا ۔ ۲۲- چلنا ۔

ہونا : اور اس کے مشتقات کے بارے میں لکھا جا چکا ہے کہ افعال کے متعدی صیغے بنانے میں اس کا استعمال عام اور بکثرت ہے ، چنانچہ افعال کی گردانوں کے سلسلے میں اس کی مثالیں دی جا چکی ہیں ۔

مادہ اس فعل کا سنسکرت میں بھو भू ہے ، باقی امدادی افعال کے استعمال کی مثالیں حسب ذیل ہیں ۔

دینا : یہ امدادی فعل اکثر تکمیل فعل کے معنوں میں آتا ہے اور بالعموم متعدی فعل کے ساتھ آتا ہے ۔ مثلاً میں نے یہ کام کر دیا ، زید نے اس کا کام تمام کر دیا ، میں نے سامان ہٹا دیا ۔

۲۔ کبھی دیا بطور امدادی فعل معنوں میں جبر اور زور کا مفہوم بڑھاتا ہے ، میں نے اسے ہٹا دیا ، اس نے سامان پھینک دیا ۔

۳۔ کبھی دیا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فعل کے بعد دوسرا فعل فوراً یا ساتھ ساتھ شروع ہوا ، یہ سن کر وہ رو دیا ، میں سنتے ہی چل دیا ، خبر ملتے ہی وہ مسکرا دیا ۔

۴۔ کبھی اس امدادی فعل سے اجازت کا مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے ، اسے جانے دو ، یہاں آنے دو ۔ اس امدادی فعل کا مادہ سنسکرت میں دا दा ہے ۔

لینا : اس امدادی فعل کے آنے سے فعل کی تکمیل ، نیز فاعل کی قربت ظاہر ہوتی ہے ۔ میں نے اسے بلا لیا ، اس نے سبق پڑھ لیا ، میں نے دیکھ لیا ، آپ نے سن لیا ، میں نے روپیہ لے لیا ۔ یہ امدادی فعل لازم اور متعدی دونوں صورتوں کے ساتھ آتا ہے ۔

بعض حضرات[1] نے لکھا ہے کہ امدادی افعال دینا اور لینا میں فرق یہ ہے کہ لینا میں اپنا فائدہ یا قرب ظاہر ہوتا ہے اور دینا میں بخلاف اس کے دوسرے کا فائدہ یا قربت نکلتی ہے ۔ مثلاً میں نے اسے سمجھا لیا ہے اور میں نے اسے سمجھا دیا ہے ۔ اس مثال میں یہ صورت نکلتی ہے ، کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے ۔ میں نے مریض کو ڈاکٹر کو دکھا دیا ، اس میں فائدہ یا قرب ڈاکٹر کا نہیں میرا ہے یا مریض کا ۔ میں نے ڈاکٹر کو دکھا لیا کہ معنی یہ ہیں کہ اور تدابیر بھی کیں اور ڈاکٹر کو بھی دکھایا ، لیکن بالعموم لینا اپنی طرف اور دینا اپنے سے دور کرنے کے مفہوم کو ادا کرتا ہے ۔ میں نے بینک سے روپیہ نکال

---

۱ ۔ مولوی عبدالحق قواعد اردو ، ص ۱۵۲ ۔

لیا ہے ، میں نے اپنے پاؤں سے کانٹا نکال دیا ۔ اس کا سادہ
سنسکرت لبھ لبھام ہے ۔

آنا : بطور فعل امدادی مختلف مفاہیم پیدا کرتا ہے ۔ مثلاً [۱] ۔ میں چلا آیا (یعنی کوئی کام کرنے کے بعد ۔ ان معنوں میں یہ تکمیل فعل کے معنی بڑھاتا ہے) ۔

۲۔ تکمیل فعل کے علاوہ زور تاکید کے معنی میں ۔ میں گھر سے نکل آیا ، اسی طرح بھر آیا ، ابھر آیا ، آگ آیا ، بادل گھر آیا ۔

جانا : امدادی افعال کے طور پر کثیر الاستعمال ہے ۔

۱۔ اکثر افعال کے ساتھ بعد اور دوری کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ بھاگ جانا ، لے جانا ، مر جانا ، چلے جانا ، بھول جانا ۔

۲۔ فعل کے طور لازم میں اکثر جانا بطور فعل امدادی آتا ہے ۔ مثلاً ٹوٹ جانا ، بکھر جانا ، بگڑ جانا اور اس سے تکمیل فعل کے معنی پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً آ جانا ۔

۳۔ بعض اوقات امدادی فعل جانا سے معنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا ، بلکہ سادہ فعل کی جگہ امدادی فعل ملا کر بولتے ہیں ۔ مثلاً مل جانا بجائے ملنا [۱] ۔

۴۔ جانا کے ساتھ اکثر افعال بطور محاورہ آتے ہیں تو ان کے معنی بدل جاتے ہیں ۔ مثلاً پا جانا کے معنی پانا نہیں بلکہ تاڑ جانا ۔ جان جانا ہیں ، اٹھ جانا کے معنی مر جانا ، وفات پا جانا ۔ بیٹھ جانا بہ معنی غم سے ہلکان ہو جانا ، ڈھل جانا ، کسی الزام کا رد ہو جانا ۔ چل جانا بہ معنی رواج ہو جانا ۔ چل جانا (دماغ) بہ معنی ناکارہ ہو جانا ، بیکار ہو جانا ، چل جانا (کسی پھل ، سبزی وغیرہ کے) موسم کا آغاز ہو جانا ۔ ڈھل جانا ، گزر جانا

---

۱ ۔ مولوی عبدالحق صاحب (قواعد اردو ، ص ۱۵۲) ہو جانا کو بھی اسی میں شمار کرتے ہیں ، یہ درست نہیں ، ہو جانا میں تکمیل کے معنی ہیں اور یہ شق (۲) کے تحت آتا ہے ۔

(عمر ۔ وغیرہ کا) ۔ بھر جانا ، (مندمل ہو جانا زخم وغیرہ کا) ۔ چل جانا (کامیاب ہو جانا کسی داؤ چال کا) ۔

۵۔ ایسے افعال میں جن میں تسلسل کا مفہوم ہو ، کھودے جانا ، بولے جانا ، روتے جانا ۔

۶۔ جانا کبھی سکنا کے معنوں میں (صلاحیت طاقت وغیرہ) بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مجھ سے بھاگا نہیں جاتا ۔ اس امدادی فعل کا مادہ سنسکرت میں گم गम ہے ۔

ڈالنا : ۱۔ بطور امدادی فعل تکمیل فعل کا مفہوم رکھتا ہے ۔ کہہ ڈالا ، لا ڈالا ۔

۲۔ علاوہ تکمیل کے کسی قدر تاکید کا مفہوم بھی پیدا کرتا ہے ۔ مار ڈالا ، ادھیڑ ڈالا ، کاٹ ڈالا وغیرہ ۔

پڑنا : ۱۔ بطور امدادی فعل تکمیل فعل کا مفہوم پیدا کرتا ہے ۔ دکھائی پڑنا ، گر پڑنا ۔

۲۔ کبھی کام کے یکایک شروع ہونے کا مفہوم ہوتا ہے ۔ چل پڑنا ، بھاگ پڑنا ، رو پڑنا ، جاگ پڑنا ، برس پڑنا ۔

۳۔ پڑا کسی دوسرے فعل کے شروع میں آنے سے فعل میں زور اور کثرت شدت اور تواتر و تسلسل کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ پڑا مارا پھرتا ہے ، پڑا روتا پھرتا ہے ۔ یہ استعمال اب شاذ ہوتا ہے ۔

۴۔ کبھی اس سے کسی حالت کے معنی پیدا ہوتے ہیں ۔ ٹوٹا پڑنا ، کھلا پڑنا ، بند پڑنا ۔

۵۔ بعض اوقات امدادی فعل کی حیثیت سے اتفاق یا اچانک پیش آ جانے کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ میں جا پڑا ، وہ آ پڑا ۔

رہنا : بطور امدادی فعل افعال کے مختلف صیغوں میں استعمال ہوتا ہے تو استمرار عادت اور تسلسل کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ افعال کی گردان میں اس استعمال کی بکثرت مثالیں دی جا چکی ہیں ۔ آتا رہا ،

آتا رہتا ، آتا رہتا تھا ، آ رہا ہے ۔

۲۔ تکمیل فعل کے لیے بھی آتا ہے ۔ مثلاً جاتا رہا (یعنی گم ہوا) ۔

۳۔ کبھی وقتی اور عارضی کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ جہاں جگہ ملی پڑ رہا ۔

۴۔ رہنا بعض افعال کے ساتھ مل کر بطور محاورہ نئے معنی پیدا کرتا ہے ۔ مثلاً بنی رہنا (دولت و امارت قائم رکھنا) ، بنا رہنا (بھروپ بھرے رکھنا) ، بنائے رہنا (تعلقات استوار رکھنا) ، جاتے رہنا (تلف یا ضائع ہو جانا) ۔

۵۔ بعض اوقات بطور امدادی فعل ایک حالت کے قائم رہنے کے مفہوم کو ادا کرتا ہے ۔ مثلاً اٹک رہنا ، بیٹھ رہنا ۔

بیٹھنا : بطور امدادی فعل تسلیم و رضا کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ مثلاً ہم اپنی قسمت کو رو بیٹھے ، ہم تو سب کچھ کھو بیٹھے ، جو کچھ پاس تھا اسے دے بیٹھے ۔

۲۔ بعض صورتوں میں جبر ، زور اور تشدد کے معنی بھی پیدا کرتا ۔ وہ سینے پر چڑھ بیٹھا ، وہ میری کتاب دبا بیٹھا ۔

۳۔ بعض اوقات غیر متوقع فعل کا مفہوم بھی ادا کرتا ہے ۔ آپ یہ کیا کر بیٹھے ، میں حماقت کر بیٹھا ۔

۴۔ بعض صورتوں میں مجبوری ، صبر ، تسلیم و رضا کے معنی بھی پیدا کرتا ہے ۔ اب تو یہ کام کر بیٹھا ، اس کو دل دے بیٹھا ۔

چکنا : ۱۔ بطور امدادی فعل تکمیل کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ میں کھانا کھا چکا ، وہ جا چکا ، پیغام پہنچایا جا چکا ۔

۲۔ کبھی نفی کے معنی کے ساتھ فعل کے صیغہ ماضی مطلق کو مستقبل کے معنی بھی دیتا ہے ۔ مثلاً وہ آ چکا یعنی وہ نہیں آئے گا ۔

۳- کبھی محض تاکید کے معنی پیدا کرتا ہے - میں کہہ چکا ، جو دینا تھا دے چکا - یہ امدادی فعل کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا ، ہمیشہ کسی دوسرے فعل کے ساتھ بطور امدادی فعل استعمال ہوتا ہے -

سکنا : ۱- افعال کے ساتھ بطور فعل امدادی آتا ہے تو صلاحیت کے معنی پیدا کرتا ہے - دوڑ سکنا ، بول سکنا ، پڑھ سکنا وغیرہ -

۲- کبھی خواہش ، تمنا ، آرزو کے معنی دیتا ہے - کاش میں جا سکتا ، کاش تم آ سکتے -

۳- بعض اوقات فعل میں اجازت اور منظوری (امر و نہی دونوں) کا مفہوم بڑھاتا ہے ، وہ آ سکتا ہے ، تم جا سکتے ہو ، وہ نہیں کھا سکتا -

۴- کبھی امکان اور احتمال کے معنی پیدا کرتا ہے - یہ عمارت گر سکتی ہے - یہ فعل بھی تنہا استعمال نہیں ہوتا ، بلکہ دوسرے افعال کے ساتھ بطور امدادی فعل آتا ہے -

پانا : ۱- بطور امدادی فعل کبھی اجازت کے معنی پیدا کرتا ہے - وہاں سے کوئی نہیں آنے پاتا -

۲- کبھی امکان یا شرط کا مفہوم پیدا کرتا ہے - اگر میں وہاں جا پاتا -

عام طور پر یہ امدادی فعل مصدر کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور نا علامت مصدر کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے -

۳- کبھی پانا بمعنی سکنا (طاقت صلاحیت وغیرہ) بھی آتا ہے - وہاں کون جا پائے -

کرنا : یہ بھی اردو کے کثیر الاستعمال امدادی افعال میں شمار ہوتا ہے -

۱- اکثر افعال کے ساتھ بطور فعل امدادی کام کے شروع ہونے یا جاری رہنے کے معنی دیتا ہے ، مثلاً وہ آیا کیا ، میں کھایا کیا -

۲- بطور امدادی فعل اگر ماضی مطلق کے صیغے کے ساتھ استعمال ہو تو امر کے معنی پیدا کرتا ہے - آیا کر (کرو یا کیجیے)، نہ جایا کر (کرو یا کیجیے) -
۳- کبھی فاعل کی عادت کو ظاہر کرتا ہے - آیا کرتا تھا/ ہے - پڑھا کرتا تھا / ہے - مادہ اس کا سنسکرت کا "کر कर" ہے -

اٹھنا : ۱- کسی کام کے یکایک شروع ہو جانے کے معنی دیتا ہے - بول اٹھا، جل اٹھا -
۲- کبھی ایک کام ختم کرنے کے بعد دوسرا شروع ہونے کے مفہوم کو ادا کرتا ہے - سو اٹھا، اس صورت میں تکمیل فعل کے معنی بھی شامل ہیں -
۳- کبھی یکایک شدت پیدا ہونے کے معنی بھی دیتا ہے - مثلاً بھڑک اٹھا، گرج اٹھا -

چاہنا : ۱- جیسا کہ اس فعل کے معنوں سے ظاہر ہے، بطور امدادی فعل فاعل کی خواہش کو ظاہر کرتا ہے - میں جانا چاہتا ہوں - ان معنوں میں اس امدادی فعل کے ساتھ اصل فعل مصدر آتا ہے -
۲- کبھی چاہنا سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ فعل مستقبل قریب میں ہونے والا ہے - وہ آیا چاہتا ہے - اس صورت میں اصل فعل ہمیشہ ماضی کی صورت ہوتا ہے اور امدادی فعل سے مل کر یہ معنی حال کے پیدا ہوتے ہیں، لیکن یہ کہنا درست نہیں[1] کہ یہ حالت صرف فعل حال میں استعمال ہوتی ہے - مثلاً یہ کہنا بھی درست ہے کہ بارش ہوا چاہتی تھی کہ ہوا چلنے لگی - فیصلہ ہوا چاہتا تھا کہ ہنگامہ ہو گیا -
۳- چاہنا سے چاہیے بطور امدادی فعل کئی مفاہیم ادا کرتا ہے - امر تعظیمی کی صورت میں فعل کی صورت مصدریہ کے ساتھ استعمال

---

۱ - عبدالحق قواعد اردو، ص ۱۵۷ -

کرنے سے یہ صورت پیدا ہوتی ہے ۔ اس کو یہاں آنا چاہیے ، آپ کو یہ کام کرنا چاہیے ۔ مذکورہ بالا صورت فعل کو اخلاق یا منصبی فرض کے طور پر ادا کرنے کی تلقین و نصیحت کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے ۔ آپ کو اپنا فرض پہچاننا چاہیے ۔ دشمن کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا چاہیے ۔

رکھنا : بطور فعل امدادی حسب ذیل معنی پیدا کرتا ہے :

۱۔ جبر و اکراہ ۔ مثلاً بٹھا رکھنا ، دبا رکھنا ۔

۲۔ تسلسل اور مدام ، چھپا رکھا ہے ۔

۳۔ کسی ایسے فعل کی خبر جو ماضی میں ہو چکا ۔ میں نے اسے بتا رکھا ہے ، سکھا رکھا ہے ۔

۴۔ تاکید و تنبیہ سن رکھو تعظیمی رکھنا ۔ سے رکھیے بھی ان ہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

۵۔ محاوروں میں مرکب افعال کے جزو ثانی کے طور پر اٹھا رکھنا (ملتوی کرنا) ۔

بننا :[۱] امدادی افعال کی اس فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان سے زبان کے بنیادی سرمایے میں اضافہ ہوتا ہے ۔ معانی اور مفاہیم میں وسعت پیدا ہوتی ہے ۔ نازک کیفیات کا تجزیہ ہو سکتا ہے ۔ زبان میں اضافے کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور اس میں امدادی افعال نمایاں حصہ لیتے ہیں ۔

مرکب افعال

آریائی زبان کی ایک بڑی خصوصیات مرکبات کا استعمال ہے ، جس سے اس زبان میں بڑی وسعت اور قدرت بیان پیدا ہوئی ہے ۔ اردو کے ارتقا میں

---

۱ ۔ انشا نے بننا ، واقع ہوا ، ٹھہرا ہوا ، مقرر ہوا ، ٹھہر گیا ، بن گیا ، مقرر ہوگیا ، نکلا اور نکل پڑا کو افعال ناقصہ کہا ہے ، وہ دراصل مرکب افعال کے جزو ہیں اور محض امدادی افعال نہیں ۔

جس طرح مرکبات بنائے گئے ، ان کا کچھ حال اس قواعد کے ابتدائی ابواب میں لکھا جا چکا ہے ، یہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مرکب افعال سے بحث کی جاتی ہے ۔

امدادی افعال کی مدد سے مرکب افعال بنانا

مرکب افعال بنانے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ بنیادی فعل کے ساتھ ایک امدادی فعل لاتے ہیں ۔ پچھلے باب میں امدادی افعال کے بیان سے اس قسم کے مرکب افعال کی نوعیت کا اندازہ ہوگیا ہوگا ۔ اس طرح کے مرکب افعال سے سادہ فعل کے مفہوم میں اضافہ یا کمی ، وسعت یا تحدید ، تشریح اور تفسیر ، تاکید ، تکمیل ، شدت ، تسلسل ، عادت ، صلاحیت ، طاقت ، قدرت ، امکان ، شرط ، احتمال کے مفاہیم کا اضافہ ہوتا ہے ۔ افعال کے صیغے بنانے میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے ۔ خاص طور پر زمانہ اور حالت فعل کے تغیر کو ان کی مدد سے ظاہر کرنا آسان ہو جاتا ہے ۔ اس قسم کے مرکبات کئی طرح بنتے ہیں :

۱۔ بنیادی فعل اور امدادی فعل دونوں پراکرتی الاصل ہوں ۔ بیشتر مرکبات اسی قسم کے ہیں ۔ ان کی مثالیں امدادی افعال کی بحث میں اوپر آ گئی ہیں ۔

۲۔ فارسی افعال کے مشتقات اور امدادی پراکرتی افعال کے مرکبات ۔ چونکہ فارسی افعال یا مصادر کے یہ مشتقات اکثر و بیشتر اسم یا صفت کی صورت میں ہوتے ہیں ، اس لیے تشریح کے لیے ان کی بحث اسم و صفت اور افعال کے مرکبات کی بحث میں شامل کی گئی ہے ۔ اس قسم کے مرکبات بھی اردو میں بکثرت ہیں ۔ مثلاً گزشتن سے گزر ، گزر کرنا ، گزارش کرنا ۔ گریختن سے گریز ، گریز کرنا ۔ دیدن سے دید[1] دید کرنا ، دیدار ، دیدار

---

۱ - یہ اب متروک ہے ، متوسطین کے دور تک عام تھا ۔

دور متقدمین میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں ۔ مثلاً ملا وجہی کی سب رس میں دس آنا (نظر آنا) دسنا بمعنی دیکھنا ، ص ۱۹ ۔ یکھا جانا ، ص ۱۹ ۔ کہوایا جانا (۲۰) ۔ کہیا جائے (۲۰) ۔ کیا رکھیا (۲۰) ۔ دس آوئے (۲۰) ۔ نظر آئے بول اٹھے گا (۲۰) ۔ سمجھے جاتی (۲۱) وغیرہ ۔

کرنا ، دیدار ہونا وغیرہ ۔

تکرار فعل

ایک فعل کو مرکب کسی دوسرے مترادف فعل یا قریب المعنی یا اس کے ہم آواز فعل سے کرتے ہیں ، جس سے بعض اوقات معنوں میں فرق پیدا ہوتا ہے ۔ یہ فرق یا تو معنوں میں وسعت پیدا کرتا ہے یا زور پیدا کرتا ہے ۔ مثلاً اس کام کی دیکھ بھال کرو ، سوچو سمجھو ، آگے بڑھے چلو ۔

اسما اور صفات کی ترکیب سے مرکب افعال بنانا

اسم یا صفت اور فعل کی ترکیب سے مرکب افعال بنانے کی اردو میں بہت سی صورتیں ہیں ۔ مثلاً

۱۔ پراکرتی الاصل اسم یا صفت اور پراکرتی امدادی فعل کے مرکبات ۔ اردو کے ابتدائی دور سے ہی اس قسم کے مرکبات بکثرت ملتے ہیں ۔ مثلاً سب رس مصنفہ ملا وجہی میں حسب ذیل مرکبات موجود ہیں ۔

بات کھولنا (۱) ، پرکٹ کرنا (۲) ، جیو لگنا (ص ۳) ، باٹ پانا (ص ۵) ، چلنت چلنا ، برا جاننا ، بھلا جاننا ، مسول پانا ، جیو دینا (ص ۱۱) ، النگ جانا (ص ۲۱)[1] ، کام لگنا (ص ۲۵) ، فام اچھنا (ص ۲۵) ، چھتر چھانا (ص ۲۶) ، دورای پھرانا (ص ۲۶) ، اجالا پڑنا (ص ۲۸) ، جس دینا (کام کا ، ص ۲۸) ، دم مارنا (ص ۲۸) ، دنبال پڑنا (ص ۳۰) ، بھار دھرنا (ص ۳۰) ، چپ رہنا (ص ۳۲) ۔ آج بھی بکثرت مرکبات اس قسم کے رائج ہیں ۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں ۔ مثلاً ایک اسم آنکھ سے مختلف امدادی افعال کی مدد سے حسب ذیل مرکبات بنتے ہیں ، جو بطور محاورہ الگ الگ معنی دیتے ہیں :

آنکھ آنا (آشوب چشم میں مبتلا ہونا) ، آنکھ ڈالنا (توجہ کرنا ،

---

۱ ۔ سب رس ملا وجہی ۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی طبع دوم سنہ ۱۹۵۲ء ۔

مائل ہونا) ، آنکھ پڑنا (اتفاقاً نظر آ جانا) ، آنکھ مارنا (عشق و عاشقی کا اشارہ کرنا) ، آنکھ لگانا (عشق کرنا) ، آنکھ دکھانا (سرزنش اور تنبیہ کرنا) ، آنکھ بند ہونا (موت آ جانا) ، آنکھ کھلنا (بیدار ہو جانا) ، آنکھ لگنا (نیند آ جانا نیز عشق میں مبتلا ہو جانا) ، آنکھ چرانا (شرمندہ ہونا) ، آنکھ ملانا (دوچار ہونا) ، آنکھ پھیر لینا (بے رخی اختیار کرنا) ۔

اسی طرح کان سے مرکب افعال میں چند یہ ہیں :

کان بھرنا (کسی کی غیبت کرنا) ، کان پکنا (کسی بات کو سنتے سنتے تنگ آ جانا) ، کان پکڑنا (توبہ کرنا ، عہد کرنا کسی کام کے نہ کرنے کا) ، کان دھرنا (غور سے سماعت کرنا) ، کان لگانا (غور اور توجہ سے سننا) ، کان نہ ہلانا (مکمل اطاعت کرنا) ۔

اسی طرح صفات سے مرکب افعال کی بعض مثالیں دیکھیے :

صفت اچھا سے اچھا ہونا (صحت پانا) ، اچھا کرنا (علاج کرنا) ، اچھا ہونا (بہ خیریت ہونا) ۔ صفت تیز سے تیز ہونا (کسی آلے یا دھار کا) ، تیز ہونا (کھانے میں کسی مصالحہ مرچ نمک وغیرہ کا) ، تیز ہونا (ناراض ہونا) ، تیز ہونا (زبان اور گفتگو یا مزاج کا) ، تیز ہونا (چڑھنا کسی شے کی قیمت یا بھاؤ کا) ، تیز کرنا (چراغ کی لو یا شعلہ کا) ۔

غرض اس قسم کے مرکبات اردو میں بکثرت استعمال ہوتے ہیں ، یہ مرکبات عام طور پر حسب ذیل امدادی افعال (مصادر) کی ترکیب سے بنائے جاتے ہیں ۔

ہونا ، کرنا ، کھانا ، بھرنا ، ہلانا ، لینا ، دینا ، پڑنا ، پکڑنا ، آنا ، جانا ، دھرنا ، ڈالنا ، رکھنا ، لگنا ، لگانا ، مارنا ۔

۲۔ فارسی اسم کے ساتھ پراکرتی الاصل مصادر کی ترکیب سے مرکب افعال

اس قسم کے افعال کی بعض مثالیں اس قواعد کے ابتدائی ابواب میں اردوئے قدیم کے ارتقا کے سلسلے میں دی جا چکی ہیں ۔ آج اردو میں اس

قسم کے جتنے مرکبات رائج ہیں ، ان میں سے اکثر اردو کی ترقی کے ابتدائی دور کی یادگار ہیں ۔ فارسی کا اثر آہستہ آہستہ کم ہوا تو اس قسم کے مرکب افعال کی تعداد بھی کم ہونے لگی ، لیکن بعض مرکبات زبان کا جزو بن چکے ہیں ۔ متقدمین کے یہاں ان کی نوعیت کا اندازہ سب رس سے مرتب کردہ حسب ذیل فہرست سے ہو سکتا ہے :

قدرت دھرنا (ص ۱) ، صفت کرنا (ص ۱) ، دم مارنا (۲) ، نظر سٹنا (۲) ، بال و پر سٹنا (۲) ، بیزار ہونا (ص ۳) ، نفا (نفع) کھینچنا (۳) ، جفا کھینچنا (۳) ، بقا پانا (۴) ، فنا کرنا (۴) ، منا (منع) کرنا (۴) ، خوب سنا (ص ۴) ، فریاد کرنا (۴) ، داد دینا (۴) ، آرائش دینا (۴) ، پیدا کرنا (۴) ، گزر ہونا (۵) ، تمام ہونا (۵) ، نفا (نفع) دینا (۵) ، ہویدا کرنا (۶) ، روشنی پانا (۶) ، تقسیم آنا (۶) ، لاف کرنا (۷) ، غلاف کرنا (۷) ، رمز پانا (۷) ، بیان کرنا (۷) ، عیاں کرنا (۷) ، نشان دھرنا (۷) ، فکر کرنا (۸) ، تیز کرنا (۸) ، چیز کرنا (۸) ، یادگار اچھنا (۸) ، داد دینا (۸) ، امداد دینا (۸) ، مراد دینا فیض انپڑنا (۸) ، صفا پانا (۸) ، نفا (نفع) پانا (۹) ، محظوظ ہونا (۹) ، دعا کرنا (۹) ، حج کرنا (۹) ، اثر چڑھنا (۹) ، حاجت ہونا (۹) ، کیف کھانا (۹) ، سلامت دینا (۱۰) ، امید پانا (۱۰) ، بنیاد اچانا (۱۳) ، غرق ہونا (۱۰) ، مانا (معنی) کھولنا (۱۱) ، ایمان لانا (۱۲) ، گرہ دینا (۱۲) ، واجب آنا (۱۲) ، حظ پانا (۱۳) ، زبان کرنا (۱۴) ، گنج کاڑنا (۱۵) ، نظر پڑنا (۱۵) ۔

یہ فہرست سب رس کے صرف ابتدائی پندرہ صفحات سے مرتب ہوئی ہے ۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ اردو امدادی افعال کی مدد سے فارسی کے اسما اور صفات سے مرکب افعال کس طرح اور کس نوعیت کے بنائے گئے ہیں ۔ جو امدادی افعال ان تراکیب میں استعمال ہوئے ہیں ، وہ حسب ذیل ہیں :

دھرنا ، کرنا ، مارنا ، سٹنا ، ہونا ، کھینچنا ، پانا ، دسنا ، دینا ، آنا ، اچھنا ، انپڑنا ، چڑھنا ، کھانا ، کھولنا ، لانا ، دینا ، اچانا ، کاڑنا ، پڑنا ، وغیرہ ۔

ان مرکب افعال کے سلسلے میں ایک اور نکتہ قابل لحاظ یہ ہے کہ ان میں سے بعض فارسی کے محاورات اور مرکبات کا اردو چربہ ہیں اور اس طرح کہ صرف امدادی فعل کا ترجمہ اردو میں ہوگیا ہے ۔ مثلاً دم زدن (دم مارنا) ، بیزار شدن (بیزار ہونا) ، جفا کشیدن (جفا کھینچنا) ، نفع کشیدن (نفع کھینچنا) ، تمام شدن (تمام ہونا) ، بیان کردن (بیان کرنا) ، عیاں کردن (عیاں کرنا) ، فکر کردن (فکر کرنا) ، تمیز کردن (تمیز کرنا) ، مراد دادن (مراد دینا) ، حاجت بودن (حاجت ہونا) ، غرق شدن (غرق ہونا) ، گردہ دادن (گرد دینا) ، واجب آمدن (واجب آنا) ، بر آمدن (بر آنا) ، بسر آمدن (بسر آنا) ، خوش آمدن (خوش آنا) ، واشدن (وا ہونا) ۔

اس عمل سے بھی اردو میں بے شمار محاوروں کا اضافہ ہوا ہے ۔ مثلاً فارسی اسم دل سے مختلف امدادی افعال کی مدد سے پیدا ہونے والے محاورات و مرکبات میں سے بعض یہ ہیں : دل لگانا (عشق کرنا) ، دل آنا (عاشق ہونا) ، دل دینا (مبتلائے عشق کرنا) ، دل لینا (کسی کو مبتلائے عشق کر لینا) ، دل توڑنا (صدمہ پہنچانا) ، دل ملانا یا ملنا (مانوس ہونا) ، دل ڈوبنا (کسی صدمہ یا غم سے مضمحل ہونا) ، دل جلانا (رنج یا صدمہ یا تکلیف پہنچانا) ، دل پڑا ہونا (کسی فکر میں ہونا یا کسی کو یاد کرنا) ، دل بڑھانا (ہمت افزائی کرنا) ، دل مارنا (صبر و رضا کا عادی ہونا ، قناعت کرنا) ، دل دکھانا (رنج یا صدمہ پہنچانا) ، دل باندھنا (مائل ہونا) ۔

۳۔ عربی اسم کے ساتھ پراکرتی الاصل مصادر کی ترکیب سے مرکب افعال

اردو میں عربی عناصر کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے ابتدائی ابواب میں بحث کی جا چکی ہے ، اس سلسلے میں چند امور ذہن نشین رکھنا ضروری ہیں :

اول تو یہ کہ عربی کے اکثر و بیشتر الفاظ جو اردو میں رائج اور

مستعمل ہیں ، اردو میں براہ راست عربی سے نہیں آئے ، بلکہ عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں آئے ہیں اور دونوں صورتوں میں آن میں طرح طرح کی تبدیلیاں ہوگئی ہیں ۔ یہ تبدیلیاں صوتی بھی ہیں ، صرفی بھی اور معنوی بھی عربی کی بہت سی آوازیں پراکرتی الاصل زبانوں اور بولیوں میں نہ تھیں ، اس لیے عربی کے ایسے الفاظ جن میں یہ آوازیں تھیں ، اکثر قریب المخارج آوازوں سے بدل لیتے ہیں ۔ مثلاً ض کی جگہ ذ ع کی جگہ الف ۔ یہ صورت قدیم دور میں بھی ملتی ہے اور اب بھی ۔ دوسرے یہ کہ اکثر الفاظ کے معنی بدل کر کچھ سے کچھ ہوگئے ہیں اور اصل عربی معنی کی جھلک بھی باقی نہیں رہی ۔ مثلاً غلام کے معنی جو اردو میں ہیں ، وہ اردو کے اپنے ہیں عربی نہیں ۔ غرض اس قسم کی مثالیں اردو میں بکثرت مل جاتی ہیں ، جن میں عربی الفاظ کے معنی بدل گئے ہیں ۔

عربی کے اسما جن کے ساتھ پراکرتی الاصل امدادی افعال لگا کر مرکب افعال بناتے ہیں ، بہت ہیں ۔ بطور نمونہ چند مثالیں لکھی جاتی ہیں ۔ پہلے متقدمین کے یہاں چند مثالیں دیکھیے[1] ۔

قدرت دھرنا (۱) صفت کرنا (۲) حد پانا (۲) سجدہ کرنا (۲) نفع کھینچنا (۳) بقا پانا (۴) تمام ہونا (۵) جمع کرنا (۶) تقسیم آنا (۶) نور بھرنا (۷) تسلیم کرنا (۸) تمیز کرنا (۸) محظوظ ہونا (۹) فاتحہ پڑھنا (۱۰) حرام ہونا (۱۰) فرض ہونا (۱۰) واجب آنا (۱۲) حضور ہونا (۱۵)۔

مذکورہ بالا مثالیں سب رس کے ابتدائی چند صفحات سے لی گئی ہیں ، ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو کے ابتدائی نشو و نما کے دور میں ان کی کیا کیفیت تھی ۔ اس دور کے بعد بھی عربی اسما کے ساتھ امدادی فعل لگا کر فعل مرکب بنانے کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں ، جو اب تک رائج اور مستعمل ہیں ۔ مثلاً استفسار کرنا ، افتتاح کرنا ، دعویٰ کرنا ، رفع کرنا ، دفع کرنا ، نشر کرنا ، یقین کرنا ، یقین دلانا ، علاج کرنا ، دعا کرنا ، قریب ہونا ، جمع ہونا ، جمع کرنا ، تفریق کرنا، ضرب دینا ، ضرب لگانا ، ضرب پہنچانا ، تمام ہونا ، تمام کرنا ، شروع کرنا ،

---

۱ - از سب رس ، ص ۱ تا ۱۵ ۔

سفر کرنا ، سعی کرنا ، غائب ہونا ، غائب کرنا ، غیبت کرنا ، غلام ہونا ، غلیظ کرنا ، غلیظ ہونا ، فصل ہونا ، فصل کرنا ، فیصلہ کرنا ، فساد ہونا ، فساد کرنا ، فشار ہونا ، فشار کرنا ، کلام کرنا ، یقین کرنا ، یقین ہونا وغیرہ ۔

فارسی یا عربی صفات کے ساتھ پراکرتی امدادی افعال کی مدد سے مرکب افعال

جس طرح فارسی اور عربی کے اسما کے ساتھ امدادی افعال ملا کر مرکب افعال بنائے گئے ہیں ، اسی طرح فارسی عربی صفت کے ساتھ پراکرتی امدادی افعال کی ترکیب سے بھی مرکب افعال بنائے گئے ہیں ، مثلاً خوب کرنا[1] ، قوی کرنا کمزور کرنا ، کمزور پڑنا ، روشن کرنا ، روشن ہونا ، تیز کرنا ، مشہور کرنا ، سیاہ کرنا ، ضعیف ہونا ، قوی ہونا[2] ۔

---

۱ - متقدمین کے یہاں عام طور پر ملتا ہے ، بعد میں متروک ہوگیا ۔

ع ـــ خدا نے خوب کیا تم کو خوبرو نہ کیا

۲ - مرکب افعال کے سلسلے میں مولوی عبدالحق صاحب (قواعد اردو ، ص ۱۵۹) نے بعض مصادر کو بھی شامل کر لیا ہے - ہمارے خیال میں ان مصادر کی بحث کا تعلق مرکب افعال سے نہیں ہے - مرکب افعال صرف ایسے افعال ہیں جو یا تو امدادی فعل اور دوسرے فعل کا مرکب ہیں یا اسم و صفت اور امدادی فعل کا مرکب ـ مولوی صاحب نے اس سلسلے میں حسب ذیل مصادر کا ذکر کیا ہے ان کی بحث ہم مصادر کے سلسلے میں پہلے کر چکے ہیں ۔

اسی سلسلے میں مولوی صاحب بھن بھن ، ٹھن ٹھن ، بڑ بڑ ، من من بھی شامل کرتے ہیں ـ اتنا اضافہ اور کرنا چاہیے کہ اس قسم کے الفاظ صرف نا علامت مصدر لگا کر نہیں بنتے بلکہ انا لگانے سے بنتے ہیں ـ دراصل ایسے الفاظ جو حروف علت پر ختم ہوں ، ان کے آخر میں نا اور حروف صحیحہ پر ختم ہونے والے الفاظ میں آنا لگاتے ہیں ۔

۱۔ بعض اوقات ہندی اسما یا صفات میں کسی قدر تغیر کر کے نا علامت مصدر لگا کر مصدر بناتے ہیں ۔

پانی سے پینانا (یہ مصدر محل نظر ہے ، پانی سے صفت پنیلا اور اس سے مرکب فعل پنیلا ہونا تو مستعمل ہے ، لیکن پینانا نہیں) جوتی سے جتیانا ، پتھر سے پتھرانا وغیرہ ۔

۲۔ عربی فارسی اسما یا افعال کے ساتھ پراکرتی علامت مصدر لگا کر مصدر بنانا ، مثلاً بخشنا ، آزمانا ، نوازنا ، گرمانا ، فرمانا ، داغنا وغیرہ ۔ ان کی بحث مصدر کے سلسلے میں ہو چکی ہے ۔

۳۔ بعض اوقات علامت مصدر ایسے مرکبات میں جو دو افعال سے بنا ہو صرف آخری فعل میں ہوتی ہے ۔ مثلاً بنا آنا ، بنا جاننا ۔

۴۔ بعض اوقات حالیہ معطوفہ بھی اسی صورت سے آتا ہے ۔ مولوی صاحب نے اس میں اور مرکب فعل میں فرق کیا ہے ۔ مثلاً میں وہاں ہو آیا ہوں ، میں اسے دیکھ آیا ہوں ۔ یہ درست ہے ۔ ان دونوں صورتوں میں ہو اور دیکھ کے بعد کر محذوف سمجھنا چاہیے اور دو فعل الگ الگ ہیں ۔

انگریزی اسمائے صفات اور افعال سے امدادی فعل لگا کر مرکب افعال بنانا

اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ کم و بیش سولھویں صدی کے نصف آخر سے بر صغیر ہند و پاکستان میں بعض یورپین اقوام کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا ۔ پہلے پہل یہ آمد و رفت صرف تجارت کے لیے تھی اور تجارت ہی کے غلبے کے لیے مختلف یورپین اقوام میں آپس میں مقابلہ اور کشمکش کا آغاز ہوا ۔ آہستہ آہستہ ان میں سے بعض اقوام نے اس ملک میں قدم جمانا شروع کیے ۔ ساحلی علاقوں اور بندرگاہوں میں تجارتی کوٹھیاں اور گودام بنائے ۔ پھر ان کی حفاظت کے لیے نیم فوجی تنصیبات قائم کیں ۔ ایک قدم آگے بڑھا تو یہ سیاست میں داخل ہوگئے اور ملک کی سیاسی افراتفری ، زوال اور انتشار سے فائدہ اٹھا کر پہلے انھوں نے بعض سیاسی

مراعات حاصل کیں ۔ کسی قدر اپنی فوجی قوتوں کو مجتمع کیا ۔ اسی مقابلے میں آپس کی جنگوں نے ان میں سے بعض فریقوں کو کمزور کر دیا اور بعض کو طاقتور ۔ ولندیزی ، پرتگیزی ، فرانسیسی اور انگریز اس داستان کے نمایاں کردار ہیں ۔ حالات ، حکمت عملی ، سیاسی سوجھ بوجھ ، فوجی کمک سب نے مل جل کر اٹھارھویں صدی تک ملک کی سیاست کی بساط پر انگریزوں کو سب سے مؤثر مہرہ بنا دیا اور اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے سنہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ نے انھیں اس ملک کی قسمت کا مالک بنا دیا ۔ ایک صدی کی کشمکش کے بعد سنہ ۱۸۵۷ء میں ہند و پاکستان کی برائے نام ملکی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور اگلے نوے سال تک برطانیہ کے اقبال کا پرچم اس ملک کے سر پر لہراتا رہا یہاں تک کہ سنہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے اس دور کا خاتمہ کر دیا ۔

اس پورے دور میں قدرتی طور پر یورپ کے لوگوں کے ملنے جلنے اور یورپ کا سامان آنے سے بے شمار الفاظ مغربی زبانوں کے اردو میں داخل ہوگئے ۔ بہت سے الفاظ ان چیزوں کے نام ہیں جو انگریز اپنے ساتھ لائے ۔ مثلاً لباس اور اس کے متعلقات میں کوٹ ، پتلون ، سوٹ ، کالر ، ٹوپ ، بوٹ ، نیکر وغیرہ ۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ٹماٹر ، موسمی ، توس ، تمباکو وغیرہ ۔ مذہبی اور معاشرتی امور میں گرجا ، پادری ، لاٹ پادری ، مشن ، فرنگی ، مشنری ، بپتسمہ ۔ عدالتی الفاظ میں جج ، پارلیمنٹ ، مجسٹریٹ ، بالسٹر (بیرسٹر) ، سمن ، چپراسی ، اپیل ، کورٹ فیس ، کونسل ، پولیس ، کورٹ ، ہائی کورٹ ، پنشن ، ڈیوٹی ۔ (مرزا غالب نے اپنے خط میں اسے پون ٹوٹی لکھا ہے ، مراد اس سے ٹاؤن ڈیوٹی ہے) ۔ سر سید اور ان کے رفقا کے دور میں انگریزی الفاظ بڑی شدت اور کثرت سے اردو میں آنے لگے ۔ سر سید اور حالی کی تحریروں کو پڑھیے تو ایسے الفاظ بکثرت ملتے ہیں : نیشن ، سلف ہلپ ، کانشنس ، بایوگرافی ، کری ٹی سزم ، ہائر کری ٹی سزم ، پوئٹری ، اسیجنیشن ۔ اس دور کے بعد یہ طوفان کسی قدر رک گیا ۔ مگر انگریزی تعلیم یافتہ طبقے کی زبان پر انگریزی الفاظ پھر بھی چڑھے رہے اور یہ صورت حال کسی قدر اب تک ہے ۔ البتہ تحریروں میں محتاط لکھنے والے اب اس شترگربگی سے پرہیز کرتے ہیں اور انگریزی

کے صرف وہی الفاظ استعمال کرتے ہیں جو اردو میں دخیل ہو چکے ہیں اور ڈھل کر اردو کے مزاج کے مطابق ہوگئے ہیں -

چنانچہ جس طرح فارسی اور عربی اسما اور صفات اور پرا کرتی امدادی افعال کے مرکبات بطور فعل مرکب اردو میں رائج ہیں اسی طرح انگریزی اسما اور صفات اور پراکرتی امدادی افعال کے مرکبات کی مثالیں بھی روزمرہ گفتگو میں زیادہ اور بعض صورتوں میں تحریری اور کتابی زبان میں بھی ملتی ہیں ، مثلاً لکچر دینا ، پاس ہونا ، فیل ہونا ، ریٹائر ہونا ، پنشن پانا ، ایکٹ کرنا ، ریویو کرنا ، نوٹ کرنا ، نیلام کرنا[۱] ، ووٹ دینا ، ووٹ لینا ، ووٹ پڑنا ، ووٹ ڈالنا ، الکشن ہونا ، الکشن کرنا ، بائیکاٹ کرنا ، ٹیکس لگانا ، ٹیکس لینا ، ٹیکس دینا ، رپورٹ کرنا ، فٹ کرنا -

ہمارے قواعد نویسوں نے ان کو مصدر جعلی بتایا ہے[۲] ؛ یہ صحیح نہیں ہے - مصدر جعلی کی تعریف یہ ہے کہ کسی دوسری زبان کے مصدر یا اسم جامد یا حاصل مصدر پر علامت مصدر زیادہ کر کے مصدر بناتے ہیں تو اسے مصدر جعلی کہتے ہیں - اوپر کی تمام مثالوں میں[۳] دینا ، ہونا ، کرنا ، پڑنا ، ڈالنا ، لگانا امدادی افعال ہیں اور ان کی مدد سے مرکب ہونے والے افعال مرکب افعال ہوں گے - مصدر ان معنوں میں ضرور ہیں کہ ان میں ازمنۂ ثلاثہ میں سے کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا - یہ کیفیت ان تمام مصادر کی ہے جن کو مصادر فعلی کہا جاتا ہے ورنہ مرکب افعال کو مشتق ان ہی مصادر سے کیا جائے گا - مثلاً لکچر دیا ، لکچر دے رہا ہے ، لکچر دے گا - یہ ساری مثالیں افعال مرکب کی ہیں -

---

۱ - اصلاً اردو میں پرتگیزی سے آیا - اصل میں عربی الاعلان تھا - پرتگیزی میں Leelan اور پھر Lilam ہوا - اردو میں پہلے لیلام ہی کہتے تھے ، پھر نیلام زبانوں پر چڑھ گیا -

۲ - فتح محمد خاں جالندھری - مصباح القواعد حصہ اول ، صفحہ ۲۳ -

۳ - ان میں ایکٹ کرنا اور لکچر دینا فتح محمد خاں جالندھری نے بھی گنائے ہیں اور ان کو مصدر جعلی کہا ہے - مصباح القواعد حصہ اول ، صفحہ ۲۳ -

مصادر فعلی

مصادر کی بحث میں لکھا جا چکا ہے کہ مصادر فعلی سے مراد ایسے بامعنی کلمے کی ہے جس میں کسی فعل یا عمل یا حرکت یا حالت کے معنی پائے جائیں لیکن کوئی زمانہ ازمنۂ ثلاثہ یعنی ماضی ، حال اور مستقبل میں سے نہ پایا جائے ۔ افعال جو ان مصادر سے مشتق ہوتے ہیں ، ان میں کوئی نہ کوئی زمانہ تو پایا ہی جاتا ہے لیکن زمانے کے علاوہ بھی بعض عناصر مشتق افعال میں شامل ہوتے ہیں ۔ مثلاً عدد کا صیغہ ، جنس کا صیغہ وغیرہ ۔ اس کی تفصیل فعل کے سلسلے میں بیان کی جا چکی ہے ۔ ذیل میں اردو کے کثیرالاستعمال اور عام مصادر فعلی کی ایک فہرست دی جاتی ہے ۔ اس میں ایسے مصادر بھی شامل ہیں جو اردوئے قدیم کے دور میں رائج تھے اور بعد میں متروک قرار پائے ۔

الف

آنا ، آزمانا (مصدر جعلی فارسی آزمودن سے) ، ابلنا (ابالنا ، (ابلوانا) ، ابھارنا آبھرنا (آبھرنا ، قدیم) آبھرنا ، (ابھرنا ، ابھروانا) ، اپھرنا ، اتارنا (اترنا ، اتروانا) ۔ اترنا ، اٹنا (اٹھنا قدیم) ، اٹنا ، اٹکنا (اٹکانا ، اٹکوانا) ، اٹھانا (اٹھنا ، اٹھوانا) ، اٹھلانا ، اچانا (اٹھانا ، بلند کرنا قدیم) ، اچھنا (ہونا قدیم) ، اچنا (ہونا قدیم) ، اڑانا (اڑنا ، اڑوانا) ، اڑنا (اڑانا ، اڑوانا) ، آکسانا ، اکھڑنا (اکھیڑنا ، اکھاڑنا ، اکھڑوانا) ، اگانا (اگنا) ، الجھانا (الجھنا) ، انپڑنا (پہنچنا قدیم) ، اونگھنا ، امنیٹھنا ، اندیشنا (سوچنا قدیم) ، اونٹنا (س پر ڈالنا ، خاک وغیرہ قدیم) ، اوٹنا (کپاس سے بنولا الگ کرنا) ۔

ب

باندھنا ، بانٹنا (بٹانا ، بٹوانا) ، بٹھانا (بٹھلانا قدیم) ، بجنا (بجانا ، بجوانا) ، بجھنا (بجھانا ، بجھوانا) ، بچنا (بچانا ، بچوانا) ، بچھنا (بچھانا ، بچھوانا) ، بحثنا (مصدر جعلی بحث سے) ، بخشنا (مصدر جعلی بخشیدن سے بخشوانا) ، بدنا (شرط لگانا) ، بدلنا (بدلوانا) ، بڑھانا (بڈھانا قدیم) ، برنا (جلنا قدیم) ، برتنا ، (برسنا (برسانا ، برسوانا) ، بڑھنا (بڑھانا ، بڑھوانا) ، بڑبڑانا (بسارنا ، بھلانا

قدیم) ، بسلانا (بٹھانا ، نیز کھلانا) ، بسنا (بسانا ، بسوانا) ، بکھرنا ، بکھاننا (بیان کرنا ، کہنا عیب کی بات یا خامیوں کا ذکر) ، بکھیرنا ، بکنا ، بکوانا ، بگڑنا (بگاڑنا ، بگڑوانا) ، بگھارنا ، بلانا (بلوانا) ، بلکنا ، بلانا (بلوانا) ، بلونا (دودھ کا) ، بلبلانا ، بننا (بنانا ، بنوانا) ، بلانا (بلوانا) ، بندھنا (باندھنا ، بندھوانا) ، بونا (بوانا) ، بوجھنا ، بولنا (بلوانا) ، بہانا (گزرنا قدیم) ، بہکنا (بہکانا ، بہکوانا) ، بہنا (بہانا) ، بہلنا (بہلانا ، بہلوانا) ، بیٹھنا (بٹھانا ، بٹھوانا) ، بیچنا ، بیلنا (بلوانا) ، بیٹھنا (بیٹنا قدیم) ۔

بھ

بھانا (پسند آنا قدیم) ، بھانا (ڈالنا قدیم) ، بھاسنا (ڈالنا قدیم) ، بھاگنا (بھگانا ، بھگوانا) ، بھجنا (یاد کرنا قدیم) ، بھجوانا (بھیجنا) ، بھدنا (ملنا قدیم) ، بھرنا (بھرانا ، بھروانا) ، بھڑکنا (بھڑکانا ، بھڑکوانا) ، بھگونا (بھیگنا ، بھگوانا) ، بھلانا (بھولنا) ، بھنانا (بھوننا ، بھنوانا) ، بھوگنا (مزے اڑانا قدیم) ، بھونکنا ۔

پ

پانا ، پاٹنا (پٹوانا) ، پاڑنا (ڈالنا قدیم) ، پالنا (پلنا ، پلوانا) ۔ پتیانا (اعتبار کرنا قدیم) ، پتھرانا ، پٹھانا (بھیجنا قدیم) ، پجنا (پوجنا ، پجوانا) ، پچنا ، پرانا (درد ہونا قدیم) ، پرونا ، پڑنا (پڑوانا) ، پڑھنا (پڑھانا ، پڑھوانا) ، پسیچنا ، پسوانا (پیسنا ، پسانا) ، پکنا (پکانا ، پکوانا) ، پکڑنا (پکڑوانا ، پکڑانا) ، پگلنا (پگھلانا) ، پلانا (پینا ، پلوانا) ، پنپنا ، پہرنا (پہننا قدیم) ، پوچھنا (پوچھوانا) ، پونچھوانا (صاف کرنا قدیم) ، پہنچانا (پہنچوانا) ، پیٹنا (پٹوانا ، پٹنا) ، پیلنا (پلوانا) ۔

پھ

پھاڑنا ، پھاندنا ، پھانکنا (پھاگنا قدیم) ، پھٹنا (پھاڑنا ، پھڑوانا) ، پھرنا (پھرانا ، پھیرنا ، پھروانا) ، پھسلنا (پھسلانا ، پھسلوانا) ، پھسلانا پھینکنا (پھکوانا) ، پھنسنا (پھنسانا ، پھنسوانا) ، پھبنا ، پھوڑنا (پھڑوانا) ،

پھولنا (پھلانا ، پھلوانا) ، پھونکنا (پھونکوانا) ، پھیلنا (پھیلوانا ، پھیلانا) ۔

ت

تاپنا ، تاڑنا ، تاکنا ، تاننا (تننا ، تنوانا) ، تپنا (تپنانا ، تپوانا) ، ترپھرانا (بے تاب ہونا قدیم) ، تڑپنا (تڑپانا ، تڑپوانا) تڑانا (توڑنا ، تڑوانا) ، تجنا (ترک کرنا قدیم) ، تکنا ، تلنا (تلانا ، تلوانا) ، تلملنا (تڑپنا قدیم) ، تلملانا ، تولنا (تلانا ، تلوانا) ، تیرنا (تیرانا ، ترانا قدیم) تیروانا ۔

تھ

تھاپنا (تھپوانا) ، تھکنا (تھکانا) ، تھانا ، تھامنا (تھمنا ، تھموانا) ۔

ٹ

ٹالنا ، ٹانکنا (ٹکوانا) ، ٹپکنا (ٹپکانا ، ٹپکوانا) ، ٹٹنا (ٹوٹنا قدیم) ، ٹٹولنا ، ٹرانا ، ٹوٹنا ، ٹوکنا ، ٹہلنا ، ٹیکنا (ٹکانا) ۔

ٹھ

ٹھاننا ، ٹھرانا (ٹھرنا ، ٹھروانا) ، ٹھکرانا ، ٹھونکنا (ٹھکوانا) ، ٹھونسنا ، ٹھیلنا (ٹالنا ، رد کرنا ، دھکیلنا قدیم) ۔

ج

جانا ، جالنا (جلنا ، جلانا قدیم) ، جاننا ، جانچنا (جچنا ، جچوانا) ، جپنا (یاد کرنا قدیم) ، جتانا ، جڑنا (جڑانا ، جڑوانا) ، جڑنا (جوڑنا ، جڑوانا ، جڑانا) ، جلنا (جلانا ، جلوانا) ، جلانا ، جانا ، (جمنا ، جموانا) ، جننا (جنانا ، جنوانا) ، جوتنا (جتوانا) ، جیتنا (جتانا ، جتوانا) ، جینا ، جیونا (جینا قدیم) ۔

جھ

جھاڑنا ، جھانکنا (جھنکوانا ، جھکانا) ۔ جھپٹنا ، جھڑکنا ، جھپکنا (جھپکانا ، جھڑنا ، جھڑوانا) ۔ جھکنا (جھکانا ، جھکوانا) ۔ جھلسنا (جھلسانا ، جھلسوانا) ۔ جھنجھلانا ، جھولنا (جھلانا) ۔ جھونکنا ، جھیلنا ، جھینکنا ۔

چ

چاٹنا (چٹانا ، چٹوانا) ۔ چاہنا ، چبانا (چبوانا) ۔ چبھنا (چبھونا ، چبھانا ، چبھوانا) ۔ چپکنا (چپکانا ، چپکوانا) ۔ چترنا (تصویر کھینچنا قدیم) ۔ چٹکنا (چٹکانا ، چٹکوانا) ۔ چچوڑنا (چچڑوانا) ۔ چرنا (چرانا ، چروانا) ۔ چرنا (چرانا ، چروانا) ۔ چڑھنا (چڑھانا ، چڑھوانا) ۔ چکرانا ، چکانا (بند ہونا قدیم) ۔ چکنا (دبانا قدیم) ۔ چکھنا (چکھانا ، چکھوانا) ۔ چلنا (چلانا ، چلوانا) ۔ چلانا ، چمٹانا (چمٹانا ، چمٹوانا) ۔ چمکنا (چمکانا ، چمکوانا) ۔ چمکارنا ، چنگھاڑنا ، چننا (چنوانا ، چنانا) ۔ چوسنا (چسانا ، چسوانا) ۔ چومنا (چسانا ، چسوانا) ۔ چومنا (چمانا ، چموانا) ۔ چہچہانا ، چیتنا (بحال ہونا ، صحت پانا قدیم) ۔ چٹخنا (چٹخانا ، چٹخوانا) ۔ چیرنا (چرانا ، چروانا) ۔

چھ

چھانا (چھوانا) ۔ چھاپنا (چھپنا ، چھپانا ، چھپوانا) ، چھانڈنا (چھوڑنا قدیم) ۔ چھاننا ، چھٹنا (چھٹانا ، چھٹوانا) ۔ چھدوانا (چھدانا ، چھیدنا ، چھدوانا) ۔ چھڑنا ، چھڑانا ، چھڑوانا ، چھڑنا (چھڑانا ، چھوڑنا ، چھوڑوانا) ۔ چھڑکنا (چھڑکانا ، چھڑکوانا) ، چھننا (چھاننا ، چھنوانا) ۔ چھوٹنا (چھٹانا ، چھٹوانا) ۔ چھیڑنا (چھڑکوانا) ۔ چھیلنا (چھلانا ، چھلوانا) چھننا (چھنانا ، چھنوانا) ۔

خ

خرادنا (مصدر جعلی از فارسی) - خرچنا (مصدر جعلی) ۔ خریدنا (مصدر جعلی) ۔

د

دابنا (دبانا ، دبوانا) ۔ دسنا (کہنا ، بیان کرنا قدیم) ۔ دسنا (دیکھنا ، دکھائی دینا قدیم) ۔ دکھنا (دکھانا ، دکھوانا) ۔ دکھانا (دیکھنا ، دکھلانا ، دکھوانا) ۔ دلانا (دینا ، دلوانا) ۔ دلنا (دلانا ، دلوانا) ۔ دوڑنا (دوڑانا ، دوڑوانا) ۔ دباڑنا ، دہکنا (دہکانا ، دہکوانا) ۔ دھانا (حملہ آور ہونا قدیم) ۔

دھ

دھانا (دوڑنا ، دوڑانا قدیم) ۔ دھرنا (دھرانا ، دھروانا) ۔ دھونکنا ، دھکیلنا ، دھسنا (دھنسانا ، دھنسوانا) ۔ دھمکنا (دہلنا قدیم) ۔ دھمکنا

(گرنا ، آ پڑنا) ۔ دھمکانا ، دھنگانا (ہنگامہ کرنا قدیم) ۔ دھونا (دھلانا ، دھلوانا) ۔

ڈ

ڈالنا (ڈلانا ، ڈلوانا) ۔ ڈانٹنا ، ڈانا (ڈرانا ، ڈروانا) ۔ ڈسنا (ڈسانا ، ڈسوانا) ۔ ڈگمگانا ، ڈگنا (گرنا قدیم) ۔ ڈسنا (پھرنا ، چلنا قدیم) ۔ ڈوبنا (ڈبانا ، ڈبوانا) ۔

ڈھ

ڈھالنا (نکالنا قدیم) ۔ ڈھانپنا ، ڈھانکنا ، ڈھلنا (ڈھالنا ، ڈھلانا ، ڈھلوانا) ۔ ڈھلکنا (ڈھلکانا ، ڈھلکوانا) ۔ ڈھونڈنا (ڈھونڈوانا) ۔ ڈھونا (ڈھلانا ، ڈھلوانا) ۔

ر

راؤنا (چاہنا قدیم) ۔ رٹنا (رٹانا ، رٹوانا) ۔ رچنا (قائم ہونا ، ٹھہرنا قدیم و جدید) ۔ رسنا ، رکھنا (رکھانا ، رکھوانا) ۔ رگڑنا (رگڑانا ، رگڑوانا)۔ رلانا (رونا ، رلوانا) ۔ رمنا (بھاگنا ، دور ہونا قدیم) ۔ روٹھنا ، رہنا ، ریجھنا (رجھانا) ۔

س

ساندنا (جوڑ ملانا قدیم) ۔ ستانا (ستوانا) ۔ سجنا (سجانا ، سجوانا) ۔ سرنا (پورا کرنا قدیم) ۔ سجھانا (سمجھنا ، سمجھوانا) ۔ سکنا (قدرت رکھنا قدیم و جدید) ۔ سکھانا (سیکھنا ، سکھلانا) ۔ سکھانا (سکھوانا) ۔ سلانا (سونا ، سلوانا) ۔ سلانا (سینا ، سلوانا) ۔ سلجھنا (سلجھانا ، سلجھوانا) ۔ سمانا ، سمٹنا (سمٹانا ، سمٹوانا ، سمیٹنا) ۔ سنپڑنا (حاصل ہونا ، پہنچنا قدیم) ۔ سنچرنا (نمودار ہونا ، ظاہر ہونا قدیم) ۔ سنبھالنا (سنبھلنا ، سنبھلوانا)۔ سنگھانا (سونگھنا ، سنگھوانا) ۔ سننا (سنانا ، سنوانا) ۔ سوچنا ، سوسنا (برداشت کرنا قدیم) ۔ سوکھنا (سکھانا) ۔ سونپنا ، سہانا (اچھا لگنا قدیم) ۔ سینا (انڈے سینا ، گھر سینا) ۔ سیلنا ، سینتنا (محفوظ کرنا) ۔ سیونا (سیوا کرنا ، خدمت کرنا قدیم) ۔

ش

شرمانا (مصدر جعلی) ۔

غ

غرانا ، غلبلانا (بے تاب کرنا قدیم) ۔

ف

فامنا (فہم کرنا سمجھنا قدیم) ۔ فرمانا (مصدر جعلی) ۔

ق

قبولنا (مصدر جعلی) ۔

ک

کاتنا (کتوانا ، کتانا) ۔ کاٹنا (کٹنا ، کٹانا ، کٹوانا) ۔ کاڑنا (کاڑھنا ، نکالنا قدیم) ۔ کانپنا ، کاڑھنا (نکالنا قدیم) ۔ کاڑھنا (پھول بوٹے بنانا) ۔ کچلنا (کچلوانا) ۔ کرنا (کرانا ، کروانا) ۔ کریدنا (کردوانا)۔ کرکڑانا ، کسنا (کسانا ، کسوانا) ۔ کلانا (جھگڑا کرنا قدیم) ۔ کمھلانا ، کودنا (کدانا ، کدوانا) ۔ کوٹنا (کٹانا ، کٹوانا) ۔ کوندنا ، کہنا (کہلانا ، کہلوانا ، کہانا قدیم) ۔

کھ

کھانا (کھلانا ، کھلوانا) ۔ کھانسنا ، کھبنا ، کھجانا (کھجلوانا ، کھجلانا) ۔ کھدوانا (کھودنا ، کھدانا) ۔ کھڑنا (واقع ہونا قدیم) ۔ کھڑنا (رکنا قدیم) ۔ کھڑکھڑانا ، کھلنا (کھولنا ، کھلانا، کھلوانا) ۔ کھلنا (کھلانا ، کھلوانا) ۔ کھلکھلانا ، کھوانا (کھوانا) ۔ کھیلنا (کھلانا ، کھلوانا) کھینچنا (کھنچانا ، کھنچوانا) ۔

گ

گاجنا (بجنا ، بجانا قدیم) ۔ گالنا (گلنا ، گلانا قدیم) ۔ گالنا (برباد کرنا قدیم) ۔ گانا (گوانا) ۔ گرنا (گرانا ، گروانا) ۔ گرجنا (گرجوانا) ۔ گرمانا ۔ گزرنا (مصدر جعلی) ۔ گزارنا (گزرانا قدیم بہ معنی پیش کرنا) ۔ گلانا

(گھولنا قدیم) ۔ گلنا (گلانا ، گلوانا) ۔ گمنا (بسر کرنا قدیم) ۔ گننا (گنانا ، گنوانا) ۔ گنوانا ، گوندھنا (گندھوانا ، گندھانا) ۔

گھ

گھالنا (ڈالنا قدیم) ، گھبرانا ، گھٹنا (گھٹانا ، گھٹوانا) ۔ گھٹنا (گھوٹنا ، گھٹانا ، گھٹوانا) ۔ گھرنا (گھیرنا ، گھروانا) ، گھسنا (گھسانا ، گھسوانا) ، گھسنا (گھسانا ، گھسوانا) ، گھسیٹنا (گھسٹوانا ، گھسٹنا) ، گھلنا (گھولنا ، گھلانا ، گھلوانا) ، گھومنا (گھمانا ، گھموانا) ، گھوٹنا ، گھونٹنا ، گھورنا ، گھیرنا (گھرنا ، گھرانا ، گھروانا) ۔

ل

لابھنا (ملنا قدیم) ، لاٹنا (ذلیل کرنا قدیم) ، لانا (لگانا قدیم) ، لانا (لاونا قدیم) ، لادنا (لدانا ، لدوانا) ، لبھانا (تلاش کرنا قدیم) ، لپٹنا (لپٹانا ، لپیٹنا ، لپٹوانا) ، لتاڑنا (لتڑوانا) ، لٹکنا (لٹکانا ، لٹکوانا) ، لجانا ، لچکنا (لچکانا ، لچکوانا) ، لڑنا (لڑانا ، لڑوانا) ، لڑنا (ڈنک مارنا سانپ بچھو کا قدیم) ، لڑھکنا (لڑھکوانا) ، لڑکھڑانا ، لکھنا (لکھانا ، لکھوانا) ، للچانا ، لوٹنا ، لوٹنا (لٹانا ، لٹوانا) ، لوڑنا (ضرورت ہونا ، طلب کرنا قدیم) ، لہلہانا ، لینا (لوانا) ، لیٹنا (لٹانا ، لٹوانا) ۔

م

مارنا (مرانا ، مروانا) ، مانڈنا (انجام دینا قدیم) ، مانگنا (منگوانا) ۔ ماننا (منوانا) ، متانا (مست ہونا قدیم) مٹنا ، (مٹانا ، مٹوانا) مرکانا (بل کھانا قدیم) مرنا (مارنا ، مرانا) ، مرجھانا ، مرونا (اکڑ کر چلنا قدیم) ، مڑنا (موڑنا ، مڑوانا) ، مسکرانا ، مسکنا (مسکانا ، مسکوانا) ، ملنا (ملانا ، ملوانا) مننا (منانا ، منوانا) ، منگوانا ، مگنا (چاہنا قدیم) ، موندنا (بند کرنا قدیم) ، مونڈنا (منڈانا ، منڈوانا) میچنا ۔

ن

ناپنا (نپانا ، نپوانا) ، ناٹنا (بھاگنا قدیم) ، ناندنا (زندگی بسر کرنا قدیم) نباڑنا (ختم کرنا قدیم) ، نبیڑنا (نبڑنا) نبھنا (نبھانا) ، نپانا (پیدا کرنا قدیم)

نتھرنا (نتھارنا ، نتھروانا) ، نچوڑنا (نچوڑوانا) ، نسنا (بھاگنا قدیم) ، نکسنا (نکلنا قدیم) ، نکلنا (نکالنا ، نکلوانا) ، نکھرنا (نکھارنا ، نکھروانا) ، نگلنا (نگلوانا) ۔ ننگانا (لوٹنا لوٹ لینا قدیم) ۔ نھاٹنا (بھاگنا قدیم) ۔ نوچنا (نچوانا) نہانا (نہلانا ، نہلوانا) ۔

و

وارنا ، ورنا (غالب ہونا قدیم) ۔

ہ

ہارنا (ہرانا ، ہروانا) ۔ ہانپنا ، ہانکنا (ہنکنا ، ہنکانا ، ہنکوانا) ۔ ہانکنا (پکارنا قدیم) ۔ ہٹنا (ہٹانا ، ہٹوانا) ہچکچانا ، ہرانا (ہرنا ، ہروانا) ہلگنا ۔ (اٹکنا قدیم و جدید) ہلنا (ہلانا ، ہلوانا) ۔ ہنسنا (ہنسانا ہنسوانا) ۔ ہونسنا ، ہونکنا، ہنکانا (ہانکنا قدیم) ہونا ۔

جیسا کہ اس فہرست سے معلوم ہوگا ، اس میں ہر قسم کے مصادر ہیں وہ جو لازم ہیں اور وہ جو متعدی ہیں اور ایسے بھی جو متعدی بالواسطہ ہیں ۔ ان کی تفصیلات مصادر سے مشتق افعال کی بحث میں دی جا چکی ہیں ۔ اس فہرست سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو میں مصادر فعلی جن کو بڑی حد تک زبان کی اساس یا بنیاد کہا جا سکتا ہے بیشتر پراکرتی ہیں جن میں سے اکثر کا ماخذ سنسکرت قدیم ہے ۔ بہت کم مصادر (یعنی مصادر جعلی) ایسے ہیں جو عربی یا فارسی سے بنائے گئے ہیں ۔ سنسکرت اور پراکرتوں میں ان افعال کی صورتیں مختلف تھیں اور ان کی موجودہ صورتیں صدیوں کے ارتقائی عمل کا نتیجہ ہیں ۔ اس ارتقا میں ان کی صوتی ہیئت میں بھی تبدیلی ہوئی ہے اور ان کی ترکیبی ساخت میں بھی ۔ ذیل میں ہند آریائی بنیادی افعال کی ایک مختصر سی فہرست دی جاتی ہے ۔ مثالوں میں صرف مادے دیے گئے ہیں ، سنسکرت ، اج ہانکنا ، آگے بڑھانا ، ہند آریائی ایدھ سنسکرت اندھ جلانا ۔ ایندھن ہند آریائی بھا سنسکرت بھان بولنا ۔ ہند آریائی بھا ، سنسکرت بھا چمکنا ، بھند ، سنسکرت بندھ باندھنا ، جوڑنا ، ہند آریائی بھیر برداشت کرنا، لے جانا ۔ سنسکرت بھرت بھر سہارا دینا اسی سے بھراتر ، برادر بھائی اور دوست بھر ۔ کاٹنا فارسی بریدن ۔ ہند آریائی بھیو ، رہنا بسنا ، ہونا ، ہو جانا ، سنسکرت بھو ہونا بھون ،گھر ہند آریائی بھید ، جاگنا اطلاع

دینا ۔ حکم دینا ۔ سنسکرت بدھ (بھدھ) جاگنا ، سمجھنا ، گوتم بدھ ، ہند آریائی بھوک ، بھوج ، بھوننا ، پکانا ، بھوجن ، موہن بھوک ہند آریائی دیک سنسکرت دس (دک) دکھانا ، دسنا دکھنا ، دیکھنا ، ہند آریائی دیو چمکنا سنسکرت دیو دیوا ۔ دیا چراغ ہند آریائی دھگدہ جلنا ، سنسکرت دھ جلنا اردو دہکنا ، ہند آریائی دہی چوسنا اردو دھی بیٹی ۔ ہند آریائی دھیر سہارا دینا ۔ رکھنا ، سنبھالنا ، سنسکرت دہر ہند آریائی دھیو بھاگنا بہنا ۔ اردو دھاوا ، ہند آریائی دھیو (دیو) بھڑکانا (آگ کا) سنسکرت دھو اردو دہواں دو سنسکرت دا دینا ، فارسی دادن اردو دینا ، ہند آریائی اس ہوں رہنا ، سنسکرت اس وجود رکھنا ، ہونا ، جن پیدا کرنا جننا سنسکرت جن اردو جننا فارسی زادن ، ہند آریائی جن جاننا سنسکرت جنا جاننا اردو جاننا ۔ ہند آریائی گیو سنسکرت جیو زندہ رہنا ۔ اردو جینا فارسی زیستن ہند آریائی گوم آنا ۔ چلنا سنسکرت گم جانا ہند آریائی گور نگلنا ۔ سنسکرت گلا اردو نگلنا ۔ گلا ، ہند آریائی گھیر پکڑنا ، سنسکرت ہر فارسی گرفتن ، اردو گھیرنا گھرنا نیز احاطہ ، گھر ، ہند آریائی ، گوہر چمکنا سنسکرت چیراس فارسی سر چہرہ کاسہ ، سنسکرت کرنگم قرنا ، سینگ ، ہند آریائی لاس چاہنا ، خواہش کرنا سنسکرت لاس ، خواہش ، چاہت ، اردو لالچ ، ہند آریائی لیپ لیپ کرنا سنسکرت لیپ ، لیپنا اردو لیپ ، لیپنا ، لپائی ، لنگوہ ، پھلانگنا ۔ سنسکرت لنگھ ، اردوئے قدیم و پنجابی لنگھنا ، لانگھنا ، لنگھن فاقہ کرنا (کھانے پر سے گزر جانا) پھلانگنا ، ہند آریائی ، لیو کاٹنا ، الگ کرنا سنسکرت لو ، کاٹنا اردو لوتھڑا ۔ جدا کیا ہوا ٹکڑا ، ہند آریائی لیوبھ ، چاہنا محبت کرنا ، سنسکرت لوبھ ، چاہنا اردو لبھانا ، لوبھ خواہش لوبھی ، ہند آریائی میگھ گیلا یا نم کرنا ۔ ستسکرت میھ ، چھڑکنا ۔ میھا ، پیشاب اردو مینھ ۔ ہند آریائی میں سمجھنا ، خیال کرنا ، سنسکرت من ماننا ، خیال کرنا ارود ماننا ۔ میں آگے بڑھانا انگلسیی ، سیکسی ، مواو منہ ، قدیم مونھ ۔ ہند آریائی موش چرانا سنسکرت موش چرانا ، اردو موسنا ، چرانا فارسی موش چوہا ، چرانے والا ، انگریزی Mouse لاطینی Mus ہند آریائی پیس پینا ، سنسکرت پیش اردو پینا ، ہند آریائی پلٹ پلٹنا ہند آریائی پکوا ، سنسکرت پچا پکانا اردو پکانا پکوان ، ہند آریائی پت گرنا اڑنا سنسکرت پت اڑنا پر پنکھ پتا پتا ، اردو ہند آریائی پری پیار کرنا ، سنسکرت پر پیاس ، اردو پریت پریم ہند

آریائی کاس سنسکرت کاس کھانسنا اردو کھانسنا کھانسی ، ہند آریائی کرپ کانٹا سنسکرت کرپان ، تلوار ہند آریائی سرپ رینگنا ، سنسکرت سرپ رینگنا سرپاس سانپ اردو سانپ ، انگریزی Serpent ہند آریائی سیو ، سینا ، سنسکرت سیوسینا ، اردو سینا ، ہند آریائی سنا سنسکرت شنا تیرنا ، فارسی شنا اردو شناور ، شناوری ، اشنان ہند آریائی سنے ، باندھنا ، یکجا کرنا دھاگے وغیرہ سے سنسکرت سنایو ، رگ پٹھا ، ڈورا دھاگا اردو نس ہند آریائی سکند کودنا ، چھلانگ لگانا ، سنسکرت سکند کودنا ، اچھلنا ، اردو زقند ، ہند آریائی استمب گاڑنا ، مضبوطی سے جانا ، سنسکرت ستمبھ مضبوط کرنا ، جانا اردو تھم تھمب کھمبا ، کھم ، ہند آریائی ستر بکھیرنا ، سنسکرت ستر‌ا تہہ ، بستر ، ستر بکھیرنا تاراس (جمع) ستارے ، اردو تارہ ستارہ ، ہند آریائی ستھ کھڑاہونا ۔ قائم ہونا ، سنسکرت ستھا کھڑا ہونا ، اردو استھان ، تھان تھانہ ، ہند آریائی سود مزہ آنا ، سنسکرت سواد اردو سواد ہند آریائی سوین سننا ، سنسکرت سون سننا فارسی شنیدن ، اردو سننا ، ہند آریائی سویپ سونا ، سنسکرت سوپ سونا ، فارسی خوابیدن ، اردو سونا خواب ، سپنا ، ہند آریائی تیل ، اٹھانا ، برداشت کرنا ، سنسکرت تل اٹھانا تلا ترازو ، اردو تولنا فارسی ترازو ہند آریائی تین تاننا سنسکرت تنچ تاننا ، اردو تاننا تانت ، تنترا (جھگڑا) ہند آریائی تیپ گرم ہونا ، سنسکرت تپ گرم ہونا ، فارسی تپیدن تپ اردو تاپنا تپ ہند آریائی ترک گھمانا ۔ سنسکرت ترکو چرخا اردو چرخا فاری چرخ ۔ ہند آریائی وے چلنا (ہوا کا) سنسکرت وا ہوا کا چلنا اردو قدیم باو ہوا ۔ ہند آریائی و کو کہنا بولنا سنسکرت وچ بولنا ۔ پراکرتی وچن بچن اردو بولنا بکنا ۔ ہند آریائی وس رہنا بسنا سنسکرت وس رہنا شب بسر کرنا ۔ وستو مکان ، وستی بستی اردو بسنا بستی ، ہند آریائی یوگ ملنا ، جوڑنا ، ملانا سنسکرت یوج ، ملانا جوڑنا اردو سنجوگ ۔

تمیز یا تفصیل فعل

امدادی افعال اور مرکب افعال کی بحث میں واضح کیا جا چکا ہے کہ سادہ افعال کے معنوں میں مختلف تبدیلیاں ، اضافے ، کمی یا بیشی کرنے

کے لیے مختلف امدادی افعال یا مرکب افعال سے کام لیا جاتا ہے ۔ ایک صورت اور ہے جس سے فعل[1] کی کیفیت بیان ہوتی ہے اور اس سے فعل کے بنیادی سادہ معنوں کی کسی حد تک تحدید ہو جاتی ہے ۔ اس میں اضافہ ہوتا ہے یا کمی واقع ہوتی ہے ۔ بعض قواعد نویسوں نے ان کو حروف تمیز کا اصطلاحی نام بھی دیا ہے ۔

اردو میں زیادہ تر تمیزی حروف یا الفاظ وہ ہیں جو پراکرتوں سے ماخوذ ہیں ۔ بعض ان کے علاوہ فارسی اور عربی کے حروف ہیں جو اردو میں بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں ۔ عام استعمال میں ہونے والے تمیز کے الفاظ حسب ذیل ہیں :

زمانہ یا وقت کے لیے

اگرچہ فعل کے صیغے میں ازمنۂ ثلاثہ کو ظاہر کرنے کے لیے لاحقوں کو استعمال کیا جاتا ہے لیکن چند الفاظ ایسے بھی ہیں جو زمانے یا وقت کو ظاہر کرتے ہیں :

مثلاً :

اتال (اب قدیم ، متروک) اب ، جد (قدیم و متروک) جب تد (قدیم و متروک) ۔

تب ، تو ، کد (قدیم و متروک) کب ، نت ۔

ان الفاظ کے تجزیے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اس وقت یہ اپنی موجودہ صورت میں مفرد الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اصل میں یہ بھی مرکب ہیں اور ان کی موجودہ صورت صدیوں کے ارتقا کا نتیجہ ہے ۔

سنسکرت تدا کدا ۔ تد اردوئے قدیم کد ۔ اردو کب ۔

سنسکرت ادہا ۔ تب

سنسکرت تدا ۔ تد اردوئے قدیم تد ، اردو تب

۱- یہ صورت صفت کے ساتھ بھی پیش آتی ہے اور ان تمیزی حروف سے صفت کے معنوں میں بھی تفصیل و تشریح یا کمی بیشی ہوتی ہے ۔

سنسکرت نیتام اردو نت ہمیشہ

سنسکرت ایدا اب ای دا ۔ اردو اب

سنسکرت یدا کس وقت ی دا اردو کب

سنسکرت سرودا ہمیشہ سرو دا ۔ اردو سدا[1]

سنسکرت سے قبل آریائی دور میں د لاحقہ علامت زمانہ تھی جس سے ضمیر سے فعل بناتے تھے ۔ موجودہ اردو میں ب ہے ۔ اس طرح تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ

کد ۔ ک (سوالیہ) + د ، کس (؟) وقت
ک + ب ، کس (؟) وقت

جد ۔ ج (گزشتہ) + د گزشتہ وقت
ج + ب گزشتہ وقت

ا + ب موجودہ وقت

چونکہ ویدک دور سے پہلے کی ہند آریائی کے نمونے صرف باز ساخت کے عمل سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں اس لیے ان کے لیے کوئی قطعی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی[2] ۔

سنسکرت سے اردو تک جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ پراکرتوں کے واسطے سے ہوئی ہیں اور ان کی درمیانی شکلیں پراکرتوں میں ملتی ہیں ۔

علاوہ اب جب تب کب نت کے بعض اور پراکرتی الاصل الفاظ تمیز بھی اردو میں مستعمل ہیں ۔

آج ، کل ، پرسوں ، ترسوں ، تڑکے ، ترت ، سدا ، پھر ۔ یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ زمانۂ حاضر یا قریب کی تمیز کے لیے آج کا لفظ موجود ہے لیکن کل سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ گزرا ہوا دن مراد ہے یا آنے والا دن ،

---

۱ - A Vedic Grammar for Students by Mcdonell P. 213

۲ - لسانی تحقیقات میں اس طرح کے باز ساختہ نمونوں کو ممتاز نہ کرنے کے لیے ان پر ایک ستارہ کی علامت لگا دیتے ہیں ۔

اس کا تعین سیاق و سباق سے ہوتا ہے - وجہ اس کی صیغہ مستقبل کے سلسلے میں کسی قدر تفصیل سے لکھی جا چکی ہے کہ قدیم ہند آریائی میں مستقبل کا صیغہ الگ نہیں تھا اور حال کے صیغے سے ہی تمیز کا اضافہ کر کے مستقبل کے معنی لیتے تھے - کل کے علاوہ پرسوں اور اترسوں[۱] کا بھی یہی حال ہے -

اب کب اور تب کے مرکبات ابھی کبھی اور تبھی بھی تمیز زمانہ کے لیے آتے ہیں - کبھی اثبات میں عام طور پر مکرر لاتے ہیں - وہ کبھی کبھی آتا ہے - نفی میں البتہ تکرار کی ضرورت نہیں - وہ کبھی نہیں آتا - اثبات اور نفی میں معنوں میں ایک فرق اور ہے - وہ کبھی کبھی آتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ گاہے گاہے آتا ہے - کبھی نہیں آتا کے معنی وہ کبھی آتا ہے اور کبھی نہیں آتا بلکہ کبھی نہیں آتا کہ معنی یہ ہیں کہ نہ آنا مستقل ہے - کبھی آتا ہے اور کبھی نہیں آتا میں کبھی کے معنی فارسی گاہ یا گاہے کے ہیں - اردوئے قدیم میں کبھی کی صورت کدہیں اور کدہی ہے -

ابھی میں اب کے مقابلے میں تاکید زیادہ پائی جاتی ہے - وہ اب آتا ہے مستقبل قریب میں آنے کی اطلاع ہے وہ ابھی آتا ہے کے معنی یہ ہیں کہ بس آیا ہی چاہتا ہے - اردوئے قدیم میں ابھی کی شکل اجنوں اور اجھوں ہے -

تب اور تب ہی ایسے موقع پر بولتے ہیں ، جب فعل کا انحصار کسی دوسرے فعل پر ہو - وہ آئے گا ، تب میں جاؤں گا - اس نے گالی دی تب میں نے مارا (یا میں نے تب مارا) عام طور پر ایسی صورت میں پہلے فعل کے ساتھ جب اور دوسرے کے ساتھ تب استعمال کرتے ہیں - جب وہ آئے گا تب میں جاؤں گا -

علاوہ ان حروف تمیز کے جو سب کے سب پراکرتی الاصل ہیں اردو میں فارسی کے بعض الفاظ بھی ان معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً ہمیشہ جلد ، جلدی ، یکایک ، ناگاہ (ناگہہ) ناگہاں بعد ازاں (یا اس کا اردو ترجمہ

۱- بعض لوگ اترسوں کی جگہ ترسوں بولتے اور لکھتے ہیں - ہمارے نزدیک دونوں درست ہیں -

اس کے بعد) شب و روز - فردا اور دی[1] -

مکان یا جگہ کے لیے

مکان یا جگہ کے لیے ہندی ضمائر سے بنے ہوئے حسب ذیل حروف یا الفاظ استعمال ہوتے ہیں : یہاں ، وہاں ، جہاں ، تہاں ، کہاں -

ان کا تجزیہ کرنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہند آریائی کے کسی دور میں یہ بھی مرکبات تھے - ان میں ان علامت مکان ہے -

یہ + ہاں ، اشارۂ قریب + مکان یعنی اس جگہ

وہ + ہاں ، اشارۂ بعید + مکان یعنی اس جگہ

ک + ہاں ، اشارۂ استفہام + مکان یعنی کس جگہ

ج + ہاں

ت + ہاں

سنسکرت میں تمیز فعل مکانی و زمانی اور سمت کی بہت سی صورتیں ہیں[2] - مثلاً :

۱- لاحقہ اس کے لگانے سے تیرس پار ، اس پار ، پرس ، اس پار باہر ، دور پرس پہلے ، یہ تمیز مکانی کی صورت ہے -

۲- تر یا ترا لاحقہ مثلاً اترا یہاں (اردو ادھر) قدیم اردو ایدھر - ایترا) کترا یہاں یہ تمیز مکانی و زمانی ہے - اردو بھیتر اندر - ادھر آدھر یہ تمیز سمت مکانی ہے - ان کے علاوہ تدھر اردوئے قدیم میں سمت مکانی کے لیے استعمال کرتے تھے - کدھر ، جدھر -

---

۱- یہ الفاظ عام طور پر تراکیب فارسی کے ساتھ ہی آتے ہیں مثلاً

ع فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا

فردائے قیامت — وعدۂ فردا وغیرہ

۲- A Vedic Grammar for Students By Mcdonell P. 213 -

۳- دام لاحقہ ، سدام ہمیشہ اردو سدا ، اردوئے قدیم سدھین[1] - تمیز زمانی ہے -

۴- تات لاحقہ سے ادھاس تات نیچے ، پشچاتات پیچھے سے اردو پیچھے ، پچھیت (پیچھے کی سمت یا طرف) یہ تمیز سمت و مکان ہے

۵- دا سنسکرت میں ضمیر کے مادے پر اس لاحقہ سے تمیز زمانی ظاہر کرتے تھے - مثلاً ایدا ، اب ، کدا ، کب ، تدا تب ، یدا کس وقت ، سدا اور سرودا ہمیشہ سدا یہ تمیز زمانی ہے -

تمیز مکان کے لیے مندرجہ بالا حروف اور الفاظ کے علاوہ پرا کرتی الفاظ اور بھی ہیں :

آگے ، پیچھے ، پرے ، پاس ، اوپر ، نیچے

یہ سب اردو میں مستعمل ہیں - اردوئے قدیم میں ان کی صورت یہ ہے : آنگے (آگے) کنے (پاس) اپر (اوپر) پچھین (پیچھے) اگاڑو ، اگاڑے (آگے) اگاڑی ، پچھاڑی - اگاڑی - پچھاڑی اب بھی اردو کے بعض محاوروں میں مستعمل ہے - سمت کے لیے اردو میں عام طور پر حسب ذیل حروف تمیز استعمال ہوتے ہیں :

ادھر ، اُدھر ، کدھر ، جدھر -

تمیز طور فعل

یوں ، جوں ، کیوں ، کیونکر ، کیسے ، جیسے ، سے فعل کا طور یا طریقہ معلوم ہوتا ہے ان کے علاوہ ٹھیک ، اچانک ، دھیرے ، ہولے ، لگا تار ، برابر ، تابڑتوڑ ، آگے ، پیچھے ، سچ مچ ، جھوٹ موٹ ، تھوڑا بہت ، جھٹ پٹ ، وغیرہ سے بھی فعل کے طور کا پتا چلتا ہے - یہ تمام حروف پراکرتی ہیں - ان کے علاوہ عربی و فارسی کے بعض الفاظ بھی طور فعل کی تمیز کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں :

اتفاقاً ، الغرض ، بالکل ، باہم ، بجنسہ ، دفعتاً ، زیادہ ، سوا ، فوراً ، فی الجملہ ، فی الفور ، مطلق ، من و عن ، نا گاہ ، ناگہاں ، یکایک -

---

۱ - ”کہ سد ہیں مرشد ہیں مسلمانان ہیں پیر و مرشد ہوئے گا - سب رس صفحہ ۱۰ -

تمیز عددی و مقداری

ایک بار ، دو بار ، ایک ایک ، دو دو ، اتنا ، اتنی ، جتنا ، جتنی ، کتنا ، کتنی ۔

ایجاب و انکار

جی ، جی ہاں ، ہاں جی ، نہیں ، نہیں تو ، نہ ، نا ۔ اردوئے قدیم میں نئیں اور نائیں بھی ملتے ہیں ۔ ان کے علاوہ عربی فارسی البتہ بارے ، بلا شبہ ، بیشک ، درحقیقت ، زنہار ، شاید ، غالباً ، فی الحقیقت ، یقیناً بھی استعمال ہوتے ہیں ۔

سبب و علت

اس لیے ، اس واسطے ، اس طرح ، چنانچہ ، کیونکہ ، لہٰذا مندرجہ بالا مثالیں مفرد حروف و الفاظ و تراکیب تمیز فعل کی تھیں ۔ اکثر تمیز مرکب بھی ہوتی ہے ۔ مثلاً جب کبھی ، جہاں کہیں ، جس طرف ، کبھی نہ کبھی ، ادھر اُدھر ، آس پاس ، اندر باہر ، باہر بھیتر ، اوپر تلے ، آگے پیچھے ۔ بعض اوقات ایک ہی حرف کی تکرار بھی ہوتی ہے ۔ مثلاً کب کب ، جب جب ، تب تب ، آگے آگے ، پیچھے پیچھے ، اوپر اوپر ، کہیں کہیں ، کبھی کبھی ۔

عربی کے بعض اجزائے جملہ بھی بطور مرکب تمیز اردو میں استعمال ہوتے ہیں لیکن ان کا استعمال آہستہ آہستہ کم ہو رہا ہے اور ویسے بھی ان کا استعمال زیادہ تر کتابی زبان اور تحریر کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے یا وہ لوگ جو بہ تکلف و اہتمام اظہار علمیت کے لیے عربی فارسی کی آمیزش پسند کرتے ہیں ، استعمال کرتے ہیں ۔

جیسا کہ اوپر کی اکثر و بیشتر مثالوں سے ظاہر ہوا ، ان میں سے بعض حروف تمیز ضائر اشارہ سے ، بعض اسما سے اور بعض صفات سے بھی بنائے جاتے ہیں ۔ کبھی اسم کے بعد سے ، تک ، میں ، وغیرہ لگانے سے تمیز کا کام لیتے ہیں ۔ مثلاً کب تک ، بھولے سے ، پھرتی سے ۔ فارسی کی ''ب'' بمعنی سے

بھی فارسی الفاظ کے ساتھ یہی مفہوم رکھتی ہے۔ مثلاً بخوشی ، بخوبی[1] ۔

بعض اسما میں یہی معنی وار کے ملانے سے پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً ماہوار ، ہفتہ وار ، نمبروار ، سلسلہ وار ۔ صفات سے تمیز کا کام لینے کی مثال خوب ، ٹھیک ، بجا ، اچھا ، درست جیسے الفاظ میں ملتی ہے کہ ہیں تو صفات لیکن فعل کے ساتھ آ کر تمیز فعل کا کام دیتے ہیں ۔

---

۱ - یہ صورت ویسی ہی ہے جیسی سنسکرت کی قواعد میں Instrumental کی ہے ۔

باب نہم

حروف

کلمہ یعنی کلام با معنی کی تعریف اور تشریح کے سلسلے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حروف سے مراد ایسے کلمات ہیں جو کلام مسلسل میں دوسرے بامعنی کلمات میں ربط پیدا کرتے ہیں ۔ ان کے معانی کا دار و مدار دوسرے کلمات کے ملنے اور ساتھ آنے پر منحصر ہے ۔ اس لیے اصولاً تو یہ بحث نحو سے متعلق ہے لیکن چونکہ حروف بہر حال کلمات مفرد ہیں اس لیے قواعد نویسوں نے صرف کے باب میں بھی ان سے کسی قدر بحث کی ہے ۔ اردو میں ان کو چار ذیلی قسموں میں شمار کیا گیا ہے ۔ حرف ربط ، حرف عطف ، حرف تخصیص اور حرف فجائیہ ۔

۱- حرف ربط

حروف ربط ایسے حروف ہیں جو ایک کلمے کا کسی دوسرے کلمے سے علاقہ ، ربط یا تعلق ظاہر کرتے ہیں ۔ مثلاً حامد کا گھر ۔ کا حرف ربط ہے اور حامد اور گھر میں مالک اور مملوک کا رشتہ ہے ۔ کا اس رشتے کو ظاہر کرتا ہے ۔ یہ حرف اضافت ہوا اور یہ حالت اضافی حالت ہوئی ۔ حامد نے شیر کو مار ڈالا اس میں حامد اور شیر میں ایک تعلق ہے کہ حامد شیر کا مارنے والا اور شیر مفعول یعنی حامد فاعل کے ہاتھ سے مارا جانے والا ہے ، نے علامت فاعلی حالت کی ہے ۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نے علامت فاعلی ضرور ہے لیکن فاعل اور مفعول کا تعین کلمے یا جملے میں ان کے محل وقوع سے قائم ہوتا ہے ۔ حامد نے شیر کو مار ڈالا ، شیر نے حامد کو مار ڈالا ۔ نے حرف علامت فاعلی دونوں صورتوں میں ہے لیکن پہلی صورت میں حامد اور دوسری صورت میں شیر فاعل ہے ۔ پہلی صورت میں شیر اور دوسری صورت میں حامد مفعول ہے ۔

یہ حروف ربط عموماً کسی اسم یا ضمیر یا تمیز کے ساتھ آتے ہیں اور حسب ذیل حالتوں یا علاقوں کا پتا دیتے ہیں :

۱۔ حالت فاعلی ۔ نے ، اردوئے قدیم میں نیں ۔

۲۔ حالت اضافی ۔ کا ، کے ، کی ۔ اردوئے قدیم میں کی کی جمع کیاں بھی کا کے ساتھ کیرا ضمیر متکلم و ذاتی میں را بطور لاحقہ میرا ، تیرا ، ہمارا ، تمھارا[۱] ۔

۳۔ حالت مفعولی کو اردوئے قدیم میں کون ، تئیں ۔

۴۔ حالت طوری ، سے ، اردوئے قدیم میں سیں ، سیتی ، سیتیں ، ستے ، سوں ۔

۵۔ حالت ظرفی میں ۔ اردوئے قدیم میں ، ماں ، منہ ، منیں ، منے تک پر پہ ۔ اردوئے قدیم میں پو ، اوپر ، اپر اردوئے قدیم میں کنے ، تلک اور لگ ۔

نے کا استعمال صرف فاعل کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ بھی افعال متعدی میں لیکن اس میں بعض مستثنیات قابل لحاظ ہیں ۔ مثلاً

۱۔ اگرچہ مصدر لازم سے مشتق ماضی مطلق کے فاعل کے ساتھ نے نہیں آتا ، لیکن[۲] مرکب افعال میں جن میں بنیادی فعل لازم ہے ، اس ماضی کے فاعل کے ساتھ نے آتا ہے ۔ مثلاً

---

۱ - مولوی عبدالحق صاحب (قواعد اردو صفحہ ۱۶۶) لکھتے ہیں : ''اسی لفظ (کرتا) سے بعد میں کیرو ، کیرا ، کر کے نکلے جو قدیم ہندی میں حالت اضافی کے لیے استعمال ہوتے تھے اور انھیں کی مختلف صورتیں برج اور ہندی کے کون ، کو اور کا ہیں اور جب ان کے شروع سے ک نکل گیا تو باقی را اور اس کی دوسری صورتیں ای ، اے پیدا ہوگئیں جو ضمیر ذاتی میں صرف متکلم کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں ۔ یہ ساری بحث محل نظر ہے اور یہ تو واضح ہے کہ را ، رے ، ری کا استعمال صرف ضمیر متکلم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ حاضر کے لیے بھی آتا ہے ۔ میرا ، میری ، میرے ضمیر ذاتی متکلم کی مثالیں ہیں ، تیرا ، تیری ، تیرے ضمیر ذاتی حاضر کی ۔ پراکرتی صورت کا ، کی ، کے دا ہے جو پنجابی میں اب بھی موجود ہے نیز ڈا اور ڑا ۔

۲ - فتح محمد خان جالندھری مصباح القواعد حصہ اول ، صفحہ ۳۶ ۔

شبنم نے رو دیا کہ میں اشک چکیدہ ہوں
گل ہنس پڑا کہ میں بھی گریبان دریدہ ہوں

لیکن ایسی بہت کم مثالیں ہیں ۔ خود بحر نے رو دیا بغیر نے کے استعمال کیا ہے :

آجکل جس نے ذرا چھیڑا مجھے میں رو دیا
غم کے ہاتھوں دل ہتھیلی کا پھپھولا ہو گیا

۲۔ افعال متعدی میں اکثر ماضی مطلق کے ساتھ نے فاعلی علامت کے طور پر آتا ہے لیکن مرکب متعدی میں اکثر نہیں بھی آتا ۔ مثلاً میں نے (کرا) ، میں نے کیا ، میں کر بیٹھا ، میں کر چکا ۔ بعض اوقات نے آتا بھی ہے ۔ مثلاً میں نے کر ڈالا ۔

۳۔ جب کبھی مصدر کے ، ہے ، ملا کر مستقبل کے لیے استعمال کرتے ہیں تو فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے ۔ ظاہر ہے اس حالت میں اس فاعل کی علامت نے نہیں آئے گی ، بلکہ علامت مفعول کو آئے گی ۔ فتح محمد خاں جالندھری نے اس سلسلے میں ایک لطیفہ نقل کیا ہے[1] ۔

'' سنہ ۱۸۹۴ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس پر مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے ایک صغیر السن لڑکے کو جلسے میں پڑھنے کے لیے پانچ بند کا مسدس لکھ دیا جس کا پہلا بند یہ ہے :

ناظم کو دو نہ شاعر شیریں سخن کو دو
بھوکے کے پیٹ کو نہ برہنہ کے تن کو دو

شہری کو دو نہ مرد غریب الوطن کو دو
نے طفل کو نہ پیر کو نے مرد و زن کو دو

کہتا ہے کون تم سے کہ تم ماو من کو دو
جو کچھ کہ تم کو دینا ہے اس انجمن کو دو

لڑکے نے تو اسی طرح پڑھا ہوگا جس طرح اس کو لکھ دیا مگر یا تو انجمن کے ممبروں نے یا کاتب رسالۂ انجمن نے ٹیپ کے شعر میں تم کو ،

---

۱ - ایضاً ، صفحہ ۳۵ -

میں ، کو کو شاید غلط سمجھ کر بجائے اس کے نے کر دیا ۔ چنانچہ رسالۂ انجمن میں اسی طرح چھپا ہوا موجود ہے ۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں جب مولوی صاحب انجمن کے سالانہ اجلاس پر تشریف لائے تو راقم کو بھی لاہور جانے اور مولوی صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ اتفاقاً مولوی صاحب نے مسدس مذکور اور اس کے سبب تصنیف کا ذکر کیا اور اس کا دوسرا بند بھی پڑھا ۔ جب ٹیپ کا شعر پڑھا :

کہتا ہے کون تم سے کہ تم مال و من کو دو
جو کچھ کہ تم کو دینا ہے اس انجمن کو دو

تو میں نے کہا جناب اس شعر میں کسی نے اصلاح بھی دی ہے :

ع— جو کچھ کہ تم نے دینا ہے اس انجمن کو دو

یہ اصلاح سن کر مولوی صاحب بیساختہ ہنس پڑے ۔''

۴۔ اردوئے قدیم میں اکثر جہاں آج کے محاورے کے مطابق نے استعمال ہونا چاہیے وہاں نے استعمال نہیں ہوا ۔ میں کہا بجائے میں نے کہا ۔ میرامن کی باغ و بہار میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں بلکہ یہ صورت حال میر و سودا کے زمانے تک باقی رہی ۔

۵۔ اردوئے قدیم میں ضمائر شخصی کے ساتھ نے اکثر نہیں آتا بلکہ ضمیر کی صورت میں لاحقہ ملفوف ہوتا ہے ۔ مثلاً انو یعنی انھوں نے ، جنوں یعنی جنھوں نے ، کنھوں یعنی کسی نے ۔

۶۔ بعض اوقات بہ صورت فعل ماضی ہوتا ہے اور علامت فاعلی نے بھی ہوتی ہے لیکن اس سے مراد مستقبل کا صیغہ ہوتا ہے ۔ مثلاً جس نے پڑھا لکھا وہ کامیاب ہوا ۔

۷۔ جب مصدر امر یـا نہی کے معنی دیتا ہے تو فاعل کے ساتھ علامت فاعل نے نہیں لاتے ۔ بعض لوگ جو اس طرح بولتے ہیں : تم نے کرنا ، تم نے مت کرنا ، تو یہ غلط ہے ۔ تم کرنا یا تم نہ کرنا ، بولنا اور لکھنا محاورۂ اہل زبان کے مطابق ہوگا ۔

۸۔ میں نے آنا ہے اور میں نے کھانا ہے اور کون نے کھانا ہے

اور کون کون نے کھانا ہے ، سب خلاف محاورہ اردو ہیں ۔ مجھے آنا ہے اور مجھے کھانا ہے اور کس نے کھانا ہے اور کس کس نے کھانا ہے اور نیز مجھ کو آنا ہے اور مجھ کو کھانا ہے اور کس کو کھانا ہے اور کس کس کو کھانا ہے ، بطور محاورۂ اہل زبان درست ہے ۔

اردو میں حالت اضافی کو ظاہر کرنے والے حروف کا / کے / کی ہیں ۔ کا واحد مذکر کے لیے، کے جمع مذکر کے لیے اور کی واحد و جمع مؤنث کے لیے ۔ لیکن جنس کا تعلق مالک سے نہیں مملوک کی نسبت سے ہوتا ہے ۔ لڑکے کا گھوڑا ، لڑکے کے گھوڑے ، لڑکے کی گھوڑی ، لڑکے کی گھوڑیاں ۔ اردوئے قدیم جمع مؤنث کی بھی صورت تھی ، لڑکے کیاں گھوڑیاں ، اب یہ متروک ہے ۔

کا کے یہ معنی صرف ترکیب میں اسم کے ساتھ ترکیب اضافی میں ہیں ۔ فعل کے ساتھ تاکید کے معنی دیتا ہے ۔ وہ نہیں آنے کا ، یعنی ہرگز نہیں آئے گا ، آنے کا وقت البتہ اضافی معنی رکھتا ہے ۔ وقت اسم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ، کا کے ارتقا کی داستان بھی طویل ہے ۔ ویدک سنسکرت کے دور میں مادہ پر لاحقہ لگا کر یہ ربط ظاہر کرتے تھے ۔ واحد کے لیے اس ، تثنیہ کے لیے اوس اور جمع کے لیے ام عام لاحقے تھے ۔ آگے چل کر پراکرتی دور میں ایک مستقل فعلی مادہ کرتا سے مفعول کری ، کرا ہوا اور کیرو ، کیرا ، کر ۔ اسی کی مختلف صورتیں دور آخری پراکرتوں تک موجود ہیں ۔ غالباً را اس کا بقیہ جز ہے جو میرا اور تیرا میں اب بھی اردو میں موجود ہے ۔ پنجابی میں را کی جگہ دا ہے لیکن حالت مفعولی استفہامی میں کیڑا بہ معنی کون سا اب تک اس دور کا پتا دیتا ہے ۔ جب حالت مفعولی اور حالت اضافی دونوں میں ان لاحقوں کا استعمال ہوتا تھا ۔

اردو میں حالت اضافی کے حرف کے ساتھ بعض اور حروف ربط بھی آتے ہیں اور وہ صرف حالت اضافی کے ہی ساتھ آتے ہیں ۔ مثلاً آگے پیچھے ، اوپر نیچے ، اندر باہر ، سامنے ، ساتھ ، سنگ مثلاً اس کے آگے ، اس کے پیچھے ، اس کے اوپر ، اس کے نیچے ، لیکن اکثر بغیر حرف ربط اضافت کے بھی یہ حروف استعمال ہوتے ہیں :

ہمارے آگے ترا جب کسونے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

ایسے موقع پر ہمارے کے آگے بولنا خلاف محاورہ اہل زبان ہوگا ، اس کے آگے ان کے آگے درست ہوگا ۔ یہ اس لیے کہ حرف ربط کا کی جگہ رے ہمارے ، تمھارے ، میرے وغیرہ میں موجود ہے اور اس کے بعد کا/کی/کے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔

حالت طوری کو ظاہر کرنے کے لیے اردو میں اب 'سے' استعمال کرتے ہیں ۔ انیسویں صدی کے آغاز تک دلی میں بعض فصحا کی زبان پر بھی میں موجود تھا سوں صرف اولاد سادات بارہہ کی زبان میں تھا ۔ ستے اور سیتے البتہ ولی کے بعد تقریباً متروک ہو چکے تھے ۔ سے کے استعمال کی متعدد صورتیں ہیں ۔ مثلاً

۱۔ ضمیر کے ساتھ جب کہ ضمیر حالت مفعولی میں ہو واحد اور جمع دونوں کے لیے ۔ مجھ سے کہا ، تم سے کہا ، اس سے کہا ، ان سے کہا ۔ بعض لوگ ایسے موقع پر کو بجائے سے استعمال کرتے ہیں ۔ مجھ کو کہا ، تم کو کہا ، اس کو کہا وغیرہ ، یہ صحیح نہیں ہے ۔

۲۔ اسم کے ساتھ جب کہ اسم سے آلہ ، ہتھیار یا اوزار کا کام لیا جائے یعنی اسم فعل کا ذریعہ وسیلہ وغیرہ ہو ۔ مثلاً قلم سے لکھا ، تلوار سے مارا ، چاقو سے کاٹا ۔ ع

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

۳۔ اسم ظرف مکاں کے ساتھ تعلق ربط مکانی ظاہر کرنے کے لیے ۔ مثلاً گھر سے نکلا ، لاہور سے آیا ۔ لیکن اس صورت میں ہمیشہ مکان سے بعد یا فاصلہ بڑھتا ہے ۔ اگر صورت برعکس ہو تو ربط مکانی کے لیے کو لاتے ہیں ۔ گھر کو چلا ، لاہور کو گیا ۔ ایسی صورت میں بعض اوقات کو حذف ہوتا ہے ۔ گھر چلا ، لاہور گیا ، درست اور کافی ہے ۔

۴۔ اسم اشارہ مکانی میں سمت کا ربط ظاہر کرنے کے لیے ۔ مثلاً ادھر سے آیا ، آدھر سے آیا ، کدھر سے گیا ۔ اس میں بھی وہی صورت بعید

مقصود ہوتی ہے اور برعکس ہو تو بجائے سے کو لاتے ہیں ۔ ادھر کو گیا ، آدھر کو گیا ، کدھر کو گیا اور اسی طرح بعض اوقات کو حذف بھی ہوتا ہے ۔ ادھر گیا ، ادھر گیا ، کدھر گیا ۔

۵۔ کسی شے کی ابتدا ظاہر کرنے کے لیے صبح سے ، زمین سے وغیرہ ۔ ایسی صورت میں ابتدا اور انتہا دونوں کا بیان ہوتا ہے اور انتہا کے لیے تک (قدیم تلک نیز فارسی تا) استعمال ہوتا ہے ۔ صبح سے شام تک (یا تلک یا صبح سے تا شام) زمین سے آسمان تک وغیرہ ۔

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہان خراب میں
شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

۶۔ ربط زمانہ کے ساتھ ۔ مثلاً صبح سے ، شام سے ، چھ بجے سے ۔

۷۔ اسم عدد کے ربط کے لیے ۔ دو سے چار تک ۔

۸۔ اصل یا ماخذ کا ربط و تعلق ظاہر کرنے کے لیے ۔ مثلاً وہ آریا خاندان سے ہے ، سونا زمین سے نکلتا ہے ۔

۹۔ نسبت ظاہر کرنے کے لیے ۔ مثلاً آنکھوں سے اندھا ، کانوں سے بہرا ۔

۱۰۔ اکثر محاوروں میں تکرار کے درمیان ۔ کام سے کام ہونا ، دل سے دل کو راہ ہونا ، آنکھ سے آنکھ ملانا ، دل سے دل ملانا ۔

۱۱۔ حالت یا طور طریقہ ظاہر کرنے کے لیے ۔ مثلاً آہستہ سے ۔ زور سے ، دروازہ زور سے بند کیجیے ۔

۱۲۔ تفرقہ ، علیحدگی اور جدائی کے لیے ۔ مثلاً نوکری سے الگ ہوگیا ، گھر سے نکل گیا ۔

۱۳۔ اسم سے تعلق یا ربط قریب کے لیے ۔ دل سے یہ کام کرو ، شوق سے پڑھو ۔

خوشی سے پھول گیا ، رنج سے مرجھا گیا ۔ مرزا غالب فرماتے ہیں :

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ یوں ہیں حجاب میں

کسی حالت یا کیفیت کو مقابلے میں بیان کرنے کے لیے ۔ مثلاً

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

۱۵- سبب ، وجہ یا وسیلہ کا تعلق ظاہر کرنے کے لیے ۔ مثلاً

نشۂ رنگ سے ہے واشد گل
مست کب بند قبا باندھتے ہیں (غالب)

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں (غالب)

حرف تمیز میں بھی مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر حالت ظرفی کو ظاہر کرتا ہے ۔ اس کی مختلف صورتیں یہ ہیں ۔

۱- ظرف مکانی ۔ مثلاً گھر میں ۔

ع— گھر میں کیا تھا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
راستہ میں ملا ، گلی میں گھسا ، میدان میں آیا

۲- ظرف زمانی کی تمیز کے لیے ۔

دیر میں آنے والا ، دو سال میں کام ختم ہوا

لیکن ظرف زمانی میں اگر استمرار ، عادت یا تسلسل ہو تو بالعموم بجائے میں سے استعمال کرتے ہیں ۔ دیر سے آنے والا کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ دیر سے آتا ہے ۔ کب سے بلا رہا ہوں ، ہمیشہ سے محروم ہوں ۔

۳- حالت ، کیفیت ، طور یا طریقے کے اظہار کے لیے ۔ مثلاً

خوشی میں ، غم میں ، غصے میں ، ہنسی میں وغیرہ ۔

میں مضطرب ہوں وصل میں خوف رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

۴- اسم یا ضمیر سے نسبت کے لیے ۔ عمر میں بڑا ہے ۔

۵- مقابلے کے لیے ۔ دونوں میں کون بڑا ہے ، اس میں فرق ہے ۔

۶- وزن کے لیے ۔ سیر میں چار آم چڑھتے ہیں ، وزن میں پورا ہے ۔

۷- صفت عددی کے ساتھ ربط کے لیے - دس آدمیوں میں تقسیم کرو - میں کے علاوہ تک بھی اکثر ظرفی صورتوں کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے - مثلاً

۱- انتہا کے لیے (جب کہ پہلے ابتدا کے لیے سے آ چکا ہو) ظرف مکانی کی صورت میں -

گھر سے بازار تک ، سر سے پاؤں تک ، گاؤں سے شہر تک -

۲- برابری یا ہمسری کے لیے - میر تقی میر فرماتے ہیں :

کہاں پہونچیں مجھ تک یہ کیڑے حقیر
گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

۳- ظرف زمانی میں انتہا کے لیے (ابتدا کے ساتھ ، نیز بغیر ابتدا کے) مثلاً صبح سے شام تک ، شام تک کون جیتا ہے ، چار بجے تک آؤں گا -

ع‌ـــ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

۴- عام اشیا اور خیالات کے لیے - غالب کا شعر ہے :

ع‌ـــ مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

۵- تلک اگرچہ بجائے تک متقدمین کے یہاں عام تھا ، لیکن مرزا غالب کے دور تک اس کی مثالیں عام ہیں :

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا (غالب)

تمیز و ربط ظرفی ظاہر کرنے کے لیے حرف پر بھی استعمال ہوتا ہے - اصل اس کی اوپر ہے سنسکرت میں اوپر کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے ان افعال میں جن سے کسی حرکت کا اظہار ہوتا تھا ، ظرف مکانی ظاہر کرنے کے لیے اوپا لاتے تھے، جس کے معنی پر ، اوپر یا برابر پہلو میں ہوتے

تھے - اس کے علاوہ اپی (یونانی اے پی ، انگریزی Upon, Over) اور ادھی بھی کسی قدر اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے لاتے تھے - متقدمین اردو کے یہاں اس کی قدیم شکلیں اوپر ، اپر ، پر ، پو ، پہ ، پے سب ملتی ہیں - اردو میں اس حرف تمیز کے استعمال کی مختلف صورتیں ہیں -

۱- کسی شے کی اوپر کی سطح سے تعلق ظاہر کرنے کے لیے خواہ متصل ہو یا منفصل -

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا (غالب)

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

۲- ظرف مکانی کی نسبت میں کنارے یا سطح پر کے معنی میں - سیر کے لیے دریا پر گئے ، آسمان پر بادل چھائے ، حیدرآباد دریائے سندھ پر واقع ہے -

۳- ذمہ داری ، انحصار یا ربط قریب و نسبت کے لیے - اولاد پر والدین کی خدمت فرض ہے -

۴- ظرف زمانی کے تعلق کے لیے - وقت پر آیا -

۵- بنا یا سبب کے معنوں کے لیے -

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا
(غالب)

۶- ظرف زمانی میں بعد کے معنوں میں :

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا (غالب)

۷- سمت یا طرف کے معنوں میں -

ع- حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

۸- پر کے ساتھ پہ کا استعمال متقدمین کے بعد بھی ملتا ہے - غالب فرماتے ہیں :

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

۹۔ تاکید کے معنوں میں یعنی ہرگز ۔ بالعموم نفی کے ساتھ ۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

۱۰۔ پر کے ساتھ بعض اوقات دوسرا حرف ربط سے ملا کر بھی لاتے ہیں ۔ ٹوپی سر پر سے گر پڑی ، وہ چھت پر سے گر پڑا ۔

۲۔ حروف عطف

حروف عطف ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو دو یا دو سے زیادہ کلموں یا جملوں کو ملاتے ہیں ۔ مثلاً اور ، و ، پھر ، کر ، کے ، ان کی کئی صورتیں ہیں ۔ مثلاً ۱۔ وصل ۔ ۲۔ تردید ۔ ۳۔ استدراک ۔ ۴۔ استثنا ۔ ۵۔ شرط ۔ ۶۔ علت ۔ ۷۔ بیانیہ ۔

وصل کے معنی ملنے اور ملانے کے ہیں ۔ اردو میں اس کے لیے اور (اردوئے قدیم ہور) ، کیا ، پراکرتی الاصل ہیں ۔ و ، یا ، اورکہ فارسی حروف عطف ہیں جو اردو میں استعمال ہوتے ہیں و اصلاً عربی سے اردو میں فارسی کے وسیلے سے آیا ۔ مثلاً ۔

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

(غالب)

در خور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

و عام طور پر اردو کے دو کلموں یا جملوں کے ملانے میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ فارسی کی عطفی ترکیبوں میں کام آتا ہے ۔ البتہ کبھی

کبھی نظم میں دو جملوں کے درمیان اس کا استعمال جائز سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً[1]

عزیزو مست سخن ہو و یا کہ سوتے ہو
اٹھو اٹھو کہ بس اب سر پہ آفتاب آیا

اور کے استعمال کی بعض صورتیں اردو میں اس کے علاوہ ہیں، جن سے وصل کے معنی نہیں نکلتے۔ مثلاً

۱- اور بہ معنی کچھ اور

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
ہم نے جی میں اپنے ٹھانی اور ہے

۲- اور بہ معنی اس کے سوا اس کے علاوہ۔

ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

۳- اور بمعنی مزید زیادہ۔

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

۴- اور بمعنی مختلف۔

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور (غالب)

۵- دو زمانوں میں اتصال کے لیے۔ ایک کے بعد دوسرا زمانہ گزرنے کے معنوں میں

وہ آئے اور گئے بھی کب کے نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں یہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں
(جگر)

۱- مثال بہ حوالہ مصباح القواعد حصہ دوم، صفحہ ۷۵۔

۶۔ بعض اوقات اور دو لفظوں کو ملانے اور ایک حکم کے تحت لانے کا کام انجام دینے کی بجائے دونوں کو الگ کرتا ہے ۔ مثلاً

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا (غالب)

پھر کا حرف بھی وصل کے لیے آتا ہے ، لیکن اس میں ایک ترتیب بھی پائی جاتی ہے ۔ مثلاً

احمد آیا پھر حامد آیا ۔ دوا کھائی پھر کھانا کھایا

لیکن پھر کے بعض معانی اس وصلی مفہوم کے علاوہ بھی ہیں ۔ مثلاً

۱۔ اعادہ کے لیے ، تکرار کے لیے ، دوبارہ ، بار بار ۔

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے
سینہ جویائے زخم کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمد فصل لالہ کاری ہے

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
اشک باری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اس کی روب کاری ہے

ہونا امدادی فعل کے بعض مشتقات بھی حرف عطف وصلی کا مفہوم ادا کرتے ہیں :

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اسی طرح کر یا کے فعل کے ساتھ عطف وصلی کے معنی دیتا ہے اور اس میں بھی پھر کی طرح ایک ترکیب بھی پائی جاتی ہے ۔ کھانا کھا کر سو رہا ۔ یعنی پہلے کھانا کھایا پھر سو رہا ، یعنی ایک کام پورا کر کے دوسرا کام شروع کیا ۔

حروف تردید

حروف تردید کی تعریف قواعد نویسوں نے یہ کی ہے کہ دو چیزوں کے اجتماع کو روکنے اور دو میں سے ایک کے تعین کے لیے جو حروف استعمال ہوتے ہیں وہ حروف تردید ہیں ۔ کبھی دو چیزوں کے حصر کے لیے بھی لاتے ہیں ۔ کبھی یہی حروف شک کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور کبھی مساوات کے لیے ۔ اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے حروف تردید یہ ہیں : نہ ، یا ، یا تو ، خواہ ، چاہے ، چاہو ، کہ ۔

یا عام طور پر دو چیزوں کے اجتماع یا یکجا ہونے کو روکنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً وہ زندہ ہے یا مر گیا ۔ ظاہر ہے دونوں صورتیں بہ یک وقت ممکن نہیں ہیں ۔ وہ اچھا ہے یا بیمار ۔ یا کبھی دو چیزوں کی تحدید یا حصر کرنے کے لیے آتا ہے ۔ یہ لو یا یہ لو یعنی ان دونوں میں سے ایک لو ، تیسری چیز نہیں لے سکتے ۔

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیان کیجیے سپاس لذت آزار دوست

شک کے موقع پر بھی یا بطور لاحقہ عطف استعمال کرتے ہیں ۔ دیکھیے وہ آتا ہے یا نہیں ۔ یا کا استعمال ترتیب زمانی میں حالت بدلنے کے موقع پر بھی لاتے ہیں ۔

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامان باغبان و کف گل فروش ہے

لطف خرام ساق و ذوق صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

ظاہر ہے ایسی صورت میں یا کی دونوں جگہ تکرار ہوتی ہے -

یا تو بھی حرف تردید ہے - قواعد نویسوں کا خیال ہے کہ اس میں تو زائد ہے ، بہر حال یہ بھی یا کے ساتھ آتا ہے - مثلاً

یا تو پاس دوستی تجھ کو بت بیباک ہو
یا مجھی کو موت آ جائے کہ قصہ پاک ہو (ذوق)

نہ اور نہ کہ بھی حروف تردید ہیں :

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر (غالب)

خواہ عام طور پر ایسے محل پر لاتے ہیں جب دو امکانات کا ذکر ہو اور ان دونوں کا نتیجہ ایک ہو ، خواہ آؤ یا نہ آؤ کام ہو جائے گا - اس مثال سے معلوم ہوا کہ خواہ کے ساتھ یا بھی لاتے ہیں - بعض اوقات خواہ دوبارہ لاتے ہیں ، خواہ آؤ خواہ نہ آؤ -

خواہ فارسی خواستن سے مشتق ہے جس کے معنی چاہنا کے ہیں - اردو میں چاہو بھی انھی معنوں میں استعمال کرتے ہیں - چاہو آؤ چاہو نہ آؤ - بجائے چاہو ، چاہے بھی استعمال کیا جاتا ہے — کہ بھی حرف تردید کے معنی دیتا ہے - مثلاً کوئی ہے کہ نہیں ، لاتا ہے کہ نہیں -

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

بعض صورتوں میں حرف تردید محذوف بھی کر دیتے ہیں - مانو نہ مانو ہم سمجھائے جاتے ہیں :

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

حروف استدراک

قواعد نویسوں نے حروف استدراک کی تعریف یہ کی ہے ۔

''جب پہلے جملے میں کسی طرح کا شبہ واقع ہو تو دوسرے جملے میں جن الفاظ کو لا کر اس شبہے کو دور کرتے ہیں وہ حروف استدراک کہلاتے ہیں ۔ اس سے عام طور پر یا تو پہلے جملے کے قول کی مخالفت ہوتی ہے یا اس میں تغیر ہوتا ہے یا اسے محدود کیا جاتا ہے ۔

اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے حروف استدراک حسب ذیل ہیں :

اگرچہ ، البتہ ، الا ، بارے (تو) بلکہ ، پر، پہ ، سو ، گو (تو) لیکن ، لیک ، مگر ، مگر ہاں ، ولیک ، ولیکن ، ولے ۔ ان میں لیک لیکن کا مخفف ہے ۔ ولیکن اور ولیک مرکب ہیں ، جن میں واؤ عطفی ہے ، لیکن اردو اور فارسی دونوں میں اسے ایک کلمے کے طور پر استعمال کرتے ہیں ۔

ان حروف میں سے مگر ، لیکن ، پر عام طور پر ، گو ، اور اگرچہ کے ساتھ اور ان کے جواب میں استعمال ہوتے ہیں ، مثلاً اگرچہ سب جانتے ہیں ، مگر کوئی نہیں بولتا ۔ اکثر ، اگرچہ ، لیکن وغیرہ محذوف بھی ہوتے ہیں :

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا (غالب)

اس میں گویا اگرچہ محذوف ہے ۔

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزن دیوار زنداں ہوگئیں (غالب)

کبھی اس کے برعکس گو ہوتا ہے ، لیکن حرف استدراک لیکن محذوف ہوتا ہے :

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

(غالب)

گو کے ساتھ بارے کی مثال یہ ہے :

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہوگئے (غالب)

لیک کا استعمال نظم میں زیادہ ہوتا ہے :

ہر قدم پر تھی اس کی منزل لیک
سر سے سودائے جستجو نہ گیا (غالب)

لیکن :

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا (غالب)

سو :

کس سے محرومئی قسمت کی شکایت کیجیے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

بساط عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی
سو رہتا ہے بانداز چکیدن سرنگوں وہ بھی
(غالب)

مگر :

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

ولے :

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں
(غالب)

لوں دام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

دل میں کتنے سودے تھے ولے
ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا (میر)

پر :

آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں
(غالب)

پہ :

ہوئی آ کے پیری میں قدر جوانی
سمجھ ہم کو آئی پہ نا وقت آئی (حالی)

حروف استثنا

حروف استثنا ایسے حروف عطف ہیں جن کے لانے کا مقصد ایک شے کو دوسری شے سے الگ کرنا مقصود ہوتا ہے ۔ الا ، مگر ، سوا ، جز اور کبھی کبھی لیکن بھی استثنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً

جز : فارسی ہے اور عام طور پر اس کا استعمال نظم میں ہوتا ہے ۔ کبھی جز کی جگہ بجز بھی لاتے ہیں ۔

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگئی چشم حسود تھا (غالب)

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہید ان پر

مگر : اس کی سب باتیں درست ہیں مگر یہ صحیح نہیں ۔

لیکن اس کی سب باتیں اچھی ہیں لیکن ذرا کاہل ہے ۔

سوا یا سوائے :

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشک بو کیا ہے (غالب)

جنس بازار معاصی میں اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں (غالب)

حروف شرط

حرف شرط کی تعریف قواعد نویسوں نے یوں کی ہے کہ جب کسی کام پر کسی کام کو موقوف کرتے ہیں تو موقوف علیہ کے آغاز میں جو حروف لاتے ہیں وہ حروف شرط ہیں - یعنی جس شے پر کسی دوسری شے کا ہونا منحصر ہو یا اس کے صدور کے لیے یہ پہلی شے ضروری ہو اس شے سے پہلے حروف شرط لاتے ہیں - مثلاً اگر پڑھو گے تو کامیاب ہو گے - اس میں کامیاب ہونا مشروط ہے پڑھنے پر - اگر اس میں حرف شرط ہے - اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے حروف شرط یہ ہیں جو علاوہ حرف شرط کے اور معنی بھی دیتے ہیں

اگر (گر ، اگرچہ) ازبس ، زبسکہ جب ، جب جب ، جو ، جس وقت ، جس دم ، جو کہ ، جب کہ ، جو ہیں ، جوں جوں ، چونکہ ، گو ، گو کہ ، تا وقتے کہ ، تا ، تا کہ ، ازانجا ، ہر گاہ ، خواہ ، کیوں نہ ، نہیں ، نہیں تو ، وگرنہ ، ورنہ -

ان میں ازانجا اور ہر گاہ کتابی زبان کے حروف ہیں ، عام بول چال میں کم آتے ہیں - ہرگاہ البتہ قانونی کاغذات اشتہارات وغیرہ میں عام استعمال ہوتا ہے - ان معنوں میں چونکہ کا مفہوم ادا کرتا ہے -

گر : اگر کا مخفف ہے - نظم میں زیادہ استعمال ہوتا ہے -

گر نہ احوال شب فرقت بیاں ہو جائے گا
بے تکلف داغ مہ مہر دہاں ہو جائے گا (غالب)

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے (غالب)

دل گزر گاہ خیال مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادہ سر منزل تقوی نہ ہوا (غالب)

اگر :

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجیے ہم نے مدعا پایا (غالب)

اگرچہ :

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

(غالب)

گرچہ :

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

(غالب)

جو :

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

(غالب)

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے (حالی)

جب :

جب اکثر تب کے ساتھ مل کر آتا ہے تو شرط کے معنی پیدا ہوتے ہیں ۔ جب تک تم نہ آؤ گے ، میں یہاں سے روانہ نہ ہو سکوں گا ۔ یہ استعمال عام طور پر نفی کے ساتھ ہوتا ہے ۔ جب بغیر نفی کے استعمال ہو تو اس سے حد ظرف زمانی کے معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی اس وقت تک ۔ مثلاً جب تک وہ آئے گا یہاں دم نکل چکا ہو گا ۔

جس وقت :

اس کی ترکیب سے ظاہر ہے کہ یہ مرکب ہے اور حد ظرف زمانی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی شرط کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ مثلاً جس وقت تک وہ آئے ، یہاں کوئی نہیں جائے گا ۔

جب کہ :

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے (غالب)

بس کہ :

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا (غالب)

بس کہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاک گریباں ہوگئیں
(غالب)

ہیں بس کہ جوش بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا (غالب)

بس کہ ہم ہیں اک بہار ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں (غالب)

گو :

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا (غالب)

ورنہ :

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا (غالب)

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا (غالب)

از بس کہ :

از بس کہ ثبت نامہ ہے سوز تپ دروں
قاصد کا ہاتھ ہے ید بیضا کلیم کا (مومن)

جلوہ از بس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا (غالب)

زبس :

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنوران کامل

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل (غالب)

از بس :

درد دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم
شمع آسا نبض زیر استخواں رکھتے ہیں ہم
(اعظم خاں اعظم)

تا : عام طور پر نظم میں استعمال ہوتا ہے ۔

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے (غالب)

مستانہ طے کروں ہوں رہ وادی خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے (غالب)

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو
(غالب)

نہیں : نہیں تو (ورنہ کے معنوں میں)

نہیں اور نہیں تو عام طور پر بول چال میں شرط کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں ۔ تم آ جاؤ نہیں میں چلا جاؤں گا ۔ تم آجاؤ ، نہیں تو میں چلا جاؤں گا ۔ نظم میں بھی بعض مثالیں ملتی ہیں :

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا (ذوق)

چونکہ :

چونکہ تم غیر حاضر تھے اس لیے اپنا حصہ نہ لے سکے ۔

باوجودے کہ :

بعض اوقات اگرچہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں پہ پہنچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

حروف علت[1]

وہ حروف جو کسی بات کا سبب ظاہر کریں ، حروف علت کہلاتے ہیں ۔ اردو میں کیوں کر ، کیوں کہ ، اس لیے کہ ، اس واسطے کہ ، اسی باعث کہ ، تا کہ ، کہ تا ، تا ، لہٰذا ، عام طور پر علت کے حروف سمجھے جاتے ہیں ۔

کیوں کر :

کیوں کر اس بت سے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز (غالب)

غیر کو یا رب وہ کیوں کہ منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
(غالب)

بعض اوقات کیوں کر میں کس طرح کے معنی بھی نکلتے ہیں جیسا کہ شعر مذکورہ بالا میں ہے ۔

تا :

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے (غالب)

تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے (غالب)

مستانہ طے کروں ہوں رہ وادیٔ خیال
تا باز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے (غالب)

---

۱ - ہمارے قواعد نویسوں نے حروف علت کی اصطلاح دو مختلف معنوں میں استعمال کی ہے ۔ واؤ ، الف اور یائے کو حروف علت کہا جاتا ہے ۔ اس کی بحث ہم اس قواعد کے ابتدائی ابواب میں کر چکے ۔ علت کے حروف یا حروف علت کے معنی یہاں ایسے حروف ہیں ، جن سے کسی امر کا سبب یا علت ظاہر ہو ۔

اسی باعث :

اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر

کہ :

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
گویا سنی نہیں ابھی آواز صور کی
(غالب)

اس لیے :

محنت کرو اس لیے کہ محنت سے ہی راحت ہے ۔

اس لیے ، للہذا ، چونکہ کے جواب میں آتے ہیں ۔ چونکہ وہ نہیں آیا اس لیے میں بھی نہیں گیا ۔ چونکہ تم فیل ہوگئے ، للہذا انعام کے مستحق نہیں ۔

بعض اوقات یعنی بھی حرف علت کا مفہوم ادا کرتا ہے[۱] ۔

غریق گریہ خونیں رہا نہ کر مومن
لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سرخ (مومن)

بیانیہ

کہ حرف بیانیہ ہے اور دو جملوں کے ملانے کے لیے آتا ہے ۔ بعض اوقات یعنی بھی کہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً

نیاز و ناز کے معنی یہ ہیں یعنی وہ ہنس ہنس کر
جفا کرتے رہے اور ہم باسید وفا روئے

بعض اوقات یعنی کہ ملا کر لاتے ہیں ۔

غیر نے تم کو جاں کہا سمجھے بھی تم کہ کیا کہا
یعنی کہ بے وفا کہا جان کا اعتبار کیا

---

۱ ۔ یعنی کا یہ مفہوم ذرا بحث طلب ہے لیکن بعض قواعد نویسوں نے لکھا ہے ۔ دیکھیے مصباح القواعد حصہ دوم ، صفحہ ۶۴ ۔

کہ :

ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی
کہ صبح عید مجھ کو بد تر از چاک گریباں ہے

(غالب)

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشہ کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

(غالب)

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ آ پہنچے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

(غالب)

حروف تخصیص

حروف تخصیص ایسے حروف کو کہتے ہیں جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ لائے جائیں تو خصوصیت اور حصر کے معنی پیدا کرتے ہیں ۔ اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے حروف تخصیص حسب ذیل ہیں :

ہی ، تو ، بھی ، ہر ، صرف ، محض ، اکیلا ، اک ، فقط ، نرا ، تنہا ، بس ، خالی ، ہی ۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

(غالب)

اپنا نہیں یہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے

(غالب)

اک یا ایک :

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے (غالب)

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی (حالی)

تــو : اور ایسی تو

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

آپ تو ضرور آئیں کوئی آئے نہ آئے۔ آپ بھی آئیں اور لوگ تو آئیں گے۔ صرف آپ کا آنا کافی ہے۔ محض آپ کا نام لینا کافی ہے۔ میں اکیلا وہاں مسلمان تھا۔ نرا لباس مسلمانی کا کافی نہیں۔

تنہــا :

پابند یہ مرغ جاں تنہا نہ قفس کا ہے
پھندا ابھی تو گردن میں اک تار نفس کا ہے (رند)

بس :

بس وہ آیا یعنی صرف وہ آیا اور کوئی نہ آیا۔ خــالی اس کا پیغام آیــا۔

ہر ۔ ہر اک :

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گــماں اور
(غالب)

لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتــا ہوں میں اک داغ نہاں اور
(غالب)

ہی کے استعمال کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نثر میں ہی فاعل اور علامت فاعل، مفعول اور علامت مفعول، مجرور اور جار کے درمیان لاتے ہیں۔ مثلاً احمد ہی نے لکھا تھا، خالد ہی کو مارا تھا، لیکن جب ضمیر میں فاعل واقع ہو تو نے علامت فاعل پہلے لاتے ہیں۔ مثلاً میں نے ہی کہا تھا، اس نے ہی دیا تھا۔ ہی بعض اسماء ضمائر اور حروف کے مل کر مرکب لفظ کا جز بن جاتا ہے۔ مثلاً

کب + ہی ۔ کبھی
جب + ہی ۔ جبھی

تب + ہی - تبھی
اب + ہی - ابھی
سب + ہی - سبھی
یہ + ہی - یہی
وہ + ہی - وہی
اس + ہی - اسی
تجھ + ہی - تجھی
مجھ + ہی - مجھی
کہاں + ہی - کہیں
یہاں + ہی - یہیں
وہاں + ہی - وہیں
جوں + ہی - جونہی
یوں + ہی - یونہی - یونہیں - یہیں
ہم + ہی - ہمیں

ان مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ضمائر کے ساتھ ملنے سے کبھی ہی کی ہائے ہوز محذوف ہو جاتی ہے اور کبھی ہائے مخلوط سے بدل جاتی ہے - کبھی ہی یائے معروف اور نون غنہ سے بدل جاتی ہے - مثلاً تم کے ساتھ اس صورت میں ایک ہائے مخلوط بھی بڑھاتے ہیں - مثلاً

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پھر یہ فرماؤ
کہ جب دل میں تمھیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو
(غالب)

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھیں بتاؤ یہ انداز گفتگو کیا ہے
(غالب)

وہ کے ساتھ ہی آئے تو ایک ہائے ہوز محذوف ہو جاتی ہے -

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہت گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

یہی صورت یہ کی ہے -

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشہ میں ہے
آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے
(غالب)

اسی طرح اِس آس کے ساتھ بھی ہائے ہوز محذوف ہو جاتی ہے اسی ، اُسی وغیرہ ۔

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

دولبی مسدودوں (ب) والے الفاظ (اب ، جب ، تب ، کب ، سب) کے ساتھ آنے تو ہی کی ہائے مخلوط ہو جاتی ہے ۔ ابھی ، کبھی ، سبھی ، تبھی ، جبھی وغیرہ ۔ اردوئے قدیم میں کبھی کی صورت کدھیں ہے کیونکہ کد کب کی صورت ہے ۔

ہی کا ایک اور استعمال نفی کے لیے آتا ہے ۔ یہ صورت دو منفی جملوں کے استعمال میں پیش آتی ہے ۔ نہ خالد ہی آیا نہ محمود ، ایسی صورت میں ہی تاکید کے لیے آتا ہے ، تخصیص کے لیے نہیں ۔ یہ ہی پہلے منفی جز میں لاتے ہیں ۔ بعض لوگ دوسرے جملے میں لانے کو درست نہیں مانتے ۔ ان کے نزدیک نہ خالد آیا ، نہ ہی محمود درست نہ ہوگا ۔ اسی طرح دونوں اجزائے نفی میں ہی کی تکرار بھی درست نہیں سمجھی جاتی ، نہ ہی حامد آیا نہ ہی محمود ۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے ۔ ہمارے خیال میں یہ دونوں صورتیں جائز ہیں ۔

بھی :

بھی تخصیص کا کلمہ ہے ۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی (غالب)

غیر کو یا رب وہ کیوں کر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے (غالب)

نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے (غالب)

کوئی اور کسی ایک کے ساتھ حروف تخصیص میں سے ، ہر ، آتا ہے ، ہر ایک ، ہر کوئی ، ہر کسی وغیرہ ۔

اردوئے قدیم میں بھی کی ایک صورت بی بھی ملتی ہے ، یعنی بغیر ہائے ہوز اور آپ ہی وغیرہ کی صورت آپی ۔ مثلاً " اپس سون اپی لگا لیا ، کسے کیا کہے کنے کیا کیا ۱ "۔

اسی طرح اس اس کے ساتھ بھی ہائے ہوز محذوف ہو جاتی ہے ۔ مثلاً اسی اسی ۔

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

حروف فجائیہ

ایسے الفاظ جو جذبے کی شدت ، غیظ و غضب ، حسرت و تاسف ، خوشی اور غم ، نفرت اور تحسین و آفریں ، تاکید اور تنبیہ کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں حروف فجائیہ کہلاتے ہیں ۔ ان کے علاوہ کسی کو بلانے یا آواز دینے اور پکارنے میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ بھی حروف فجائیہ میں شامل ہیں ۔ ظاہر ہے کہ مختلف جذبات اور کیفیات کے اظہار کے لیے الگ الگ حروف ہوں گے ، بعض اوقات جز جملہ بھی فجائیہ معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً ماشاء اللہ ، سبحان اللہ ، استغفراللہ ۔

حروف فجائیہ کی داستان نہایت دلچسپ ہے ۔ زبان کی ابتدا کے متعلق ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ انسانی تکلم کا آغاز ان اصوات سے ہوا جو شدت جذبات کے دباؤ میں غیر ارادی اور غیر اختیاری طور پر انسان کے منہ سے نکلیں اور آگے چل کر یہی آوازیں ان کیفیات اور جذبات کی علامت بن گئیں ۔ اس طرح آواز اور معنی کی تخصیص کا سلسلہ شروع ہوا جو زبان کی اساس ہے ۔ انھیں آوازوں میں اضافے سے بالآخر انسانی زبان نے جنم لیا ۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس قسم کے حروف فجائیہ کی ایک خاصی تعداد موجود ہے ، لیکن سائنسی نقطۂ نظر سے اس نظریے کی تائید مشکل ہے ۔ اول تو مختلف زبانوں میں حروف فجائیہ کی ایک محدود تعداد ہے اور یہ محدود تعداد زبان کے پورے سرمایے میں ایک بہت چھوٹا جز ہے ۔ دوسرے زبانوں کے ارتقا کا دار و مدار بڑی حد تک

---

۱ - سب رس ملا وجہی ، صفحہ ۴ ۔

اشتقاق پر ہے اور حروف فجائیہ سے اشتقاق ممکن نہیں ہے - تیسرے یہ کہ جب دنیا کی مختلف زبانوں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو ان میں سے اکثر و بیشتر کا لسانی سرمایہ تین عناصر پر مشتمل ہوتا ہے - اسم ، فعل اور حرف - حروف فجائیہ صرف ایک جز کا جز ہیں اور یہ باور کرنا مشکل ہے کہ مختلف زبانوں کے اسما اور افعال ان فجائیہ حروف سے مشتق ہیں - بہر حال اردو میں استعمال ہونے والے عام حروف فجائیہ کی تشریح اور تفصیل حسب ذیل ہے -

حروف ندا

او ، اے ، ارے ، ابے ، اجی ، اوجی ، ارے او ، ارے اوجی ، او بے او ، ہو ہوت یا ، اردو میں استعمال ہونے والے عام حروف ندا ہیں - ان میں اے سب سے عام ہے اور قدیم بھی ، سنسکرت میں اس کی شکل 'ہے' ملتی ہے - اردو کے دور قدیم میں اس کی شکل اے ہے -

"اے دل بادشاہ عالم پناہ ظل اللہ دل کون رکھ گھٹ"۱

. . . . . انے کہیا اے پیر سلام۲ -

ارے ، اجی ، اے اجی ، ارے او جی عام طور پر صرف بے تکلف لوگوں کو بلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں - ابے کا استعمال عام طور پر ناشائستہ گفتگو سمجھا جاتا ہے -

یوں پکارے ہیں مجھے کوچہ جاناں والے
ادھر آنے آنے آوچاک گریباں والے

یہ سمجھنا درست نہیں کہ یہ بے تکلفی کے موقع پر یا چھوٹوں کے لیے استعمال کرسکتے ہیں۳ - نہ اسے خفگی یا غصہ کی حالت میں استعمال کرنا مناسب ہے -

ان کے علاوہ میاں ، اے میاں ، ارے میاں وغیرہ بھی حروف ندا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں - اس سلسلے میں ایک مغربی سیاح کا لطیفہ مشہور ہے جو سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے دربار میں آیا تھا اور جس نے واپسی

---

۱ - سب رس ملا وجہی ، صفحہ ۳۹ -
۲ - سب رس ملا وجہی ، صفحہ ۵۰ -
۳ - مصباح القواعد حصہ دوم ، صفحہ ۱۰۲ - و عبدالحق ص ۱۷۳ -

پر دربار کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں ۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ لوگوں کو اماں (یعنی اے میاں کا مخفف) کہہ کر مخاطب کرتا تھا ۔ یہ بیچارہ نہ سمجھ سکا کہ اماں کا مطلب کیا ہے ، چنانچہ اس نے لکھا کہ بادشاہ بھی عجیب آدمی ہے کہ ہر شخص کو اماں یعنی والدہ کہہ کر پکارتا ہے ۔ ان حروف فجائیہ کے علاوہ جس کو پکارا جائے اس کے نام لقب ، تخلص ، عرفیت کے ساتھ جی یا صاحب لگا کر بھی پکارتے ہیں ۔ مثلاً مرزا جی ، شیخ صاحب وغیرہ ، ایسی صورت میں کلمۂ فجائیہ کے آخر میں تاکید صوتی ہوتی ہے ۔

یا کا استعمال عام طور پر احترام اور عقیدت کے موقع پر استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً یا اللہ ، یا رسول اللہؐ ، یا حضرت ، یا شیخ ۔ حضرت کا کلمہ کبھی بطور طنز بھی استعمال کرتے ہیں ۔

او عام طور پر تحقیر کے لیے بولا جاتا ہے اور کسی صفت کے ساتھ او بے رحم ، او ظالم ، او نالایق وغیرہ ۔

ہوت :

ہوت بھی بلا تکلفی کا کلمہ ہے ۔ کسی حد تک عامیانہ ۔ بعض قواعد نویسوں کا یہ خیال درست نہیں کہ ہوت شعر میں نہیں لاتے ۔ بقاء اللہ خاں بقا کا شعر ہے ۔

منہ پھیر کے دیکھا نہ ادھر راہ عدم سے
کتنا ہی میں رو رو کے پکارا کہ بقا ہوت

فارسی میں بعض اوقات اسم کے آگے ایک الف کا اضافہ کر کے حرف ندا کا کام لیتے ہیں ۔ مثلاً خسروا اور کبھی یا لگا کر مثلاً خدایا ۔ ترکیب تو فارسی ہے لیکن اردو میں اور خاص طور پر نظم میں اس کا استعمال عام ہے ۔

اے ــ اے کبھی ندائیہ معنوں کے علاوہ اور معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً مرزا غالب کے اس شعر میں :

قمری کف خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

جیسا کہ مرزا نے (بقول حالی) خود بیان کیا ہے ، اے بہ معنی جز ہے -

حروف ندا کے استعمال کی بعض مثالیں حسب ذیل ہیں :

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے (غالب)

کس پردے میں ہے آئینہ پرداز اے خدا
رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے (غالب)

اے شہنشاہ آسماں او رنگ
اے جہاں دار آفتاب آثار (غالب)

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے (غالب)

یا :

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز
دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز (غالب)

غیر کو یا رب وہ کیوں کر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
(غالب)

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے (غالب)

حروف ندا مذکر اور مؤنث کی نسبت سے مذکر اور مؤنث ہوتے ہیں - مثلاً ارے مذکر اور اری مؤنث ، اوجی ، اجی مؤنث مذکر دونوں کے لیے لاتے ہیں - البتہ ابے ، اوبے صرف مذکر کے لیے لاتے ہیں - اے بھی مذکر مؤنث دونوں کے لیے لاتے ہیں ، لیکن اے میاں ، اے بی کہہ کر مذکر اور مؤنث کی تخصیص کر سکتے ہیں - ہوت اور اوہو بھی مذکر مؤنث دونوں کے لیے لا سکتے ہیں -

جسے بلاتے ہیں ، وہ منادی کہلاتا ہے ۔ جب منادی جمع ہو تو بلاتے وقت حروف ندا کے ساتھ جمع کا آخری نون غنہ ساقط کر دیتے ہیں ۔ مثلاً اے لڑکو ، اے بزرگو ۔ بعض اوقات حروف ندا محذوف ہوتے ہیں اور یہ صورت واحد اور جمع دونوں میں ہو سکتی ہے ۔ لڑکے میری بات سنو ، لڑکو میری بات سنو ۔

حروف تحسین اور حروف انبساط

خوشی اور مسرت کے لیے جو حروف استعمال ہوتے ہیں وہ حروف تحسین ہیں ۔ یہ بھی حروف فجائیہ ہیں ۔ اردو میں عام طور پر حسب ذیل حروف تحسین خوشی ، مسرت اور انبساط کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں ۔ ان میں سے بعض جز جملہ ہیں ۔ مثلاً سبحان اللہ ، ماشاء اللہ وغیرہ ۔

اہاہا ، اہاہاہا ، او ہو ، او ہو ہو ہو ، واہ ، واہ واہ ، سبحان اللہ ، بارک اللہ ، خوب ، شاباش ، جزاک اللہ ، اللہ اللہ ، صل علیٰ ، چشم بد دور ، ماشاء اللہ ، بل بے ، بلہ رے ، ہئی بے ، کچھ نہ پوچھو[۱] ۔

واہ واہ کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا
مثل نبض صاحب صحت ہے ہر موج صبا (ذوق)

کہوں کیا رنگ اس گل کا اہاہاہا اہاہاہا
ہوا رنگیں چمن سارا اہاہاہا اہاہاہا (ظفر)

ظفر تاثیر فخر دین سے میرے کام کا عقدہ
کھلا کیا ہے بآسانی اہو ہو ہو اہو ہو ہو (ظفر)

ان میں بعض جز کلمہ ہیں ۔

---

۱ ۔ انشاء اللہ خان نے (دریائے لطافت صفحہ ۱۹۴) میں ان کے استعمال کی نہایت دلچسپ مثالیں لکھی ہیں ۔ ”آہاہا آہاہا کس دھج سے چلی آتی ہے ۔ ہئی بے کافر ذرا ادھر تو دیکھ ۔ یارو ہو جی ذرا ادھر تو دیکھیے ۔ یا بل بے تیری سج مار ڈالا کافر نے ۔ یا بلہ رے تیری آمد ہم تو وہیں تمام ہو گئے ۔ یا کل گنا کو دیکھا ہے کہ کچھ نہ پوچھو ۔

حروف تاسف

یہ فجائیہ حروف رنج و تاسف کے اظہار کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ عام طور پر اردو میں استعمال ہونے والے حروف یہ ہیں۔ ہائے ہائے، وائے، آہ، اف، آف آف، اے، وائے، ہائے رے، افسوس، حیف، ہیہات، ہے ہے، ہدا، دریغا، وا مصیبتا، وا حسرتا۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے[1]

(غالب)

جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں رہ گیا
اے وائے نالۂ لب خونیں نوائے گل

(غالب)

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

(غالب)

وائے دیوانگیِ شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا ادھر اور آپ پریشاں ہونا (غالب)

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تیری غفلت شعاری ہائے ہائے

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی در خور عقد گہر انگشت

(غالب)

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے
خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

(غالب)

۱۔ غالب کی ایک پوری غزل بہ انداز مرثیہ اسی ردیف میں ہے:

وائے محرومی تسلیم و بدا حال وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں
(غالب)

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پاؤں
ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیر زن کے پاؤں
(غالب

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
ہے ہے مجھے داغ دے گیا کون
(دیا شنکر نسیم)

پھولوں کو جس کی بو نے ملایا تھا خاک میں
ہے اس کی خاک وقف سمن وا مصیبتا
(مومن)

دشمن اپنا ہو گیا سودائے مال و جاہ حیف
حرص نے طعمے کی شیروں کو کیا روباہ حیف
(حالی)

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
(غالب)

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریبان ہونا
(غالب)

آہ وہ جرأت فریاد کہاں
دل سے تنگ آئے جگر یاد کہاں (غالب)

اب اس کی یہ نوبت ہوئی ہے دریغا
کف دست میدان ہے جیسے کلّہ
(مولوی نذیر احمد)

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر
(غالب)

حروف مذمت و نفرت

یہ بھی حروف فجائیہ ہیں اور مذمت یا پھٹکار اور نفرت کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔ بعض ان میں جز جملہ ہیں ۔ قواعد نویسوں نے اردو میں آنے والے حروف مذمت میں حسب ذیل حروف شامل کیے ہیں[۱] ۔

چخے ، چھیا ، دورپار ، واگو ، اے ہے ، صدقے کیا تھا[۲] ، نوج ہوا[۳] ، تبرا ہے ، لعنت ہے ، پناہ بخدا ، کتے کا گوہ ، در ، دردر ، دور ، تف ، تھو ، استغفراللہ ، معاذاللہ ، لاحول ولا قوۃ الاباللہ ، ہشت ، چھی ، پھٹے منہ ، اوف ۔ یہ تمام حروف گفتگو اور بول چال میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں ۔ نظم میں شاذ ہی آتے ہیں ۔ ان میں پھٹے منہ[۴] عام طور پر محاورۂ اہل پنجاب میں استعمال ہوتا ہے ۔

حروف تعجب

تعجب کے اظہار کے لیے استعمال ہونے والے حروف فجائیہ حسب ذیل ہیں :

اللہ سبحان اللہ ، اللہ اللہ ، اللہ اکبر ، تعالی اللہ ، صل علی ، بل بے ، اف رے ، اف ری ، اوہ ، افو ، اہا ، ایں ۔ ان میں آخرالذکر سات پراکرتی

---

۱ - انشا اللہ خان دریائے لطافت ، صفحہ ۱۹۴ -

۲ - یہ دونوں عورتوں کی بول چال سے مخصوص ہیں ۔

۳ - یہ صورت اب تک باقی ہے ۔

۴ - بعض قواعد نویسوں نے حروف تعجب کی بحث میں لکھا ہے کہ تعجب دو طرح ہوتا ہے ایک اچھے موقع پر اور ایک برے موقع پر - اھل عرب دونوں مواقع پر سبحان اللہ کہتے ہیں - اردو والے تعجب کے لیے اچھی جگہ سبحان اللہ اور بری جگہ حاشا و کلا بولتے ہیں (دیکھیے مصباح القواعد ، حصہ دوم ، صفحہ ۱۲۰ فٹ نوٹ) یہ بیان محل نظر ہے ۔ یہ البتہ درست ہے کہ سبحان اللہ حیرت اور تعجب کے ساتھ توصیف اور خوبی کا پہلو بھی رکھتا ہے لیکن حاشا و کلا میں اردو میں حیرت اور تعجب سے زیادہ تاکید نفی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں اور عام طور پر نفی کلمہ کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے ۔

الاصل ہیں اور باقی کلمات عربی ہیں ۔ ان میں سبحان اللہ تعجب کے علاوہ کلمۂ تحسین کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے ۔

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا (غالب)

اللہ کس قدر رہ مقصود دور ہے
پیک خیال راہ میں تھک کے رہ گیا (غالب)

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے (ذوق)

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں
(غالب)

توبہ اور پناہ مانگنے کے حروف فجائیہ

توبہ : امان اور پناہ مانگنے کے موقع پر اردو میں استعمال ہونے والے عام حروف فجائیہ حسب ذیل ہیں :

توبہ ، توبہ توبہ ، الہی توبہ ، الامان ، الامان و الحفیظ ، الامان الامان ، معاذ اللہ ، معاذ اللہ معاذ اللہ ، عیاذاً باللہ ۔

زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں
توبہ مئے طہور میں ایسا اثر کہاں (داغ)

کیا غارت ہزاروں کو ظفر دنیا کی الفت نے
بری آفت ہے یہ دنیا معاذ اللہ معاذ اللہ (ظفر)

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارج از آداب و وقار و تمکین (غالب)

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بت کدہ صفات میں (اقبال)

حروف تنبیہ

حروف تنبیہ ایسے حروف ہیں جو دھمکانے ، ڈرانے ، خبردار کرنے اور تنبیہ کے موقع پر بولے جاتے ہیں - اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے حروف تنبیہ حسب ذیل ہیں :

ہیں ، ہوں ، ہاں ، دیکھ ، دیکھو ، دیکھنا ، سن ، سنو ، سنو جی ، سنو تو سہی ، سن تو سہی ، خبردار ، ہوشیار ، دیکھو ، دیکھنا ، ہاں ہاں ، ہیں ہیں -

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا

ہیں ، یہ تم نے کیا کیا - دیکھو ایسا نہ کرنا - سنو ، یہ کام کرنا ہے - ہوشیار یہ راستہ خطرناک ہے - ہاں ہاں یہ کیا کرتے ہو - ہیں ہیں یہ کیا کرتے ہو -

بعض حروف جو حروف تاسف کے سلسلے میں بیان ہوئے ، رنج و بیتابی کے موقع پر بھی استعمال ہوتے ہیں - مثلاً اے وائے ، وائے وغیرہ -

ان حروف کے علاوہ جن پر بحث کی جا چکی ہے ، بعض حروف اور ہیں جو اردو میں خاص خاص موقع اور مطالب کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں -

تمنا ، طلب یا خواہش کے حروف

اگر کسی بات کی آرزو یا تمنا کا اظہار یا ذکر ہو تو اس موقع پر حروف تمنا استعمال کرتے ہیں - اردو میں عام طور پر کاش ، اے کاش اور کاشکے عام طور پر اس موقع پر بولے جاتے ہیں -

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی
(غالب)

بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے
کاش رضوان ہی در یار کا درباں ہوتا
(غالب)

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا
کاش کے ہوتا قفس کا در کھلا (غالب)

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا (غالب)

حروف مفاجات

جب کوئی امر یا واقعہ یکایک ، اچانک ، یک بارگی اور اتفاقاً پیش آئے تو اس صورت کے اظہار کے لیے جو حروف استعمال ہوتے ہیں ، وہ حروف مفاجات کہلاتے ہیں ۔ مثلاً ناگہاں ، ناگاہ ، اچانک ، دفعتہً ، یک لخت ، یک دم ، ایک دم سے ، یکایک ، ایکایکی ، ایک بارگی ، یک مرتبہ ، کہ جو وغیرہ ۔

ناگہاں اس رنگ سے خوں نابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا
(غالب)

آتا تھا شکار گاہ سے شاہ
نظارہ کیا پسر کا ناگاہ (نسیم)

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے
یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے
(غالب)

یکایک ہوئی رحمت حق کو حرکت
بڑھا جانب بـو قبیس ابر رحمت (حالی)

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانہ کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
(غالب)

حروف تحقیق و یقین

جب کسی بات کو یقین اور وثوق کے ساتھ بیان کیا جائے تو اس

موقع پر استعمال ہونے والے حروف ، حروف تحقیق کہلاتے ہیں ۔ مثلاً بے شک ، بلا شک ، بے شبہ ، بے گمان ، یقینا ، قطعاً ، ضرور ، لاجرم ، تحقیق ، مقرر ، البتہ ، لامحالہ ۔ بعض اوقات اس معنوں میں مزید تاکید پیدا کرنے کے لیے حروف یقین کی تکرار بھی ہوتی ہے ۔ مثلاً یقیناً یقیناً ۔ عام طور پر یہ اس موقع پر استعمال کرتے ہیں ، جب کہنے والا کسی بات کو بیان کر رہا ہو اور سننے والا اس کے یقینی اور واقعی ہونے کی تائید کرے ۔ بعض اوقات مرکب تراکیب مثلاً بے شک و شبہ ، بلا شک و شبہ وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں ۔ تحقیق ، مقرر اور البتہ کا استعمال عام طور پر بول چال میں کم ہوتا ہے ، تحریروں میں البتہ ملتا ہے ، لیکن اب یہ بھی کم ہو رہا ہے ۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی (غالب)

واقعی دل پر بھلا لگتا ہے داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا (غالب)

کی خدا نے جو یہ زبان عطا
ہے بلا شک عطیۂ عظمے

گو کہ طبع شعرا بحر رواں ہے مقتول
بے گماں میں بھی اک ان میں در یک دانہ ہوں

شک ، شبہ اور ظن کے حروف

بعض اوقات جو کچھ کہا جا رہا ہے اس کے بارے میں کہنے والے یا سننے والے کو یقین نہیں ہوتا ، بلکہ اس بات کے ہونے میں شک یا شبہ ظاہر ہوتا ہے ۔ جو حروف اس کیفیت کو ظاہر کریں ۔ حروف شک و ظن کہلاتے ہیں ۔ شاید ، مگر ، ممکن ہے وغیرہ حروف شک ہیں جو اردو میں استعمال ہوتے ہیں ۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی (شیفتہ)

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی (غالب)

بعض اوقات صورت یہ ہوتی ہے کہ شک تو ہوتا ہے ۔ لیکن یہ شک اور شبہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں کسی قدر یقین بھی پایا جاتا ہے ، اس کو ظن غالب کہتے ہیں ۔ غالباً ، ہو نہ ہو ، اغلب ۔ اردو میں استعمال ہونے والے حروف ظن غالب ظاہر کرتے ہیں ۔

غالباً وہ آیا ہوگا ، ہو نہ ہو یہ وہی آدمی ہے ، اغلب یہ ہے کہ وہ کل تک آ جائے گا ۔

حروف تسلسل کلام اور حروف تفریع

وہ حروف جن سے سابقہ کلام اور بعد والے کلمے میں تسلسل اور ربط پیدا ہوتا ہے ، حروف تسلسل کلام ہیں تو ، سو ۔ یہ حروف عام طور پر طویل کلام اور لمبی عبارتوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ بعض اوقات جو بات ایک کلمے میں ہو اس سے کوئی نتیجہ نکالتے ہیں ۔ ایسے موقع پر دوسرے کلمے یعنی نتیجے کے اظہار کے لیے جو حروف لاتے ہیں ، وہ حروف تفریع ہیں ، تو اور پس حروف تفریع ہیں ۔ اسکول بند رہے تو لڑکوں کا بڑا نقصان ہوگا ۔ تم نے سوچ سمجھ کر ایسا کیا ۔ پس اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہے ۔ پس کا استعمال عام طور پر ایسے موقع پر کرتے ہیں جب کسی بات کے ثابت کرنے کے لیے پہلے کلمے یا کلام میں کوئی دلیل یا دلیلیں لا چکے ہوں ۔ حروف تفریع ایسے نتیجہ ظاہر کرنے والے جملوں کے شروع میں لائے جاتے ہیں ۔

حروف تفسیر

جن حروف کو کسی لفظ کے معنی یا کسی کلام کے مطلب کو واضح کرنے کے لیے استعمال کریں ان کو حروف تفسیر کہتے ہیں ۔ یعنی اردو میں استعمال ہونے والا سب سے عام حروف تفسیر ہے ۔

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں
یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں (غالب)

حروف ظرفیت

وہ حروف جو مقام ظرفیت مکانی یا زمانی کے لیے بولے جاتے ہیں حروف ظرفیت کہلاتے ہیں ۔ ہاں ، یہاں ، وہاں ، یاں ، واں ، کہاں ، کہاں کہاں ، جہاں ، جہاں جہاں ، یہیں ، وہیں ، کہیں ، ادھر ، اُدھر ، جدھر ، کدھر ، ظرفیت مکانی کو ظاہر کرتے ہیں اور اب ، جب جب ، جب کہ ، کب ، تب ، ابھی ، ابھی ابھی ، جبھی ، تبھی ، کبھی ، کبھی کبھی ، ظرفیت زمانی کو ۔

ان میں سے بعض حروف ۔ مثلاً جہاں ، جہاں جہاں ، جدھر ، جب وغیرہ حروف موصول و حروف شرط کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں ۔ جن حروف میں ک ہے وہ عام طور پر استفہام کے لیے بولے جاتے ہیں ۔ کہاں ، کہاں کہاں ، کدھر ، کب ، کب کب وغیرہ ۔ یاں اور واں عام طور پر نظم ہی میں استعمال ہوتے ہیں :

رات کے وقت مئے پیے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں

(غالب)

ہر روے شش جہت در آئینہ باز ہے
یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا

(غالب)

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا

(غالب)

حریف جوشش دریا نہیں خود داری ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعوئ ہوشیاری کا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

(غالب)

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعف دماغ
سر کرے ہے وہ حدیث زلف عنبر بار دوست
(غالب)

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار
(غالب)

کیا آبروے عشق جہاں عام ہو جفا
رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
(غالب)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
(غالب)

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
(غالب)

واں وہ غرور عز و ناز یاں یہ حجاب پاس وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں
(غالب)

حروف جواب یا ایجاب

کسی کے بلانے، پکارنے یا سوال کرنے پر جواب میں یا اعتراف یا اقرار کرنے میں جو حروف استعمال ہوتے ہیں وہ حروف جواب یا ایجاب کہلاتے ہیں۔ اردو میں استعمال ہونے والے عام حروف یہ ہیں :

ہاں، بھلا، جی ہاں، ہاں جی، جی، جی صاحب، جی ہاں، ہاں ہاں، بھلا[1]، اچھا، جی اچھا، ٹھیک، درست، صحیح، بجا، واقعی،

۱۔ انشا دریائے لطافت (ص ۱۸۳) میں لکھتے ہیں کہ " جی ہاں، باتکلف برائے تصدیق بہ مجبوری تمام" یہ صورت مجبوری کی دراصل جی ہاں سے نہیں بلکہ اس کے ادا کرنے کے لہجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور مجبوری سے زیادہ اس میں طنز کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔

کیوں نہیں ، کس واسطے ، کبھی کبھی بے شک ، بھی ان معنوں میں بولتے ہیں - اس میں اقرار کے ساتھ یقین کے معنی بھی شامل ہو جاتے ہیں - ہاں اور جی ندائے قریب کے جواب میں استعمال کرتے ہیں - بھلا عام طور پر ندائے بعید کے موقع پر بولتے ہیں - ہاں سوال کے جواب میں بھی آتا ہے ، اچھا اور بہت اچھا ، امر یا نہی کے قبول کے لیے بولے جاتے ہیں - ٹھیک ، واقعی ، درست بجا کہنے والے کے کلام یا قول کی تائید اور تصدیق کے لیے لاتے ہیں - کیوں ، نہیں ، کلام یا سوال کے منفی جواب میں آتا ہے اور نفی سے اقرار یا تائید کے معنی پیدا ہوتے ہیں - مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں ؟ ارواح نے جواب دیا کیوں نہیں -

مقدار کے حروف

مقدار کے حروف وہ ہیں جو کلام یا گفتگو میں اندازہ اور مقدار کے لیے استعمال کیے جائیں - اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے حروف مقدار حسب ذیل ہیں :

اتنا ، اُتنا ، کتنا ، جتنا ، اس قدر ، اُس قدر ، جس قدر ، کس قدر ، اسی قدر ، اسی قدر ، کسی قدر - اردو قدیم میں اتنا کی جگہ ایتا اور اتّا ، اُتّا بجائے اُتنا ، کتّا بجائے کتنا ، جتّا بجائے جتنا بولتے تھے - اب یہ عام طور پر متروک صورتیں ہیں لیکن بعض علاقوں میں اب بھی بعض اہل زبان گھروں میں روزمرہ گفتگو میں یہ استعمال کرتے ہیں - معیاری اور تحریری زبان میں یہ ترک ہو چکے ہیں - بعض اوقات یہ اور یہاں تک جو بھی مقدار کے معنوں کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں - مثلاً :

یہ انفعال گنہ سے میں آب آب ہوا
کہ میرا کاسۂ سر کاسۂ حباب ہوا

(مومن)

ہوں یہاں تک اے دل وحشی تہ افلاک تنگ
میں مثال مغز گویا دانۂ خردل میں ہوں

(مقتول)

آ گہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا
(غالب)

حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا
(غالب)

دل میں ذوق وصل و یاد یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
(غالب)

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زندان سمجھا
(غالب)

مشہد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا
کس قدر یا رب ہلاک حسرت پا بوس تھا
(غالب)

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گیا
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
(غالب)

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد
(غالب)

جیتا کوئی طبیعت کے کواڑ کھولے گا اس کتاب میں نین سو بات کیا بولے گا
اردوئے قدیم کی بعض مثالیں یہ ہیں :
(سب رس ، صفحہ ۱۰)

جاہلان جہالت پر جاتے جیتا سمجھائے بی حق پر نین آتے ۔
(سب رس ، صفحہ ۱۱)

جتے گن کار کرتے ہیں گن اس باغ میں تے لیں گے پھول چن چن ۔
(سب رس ، صفحہ ۱۳)

حروف استفہام

حروف استفہامیہ ایسے حروف ہیں جو سوال پوچھنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔ بعض قواعد نویسوں نے ان میں سے بعض حروف کو ضمائر استفہامیہ میں شمار کیا ہے ۔ کون اور کیا کو ضمیر استفہامیہ کہا گیا ہے ۔ اس کی بحث کسی قدر ضمیر کے تحت کی جا چکی ہے ۔ ان کے علاوہ آیا ، کیوں ، کاہے کو ، کیوں کر ، کس لیے ، کس واسطے ، کس طرح ، کس طرح سے ، کس لیے بھلا ، استفہام کے موقع پر بولے جاتے ہیں ۔ کیا نثر میں اکثر و بیشتر ابتدائے کلام میں آتا ہے ۔ مثلاً کیا وہ اب آئے گا ، لیکن ترتیب بدل دینے سے کیا استفہام کی بجائے شک و شبہ کا مفہوم پیدا کرتا ہے ، وہ اب کیا آئے گا ۔ بلکہ شک و شبہ اکثر نفی کے یقین سے بدل جاتا ہے ، یعنی وہ نہیں آئے گا ۔

بدگماں کاہے کو ہوتا آپ کا حسن غیور
ہم نے کیوں تصویر آنکھوں سے لگائی آپ کی

(حسرت موہانی)

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم و گرم
کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

(میر)

کیوں کر اس بت سے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

(غالب)

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر

(غالب)

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

(غالب)

یا رب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

(غالب)

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

(غالب)

کس طرح سے مانیے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

(میر)

حروف استفہام کے علاوہ اسمائے استفہام کون ، کس ، کتنا ، کتنے، کتنی ، کے، کیا ، کونسا ، کیسا ، کیسی ، کب ، کب کب ، کہاں ، کہاں کہاں ، کدھر ، کدھر کدھر ، بھی استفہام یا سوال پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں ، ان کی بحث اسم کے سلسلے میں کی جا چکی ہے ۔

بعض قواعد نویسوں نے استفہام کی قسموں سے بحث کی ہے ۔ مثلاً استفہام اقراری ۔ اگر یہ اس کی نادانی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے ؟ یعنی اس کی نادانی ہی کا نتیجہ ہے ۔ دراصل ایسی صورت کو استفہام نہیں کہنا چاہیے ۔ یہ کہنا درست ہے کہ کیا اسم استفہام ، استفہام کے علاوہ اور موقعوں پر بھی آسکتا ہے مثلاً اقرار کے لیے ۔ اسی طرح استفہام انکاری کب ۔

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح

یعنی نہیں رو سکے گا ۔ یہاں بھی یہی صورت ہے کہ کب علاوہ استفسار زمانہ کے بعض اوقات انکار یا نفی کے معنی بھی دیتا ہے ۔ استفہام استخباری ایسا استفہام ہے جس میں کسی بات یا شے کے متعلق کوئی خبر دریافت کی جائے ۔

زید کون شخص ہے ، تمھاری مٹھی میں کیا ہے ۔

کیا کے بعض بعض معنی اور ہیں ۔ مثلاً نفی کے معنی میں :

ہے کیا ضرور سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

مساوات یا برابری کے مفہوم میں - ایسی صورت میں جن دو اشیا میں مساوات ہو دونوں کے ساتھ کیا لاتے ہیں -

کیا امیر کیا غریب آخری ٹھکانہ سب کا گور ہے -

حقارت کے لیے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

(غالب)

تعجب کے لیے

کیا بلند مکان تھا -

ان معنوں میں تعجب کے علاوہ عظمت ، مبالغہ اور کثرت کے لیے بھی - اس زمانے کے بھی کیا رئیس تھے -

طنز کے لیے

واعظ نہ خود پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی

(غالب)

کبھی انکسار کے لیے

ہم کیا اور ہماری اوقات کیا

مثال کے حروف

حروف جو ایسے کلام کے ساتھ آئیں جو بطور مثال پیش ہو جیسے ، مثلاً دونوں حروف مثال ہیں -

تشبیہ کے حروف

جن حروف سے ایک شے کا دوسری شے جیسا ہونا ظاہر کیا جاتا ہے وہ حروف تشبیہہ کہلاتے ہیں - اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے حروف تشبیہہ یہ ہیں : سا ، کاسا ، ایسا ، جیسا ، ویسا (واحد مذکر اور مؤنث تمام صورتوں میں (مثلاً جیسا ، جیسے ، جیسی ، کاسا ، کے پہلے ، کی

سی وغیرہ) جوں کی مانند ، کی طرح ، گویا ، یوں ، اس طرح ، اسی طرح ، بعنیہ ، ہو بہو ، عین میں ، نظیر ، عدیل ، مقابل ، مشابہ ، برابر ، ساں ، آسا ۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے (میر)[۱]

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا
(غالب)

روکے کوئی سوار اسے کیا عنان کی طرح
عمر رواں تو جاتی ہے آب رواں کی طرح
(مصحفی[۲])

اس میں گو جل جائیں یا مر جائیں ہونا ہو سو ہو
چومنا منہ شعلہ رو کا ہم کو پروانے کی طرح
(مصحفی[۳])

کب کوئی مجھ سا ہے عاشق اس رخ پر نور کا
چاہیے موسیٰ سا پروانہ چراغ طور کا
(مصحفی)

کوئی مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر نغز گو و خوش گفتار (غالب)

سرخی رنگ شفق سے صاف ہوتا ہے عیاں
آسماں گویا ہے قارورہ کسی محرور کا
(مصحفی)

---

۱ ۔ میر کی اس غزل کی ردیف ہی کی سی ہے ۔
۲ ۔ مصحفی کی اس غزل کی ردیف ہی ''کی طرح ہے'' غزل میں چھ اشعار ہیں ، منقول از قلمی نسخہ کلیات مصحفی مملوکہ راقم ۔
۳ ۔ ایضاً ۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

(غالب)

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا (مومن)

اب تک نہ جہاں میں ہم نے دیکھا
تجھ سا کوئی کھلا ظالم

(مصحفی)

یوں کیا افسردہ حسن گل رخاں کو چرخ نے
گلشن تعمیر کے سٹ جائیں جیسے گھس کے پھول

(مصحفی)

سینۂ عاشق پہ ہیں یوں داغ ہجراں مصحفی
جس طرح مفلس سپاہی کی سپر پر مس کے پھول

(مصحفی)

مر جائیں گے اے باد صبا دور چمن سے
پر تیری طرح خاک اڑانے کے نہیں ہم

(مصحفی)

شمع آسا قصہ سوز دل اپنا ہے دراز
صبح کردیں گر کبھی چھیڑیں اس افسانے کو ہم

(مصحفی)

کب مثل روئے یار ہوا صاف روئے گل
شبنم نے کی چمن میں بہت شست و شوئے گل

(مصحفی)

برشکال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانند گل سودا سے دیوار چمن

مانند صبا پھرتے ہیں ہر ایک چمن میں
رکھتے نہیں ہیں خانہ کہ ہوں خانہ نشین ہم

(مصحفی)

سوز و گداز عشق کے ہاتھوں شب فراق
تا صبح شمع ساں مژۂ تر ہے اور ہم

(مصحفی)

ملا وجہی سب رس صفحہ ۱۶ میں فرماتے ہیں ۔

''عقل میں کاکوت ، جون ریشم میں سوت ، جون دودھ میں چھاچ ، جون پاچ میں کاچ ۔ جون شیرے میں میرا ، جون اجلے زیرے میں کالا زیرا ۔

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں
اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

(حالی)

ہوا پہ دوڑتا پھرتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

(سودا)

میں ہوں چکر میں لگی جس دن سے دنیا کی ہوا
حال میرا ہے بعنیہ آسیائے باد کا

(ذوق)

تاکید کے حروف

کلام میں زور پیدا کرنے اور اپنی بات کی تائید کرنے زور دینے ۔ اصرار کرنے کے موقع پر جو حروف استعمال کرتے ہیں وہ حروف تاکید ہیں ۔ اردو میں استعمال ہونے والے عام حروف تاکید یہ ہیں :

ضرور ، ضرور ضرور ، ضرور بالضرور ، مقرر ، ہرگز ، کبھی ، زنہار ، بھول کر ، کانوں کان ، مطلق ، مطلقاً ، اصلاً ، سب ، سب کے سب ، سب ہی ، تمام ، کل ، کلھم ، سراسر ، سراپا ، سرتاپا ، سر بسر ، بھر ، ہو بہو ، بعینہ ، عین میں ، آپ خود ۔ ان میں سے بعض حروف تاکید کے علاوہ اور مفاہیم بھی ادا کرتے ہیں ۔ مثلاً ہرگز اور زنہار میں تاکید کے ساتھ تنبیہ شامل ہے ۔ ضرور اور ضرور ضرور اور بالضرور میں تاکید کے ساتھ اقرار اور وعدہ بھی ہوتا ہے ۔ ہو بہو ، بعینہ ، عین مین ۔ میں تاکید کے ساتھ تشبیہ کا بھی مفہوم ہے ۔

ان حروف تاکید میں ہرگز ، کبھی ، زنہار ، بھول کر ، کانوں کان ، مطلق ، مطلقاً اور اصلاً صرف نفی کی تاکید کے لیے آتے ہیں ۔

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

(حالی)

اے تازہ وارد ان بساط ہوائے دل
زنہار اگر تمھیں ہوس ناؤ نوش ہے

(غالب)

مرے طالع کی وہ گردش ہے جس سے
فلک نے بھی قرار اصلا نہ پایا

(غالب)

باقی حروف کے استعمال کی مثالیں یہ ہیں : وہ ضرور آئے گا ، میں ضرور بالضرور اس سے ملوں گا ، میں مقرر اس کے گھر جاؤں گا ، سب آئیں گے ، سب ہی خاموش ہوگئے ، تمام چراغ گل ہوئے ، کلہم یہی سرمایہ ہے ، یہ سراسر جھوٹ ہے ، یہ سرتاپا غلط ہے ، یہ سر بسر دھوکا ہے ۔

قسم کے حروف

اپنے قول کی تاکید اور تائید کے لیے قسم کھا کر بات کہنے میں ۔ جو حروف اس قسم کے لیے آتے ہیں ، وہ حروف قسم ہیں ۔ قسم ، سوگند ، کی سوں ، الف ، بیے ، واؤ ، اردو میں قول قسم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں ۔

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

(غالب)

یاد ہوگا تجھ کو یاں آئے تھے ہم کس شان سے
تجھ کو سوگند اپنے ست جگ کی بتا ایمان سے

(غالب)

''واللہ تمھاری بات پانی بہت مشکل ہے'' ۔ (انشا ، دریائے لطافت ، صفحہ ۲۲۴) ۔

یہ واؤ صرف عربی لفظوں کے ساتھ آتا ہے۔ بائے مکسور عربی اور فارسی دونوں کے ساتھ۔ مثلاً باللہ لیکن اردو میں باللہ تنہا نہیں آتا ، بلکہ واللہ کے ساتھ مل کر واللہ باللہ استعمال کرتے ہیں۔

قسم بذات خدائے کہ ہے سمیع و بصیر
کہ مجھ سے حضرت شہ میں نہیں ہوئی تقصیر

کی سوں کا لفظ اب اردو میں متروک ہے اور ہمارے بچپن میں بڑی بوڑھیاں بولتی تھیں ، اسے عورتوں کی زبان سے مخصوص سمجھا جاتا تھا ، لیکن متقدمین کے یہاں اس کا استعمال عام ملتا ہے ۔ ملا وجہی (سب رس ، صفحہ ۱۵) فرماتے ہیں : ''جس میں کچھ انصاف اچھے گا مصحف کی سوں وو ہمنا بہوت مانے گا۔''

بول چال میں کی قسم کی جگہ اکثر صرف قسم بولتے ہیں ، یعنی خدا کی قسم کی بجائے خدا قسم وغیرہ۔

شمول و شرکت کے حروف

بھی اور نیز شرکت و شمول کے حروف ہیں اور اس موقع پر بولے جاتے ہیں جب ایک قول میں ایک سے زیادہ ذات کو شامل کریں۔ مثلاً احمد بھی آیا اور حامد بھی۔ کپڑا بھی مہنگا ہوا اور کھانا بھی۔ دین بھی گیا اور دنیا بھی۔ ایسے جملوں میں حروف عطف اور آتا ہے اور دوسرے ٹکڑے میں فعل کی تکرار نہیں کرتے ، بلکہ حذف کر دیتے ہیں۔ نیز فارسی ہے ، لیکن اردو میں بولنے میں کمتر اور تحریر میں عام ہے۔ کبھی ایک جملے میں نیز اور بھی دونوں لاتے ہیں اور ایسے موقع پر حرف عطف کو حذف کر دیتے ہیں ، کبھی شمول و شرکت میں پہلا جزو بھی حذف ہوتا ہے۔

بے پردگی بھی چاہ کا ہوتا ہے لازمہ
کھلتا ہی ہے ندان یہ اسرار عشق کا

(میر)

یعنی چاہ کے لوازم اور بھی ہوتے ہیں اور بے پردگی بھی۔

رہتا ہے ہڈیوں سے مرے جو ہما لگا
کچھ درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا

(میر)

یعنی ہما کے علاوہ اوروں کو بھی عاشقی کا مزہ لگا۔

یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اسی کو چاہتا ہوں
مجھے چاہیے ہے جس سے بہت احتراز کرنا

(میر)

جزا کے حروف

حروف شرط کے سلسلے میں لکھا جا چکا ہے کہ کلام مشروط کے لیے جو حروف لائے جاتے ہیں ان سے شرط عائد ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ وہ حروف جو جزا کے جملے پر آتے ہیں حروف جزا کہلاتے ہیں۔ اردو میں عام طور پر استعمال ہونے والے حروف یہ ہیں :

تو ، تب ، سو ، لیکن ، ولیکن ، ولے ، مگر ، پر ، یہ ، الا ، تو (بہ فتحہ) ، تو بھی ، پھر ، پھر تو ، پھر ، پھر بھی ، تاہم ، اس لیے ، اس واسطے ، اسی لیے ، اسی واسطے۔

تو ، اگر ، گر ، جو ، جب ، جب کہ ، کی جزا میں آتا ہے۔ تب اکثر ، جب کی جزا میں۔

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخئی کام و دہن کی آزمائش ہے

(غالب)

اتنا کہا تھا فرش تری رہ کے ہم ہوں کاش
سو تو نے مار مار کے آ کر بچھا دیا

(میر)

برسوں سے تو یوں ہے کہ گھٹا جب امنڈ آئی
تب دیدۂ تر سے بھی ہوا ایک جھڑا کا

(میر)

ہے کیمیا گران محبت میں قدر خاک
پر وقر کچھ نہیں ہے دل بے گداز کا

(میر)

سنتا نہیں اگرچہ ہمارا نگار بات
پر منہ پہ آ ہی جاتی ہے بے اختیار بات

(میر)

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات
پر ہم سے تو تھمی نہ کبھو منہ پر آئی بات

(میر)

کلمات قدوم و استقبال

کسی کے آنے کے وقت اس کا استقبال کرنے اور اظہار مسرت کے لیے جو کلمات استعمال ہوتے ہیں وہ کلمات قدوم ہیں ۔ مثلاً خیر مقدم ، خوش آمدید ، بسم اللہ ۔

بارک اللہ کہ در افشاں ہے تو اے ابر بہار
خیرمقدم کہ خراساں ہے تو اے باد شمال

(ذوق)

بعض اوقات آنے والے کے استقبال کے لیے بسم اللہ بسم اللہ تکرار کے ساتھ بھی استعمال کرتے ہیں ۔

تہنیت اور مبارک باد کے حروف

کسی خوشی کے موقع پر بطور دعا و مبارک باد جو کلمات استعمال ہوتے ہیں ۔ تہنیت اور مبارک باد کے کلمات ہیں ۔ مثلاً مبارک ، سلامت ، مبارک باد ۔ بعض اوقات ان کلمات کی تکرار بھی ہوتی ہے ۔ مثلاً مبارک مبارک ، سلامت سلامت ۔

جراحت تحفہ الماس ارمغان داغ جگر ہدیہ
مبارک باد اسد غم خوار جان درد مند آیا

(غالب)

علی الرغم دشمن شہید وفا ہوں
مبارک مبارک، سلامت سلامت (غالب)

کلمات رخصت

جو کلمات رخصت اور جدا ہوتے وقت استعمال ہوں کلمات رخصت کہلاتے ہیں ۔ مثلاً خدا حافظ ، اللہ نگہبان ، اللہ حافظ ، اللہ بیلی ، اللہ کے حوالے ۔

تزئین کلام کے حروف

وہ حروف جو کلام نظم و نثر میں کلام کی زینت اور خوبصورتی کے لیے لائے جاتے ہیں ۔ مثلاً بھلا ، بارے ، آخر ، ہاں ، اچھا ، بس ، تو ، بھی ، نہ سہی ، لے ، لو ، آؤ ، بلا سے ۔

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
(غالب)

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں
(غالب)

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی داد یاں
(غالب)

کوئی کہے کہ شب مہ میں کیا برائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
(غالب)

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا
(غالب)

کلمات خلاصۂ کلام

بات یا کلام کے خاتمے پر گفتگو یا تحریر میں کلام سابق کا خلاصہ

بیان کرنے کے لیے جو حروف استعمال ہوتے ہیں وہ کلمات خلاصۂ کلام ہیں ۔ اردو میں استعمال ہونے والے عام کلمات خلاصہ کلام یہ ہیں : غرض ، الغرض ، القصہ ، قصہ کوتاہ ، قصہ مختصر ، المختصر ، سخن کوتاہ ۔

غرض یہ ہے کہ تری خاک آستاں رہے
کہ اس کے رتبے کو ہرگز نہ پہونچے پھر اکسیر

(میر)

غرض اسپ ہے یا اچنبھا ہے میر
رہیں زیر راں اس کے ایسے ہزار

(میر)

الغرض منوا عبادت جاں سے ہے
نام اس دل کش کا منوا یاں سے ہے

(میر)

قصہ کوتہ موہنی آگے سوئی
یک قیامت جان پر اس بن ہوئی

(میر)

قصہ کوتاہ دن اپنے کھوتا ہوں
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

(میر)

باب دہم

اردو میں مشتق اور مرکب الفاظ

اردو اپنی ساخت کے اعتبار سے دنیا کی زبانوں کے اس خاندان سے تعلق رکھتی ہے جس کو ترکیبی یا AMALGAMATIVE قسم کہا جاتا ہے ۔ اس قسم کی زبانوں کی سب سے نمایاں خصوصیت اشتقاق ہے یعنی ایک لفظ سے دوسرے لفظ کا بنانا ۔ مصدر اور مشتق کی بحث میں ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ کلمات جن سے دوسرے کلمات بنائے جا سکیں مصدر کہلاتے ہیں اور جو کلمات اس طرح مصدر سے بنائے جائیں وہ مشتق ہوتے ہیں ۔ اس اشتقاق کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں ۔ مثلاً سابقوں اور لاحقوں کے استعمال سے ایک لفظ سے دوسرا لفظ ، ایک کلمے سے دوسرا کلمہ بنایا جا سکتا ہے ۔ ایسی صورت میں بھی کئی حالتیں ہو سکتی ہیں ۔ مثلاً ایک یہ کہ ایک کلمہ پر سابقہ یا لاحقہ لگا کر ایک نیا کلمہ مشتق کیا جائے ۔ لیکن اصل کلمے یا مادے میں کسی قسم کی اندرونی تبدیلی نہ ہو یعنی مادے کی اپنی شکل نہ بدلے ۔ اس قسم کی زبانیں تخلیطی یا (Agglutinative) کہلاتی ہیں اور منجملہ اور زبانوں کے ترکی اسی قسم کی ایک زبان ہے ۔ دوسری صورت میں سابقے اور لاحقے کا استعمال بھی ہوتا ہے ، خود اصل مصدر یا مادے کی ساخت میں بھی تبدیلی ہوتی ہے اور یہ دونوں عمل ایک ساتھ ہو سکتے ہیں ۔ ترکیبی اور اشتقاقی ساخت کی زبانیں اسی قسم کی ہیں ۔ اس خاندان میں آریائی اور سامی خاندانوں کی زبانیں شامل ہیں ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اردو میں مشتق کلمات کی ایک تعداد ایسے کلمات کی ہے جو مصدر یا اصل کلمے یا مادے کے ساتھ سابقے اور لاحقے کے استعمال سے بنائے جاتے ہیں ۔ یہ سابقے اور لاحقے کبھی یک حرفی کلمات ہوتے ہیں ، کبھی یک حرفی سے زیادہ ۔ بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ

ان کے الگ اپنے کوئی معنی نہیں ہوتے - ان میں معنی صرف اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب وہ کسی اور کلمے کے ساتھ بطور سابقہ یا لاحقہ استعمال ہوتے ہیں - ان کو جدید لسانیاتی اصطلاح میں تابع یا Bound Morpheme کہتے ہیں -

مثلاً ا کے الگ کوئی معنی نہیں لیکن کسی کلمے سے قبل بطور سابقہ آئے تو نفی کے معنی پیدا کرتا ہے - مثلاً اٹل ، اچل ، اٹوٹ وغیرہ - اس قسم کے بکثرت تابعات ہو سکتے ہیں جن کے معنی ایک ہی ہوں - مثلاً نفی کے ہی لیے آ کے علاوہ نَ ، نِر نر وغیرہ بھی آ سکتے ہیں - مثلاً ندیدہ ، نکما ، نراس وغیرہ - اسی طرح سابقے یا لاحقے کے طور پر استعمال ہونے والے ایک ہی تابع کے مختلف معنی ہو سکتے ہیں - مثلاً اردو میں یائے معروف تانیث کا بھی لاحقہ ہے اور اسم کیفیت کا بھی مثلاً لڑکی اور بھلائی میں یائے معروف کے لاحقے سے الگ الگ معنی پیدا ہوتے ہیں - ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ زبان کے ارتقا میں ایک دور ایسا تھا جب یہ توابع بھی اپنے مستقل معنی رکھتے تھے - ان کی صورت بھی بدل گئی اور مستقل معنی بھی زائل ہوگئے اور اب ان کی مستقل حیثیت کی جگہ تابع کی ہو کر رہ گئی ہے - دوسری قسم کے سابقے یا لاحقے ایسے ہوتے ہیں جن کے اپنے مستقل معنی بھی ہوتے ہیں اور وہ بطور سابقوں اور لاحقوں کے بھی استعمال ہوتے ہیں - دراصل اس صورت میں مشتق الفاظ کو مرکب الفاظ یا مرکب کلمات کہنا زیادہ مناسب ہوگا -

ذیل میں پہلے اردو کے بعض سابقے درج کیے جاتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ چند مثالیں بھی لکھی جاتی ہیں :

آ : ہند آریائی زبانوں کا بہت عام سابقہ ہے اور مختلف معنی پیدا کرتا ہے[۱] - ہندوستانی اور پاکستانی زبانوں اور بولیوں میں کلمے کے

---

۱ - مثلاً صرف انگریزی میں 'a' کے بارہ مختلف معنی بطور سابقہ استعمال کرنے سے پیدا ہوتے ہیں - دیکھیے :

An Etymological Dictionary of the English Language By Walter W. Skeat. Forth Edition University Press Oxford. Impression of 1958 Page 732.

ساتھ نفی کے معنی پیدا کرتا ہے ۔ مثلاً اٹل (نہ ٹلنے والا) ، اچل (نہ چلنے والا) ، اچھوتا ، اکارت ، اسٹ عام طور پر صرف پراکرتی الاصل کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔

از : فارسی بمعنی سے ، از حد ، از غیب ، از غیبیا ۔ یہ لفظ خاص اردو ہے ، بمعنی حرامی ۔

ان : یہ بھی ہند آریائی سابقہ ہے اور کئی معنی پیدا کرتا ہے ۔ اردو میں عام طور پر نفی کے معنی دیتا ہے اور بالعموم پراکرتی الاصل الفاظ کے ساتھ ہی آتا ہے ۔ مثلاً ان پڑھ ، انجان ، ان دیکھا ، ان گھڑ (یعنی بے یا بغیر گھڑا ہوا نا تراشیدہ) ، اندھا ، اندھیر ، اناڑی (بمقابلہ کھلاڑی) ۔

ان : مذکورہ بالا نفی کے علاوہ درمیان کے معنی بھی رکھتا ہے ۔ مثلاً اندر (بیچ میں ، درمیان) ، انتر ۔

با : اصلاً ہند آریائی اردو میں فارسی سے آیا اور عام طور پر ساتھ یا والا کے معنوں میں فارسی اور عربی کلمات کے ساتھ ہی آتا ہے ۔ مثلاً باوفا ، باخبر ، باضابطہ ، با اثر ۔

باز : فارسی سے آیا ۔ بمعنی پھر ، دوبارہ ، بالعموم فارسی الاصل کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔ باز دعویٰ ، باز پرس ، باز گشت ، بازیافت ۔

بر : فارسی بمعنی باہر ، اوپر ۔ برآمدہ ، برآمد ، برباد ، برپا ، برخاست ، برمحل ، برہم ، برداشت ۔

بل : فارسی بہ معنی بہت ۔ اردو میں صرف چند کلمات میں ملتا ہے ، جن میں بلہوس بہت عام ہے ۔ اہل زبان میں بعض نے بوالہوس بھی لکھا ہے ۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

(غالب)

اس صورت میں قیاس چاہتا ہے کہ اصلاً عربی ہے اور ابوالہوس کی

بدلی شکل یا تخفیف ہے - عربی میں یہ معنی موجود ہیں -

بن : پراکرتی ہے بہ معنی بغیر - بن بیاہا ، بن جتا -

بہ : پراکرتی بہ معنی بہت ، کثرت سے - بہروپ ، بہروپیا -

بے : ہند آریائی بمعنی - بغیر نفی کے معنوں میں اردو میں بہت عام ہے - عربی ، فارسی اور پراکرتی کلمات سب کے ساتھ آتا ہے - بے اختیار، بے اثر ، بے اولاد ، بے ایمان ، بے پردہ ، بے ٹھکانے ، بے ڈول ، بے ڈھنگا ، بے گھر -

پا : فارسی بمعنی پاؤں - پابوس ، پابوسی ، پاپوش ، پارکاب عام طور پر صرف فارسی کلمات کے ساتھ آتا ہے -

پائے : وہی معنی ہیں جو پا کے ہیں - پائے بند ، پائے تخت ، پائے دار ، پائے زار (پیزار ، جوتی) -

پاؤ : وہی معنی جو پا کے ہیں ، پاؤ زیب -

پچ : ہند آریائی پنچ فارسی اور پانچ اردو کا مخفف - پچ رنگا (پانچ رنگ والا) -

پار : پہلے والا ، گزرا ہوا - پار سال -

پر : ۱- اس سے پہلے والا ، پراکرتی الاصل - پر دادا ، پرسوں -

۲- غیر یا دوسرا ، پردیس ، پرایا ، پربال -

۳- دوبارہ ، پرتال (دوبارہ جانچنا) -

پار اور پر دونوں ہند آریائی ہیں - عام طور پر پراکرتی الاصل الفاظ کے ساتھ آتے ہیں - بعض فارسی کلمات کے ساتھ بھی - مثلاً سال ، رنگ وغیرہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں -

پر : فارسی بمعنی بھرا ہوا - پر جوش ، پرزور ، پر درد ، پر کار ، پرکاری عام طور پر فارسی کلمات کے ساتھ آتا ہے -

پس : فارسی بمعنی پیچھے - پس انداز ، پسپا ، پس ماندہ -

پن :   ۱- پراکرتی ، پانچ کا مخفف ، پن سیرا (باٹ وزن کرنے کا جس سے پانچ سیر کا وزن کیا جائے) ۔

پن :   ۲- پراکرتی ، پانی کا مخفف ، پن چکی ، پن بجلی (جو پانی سے مشین چلا کر حاصل کی جائے ، پن بھتہ (چاول بھات جو پانی ملا کر پتلا کر لیا جائے) ۔

پن :   ۳- پان کا مخفف ، پن کٹی ۔ وہ ظرف جس میں پان چھالیہ وغیرہ ملا کر کوٹا جائے ۔ بوڑھے جن کے دانت نہ ہوں اسی طرح استعمال کرتے ہیں ۔

پنچ :   فارسی و پراکرتی بمعنی پانچ ۔ پنچ روزہ ، پنچ عیبی (وہ گھوڑا جس میں پانچ عیب ہوں) ، پنچ شاخہ ، پنچ نوبت ، پنجاب ۔

پیش :   فارسی بمعنی سامنے اور آگے ۔ پیشانی ، پیش بندی ، پیش خدمت ، پیشگی ، پیشرو ، پیش کار ۔ عام طور پر فارسی کلمات کے ساتھ ہی آتا ہے ۔

ت :   پراکرتی الاصل تریہ ۔ یا تین کا مخفف ، تپائی ، تراہا ، تماہی ۔

تــر :   پراکرتی الاصل تریہ ۔ یاتین کا مخفف ترلوک ۔

ترپھلا (تین ، پھل ، ہڑ ، بھیڑا ، آملہ) ، عام طور پر یہ دونوں سابقے پراکرتی کلمات کے ساتھ آتے ہیں ۔

تــہ :   فارسی بمعنی نیچے تہبند (تہمند میں ب م سے بدل گیا ، تہمد بھی اسی کا مخفف ہوا) ۔ تہ خانہ ، تہ دار ، عام طور پر صرف فارسی کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔

چو :   پراکرتی بہ معنی چار ۔ چوپایہ ، چو پھل ، چوپڑ ، چوتھ ۔ بیشتر پراکرتی الفاظ کے ساتھ اور بعض فـارسی کلمات کے ساتھ بھی آتا ہے ۔

خرد :   فارسی بمعنی بڑا ۔ خرگوش ، خربوزہ ۔ صرف فارسی الفاظ کے ساتھ آتا ہے ۔

خـر : چھوٹا ، فارسی یہ بھی صرف فارسی الفاظ کے ساتھ آتا ہے ۔ خرد سال ، خرد بین ۔

خود : فارسی بمعنی آپ فارسی ۔ کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔ خود آرا ، خود پرست ، خود غرض ، خود مختار ، خود کار

خوش : فارسی ، اچھا ، خوب ، صرف فارسی کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔ خوش اسلوب ، خوش بیان ، خوش خط ، خوش نصیب وغیرہ ۔

در : پراکرتی ، خراب ، دربل (کمزور ، کم طاقت والا) ، درگت (خراب حالت) ۔

در : فارسی بمعنی اندر بیچ میں ۔ درپردہ ، درپے ، درپیش ، درکار ، درمیان ، درآمد ۔

دہ : فارسی بمعنی دس ، دہ چند ۔

دیـر : زیادہ وقت ، فارسی دیرپا ۔

زبـر : اوپر فارسی ، فارسی کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔ زبردست ، زبردستی ۔

زیـر : نیچے ، فارسی ۔ فارسی کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔ زیر بار ۔

زود : جلد فارسی ۔ فارسی کلمات کے ساتھ لاتے ہیں ۔ زود رنج ، زود نویس، زود ہضم ۔

س : پراکرتی الاصل ۔ اصلاً ہند آریائی بمعنی اچھا ، خوب ۔ سڈول (س + ڈول اچھے جسم والا) ، سلونا (س + لونا اچھے نمک والا) ، سہاگ (س + بھاگ اچھی قسمت) ، سہاگن (س + بھاگن خوش قسمت) ، سپوت (س + پوت اچھا بیٹا) ، سرنگ (س + رنگ اچھے رنگ والا) ۔ یہ کلمہ متقدمین کے یہاں بہت عام تھا ۔ سب رس میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے ، سدھار ، سنگھار ، سبھاؤ ۔

سر : فارسی بمعنی سر اور اوپر ۔ سر دھرا ، سرپرست ، سرمنڈا ، سرپوش ، سررشتہ دار ، سردار ، سرداری ، سرور ، سروری ۔ عام طور پر صرف فارسی الاصل کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔

سم : پراکرتی الاصل بمعنی پورا ، تمام اور مکمل ۔ خاص اردو کے بہت کم کلمات میں ملتا ہے ۔ موجودہ ہندی میں البتہ اس کا استعمال زیادہ ہونے لگا ہے ۔ ظاہر ہے خاص پراکرتی الاصل کلمات کے ساتھ ہی آتا ہے ۔ اردو میں ایک عام مثال سمانا یعنی کسی ظرف میں پورا آ جاتا ہے ۔

سہ : فارسی بمعنی تین ۔ اکثر صرف فارسی کلمات کے ساتھ بطور سابقہ آتا ہے ۔ سہ پہر ، سہ شنبہ ، سہ ماہی ، سہ گانہ ۔

شاہ : شہ ۔ فارسی ، بمعنی بڑا ۔ فارسی کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔ شہ رگ ، شہنائی (شہ نائی) ، شاہسوار ، شاہکار ، شہتیر ۔

شش : فارسی ، چھ فارسی کلمات میں آتا ہے ، شش جہت ۔

شیش : فارسی ، شیشہ کا مخفف ، شیش محل ۔

صاحب : اصلاً عربی ۔ فارسی اور اردو دونوں میں اصل معنوں کے علاوہ اور معنوں میں بھی آتا ہے ، یعنی مالک ، موصوف ، والا وغیرہ ۔ صاحب اختیار ، صاحب حکومت ، صاحب تخت ، صاحب قران ، صاحب کرامت ۔

صد : فارسی بمعنی سو ۔ اردو میں صرف چند کلمات میں جو فارسی ہیں ملتا ہے ۔ مثلاً صد برگ (گیندے کا پھول جس میں سیکڑوں پتیاں ہوتی ہیں) ۔

صدر : عربی ۔ اردو میں اعلیٰ کے معنوں میں آیا ہے ۔ صدر اعظم ، صدر نشین ، صدر مدرس ، صدر امین ۔

غیر : عربی الاصل ۔ عام طور پر صرف عربی فارسی کلمات کے ساتھ آتا ہے ۔ غیر متناہی ، غیر حاضر ، غیر ممکن ۔

بعض تراکیب عربی قواعد کی رو سے درست نہیں ۔ لیکن اہل اردو کا تصرف ہے اور اردو میں درست ہیں ۔ مثلاً غیر ضروری ۔

ک : پراکرتی الاصل بمعنی برا ، بد ، زشت ۔ کپوت (ک + پوت) ، کڈھب (ک + ڈھب) ، ککرم (ک + کرم ، برا کام) ،

ککرمی (ک + کرمی ۔ برا کام کرنے والا) ، کراہ (ک + راہ ، بری راہ پر چلنے والا) ۔

کل : کالا کا مخفف ۔ کلمہوا (کالے منہ والا ، منحوس) ، کلسرا (کالے سر والا) ۔

گل : فارسی بمعنی پھول ۔ گل کار ، گلفام ، گلبدن ، گلدار ، گلدم ، گلدان ، گل قند ۔

گل : گال کا مخفف ۔ گل تکیہ یعنی وہ تکیہ جو گالوں کے نیچے رکھا ہو گل مچھا ۔

گلو : فارسی گلوکار ، گلوکارہ ، گلوبند ۔

لا : عربی حرف نفی لاابالی ، لاپتہ ، لاپروا ، لاچار ، لاحال ، لازوال ، لاوارث ، لاعلاج ، لامکان وغیرہ ۔

عام طور پر عربی الفاظ کے ساتھ ملایا جاتا ہے لیکن بعض اوقات فارسی الفاظ کے ساتھ بھی آتا ہے ۔ مثلاً لاچار اور کمتر پراکرتی الفاظ کے ساتھ بھی ۔

لم : پراکرتی لمبا کا مخفف ۔ مثلاً لمڈور (ایک پرند جس کی لمبی دم ہوتی ہے) ، لم چوچ (آبی پرندہ جس کی چونچ لمبی ہوتی ہے) ، لم ٹنگا وغیرہ ۔

مہا : پراکرتی بمعنی بڑا ۔ مہا راجہ ، مہا پاپ ، مہا کام ، مہا بلی ، مہا بھارت ، مہاجن ، مہا راج ۔ عام طور پر پراکرتی الاصل الفاظ کے ساتھ ہی آتا ہے ۔

میر : عربی الاصل امیر کا مخفف بمعنی سردار ، افسر ۔ میر آتش ، میر آخور ، میر شکار وغیرہ ۔ عام طور پر صرف عربی فارسی الفاظ کے ساتھ لاتے ہیں ۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں اکثر عہدہ داروں کے عہدوں کے نام کے جزو کے طور پر بکثرت ملتا ہے ۔

نا : فارسی نفی ۔ نا آشنا ، نابالغ ، نابکار ، نا پسندیدہ ، نا خلف ، نا خوشی ، نا سمجھ ، ناراض ۔ عام طور پر فارسی الفاظ کے ساتھ

آتا ہے لیکن بعض پراکرتی الفاظ میں بھی لگا لیتے ہیں مثلاً نا سمجھ ۔

ن : پراکرتی نبختا ، نبل (کمزور) ، نڈر ، نڈھال ، نکما ، نگوڑا ، نہتا وغیرہ ۔ عام طور پر صرف پراکرتی الاصل الفاظ کے ساتھ لاتے ہیں لیکن اکثر فارسی کے ساتھ بھی آیا ہے ۔ مثلاً نبختا بمعنی کم‌بخت یا بدنصیب ۔

ہر : فارسی ۔ ہرجائی ، ہرجا ، ہر جگہ ، ہرکارہ وغیرہ ۔

ہزار : فارسی ۔ عام طور پر فارسی الفاظ کے ساتھ لاتے ہیں ۔ ہزار چشم ، ہزار داستان ۔

ہشت : فارسی ۔ اصلاً آریائی اشٹا (آٹھ) ہشت بہشت ، ہشت پہلو ۔

ہفت : فارسی آریائی سپت (سات) ، ہفت اقلیم ، ہفت اندام ، ہفت خوان ، ہفت ہزاری ۔

ہم : فارسی ، بمعنی ساتھ ، برابر ۔ ہم آغوش ، ہم پلہ ، ہم پہلو ، ہم پیالہ ، ہم ذات ، ہم زاد ، ہم زبان ، ہم زلف ، ہمشیرہ ، ہم کلام ، ہم مکتب ، ہم وطن ۔

ہمہ : فارسی سب تمام ۔ ہمہ دان ، ہمہ گیر ۔

یک : فارسی ایک ۔ یکبار ، یکبارگی ، یک جان ، یک جا ، یک سو ، یک طرفہ ، یک مشت ۔

ان سابقوں کے علاوہ جو پراکرتی ، فارسی اور عربی الاصل ہیں عربی کے اسم اشارہ ذو اور ذی کو بھی بعض تراکیب میں عربی الفاظ کے ساتھ اور کمتر فارسی کے بعض الفاظ کے ساتھ بطور سابقہ استعمال کیا جاتا ہے ۔ مثلاً ذو معنی ، ذو فنون ، ذی اختیار ، ذی عزت ، ذی عقل ، ذی مقدور ، ذی ہوش ۔

کبھی تو مشتق الفاظ بنانے میں صرف سابقہ لگاتے ہیں اور کبھی صرف لاحقہ اور کبھی سابقہ اور لاحقہ دونوں لگاتے ہیں ۔ اس طرح ظاہر ہے اردو میں مشتقات بنانے کے بڑے امکان ہیں ۔ اہل زبان کا عام اصول یہ ہے

کہ سابقہ جس زبان یا بولی کا ہو اسی زبان یا بولی کے الفاظ کے ساتھ لاتے ہیں لیکن بکثرت مثالیں اس اصول سے انحراف کی بھی ملتی ہیں ۔ اس کا کوئی قاعدہ یا کلیہ نہیں ، سوائے اس کے کہ جو ترکیب اپنی صوتی ساخت میں ایسی ہو کہ سننے والے کو ناگوار گزرے ، ظاہر ہے وہ زبان قبول نہیں کرے گی ۔ باقی جس ترکیب کو زبان قبول کرے وہ صحیح اور درست قرار پائے گی ۔

فصاحت اور بلاغت کا بھی بنیادی اصول یہی ہے ۔ ہاں اس قسم کے تصرفات کے لیے یا اضافوں اور نئے مشتقات کے لیے تصرف کرنے والے یا اضافہ کرنے والے اہل زبان کے نزدیک معتبر ہوں ۔ ہر شخص کو چاہیے وہ اہل زبان ہی کیوں نہ ہو ایسے تصرف کے لیے آزاد نہیں سمجھا جا سکتا ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے تصرف کی مماثل مثالیں پہلے سے زبان میں موجود ہوں ۔ ان اضافوں اور مشتقات کے بعد نئے مرکب اور مشتق لفظوں میں معانی کا بھی خاص تغیر ہو جاتا ہے اور ان معنوں کو محض سابقے اور مصدر کے معنوں کا مجموعہ سمجھنا چاہیے ۔

اردو لاحقے

اردو کا مزاج لاحقوں کے استعمال کے باب میں بھی ویسا ہی ہے جیسا سابقوں کے سلسلے میں - یعنی بنیادی طور پر آریائی زبانوں کی یہ خصوصیت اس میں قدم قدم پر ملتی ہے اور سابقوں کی طرح قدیم ہند آریائی ، پراکرتی ، فارسی ، عربی ، ترکی ہر قسم کے لاحقے استعمال ہوتے ہیں - سابقوں کی بحث سے یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ اگرچہ اردو میں انگریزی زبان کے الفاظ بکثرت بطور مستعار یا دخیل الفاظ کے استعمال ہوتے ہیں ، لیکن ایک بھی سابقہ انگریزی کا اردو کے کسی لفظ کے ساتھ نہیں ملتا - اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اردو پر انگریزی کا اثر اس وقت شروع ہوا - جب اردو زبان کی ساخت ، اس کا مزاج اور کینڈا بڑی حد تک متعین ہو چکا تھا اور اس کے قواعد صرف و نحو اور اس کے لغات کی ترتیب و تدوین ہو چکی تھی - زبان اپنی ارتقا میں جب ترقی کی اس منزل میں داخل ہوتی ہے تو اس میں تبدیلیوں کی رفتار سست ہوتی ہے - اس سے پہلے جب تک کوئی بولی ارتقا کے ابتدائی منازل طے کرتی ہے اس طرح کی تبدیلیوں کی ضرورت بھی زیادہ ہوتی ہے اور چونکہ اس وقت تک زبان کی صحت اور درستی کا کوئی معیار بھی واضح اور متعین نہیں ہوتا یا بالفاظ دیگر زبان ٹکسالی نہیں ہوتی ، اس وقت اس میں تصرفات کو رد کرنے کی بھی کوئی قوی دلیل نہیں ہوتی - اردو کی نشو و نما میں پراکرتی دور کے آخر سے شروع ہوکر مغلوں کے دور آخر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور مغلوں کے دور آخر میں یہ ارتقا اس منزل تک پہنچ گئی اور اردو کا بنیادی ڈھانچہ مکمل ہوگیا - اس کا مطلب یہ ہوا کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر نصف حصے میں اردو ایک مکمل زبان بن چکی تھی - یہی سبب ہے کہ اس دور سے پہلے اردو کے شعراء اور مصنفین اپنی تخلیقات کو فارسی کے مقابلے میں حقیر جانتے تھے اور اظہار کمال کے لیے فارسی کو اختیار کرتے تھے ، ان کا انداز معذرت اور عذر خواہی کا سا

ہوتا ہے ۔ لیکن اس دور میں آ کر ان میں خود اعتمادی پیدا ہوئی ہے اور اردو فارسی کے مقابلے میں اپنی حیثیت اور اہمیت کی دعوے دار بن کر سامنے آتی ہے ۔ تھوڑے ہی عرصے میں یعنی انیسویں صدی کے آغاز سے اردو میں علمی تصانیف کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے ۔ مختلف علوم و فنون پر کتابوں کی تالیف و تصنیف ہونے لگتی ہے ، علمی اور فنی اصطلاحات بننے لگتی ہیں ۔ اردو دفتروں ، عدالتوں اور کاروبار میں جگہ پاتی ہے ، اردو میں اخبار اور رسالے نکلنے لگتے ہیں ۔ غرض زبان اپنے مکمل اور بھرپور روپ میں نظر آتی ہے ۔

لاحقوں کے سلسلے میں ایک بات یہ دلچسپ ہے کہ سابقوں کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ چونکہ اب تک اردو زبان کے سلسلے میں شماریاتی تحقیق کا کام بہت کم ہوا ہے ، اس لیے لاحقوں اور سابقوں کی تعداد کا تناسب متعین کرنا مشکل ہے ۔ لیکن ہمارے شماریاتی تجزیے کی بنا پر یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سابقوں کے مقابلہ میں لاحقوں کی تعداد بہت، زیادہ ہوتی ہے ۔ سابقوں کی طرح لاحقے بھی دو طرح کے ہیں : ایک مستقل اور بامعنی الفاظ جو الگ اور انفرادی حیثیت سے بھی بامعنی ہوتے ہیں ۔ ان کو لاحقوں میں اس لیے شمار کرتے ہیں کہ ان کے ملانے سے مشتق لفظ صرف ذو معانی کلمات کا مرکب نہیں بنتا ، بلکہ معانی میں تصرف ، تغیر اور تبدل بھی ہوتا ہے ۔ سابقوں کی طرح لاحقوں میں بھی بالعموم اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ جس زبان کا لاحقہ ہو ، جہاں تک ہو سکے اسی زبان کے الفاظ کے ساتھ اسے لایا جائے ، لیکن اس میں بھی سابقوں کی طرح استثنا بہت ہوتا ہے اور عربی فارسی لاحقے اکثر پراکرتی الفاظ کے ساتھ بھی استعمال کر لیے جاتے ہیں ، اردو کے کثیرالاستعمال لاحقوں کی فہرست یہ ہے :

ا : پرا کرتی اردو میں آلات ، اوزار (عربی اسم آلہ) کے معنی دیتا ہے ۔ مصدر سے علامت مصدر دور کرنے کے بعد مادہ پر ا لگاتے ہیں ۔ مثلاً جھولنا سے جھولا ، پھوڑنا (پھاوڑا) ۔

ا : پراکرتی اردو میں تصغیر کی علامت کے لیے لونڈی سے لونڈیا ۔

ا : پراکرتی اردو میں حاصل مصدر کی علامت کے لیے لاتے ہیں ۔ جھگڑنا سے جھگڑا ، چھاپنا سے چھاپا ۔

ا : پراکرتی علامت صفت سیل سے سیلا ، بھوک سے بھوکا ، نیل سے نیلا ، گیرو سے گیروا ۔

ا : پراکرتی علامت فاعل اچکنا سے اچکا ، جوتنا سے جوتا ، کھودنا سے کھودا (گھس کھدا) ۔

ا : پراکرتی علامت مفعول ۔ اتارنا سے اتارا (صدقہ) ، گھولنا سے گھولا ۔

ا : پراکرتی علامت ظرف مکانی اتارنا سے اتارا ۔

ا : فارسی اردو میں فارسی الفاظ میں بطور علامت فاعل ۔ دانا ، بینا ، جویا ، گویا ۔

آباد : فارسی اسم ظرف مکان شہروں اور محلوں کے نام کا جزو ثانی ۔ مثلاً حیدرآباد ، ناظم آباد ۔

آب : فارسی بمعنی پانی ۔ برفاب ، خوشاب ، زہراب ، سیراب ۔

اپ : پراکرتی اردو میں حاصل مصدر کی علامت ۔ ملنا سے ملاپ ۔

اپا : پراکرتی حاصل مصدر کی علامت ۔ پوجنا یا پجنا سے پجانا ، جلنا سے جلاپا ۔

اپا : پراکرتی علامت اسمیت بہن سے بہناپا ، رانڈ سے رنڈاپا ، سوت سے سوتاپا ، بوڑھا سے بڑھاپا ۔

ات : پراکرتی علامت اسمیت ۔ برسنا سے برسات ۔

ات : عربی علامت جمع عام طور پر صرف عربی الفاظ کی جمع ات سے بناتے ہیں ، لیکن بعض فارسی الفاظ یا ترکی الفاظ کی جمع بھی ات سے بنائی جاتی ہے ۔ مثلاً بیگم ترکی لفظ ہے ، جس کے اصلی معنی میرے سردار کے ہیں ، اردو میں معنی بدل گئے ۔ جمع بیگمات لاتے ہیں ۔ معلومات ، فتوحات ، تحقیقات ، موجودات ۔

اٹا : پراکرتی علامت اسمیت ، سناٹا ، خراٹا ۔

ار : پراکرتی وصفیت عام طور پر اردو میں پیشہ وروں کے نام کا جزو ثانی ۔ سونا سے سنار ، لوہا سے لوہار ، چام (چمڑا) سے چمار ، وصفیت کی مثال ۔ گانوں سے گنوار ۔

ار : پراکرتی ظرف مکان کی علامت ۔ لونا ر (لون ۔ نمک بنانے کی جگہ) ۔

ار : فارسی اسمیت ظاہر کرنے کے لیے فارسی الفاظ کے ساتھ ۔ گفتار ، کردار ، دیدار ۔

ار : فارسی فاعلیت کی علامت ۔ خریدار ، نمودار ، پرستار ۔

ارا : پراکرتی وصفیت کے لیے نیز اردو میں بعض پیشہ وروں کے نام کا جزو ثانی ۔ بنجارا (بنج) ، بیوپار (تجارت) ، بھٹیارا (بھٹی یا چولہا) ۔

ارا : پراکرتی اسمیت کی علامت ۔ بھپارا ، پچارا ۔

آرا : فارسی ، فارسی فاعلیت کی علامت عام طور پر صرف فارسی الفاظ کے ساتھ ۔ انجمن آرا ، جہاں آرا ، معرکہ آرا ۔

آرام : فارسی ۔ دل آرام ۔

ارت : پراکرتی علامت اسمیت ۔ سگارت (رشتہ داری) ۔

اری : پراکرتی علامت وصفیت ۔ پجاری ، بھکاری ، شکاری ۔

اڑ : پراکرتی اسمیت کی علامت ۔ پچھاڑ (نیز پچھاڑی) ۔

اڑ : پراکرتی وصفیت کی علامت ۔ کھلاڑ (نیز کھلاڑی) ۔

اڑی : پراکرتی اسمیت کی علامت ۔ اگاڑی ، پچھاڑی ۔

اڑی : پراکرتی وصفیت کی علامت ۔ کھلاڑی ، اناڑی ۔

ازار : فارسی مصدر آزردن سے علامت فاعلیت عام طور پر فارسی الفاظ کے ساتھ دل آزار ، مردم آزار ۔

آزاری : دل آزاری ، مردم آزاری ۔

آزما : فارسی آزمودن ۔ آزمانا ، زور آزما ، قسمت آزما ، علامت فاعلیت ۔

آزمائی : قسمت آزمائی ، جنگ آزمائی ، طبع آزمائی ۔

اس : پراکرتی علامت حاصل مصدر ۔ پیاس ، ہگاس ، متاس ۔

اس : پراکرتی علامت کیفیت ۔ مٹھاس ، کھٹاس ۔

اسا : فارسی آسودن دلاسا ۔

آشام : فارسی آشامیدن علامت فاعلیت ۔ خون آشام ، مے آشام ۔

آشامی : علامت کیفیت و اسمیت مے آشامی ۔

آشوب : فارسی آشفتن پریشان کرنا ، شہر آشوب ۔

آفرین : فارسی آفریدن پیدا کرنا اسم فاعل ۔ جہاں آفریں ، جاں آفریں ، نکتہ آفریں ، سخن آفریں ۔

آفرینی : نکتہ آفرینی ، سخن آفرینی ۔

افراز : فارسی افراختن بلند کرنا ، سرفراز کرنا ، علامت فاعل ۔

افرازی : سرافرازی (نیز سرفرازی) ۔

افروز : افروزی ، فارسی افروختن ، روشن کرنا ۔ علامت فاعل ۔ دل افروز ، رونق افروز ، رونق افروزی ۔

افزا : افزائی ، افزودن ، فارسی ۔ بڑھانا علامت فاعل ، روح افزا ۔ علامت اسمیت ہمت افزائی ۔

افشار : فشردن فارسی دبانا نچوڑنا ۔ جگر افشار ۔

افشان : فارسی افشاندن چھڑکنا ۔ نور افشاں ، عنبر افشاں ، خون افشاں ۔

افگن : افگنی ، فارسی افگندن ، گرانا ، ڈالنا ، پھینکنا ، شیر افگن ، سایہ افگن ۔

اک : فارسی علامت حاصل مصدر خوراک (خوردن سے) ، پوشاک ۔

اک : پراکرتی وصفیت ۔ لڑاک ، پیراک ، تیراک ، چالاک ۔

اکا : پراکرتی وصفیت ۔ لڑاکا ۔

اکا : پراکرتی اسمیت ۔ کھڑاکا ، دھماکا ۔

آگاہ : فارسی ۔ آگاہیدن خبردار ہونا ۔ خدا آگاہ ، حود آگاہ ، حقیقت آگاہ ۔

آگین : فارسی بھرا ہوا ۔ عطر آگین ، عنبر آگین ۔

ال : پراکرتی ۔ ظرف مکانی ۔ سسرال ، ننھیال ، ددھیال ۔

ال : پراکرتی اسمیت ، دھمال (نیز فاعلیت) ۔

ال : پراکرتی ، وصفیت ، گھڑیال ۔

الا : پراکرتی ، وصفیت ، مٹیالا ، کوڑیالا ۔

الو : پراکرتی وصفیت ، شرمالو ، لجالو ، جھگڑالو ۔

آلودہ : فارسی آلودن ، وصفیت ، خون آلودہ ، زنگ آلودہ ، قہر آلودہ ، خشم آلودہ ، خواب آلودہ ۔

الہ : پراکرتی طرفیت مکانی ۔ ہمالہ (ہم برف + آلہ) ، شوالہ (شیو = دیوتا + آلہ) ۔

ایی : (نیز ایلی) پراکرتی ۔ تصغیر ، کونڈالی (نیز کونڈیلی) ، کونڈا سے ۔

الی : پراکرتی ۔ ظرفیت مکانی ۔ ستالی (گھوڑوں کے پیشاب کرنے کی جگہ) ۔

الی : پراکرتی ۔ وصفیت ، ڈفالی ۔

ام : پراکرتی وصفیت ۔ پھولام (پھول + ام ۔ پھولدار کپڑا) ۔

آما : آمودن فارسی بھرنا ۔ گوہر آما ۔ اردو میں بہت کم مستعمل ہے ۔

آموز : فارسی آموختن ۔ سیکھنا ، سکھانا ، ادب آموز ، مصلحت آموز ، عبرت آموز ۔

آمیز : فارسی آمیختن ، ملانا ، درد آمیز ، مصلحت آمیز ۔

ان : پراکرتی لاحقۂ جمع ۔ ان اسما کے لیے جن کے آخر میں ی ہو ۔ مثلاً کرسیاں ، سیڑھیاں ، اردوئے قدیم میں یہ پابندی نہ تھی اور

صورت کی جمع صورتاں ، مورت کی جمع مورتاں بھی لاتے تھے ۔

ان : پراکرتی ، ظرفیت مکانی ، ڈھلان ، چڑھان ، دھیان ۔

ان : پراکرتی ، علامت حاصل مصدر ۔ اٹھان ، اڑان ، لگان ، تھکان ۔

انا : پراکرتی متعدی مصادر کی علامت ۔ چلانا (چلنا سے) ، اٹھانا (اٹھنا سے) ، گرانا (گرنا) ۔

اند : پراکرتی ۔ اسمیت و کیفیت ظاہر کرنے کے لیے خاص طور پر بو ظاہر کرنے کے لیے ۔ سڑاند ، بسَاند ، بساند ، کچاند ، ہراند ، گوشاند (گوشت کی بو) ، لاحقہ سے پہلے صفت یا اسم میں تخفیف صوتی کا عمل بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً کچا کی تشدید غائب ہو کر صرف چ رہ جاتا ہے ۔ گوشت میں واؤ کی بھی تخفیف ہوتی ہے اور آخری ت بھی حذف ہو جاتی ہے جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے ۔ صفت اور اسم دونوں کے ساتھ یہ لاحقہ آ سکتا ہے اور پراکرتی الفاظ کے ساتھ ہی آتا ہے ۔

انداز : فارسی ، مصدر انداختن ۔ ڈالنا ۔ امر انداز ۔ بطور لاحقہ آنے سے فاعل کے معنی دیتا ہے ۔ مثلاً تیر انداز (تیر پھینکنے والا) ، دست انداز (ہاتھ ڈالنے والا ۔ دخل دینے والا) عام طور پر فارسی الفاظ کے ساتھ ہی آ سکتا ہے ۔

اندوز : فارسی ۔ اندوختن مصدر ۔ اندوز امر ، جمع کرنا ، زر اندوز ۔

اندیش : فارسی ۔ اندیشیدن مصدر سے امر بہ معنی سوچنا ، دور اندیش ، خیر اندیش ۔

انگار : فارسی ، انگاردن ، سوچنا ، انگار امر ۔ سہل انگار ۔

انگیز : فارسی ، انگیختن مصدر ، ابھارنا ۔ نکالنا ، اکسانا ۔ درد انگیز ، تعجب انگیز ۔

انہ : پراکرتی ظرف مکان کا لاحقہ ۔ سمدھیانہ ، سرہانہ ۔

انہ : فارسی علامت اسم آلہ ۔ انگشتانہ ، دستانہ ۔

انہ : فارسی علامت وصف ۔ مردانہ ، زنانہ ۔

انہ : فارسی علامت اسمی ۔ یارانہ ، دوستانہ ۔

انہ : فارسی اسم معاوضہ ۔ محنتانہ ، منشیانہ ، بیعانہ ، جرمانہ ، طلبانہ ، نذرانہ ۔

انی : عربی علامت وصف ۔ روحانی ، جسمانی ، طولانی ، ہندوستانی ، پاکستانی ، برفانی ۔

انی : پراکرتی ۔ بعض اسما کے ساتھ علامت تانیث ۔ مہترانی ، مغلانی ، دیورانی ، جٹھانی ، پٹھانی ۔

آؤ : پراکرتی ۔ اسم ظرف مکانی ۔ پیاؤ ۔

آؤ : پراکرتی ۔ اسم ظرف مکانی ۔ پڑاؤ ۔

آؤ : پراکرتی ۔ علامت حاصل مصدر ۔ چڑھاؤ ، جھکاؤ ، ٹھہراؤ ، بہاؤ ۔

آؤ : پراکرتی ۔ علامت فاعلیت ۔ برساؤ ۔

آؤ : پراکرتی ۔ علاوت وصفیت ۔ ڈباؤ ، بکاؤ ۔

آؤ : پراکرتی ۔ علامت مفعولیت ۔ جڑاؤ ۔

اوا : پراکرتی ۔ علامت فاعلی ۔ چھلاوا ۔

اوت : پراکرتی ۔ علامت حاصل مصدر ۔ کہاوت ۔

اوٹ : پراکرتی ۔ علامت حاصل مصدر ۔ سجاوٹ ، بناوٹ ، رکاوٹ ، ملاوٹ ۔

آور : فارسی مصدر آوردن سے امر ہے ، لیکن اکثر لاحقہ معنی صفت کے پیدا کرتا ہے ۔ مثلاً زور آور ، جنگ آور ، دلاور ، حملہ آور ۔

اور : پراکرتی ۔ علامت وصفیت ۔ دساور (دیس سے پردیس کو جانے والا مال) ۔

آول : پراکرتی ۔ علامت اسمیت ۔ جڑاول ، ہریاول ۔

آؤنا : پراکرتی ۔ وصفیت ۔ گھناؤنا ، ڈراؤنا ۔

آویز : فارسی ۔ مصدر آویختن لٹکانا ۔ امر آویز ، دلاویز ، دستاویز ۔

آہٹ : پراکرتی ۔ اسمیت کا لاحقہ ۔ اچپلاہٹ ، آہٹ ۔

ائی : پراکرتی ۔ وصفیت اگرئی (اگر کے رنگ کا) ۔

ائی : پراکرتی ۔ اسمیت ۔ بھٹی ۔

ائی : پراکرتی ۔ لاحقہ اسم معاوضہ ۔ بٹائی ، دھلائی ۔

آیا : پراکرتی ۔ وصفیت ۔ پچھایا ۔

آیت : پراکرتی اسمیت ۔ پنچایت ۔

آین : پراکرتی علامت تانیث ۔ پنڈتاین ، چودھراین ۔

آئی : پراکرتی اسمیت ۔ اکائی ، بریائی ۔

آئی : پراکرتی ۔ علامت حاصل مصدر ۔ اترائی ، چڑھائی ، لکھائی ۔

آئیل : پراکرتی ۔ علامت وصفیت ۔ ریشائل (ریش والا) ۔

یہ مثالیں صرف بطور نمونہ الف سے شروع ہونے والے لاحقوں کی ہیں ۔ اردو لاحقوں کی تعداد بے شمار ہے اور مختلف کتابوں میں ان کی فہرستیں موجود ہیں ۔ ایک اچھا ماخذ وحید الدین سلیم پانی پتی کی وضع اصطلاحات[۱] ہے جس سے اس فہرست کی اکثر مثالیں لی گئی ہیں ۔

---

۱ ۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو ۔ پاکستان ۔

اشاریہ

(مباحث و موضوعات ، اسماء الرجال و کتب)

(ع)

(غ)

(ف)

(ق)

(ک)

سنسکرت سے جس طرح پراکرتوں میں بدلی ہوئی صورت میں ملتے ہیں وہی اس زبان کا ماخذ ہیں - اُردوئے قدیم کی شکل ہندوی یا ہندی ہے ، یہ پراکرتی عناصر خاصے نمایاں ہیں - آج بھی عام قاری قدیم پنجابی ، قدیم دکھنی ، قدیم گجراتی کے ان نمونوں کو جو در اصل ہندوی یا ہندی ہیں ، پڑھتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ ان میں ہندی الفاظ کی کثرت ہے اور ان معنوں میں ہندی سے ان کی مراد وہ زبان ہوتی ہے جو اب ہندوستان کی سرکاری ہندی زبان ہے - زبان تو در اصل یہ وہی ہندوی یا ہندی ہے جو اُردو کی اصل ہندوی یا ہندی ہے اور اس کے اور اُردو کے قواعد صرف و نحو میں فرق نہیں ہے - اس دور کا آغاز اس ملی جلی زبان سے ہوتا ہے جو نصف فارسی ہے یعنی جس میں پراکرتی عناصر اور عربی و فارسی عناصر کی آمیزش ایسی نہیں ہے جسے یک جان کہہ سکیں - اس کے بعد ان عناصر کی باہمی آمیزش سے ایک گوارا زبان کی صورت ابھرنے لگتی ہے اور یہ صورت کم و بیش اس عہد تک جاری رہتی ہے جب اُردوئے معلیٰ شاہجہاں آباد کا محاورہ مستند اور معیاری قرار پاتا ہے - اس طرح اس دور کی آخری حد دکن کے اس دور تک پہنچتی ہے جہاں ولی کا کلام ہمارے سامنے آتا ہے اور اس اعتبار سے ولی کے کلام کو ہندوی کے دور قدیم کی آخری کڑی اور دور اُردوئے معلیٰ کا پہلا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے -

صفحات : ۵۶۴

قیمت : [illegible]

اردو مترادفات

مصنف : احسان دانش
صفحات : ۲۶۷
قیمت : دس روپے

اُردو زبان میں ایک عرصے سے ایسی لغت کی بے حد ضرورت تھی - جس میں الفاظ کے معانی کی بجائے ان کے مترادفات درج ہوں اور جنہیں ادیب ، شاعر ، مقرر اور صحافی بالخصوص اور تحریر و تقریر سے دلچسپی رکھنے والے بالعموم ایک رہنما اور حوالے کی کتاب کے طور پر استعمال کر سکیں -

معروف اور عام استعمال میں آنے والے الفاظ کو 'رہنما الفاظ' تسلیم کر کے ان کے سامنے ہم معنی الفاظ درج کر دیے گئے ہیں - اور مرکزی لفظ سے بننے والی تراکیب بھی مترادفات کے بعد درج کر دی گئی ہیں - تاکہ موقع و محل کے مطابق محرر یا مقرر کو اظہار بیان کے لیے مناسب تراکیب میسر آ سکیں اور وہ اپنی تحریر یا تقریر کے تقاضوں کے مطابق صحیح ترکیب استعمال کر سکے - تراکیب کے علاوہ عام استعمال میں آنے والی اصطلاحات اور دیگر اصناف علم بھی متن میں درج کر دی گئی ہیں -

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے نہ صرف اردو زبان میں اس نوعیت کی کوئی جامع اور مبسوط لغت آج تک شائع نہیں ہوئی بلکہ مترادف الفاظ کی ایسی شیرازہ بندی بھی دیکھنے میں نہیں آئی - یہ لغت اپنی جگہ کس قدر مفید اور اہم ہے اس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں ایسی کتاب کی برسوں سے آرزو تھی -

مرکزی اردو بورڈ

طباعت سرورق رہبر پریس لمیٹڈ ، لاہور